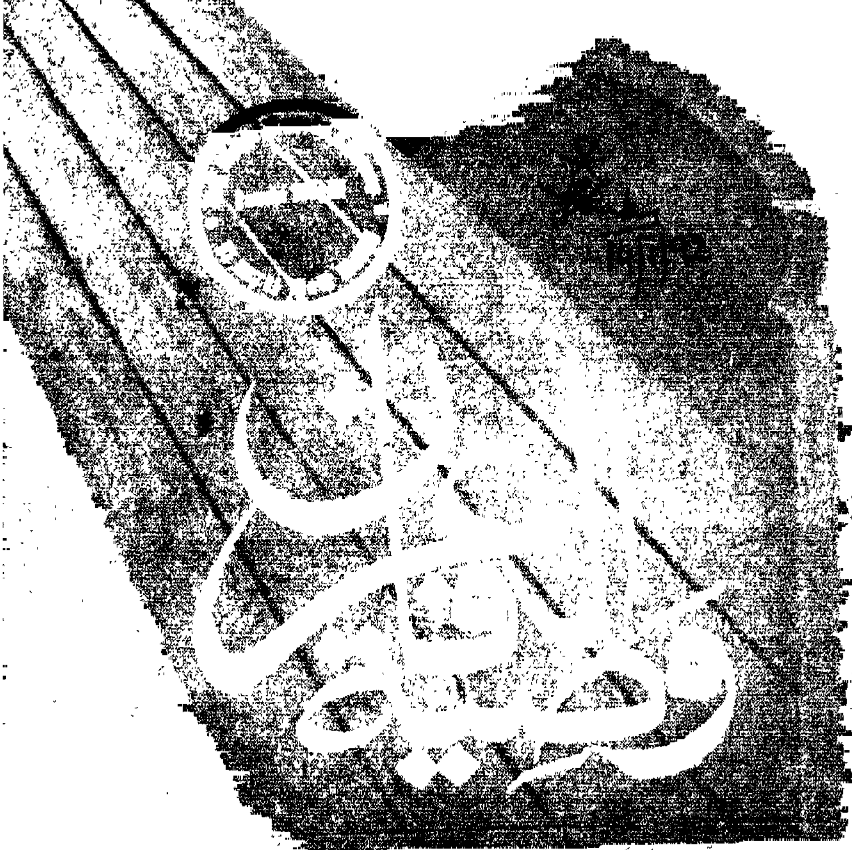
مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کی خانقاہ سے شائع ہونے والا
دینی اصلاحی ماہوار رسالہ



شمارہ ١ جنوری ١٩٩٣ء جلد ١٥

مکتبہ وصیۃ العلوم ٢٢٣ بخشی بازار
الہ آباد

حامل مضامین تصوف و عرفان • افادات وصی اللٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیر سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین حضرت مصلح الامۃ

مدیر:- احمد مکین

شمارہ ۱- رجب ۱۴۱۲ھ مطابق جنوری ۱۹۹۲ء جلد ۱۵

قیمت فی پرچہ پانچ روپیہ سالانہ زر تعاون پچپن روپیہ ششماہی تیس روپیہ

سالانہ بدل اشتراک:- پاکستان سو روپیہ غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ
مولوی احمد مکین - ۲۵/۲۳ - بخشی بازار
الہ آباد ۲۱۱۰۰۳ - فون ۶۰۴۷۹۸

اعزازی پبلشر:- صغیر حسن - پرنٹر:- اسرار کریمی پریس، جانسین گنج الہ آباد

ترتیب

۱	پیش لفظ	مدیر	۳
۲	مکتوباتِ اصلاحی	مصلح الامۃ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہٗ	۹
۳	نجات المسلمین	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ	۱۷
۴	تنویر السالکین	مولانا عبد الرحمٰن صاحب جامیؒ	۲۵
۵	المرابطہ	حکیم الامۃ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ	۳۳
۶	کمالات اشرفیہ	حضرت مولانا محمد عیسٰی صاحب رحمۃ اللہ علیہ	۴۱
۷			

گذارش رسالہ ہر ماہ کی دس تاریخ کو سپرد ڈاک کیا جاتا ہے۔ اگر رسالہ آخر ماہ تک موصول نہ ہو تو ادارہ کو فوراً مطلع فرمائیں تاکہ دوبارہ بھیجا جاسکے، ورنہ بصورت دیگر ادارہ ذمہ دار نہ ہوگا۔ منی آرڈر کوپن پر اپنا پورا پتہ اور خریداری نمبر ضرور لکھیں!

انتباہ سنہ ۹۲ء کا زر تعاون ماہ جنوری میں ہی ارسال فرما کر ادارہ کا تعاون فرمائیے۔

پیش لفظ

گذرنے کو تو ہزاروں ہی قافلے گزرے
زمیں پہ نقشِ قدم بس کسی کسی کا رہا

زیر نظر رسالہ سال نو کا پہلا شمارہ ہے، خدا کا شکر ہے کہ گذشتہ سال ۱۹۹۱ء رسالہ کی ترسیل و اشاعت کیلئے بہت سازگار رہا، رسالہ مقررہ وقتوں پر ارسال کیا جاتا رہا، بندگانِ خدا فیض یاب اور مستفید ہوتے رہے۔ اللہ کا شکر ہے اس خانقاہ سے ۱۹۶۳ء میں ماہانہ رسالہ کا اجرا ہوا اور اس وقت سے برابر شائع ہو رہا ہے، اس طرح یہ جریدہ اپنی عمر کی اٹھائیس۲۸ منزلیں طے کر چکا ہے، اس رسالہ کا بنیادی مقصد فکری، عملی اور دینی اصلاح ہے، نیز مصلح الامت عارف باللہ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہٗ کے علوم و معارف کی ترجمانی اور اشاعت ہے، اس انحطاط کے دور میں جب کہ گراوٹ اور پستی ہر شعبۂ زندگی میں در آئی ہے، خواہ وہ دینی ذوق یا مذہبی رجحان ہو یا جذبۂ تحصیل علم ہو، انحطاط اور زوال کے آثار سب پر نمایاں ہیں، حتیٰ کہ فکر و عمل کی قوتیں بھی فنائیت کی سمت گامزن ہیں، سررشتۂ زندگی صرف مادیات اور معاش سے متعلق ہو کر رہ گیا ہے، لکھنا، پڑھنا، اٹھنا، بیٹھنا اور ملنا جلنا بھی حصول نفع بالخصوص نفع زر پر موقوف ہے، اس عہد میں ایک خالص دینی، اصلاحی، لذت و تفریح سے خالی رسالہ کا جاری رہنا بلاشبہ حضرت مصلح الامت علیہ الرحمۃ کی دعا اور روحانی توجہ اور ان کے خلیفہ و جانشین حضرت قاری صاحب مدظلہ کے خلوص نیت کا ثمرہ ہے، انھوں نے باوجود نامساعد حالات کے اس چشمۂ فیض کو جاری رکھا، اور بادِ مخالف کے تند و تیز جھونکوں کا خندہ پیشانی سے استقبال کیا ؎

چھوڑا نہیں غیروں نے کوئی ناوک دشنام چھوٹی نہیں اپنوں سے کوئی طرزِ ملامت

تائیدِ الٰہی سے حضرت قاری صاحب مدظلہ العالی نے حضرت والا علیہ الرحمۃ کی تینوں امانتیں (مدرسہ، خانقاہ اور رسالہ) انھیں اصول اور خطوط پر باقی رکھیں جو حضرت مصلح الامت علیہ الرحمۃ کے قائم فرمودہ اور پسندیدہ تھے، خداوند کریم حضرت مصلح الامت قدس سرہٗ کی اس یادگار کو ابنائے زمانہ کے شر و حسد سے بچائے اور اس چشمۂ فیض کو تا ابد قائم رکھے اور ہم سب کو اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے! امور دینیہ میں خواہشاتِ نفس کی پیروی اور عجب و ریا کی آمیزش سے محفوظ رکھے (آمین) وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ.

ناظرینِ رسالہ کے تاثرات

حدیث شریف میں ہے:-

"اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ سے محبت فرماتے ہیں تو جبرئیلؑ سے فرمادیتے ہیں کہ میں اس بندہ سے محبت کرتا ہوں، تم بھی اس سے محبت کرو، پھر اس کیلئے آسمان اور زمین میں قبولیت رکھ دی جاتی ہے اور وہ سب کو محبوب اور سب کے نزدیک مقبول ہو جاتا ہے۔" (تصوف ونسبت صوفیہ)

مقصود اپنا بیان حسن طبیعت نہیں، بس سخن گسترانہ بات چونکہ مقطع میں آگئی اس لئے دل چاہتا ہے کہ تحدیث بالنعمۃ کے طور پر بعض ان خطوط کا ذکر کر دیا جائے جو ارباب علم و ادب اور ارکان فضل و کمال کی جانب سے ارسال فرمائے گئے ہیں، جن سے رسالہ کی افادیت اور مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے، نیز یہ شہادتیں ان حضرات کیلئے باعث طمانینت اور مسرت ہوں گی جو رسالہ کے خیر خواہ ادارہ کے بہی خواہ اور تعلیمات مصلح الامتؒ کے عاشق و شیدا ہیں۔

چنانچہ جامعہ عربیہ اشرفیہ نیا بھوجپور (بہار) کے نائب مہتمم محترم جناب مولانا عبدالجلیل صاحب حسینی مدظلہ اپنے ایک مکتوب میں رسالہ کے متعلق یوں اظہارِ خیال فرمارہے ہیں:-

"حقیقت ہے بین السمٰوٰت والارض ابتک اصلاحی پرچہ "وصیۃ العرفان" کی طرح نہیں پایا، اللہ تعالیٰ جملہ آفات سماوی و ارضی سے پرچہ و ذمہ داران پرچہ کو محفوظ رکھے! حضرت قاری صاحب مدظلہ موجود ہوں تو ہدیۂ سلام مسنون پیش کرتے

ہوئے دعا کی درخواست پیش کردیں (نوٹ) انشاء اللہ پرچہ کی اشاعت کی سعی کرتا رہونگا، والسلام نومبر ۱۹۹۱ء
مولانا مدظلہ کی سعی بہت جلد بارآور ہوگئی، ان کی تحریک پر ایک صاحب علم خریدار بننے کیلئے آمادہ ہوگئے۔ پہلے خط کے بعد معاً یہ مکتوب گرامی نظر نواز ہوا، تحریر فرماتے ہیں :-

" ابھی ابھی چند یوم قبل سفر جامعہ کیلئے مشرقی بہار میں دورہ کا اتفاق ہوا اسی میں ہی اپنے ایک مخلص سے ملاقات ہوئی، اور مؤقر جریدہ ماہنامہ "وصیۃ العرفان" کی توصیف بیان کی جس سے خوش اور مطمئن ہوکر انھوں نے خریداری قبول کرلی "

بحمد اللہ ماہنامہ "وصیۃ العرفان" فکر انگیز مضامین، دلنشین اسلوب، بصیرت افروز باتوں، ایمان وعمل پر مشتمل، آخرت پر عارفانہ مقالات، مؤمنانہ فراست کا جامع مجلہ ہے جس کا مطالعہ ارباب علم وفن پاکیزہ وسنجیدہ مزاج کے احباب کیلئے بلاشبہ تحفۂ گرانمایہ ہے۔ دعا ہے کہ حق سبحانہ وعزاسمہ جملہ آفات وحوادث سے حفاظت فرمائے اور جملہ مدعیان حق کو مطالعہ کی توفیق عطا فرمائے " والسلام ۱۸؍ نومبر ۱۹۹۱ء

ایک صاحب ذوق عالم دین راجستھان سے تحریر فرماتے ہیں :-

" الحمد للہ "وصیۃ العرفان" ہر ماہ برابر پہنچ رہا ہے، لہٰذا روحانی فائدہ بہت محسوس ہوتا ہے، دل کو تسکین ملتی ہے، راہ ہموار ہوتی ہے، الخ والسلام

مولانا فتح محمد صاحب ضلع سیکر راجستھان

رسالہ کے ایک قدرداں علم دوست، صاحب نظر محترم جناب مولانا احمد فلاحی صاحب زید مجدہم (گجرات) اپنے جذبات محبت کو اس طور پر الفاظ کا قالب دیتے ہیں :-

" مجھے اس رسالہ سے ایک خاص محبت اور عشق ہے، یہ رسالہ مغموم دلوں کو تسلی دینے والا ہے، اس لئے ادارہ کو تعاون کی نیت سے، نیز مجھے بھی فائدہ پہونچے، آپ کی خدمت میں دو الگ الگ آڈر بھیجتا ہوں، جو دونوں الگ الگ پتہ پر روانہ فرمادیں۔ . . . . مذکورہ پتہ پر کسی بھی پانچ سال کے مکمل پرانے رسالے روانہ فرمادیں ! الخ . . . . والسلام . . . . . . ۹۱-۱۰-۱۶ "

ایک صاحب محل جمشید پور سے رقمطراز ہیں :-

"وصیۃ العرفان کے سلسلے وار مضمون "اتباع سنت" سے نہایت ہی تقویت پہنچی خصوصاً ایک حدیث جس میں فجر کی دو رکعت سنت کے فضائل اور برکات، نہ کبھی کسی نے بتائی اور نہ ابتک اتباع سنت کی اس درجہ تاکید دیکھی اور نہ کہیں سُنی، ساتھ ہی فضائل ذکر میں لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّابِاللّٰہِ کی برکات اور عظمتوں کے بیان نے عمل میں اور اضافہ فرما دیا، ۵۰۰ مرتبہ مع درود شریف کے بعد نماز مغرب سنتوں کے بعد بلاناغہ جاری ہے۔ ساتھ ہی اس عمل کے ذریعہ سے سستی اور کاہلی دور ہوئی"

(شاہ یوسف صاحب)

اب آخر میں دو ایسے مکتوب ہدیۂ ناظرین ہیں جن کے لکھنے والے علم و حکمت سے آراستہ ہیں، اور یہ فضل و کمال انھیں اپنے اجداد سے وراثۃً حاصل ہوا ہے۔ ان کے آبا و اجداد کے شفاخانوں میں صرف دوائے درد ہی نہیں، بلکہ علاجِ دل بھی ہوا کرتا تھا،

حضرت مولانا حکیم محمد مصطفےٰ صاحب بجنوری علیہ الرحمۃ خلیفہ حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کے نبیرۂ محترم جناب حکیم انور علی صاحب مدظلہٗ "دارالشفاء مصطفائی" میرٹھ تحریر فرماتے ہیں :-

"حقیقت میں یہی ایک ایسا رسالہ ہے، جس میں روحانیت وابستہ ہے، اللہ تعالےٰ اس کی اشاعت کو استحکام اور فروغ عطا فرمائیں (آمین) اور ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق دیں! ثم آمین، والسلام، مورخہ ۳ ر دسمبر ۹۱ء

اب اتمام علی الخیر کی خاطر ہم سب پر بے انتہا شفیق و مہربان پاک طینت، عالی ہمت طبیب حاذق محترم جناب مولانا حکیم محمد سعود صاحب اجمیری مدظلہٗ (خلف رشید حکیم مسعود احمد صاحب گنگوہی نوراللہ مرقدہٗ و الملقب بہ حکیم اجمیری) خلیفہ حضرت مصلح الامت قدس سرہٗ) کا مکتوب گرامی اور شفقت نامہ پیش خدمت کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں، ملاحظہ ہو!

"وصیۃ العرفان" ماہ ستمبر کو دیکھا دل باغ باغ ہوگیا، میں دل دل میں بہت ڈر رہا تھا اور دعا بھی بار بار کر رہا تھا کہ مولانا صاحبؒ تو اللہ کو پیارے ہوگئے، اب بچوں کا دور ہے، الفاظ کی بندش اور تعبیرات کی خوبی کہیں عالی مضامین کی ٹانگیں نہ چیر دے، مگر الحمد للہ ایسا نہ ہوا، بلکہ پہلے سے بہت بہتر پرچہ نظر آیا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو

شکر اور قدر کی توفیق مرحمت فرما دے !

اللہ بھلا کرے اس اردو ادب کا کہ اردو داں حضرات کا ایسا مزاج بنا کہ ہر مضمون جب تک ابن صفی کی زبان میں نہ ہو اس کو دقیانوسی یا بور کہا جاتا ہے، حالانکہ دوسری زبانوں میں اکثر علوم کی زبان الگ ہوتی ہے، پھر بھی اس کو کوئی دقیانوسی، بور نہیں کہتا مثلاً فزکس، کیمسٹری، بایولوجی، حتیٰ کہ فن کی زبان اہل فن ہی سمجھ سکتے ہیں، اہل زبان اور ماہر زبان بھی اس کی تعلیم حاصل کئے بغیر نہیں سمجھ سکتے چاہے: جب تجربہ کرلو ! خیر بہت بہت ہی خوش ہوا، اللہ مزید ترقی باخلاص دے۔

والسلام..... بتاریخ ۴-۱۰-۹۱

یہ چند مکاتیب بطور نمونہ مشتے از خروارے پیش خدمت کئے گئے، بحمد اللہ قارئین کے متعدد خطوط اور ملاقاتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ رسالہ وصیۃ العرفان سے طالبانِ دین اور رہروان سنت نفع تام محسوس کر رہے ہیں، فالحمد للہ علیٰ ذلک

حضرات قارئین سے گذارش ہے کہ جملہ کارکنانِ ادارہ کے صلاح و فلاح حصول اخلاص وحسن نیت کی دعا فرمائیں، بالخصوص محترم بھائی امانت علی صاحب کو دعائے خیر میں ضرور یاد رکھیں کہ آپ ہی کی مساعی جمیلہ سے دفتر رسالہ کا برہم نظام اصلاح پذیر ہوا، اور گذشتہ سال پابندیٔ اوقات کے ساتھ رسالہ آپ کو موصول ہوتا رہا،

اللہ تبارک تعالیٰ امسال اور آئندہ بھی اس حسن انتظام کو باقی رکھیں اور تمام دشواریوں اور مشکلات کو زائل فرمادیں ! آمین

● ——— ہم نے اکتوبر ۱۹۹۱ء کے رسالہ میں توسیع اشاعت کے لئے گذارش کی تھی، الحمد للہ بعض احباب نے توجہ فرمائی، بالخصوص گورکھپور کے احباب کی سعی بلیغ سے خاصے خریداران کا اضافہ ہوا، اللہ تعالیٰ ان کی سعی مشکور فرمائے اور اجر جزیل عطا فرمائے، روز بروز قیمتوں میں اضافہ ہونے کی باعث بدرجہ مجبوری زر تعاون میں اضافہ کرنا پڑ رہا ہے، امید ہے آپ اسے قبول فرماکر ادا اسے کے ساتھ تعاون فرمائینگے از راہِ کرم ۱۹۹۲ء کا سالانہ زر تعاون ۵۵ روپئے اولین فرصت میں ارسال فرمادیں عنایت ہوگی۔

فہرست

مطبوعات دائرۃ الاشاعۃ خانقاہ مصلح الامۃ

نام کتاب	کل قیمت	رعایتی قیمت برائے خریداران رسالہ
اسوۃ الصالحین	۳۵/-	۲۶/-
درد و درماں	۱۲/-	۱۰/-
محبت الٰہی اور نفس	۲۵/-	۱۸/-
تالیفات مصلح الامۃ (حصہ چہارم)	۵۵/-	۴۰/-
حیات مصلح الامۃ	۶۰/-	۵۰/-
سلک السلوک مترجم	۴۰/-	۳۰/-
بارہ مہینوں کے فضائل و احکام	۳۰/-	۲۰/-
حکیم الامۃ (نقوش و تاثرات)	۱۰۰/-	۶۵/-
اصلاحی نصاب	۶۰/-	۴۵/-
تصوف و نسبت صوفیہ مجلد	۱۰/-	×
مناجات مقبول اشرفی مع اضافات جدیدہ		زیر طبع
جمعوں کے دن برکتوں کی راتیں		" "

نام کتاب	کل قیمت	رعایتی قیمت برائے خریداران
دیگر اداروں کی مطبوعات		
حکایات اولیاء	۳۰/-	۲۰/-
معلم الحجاج	۲۵/-	۲۰/-
اخلاص نیت	۲۰/-	۱۵/-
شاہنامہ اسلام مکمل (۴ حصے)	۶۰/-	۴۵/-
معارف القرآن مکمل (۸ جلدیں)	۹۲۵/-	۷۵۰/-
معارف الحدیث مکمل (۷ حصے)	۳۹۵/-	۳۳۵/-
خطبات حکیم الاسلام مکمل (۷ جلدیں)	۳۲۰/-	۲۵۵/-

نوٹ

ڈاک کے جملہ مصارف بذمہ خریداران ہونگے نیز کتابوں کی قیمت پیشگی آنا ضروری ہے اخراجات کی وی پی کی جاسکتی ہے۔

پورے نفاق اور سکۂ رائج الوقت کا شکار ہے۔ **تحقیق**:۔ نہیں

حال:۔ حالانکہ بندہ اس کو دل سے بُرا جانتا ہے اور نکالنا چاہتا ہے، مگر غلبۂ نفس نے تباہ کر رکھا ہے بجز توبہ اور استغفار و استحضار کیا کرے۔ **تحقیق**:۔ ہاں ہاں۔

حال:۔ ضرور استدامت ذکر کے لئے نافع معلوم ہوتا ہے، پس اس مرض کا علاج بتلا دیجئے۔ **تحقیق**:۔ آپ کر رہے ہیں۔ **حال**:۔ تاکہ اس سے نجات حاصل ہو کر سعادت نصیب ہو۔ **تحقیق**:۔ آمین

حال:۔ ابھی چند روز ہوئے کہ بندہ نے نمیمہ کرنا اور سننا ترک کیا اور اختلاط میں مزید کمی کی ہے جو نور اور اثر لیکر واپس ہوا ہے بفضلہ اس میں کمی نہیں ہوئی، اسکی شیرینی سے لطف اندوز ہو کر فائدہ اٹھا رہا ہوں۔ **تحقیق**:۔ الحمد للہ

حال:۔ اور حسب فرمان و ارشاد حضرت والا جو کہ بحوالہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کے کہا تھا کہ بزرگوں کے ذکر و حالات دیکھنے سے نامرد مرد ہو جاتا، اور مرد شیر مرد ہو جاتا ہے۔ اَللّٰھُمَّ زِدْ فَزِدْ اللہ تعالیٰ اپنی رضا کے اسباب پیدا فرما دیں تاکہ بندہ کسی لائق ہو جائے۔ **تحقیق**:۔ آمین۔

حال:۔ ان سب امور کے واسطے دعا کی درخواست ہے اللہ تعالیٰ ایمان پر خاتمہ فرما دیں۔ **تحقیق**:۔ دعا کرتا ہوں۔

حال:۔ اللہ تعالیٰ حضور کے واسطہ اس لائق کمینہ کو کسی کام کا بنا دے۔ **تحقیق**:۔ آمین

(مکتوب نمبر ۷۲۰)

حال:۔ اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ کام میں خوب جی لگ رہا ہے، بلا تکلف سب کام بسہولت ہوتے جا رہے ہیں۔ **تحقیق**:۔ الحمد للہ۔

حال:۔ کسی سے ملنے اور جی بہلانے کا داعیہ بھی پیدا نہیں ہوتا، چاہے یگانے ہوں یا بیگانے، سب ہی رہزنِ اوقات ہیں۔ **تحقیق**:۔ بیشک۔

حال:۔ تنہائی اگر ذکر سے خالی بھی ہو تب بھی موجب ازدیاد سکون ہے، اللہ کا شکر ہے کہ کچھ نہ کچھ ہوتا رہتا ہے۔ **تحقیق**:۔ الحمد للہ۔

حال: ذکر اللہ سے بہت سکون و اطمینان ہے، مقدار ذکر توفیق الٰہی سے بڑھ رہی ہے مختلف اوقات میں دس ہزار تک پہونچ جاتی ہے۔ جی چاہتا ہے کہ بڑھاتا رہوں۔
تحقیق:- الحمد للہ
حال:- ذکر کی توفیق اور اس پر استقامت خدا کے ہاتھ میں ہے، دعا فرمائی جائے کہ قلب کی ویرانی دور ہو، اس میں اللہ تعالیٰ یاد سے انس ڈال دے، اور اسکی برکات سے ماسویٰ کا قلع قمع ہو جائے۔ تحقیق:- آمین۔
حال:- مخلوق سے استغنا اور خالق کی طرف افتقار بڑھ رہا ہے۔ تحقیق: الحمد للہ
حال:- اللہ تعالیٰ اپنے فضل بے پایاں سے اپنے در کا گدا بنالیں۔ تحقیق:- آمین۔
حال:- اس تصور میں اتنی لذت ہے کہ دنیا کی کسی نعمت میں نہیں، اللہ تعالیٰ حضرت والا کی خاکِ پا کے طفیل میں اپنی ذات سے ایسا تعلق و نسبت عطا فرمائیں کہ پھر کوئی چیز حجاب نہ بنے۔ تحقیق:- آمین۔
حال:- حضرت والا دامت برکاتہم العالیہ دعا فرمائیں کہ طریق کی فہم کھلے اور ہر موقع پر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کو دستگیر بنائیں تحقیق:- دعا کرتا ہوں، آمین۔
حال:- اللہ تعالیٰ ایمان کا نور دل میں ڈال دیں کہ ظاہر و باطن کی معصیت عیاناً نظر آئے اور عمل میں چستی آجائے اور طلب رضا میں مستعد بنا دیں۔ تحقیق:- آمین۔

(مکتوب نمبر ۱۷۲)

حال:- حضرت والا سے جدا ہو کر بخیریت تمام مکان پہنچ گیا۔ تحقیق:- الحمد للہ
حال:- حضرت والا میں اجازت کے بغیر آپ سے ملے چلا گیا جو آپ کے لئے باعث تکلیف ہوا اس کی تہ دل سے معافی چاہتا ہوں، امید کہ حضرت والا معاف فرمائیں گے۔
تحقیق:- معافی کی کیا بات ہے آپ معاف کیجئے۔
حال:- حضرت والا کی ذرا بھی خفگی دارین کے لئے باعث خسران بن سکتا ہے۔ اسلئے دست بستہ عرض ہے کہ حضرت معاف فرمائیں گے۔ حضرت صحیح یہ ہے کہ ہمارے

جیسے ناکارہ لوگوں کو آپ جیسوں کے یہاں کے اصول کی قدر نہیں ہے۔ ہمارے دل میں وقعت نہیں ہے حالانکہ ہر دنیاوی معاملہ میں اصول سے کام لیا جاتا ہے، اگر کسی نے خلاف اصول کیا تو باغی سمجھا جاتا ہے، لیکن بڑوں کے یہاں کے اصول کو ہم بے وقعت سمجھ کر ٹال دیتے ہیں، اسی لئے فائدہ نہیں ہوتا۔ **تحقیق**:۔ یہ سچ لکھ رہے ہو۔

حال:۔ حضرت آپ نے گو ہمارے ساتھ ظاہراً عتاب کا معاملہ کیا لیکن میرے لئے عین شفقت اور باعثِ رحمت ثابت ہوا۔ **تحقیق**:۔ آپ کی عنایت ہے۔

حال:۔ اور اس طرح مفید ہوا کہ شاید بعد ملاقات یہ فائدہ محسوس نہ کرتا۔

تحقیق:۔ اسی لئے کیا تھا۔

حال:۔ اس سے کم از کم دو باتیں سمجھ میں آئیں۔ **تحقیق**:۔ الحمد للہ

حال:۔ ایک تو یہ ہے کہ بزرگوں کے یہاں کے اصول کی پابندی قطعی ضروری ہے۔ دوسرے یہ کہ اپنے شیخ سے تعلق اور لگاؤ گہرا ہونا چاہئے۔ اس کے اشارے کو اپنے لئے باعث فلاح سمجھے اس کے حکم کی تابعداری کو اللہ اور رسول کی رضامندی کا سبب جانے۔

تحقیق:۔ یہ ٹھیک لکھ رہے ہو۔

حال:۔ اس لئے کہ جب ہم نے اپنے شیخ کو صحیح معنوں میں شیخ تسلیم کر لیا تو اس کے ہر حکم کے سامنے سرخم تسلیم کرنا چاہیئے۔ اگر حکم کے خلاف کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ شیخ کو شیخ تسلیم ہی نہیں کرتا۔ **تحقیق**:۔ سچ لکھ رہے ہو۔

حال:۔ وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے۔ **تحقیق**:۔ بالکل جھوٹا ہے۔

حال:۔ حضرت والا سے استدعا ہے کہ حضرت دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کے صدقے میں آپ سے صحیح تعلق پیدا کرا دے۔ **تحقیق**:۔ دعا کرتا ہوں، آمین۔

حال:۔ اور آپ کی تعلیمات کو پہلے سمجھنے کی پھر اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

تحقیق:۔ آمین

حال:۔ حضرت والا اب کی مرتبہ میں بہت زیادہ فائدہ اور سکون پا رہا ہوں۔

تحقیق:۔ پھر دیکھ لو۔

حال :۔ اس کے پہلے بھی آتا جاتا تھا لیکن کبھی سکون نہیں ملتا تھا جو ایک شیخ کے صحبت کے بعد ملنا چاہئے۔ تحقیق :۔ وجہ اسکی سمجھ رہے ہو گے۔

حال :۔ صرف اس وجہ سے کہ ہماری نیت ہی خراب تھی اپنے اصلاح کی قطعی نیت نہیں ہوتی تھی۔ تحقیق :۔ سچ بات ہے۔

حال :۔ ایک رسم پورا کرنا مقصود ہوتا تھا۔ تحقیق :۔ سچ کہہ رہے ہو۔

حال :۔ اب جبکہ کچھ سمجھ میں آیا شیخ کی کچھ وقعت دل میں بیٹھی تو بہت کچھ سکون محسوس ہو رہا ہے۔ تحقیق :۔ یہ تو مشاہدہ ہے کیسے اس کا انکار کر سکتے ہو۔

حال :۔ دعا فرمائیے۔ تحقیق :۔ دعا کرتا ہوں۔

حال :۔ اللہ تعالیٰ رسمی صحبت سے نجات دے کر خلوص سے صحبت اور تعلق پیدا کرنیکی توفیق دے۔ تحقیق :۔ آمین

حال :۔ حضرت میں اتنا بڑا خط لکھنے کا عادی نہیں ہوں لیکن آج بہت کچھ لکھ گیا تو غلطی ہو تو معاف فرمائیں اور ہدایت فرمائیں۔ تحقیق :۔ بہت صحیح لکھا۔

حال :۔ حضرت دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ سمجھ عطا فرمائے اور عمل کی توفیق دے ایمان پر خاتمہ کرے۔ تحقیق :۔ آمین۔

(مکتوب نمبر ۲۲۲)

حال :۔ خدمت اقدس میں بصد ادب عرض ہے کہ حضرت ابتک تو اپنا وقت لڑکپن اور کم فہمی اور بے توجہی اور لاپرواہی میں گزار دیا۔ تحقیق :۔ ہاں جی ہوا تو ایسا ہی

حال :۔ حضرت دعا فرمائیں کہ اب سے ہماری حالت درست ہو جائے۔

تحقیق :۔ آمین۔ حال :۔ باوجود اس کے حضرت کی شفقت اور عاطفت ہمارے سروں پر ہے۔ اگر آپ کے احسان کی ادائیگی میں اپنی ساری عمر صرف کر دیں تب بھی ناممکن ہے۔ نہ تو ہمارے قلم میں طاقت ہے کہ ہم اس کو تحریر کے قید میں مقید کر سکیں نہ ہم کو گویائی ہے کہ اسکو بیان کریں۔ تحقیق :۔ ٹھیک کہتے ہو

حال :- حضرت دعا فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے احسان فراموشی سے بچاویں بلکہ تاحیات آپ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دیں۔ **تحقیق** :- دعا کرتاہوں، آمین۔

حال :- حضرت کچھ دنوں سے ایسا ہو رہا تھا کہ اس نئے طرز کی راہ و روش اور آداب معاشرت ہمارے دلوں میں سرایت کر رہی تھی اور نیک لوگوں کی صحبت سے طبیعت گھبراتی تھی لیکن بحمداللہ حضرت ہی کی شان ایسی تھی کہ آپ نے ہم کو قعرِ ضلالت سے بچا لیا۔ حضرت اس سے قبل طبیعت میں انتشار اور پریشانی محسوس کرتا تھا، اب اللہ کا شکر ہے کہ یہ سب باتیں ختم ہوگئیں۔ حضرت اپنے ان سب خرابیوں کی اصلاح کی فکر رہتی ہے۔

تحقیق :- الحمدللہ

حال :- دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہماری اس آرزو کو پوری فرمائے اور ہمیں عقل وعطا فرمادیں تاکہ ہم حضرت کی باتوں کو سمجھیں اور اس پر عمل کریں۔ اور حضرت والا سے قلبی لگاؤ اور محبت پیدا ہو جائے۔ **تحقیق** :- آمین

حال :- حضرت پڑھنے لکھنے میں کچھ کچھ طبیعت لگتی ہے۔ **تحقیق** :- الحمدللہ۔

حال :- کتابیں اور مطالعہ کچھ کچھ سمجھ میں آتا ہے۔ **تحقیق** :- الحمدللہ۔

حال :- دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ فہم سلیم اور استعداد اور آپ سے انس اور محبت عطا کرے اور نیک لوگوں کی صحبت خصوصاً آپ کی صحبت سے ہمیں محرومی نہ ہو بلکہ کچھ حاصل ہو جائے تاکہ دونوں جہاں میں ہمارے لئے باعث مسرت ہو۔ **تحقیق**:- آمین

(مکتوب نمبر ۲۳۷)

حال : حضرت والا کی شفقتوں اور محبت کا کس زبان سے اظہار کروں، یہاں کی تعلیم وتربیت بالکل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کا ایک ادنیٰ سا نمونہ ہے۔ حضرت والا اخلاق کا بہترین اور اعلیٰ ترین نمونہ ہیں اور یہی ہم لوگوں سے بھی چاہتے ہیں اور میری ناقص عقل میں تو یہی آیا ہے کہ جو شخص یہاں پر کچھ دن رہا وہ دراصل اگر خلوص دل سے رہا تو یقینی وہ اس سانچے میں ڈھل جاتا ہے۔ میں اپنے متعلق حضرت والا سے کیا عرض کروں۔ میں

ایک بہت بداخلاق، ہر برائی کا مجسمہ تھا، لیکن میں اب خود محسوس کرتا ہوں کہ جب سے حضرت والا کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا ہوں ایک بہت بڑا فرق محسوس کرتا ہوں اور یہ بات بھی سمجھ میں آگئی کہ اس جگہ کوئی بے شعور اپنی بداخلاقی اور بے شعوری سے فاسد نہیں کر سکتا، اور زیادہ دن تک چل نہیں سکتا۔

حضرت والا میں اپنے میں بہت سے رذائل پاتا تھا، لیکن اب دراصل ان سب سے دور ہوتا جاتا ہوں، حضرت والا سے دعا کی درخواست ہے کہ میرے لئے دعا فرمائیں کہ میں یہاں کی پوری تعلیم و تربیت اختیار کروں اور صحیح معنوں میں انسان کہلانے کا مستحق بنوں۔

حضرت والا نے میرے ذمہ جو کچھ سپرد کیا ہے اس کو انجام دینے کی پوری سعی کرتا ہوں اور کسی قسم کی تساہلی نہیں کرتا، لیکن اگر کوئی اپنی غلطی سے رہ جائے تو حضرت والا معاف فرمائیں۔ میں نے کبھی بھی اپنے کو بڑا بننے کی یا جتلانے کی کبھی کوشش تو درکنار تخیل میں بھی نہیں لایا۔ اب حضرت والا سے دست بدعا ہوں کہ میرے لئے ہر برائی کے دور ہونے کی دعا فرمائیں، آمین۔

(مکتوب نمبر ۲۴۷)

حال:- حضرت والا کی تعلیم مکمل طور پر اخلاق کی درستگی کے متعلق ہوا کرتی ہے جسکی تائید میں حضرت والا قرآن شریف اور حدیث شریف بطور استدلال پیش فرماتے ہیں، مگر اپنی بدقسمتی ہم لوگوں نے درستگیٔ اخلاق کو پس پشت ڈال کر وظائف و دیگر اوراد کو عین تصوف سمجھ رکھا ہے، ہم لوگوں کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ ہم لوگوں کی اصلاح وظائف و اوراد سے نہیں ہو سکتی۔

ہماری کوشش ہمہ تن درستگیٔ اخلاق کیلئے ہونا چاہئے۔ حضرت والا کی جوتیوں کے صدقہ میں میری سمجھ میں یہ آچکا ہے کہ جب تک ہم لوگ رذائل نفس مثلاً غیبت چغلی، گالی گلوج، غصہ، بدگمانی، تجسس، ظلم و زیادتی وغیرہ سے مخلصی حاصل نہ کریں گے

یہ ناممکن ہے کہ ہمارے تعلقات مخلوق سے اور خالق سے درست ہوسکیں ۔

حضرت والا کی خدمت میں یہ عاصی عرض کرتا ہے کہ ۔ گنہ گار جب سے حضرت والا کے قدموں پر آن پڑا ہے حضرت والا کی تعلیم پر عمل کرنے کی ہمہ وقت فکر رہتی ہے اور رذائل نفس میں بہت کمی پاتا ہوں ، مثلاً غصہ اس میں بہت کمی پاتا ہوں، دیگر رذائل بھی بہت کم ہوگئے ہیں ، مگر اگر کسی وقت کوئی غلطی ہوجاتی ہے تو فوراً توبہ کرتا ہوں ۔ حضرت والا سے درخواست ہے کہ حضرت دعا فرمائیں کہ جملہ رذائل نفس سے جلد مخلصی حاصل ہو

(مکتوب نمبر ۷۲۵)

حال :- حضرت والا آپ انبیاء علیہم السلام کے صحیح جانشین اور سچے نائب رسولؐ ہیں آپ کی تعلیم کتاب اللہ کی تعلیم ہے اور دور نبوت کے طریقہ پر ہے ۔

تحقیق :- یہ صحیح لکھ رہے ہو ۔ **حال :-** ہم جیسے گنہ گار اور دنیا دار کو بھی ایسی شفقت و محبت پدرانہ سے نصیحت فرماتے ہیں کہ اپنے اخلاقِ رذیلہ معلوم ہونے لگے ورنہ اس کے قبل تو جانتے ہی نہ تھے کہ عار دلانا، نیمہ ۔ غیبت، تجسس بھی اتنے اہم جرائم ہیں، حضرت والا کی جوتیوں کے طفیل اب اپنے ان امراض کی درستگی کا خیال ہر وقت رہتا ہے ۔ **تحقیق :-** بیشک ، الحمدللہ ۔

حال :- حضرت والا دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو امراض خبیثہ سے نجات دلائے اور دین کی فہم عطا فرمائے ۔ **تحقیق :-** دعا کرتا ہوں ۔ آمین ۔

حال :- ہمارا نفس اتنا خراب ہے کہ ہم دین چاہتے ہیں بھی تو اپنے نفس کے مطابق رائج الوقت تصوف نماز و وظائف ظاہری اور بس ۔ اخلاق قبیحہ روزانہ کے معاملات بد اور طریقہ لین دین خراب ہیں ہاتھ بھی لگانا نہیں چاہتے اور انہیں وظائف و نماز سے بزرگان دین کا جیسا فائدہ چاہتے ہیں جو ناممکن ہے، حضرت والا کی تعلیم پہلے ان سب کی درستگی بلکہ زندگی کے ہر شعبہ کی صحیح اصلاح چاہتی ہے، فرائض تو ضروری ہیں ہی لیکن

جبتک اس کو ظاہرداری سے چاک نہ کریں کچھ حاصل نہ ہوگا۔ **تحقیق :۔** بیشک۔
حال :۔ حضرت والا کس کس طرح غایت شفقت و محبت سے سمجھاتے ہیں کہ صرف بدن پہ گرنے سے کچھ نہیں ہوتا، حضرت والا کی اتنی بڑی شفقت ہے کہ ہم گنہ گاروں اور دنیا داروں پر اپنا سب قیمتی وقت صرف فرماتے ہیں اور ہر طرح سے رائج الوقت پیرپرستی و رسمی سرسری وظیفہ خوانی کی مذمت فرماتے ہیں، لیکن جب بھی ہم معاملات اور لین دین میں جانچے جاتے ہیں تو دیکھا جاتا ہے کہ ہمارے عمل سے مسلمانوں کو نقصان پہنچتا ہے اور حضرت والا کو ہمارے اس عمل قبیح سے جتنی تکلیف پہنچتی ہوگی اس کا ہم اندازہ نہیں لگا سکتے۔ حضرت والا ہم سب کیلئے طبیب حاذق ہیں اور ہماری بدپرہیزیوں سے ہم کو فائدہ نہ پہنچے تو اس میں ہمارا ہی قصور ہے۔ **تحقیق :** بیشک
حال :۔ طبیب حاذق کا علاج اپنی جگہ بالکل درست ہے ہم ایسے ہیں کہ ہم اگر دانستہ یا نادانستہ کسی بدپرہیزی میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو طبیب سے کہتے نہیں، اس سے بھی علاج میں دقت ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ ہم کو اصلاح کی توفیق دے۔
تحقیق :۔ آمین، اس تحریر سے آپ کے فہم کا اندازہ ہوا اللہ تعالیٰ آپ کو علم و عمل عطا فرمائے۔

(مکتوب نمبر ۲۶)

حال :۔ گذارش ہے کہ خادم تخمیناً عرصہ پانچ ماہ سے غیر حاضر ہے۔ **تحقیق :۔** کیوں
حال :۔ برخوردار رجب حج کے لئے جا رہے تھے تو ایک خط میں نے لکھا تھا اس کو معرفت اس کے بعد سے آج تک روز سوچتا تھا کہ لکھوں مگر حضرت والا نفس کی تساہلی و کاہلی سے لکھ نہ سکا، برابر روزانہ نفس بھلاوا دیتا رہا کل لکھ لیں گے، غرضیکہ پانچ چھ ماہ ہو گیا کہ ذریعہ خط کے بھی حاضر نہ ہو سکا، معافی چاہتا ہوں
تحقیق :۔ نفس کے بھلاوے کی معافی چاہتے ہیں، آپ اس کو معاف کر سکتے ہیں میں کیسے معاف کر سکتا ہوں۔

چنانچہ حافظ منذری اور حافظ ابن حجر عسقلانی وغیرہ ان روایات کی توثیق کر رہے ہیں
ر بیہقی نے باوجود اس التزام کے کہ اپنی کتابوں میں کوئی موضوع روایت نہ لاویں گے، ان روایات
ذکر کیا ہے، نیز ابوداؤد کا التزام یہ ہے کہ صرف وہ روایات جمع کریں گے جو صالح للعمل ہوں
ھوں نے بھی ان میں سے بعض روایات اپنی سُنن میں درج کی ہیں۔

رہا اب شبہ کا جواب کہ پچھلے گناہ جو ابھی تک سرزد نہیں ہوئے انکی معافی کی صورت کیا
وگی؟ سو اس کا جواب وہ کافی ہے جو حافظ ابن حجرؒ نے بخاری کی حدیث مَنْ قَامَ رَمَضَانَ
یْمَانًا وَّ احْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ (جس نے رمضان کا قیام کیا ایمان کی وجہ سے
ر طلب اجر کی نیت سے اللہ تعالیٰ اس کے پہلے کے گناہ بخش دیں گے) کی شرح میں ذکر کیا ہے جس کا
لاصہ یہ ہے کہ پچھلے گناہوں کی معافی کا مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ ان کو کبائر سے محفوظ رکھیں گے
یہ کہ ان سے کوئی گناہ سرزد ہو بھی جائے تو فوراً توبہ کی توفیق ہوگی جس سے گناہ بخش دیا جائیگا۔

شیخ ابوالحسن ماوردی نے حدیث صوم عرفہ کے تحت میں اسی آخری جواب کو اختیار فرمایا ہے
ونکہ صحابۂ بدر ہیں جن کے متعلق حدیث میں پچھلے گناہوں کی معافی کی تصریح ہے اُن میں سے بعض کا
عض کبائر میں مبتلا ہو جانا ثابت ہے، اس لئے یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ ان سے گناہ سرزد ہی نہ ہوگا، بلکہ
کہا جائے گا کہ گناہ کے ساتھ توبہ کی توفیق اور ندامت کامل حاصل ہوگی جس سے گناہ
ا اثر باقی نہ رہے گا۔ (کذا فی شفاء الاسقام) وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى اَعْلَمُ

ف۔ اب وہ اعمال و وظائف لکھے جاتے ہیں جو مکفراتِ ذنوب ہیں ان اعمال
حضرات محدثین نے خصال اور خصلت کے لفظوں سے تعبیر کیا ہے احقر نے بھی ان کے
نباع کو باعث برکت سمجھ کر یہی عنوان رکھنا مناسب سمجھا۔ وَاللّٰهُ وَلِیُّ التَّوْفِیْقِ

خصلتِ اُولیٰ

وضو کی پوری تکمیل | حدیث :- عن حمران بن ابان مولیٰ عثمان بن عفانؓ
ال دعا عثمان بن عفان بوضوء فی لیلة باردة وھو یرید الخروج الی
لصلوٰة فجئته فاذا اکثر تردادا الماء علیٰ وجهه ویدیه فقلت

فی نفقد اسبغت الوضوء والليلة شديدة البرد فقال صُبّ فانی سمعت
ل الله صلى الله عليه وسلم يقول لا يسبغ عبد الوضوء الا غفر الله
ا تقدم من ذنبه وما تأخر۔ (حدیث حسن ذکرہ المنذری فی
نیب وقال رواہ البزار باسناد حسن واخرجه ابن ابی شیبة فی
نفه والحافظ ابو بکر المروزی والحافظ ابو بکر عبد الرزاق فی
معه (شفار الاسقام) ترجمہ:۔ حضرت عثمانؓ کے آزاد کردہ غلام حضرت حمران فرماتے
ہ حضرت عثمانؓ نے ایک سرد رات میں وضو کا پانی مانگا کیونکہ انہیں نماز کے لئے جانا تھا
پانی لایا آپ بار بار پانی اپنے چہرے پر ڈالنے لگے تو میں نے عرض کیا "بس کیجئے وضو کا فرض
ہو چکا ہے اور رات سخت سردی کی ہے"۔ آپ نے فرمایا (نہیں) تم پانی ڈالو، کیونکہ میں نے
ضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ بندہ وضو میں اسباغ (اتمام) کرے تو اللہ تعالیٰ اسکے
لے اور پچھلے گناہ بخش دیتا ہے"۔ (یہ حدیث صحیح بخاری وصحیح مسلم میں بھی مذکور ہے مگر اس میں
ے گناہوں کا ذکر نہیں)

اِسبَاغ کے معنیٰ پوری طرح تکمیل کرنے کے ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ وضو کے فرائض
ن و آداب سب کی پوری رعایت کی جائے (مجمع البحار)

وضو کے فرائض چار ہیں:۔ پیشانی کے بالوں سے ٹھوڑی کے نیچے تک اور دونوں طرف
ن کی لو تک چہرہ اور کہنیوں سمیت ہاتھ، ٹخنوں سمیت پیر دھونا، اور کم از کم چوتھائی سر کا
ح کرنا، ان اعضاء میں ایک سوئی کے ناکہ کے برابر بھی خشک رہ گیا تو وہ شرعاً وضو نہیں
اس سے نماز جائز ہے (مراقی)

اور سنن وضو اٹھارہ چیزیں ہیں جن کا ترک کرنا شرعاً مذموم اور گناہ ہے (۱) ابتداء وضو
یں دونوں ہاتھ پہنچوں تک دھونا (۲) شروع وضو میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یا
بسم اللہ العظیم الحمد للہ علی دین الاسلام پڑھنا (۳) مسواک کرنا (۴) تین
مرتبہ کلی کرنا (۵) تین مرتبہ ناک میں پانی ڈال کر صاف کرنا (۶) داڑھی اگر گھنی ہو تو ہتھیلی
یں پانی لیکر نیچے کی جانب سے اس میں خلال کرنا (۷) ہاتھ پاؤں کی انگلیوں میں خلال کرنا

(۸) ہر عضو جس کا دھونا وضو میں فرض یا مسنون ہے اس کو تین مرتبہ دھونا۔ (۹) سر کا مسح پورے سر پر کرنا (۱۰) کانوں کا مسح کرنا (۱۱) ہر عضو کو دھونے کے لئے ہاتھ سے ملنا (یعنی محض پانی بہانے پر اکتفا نہ کرے مَل کر دھوئے (۱۲) اعضائے وضو کو پے در پے دھوئے درمیان میں اتنی مہلت نہ دے کہ پہلے دھوئے ہوئے اعضاء مہلت کی وجہ سے خشک ہو جائیں (گرمی کی شدت یا ہوا کی تیزی وغیرہ سے دھوتے دھوتے خشک ہو جائیں تو مضائقہ نہیں (۱۳) وضو کرتے وقت وضو کی نیت کرنا (خواہ دل میں یا زبان سے بھی کہہ لے کہ وضو کی نیت کرتا ہوں (۱۴) ترتیب والے وضو کرنا یعنی پہلے ہاتھ پھر چہرہ پھر کہنیوں تک ہاتھ دھوئے پھر مسح کرے پھر پاؤں دھوئے اس ترتیب کے خلاف کرنا سنت کے خلاف اور سخت مذموم ہے (۱۵) ہر عضو کے دھونے میں داہنی جانب سے ابتدا کرنا (۱۶) ہاتھ پیروں کے دھونے میں انگلیوں کی طرف سے شروع کرنا (۱۷) سر کے مسح کو سامنے کے رُخ سے شروع کرنا (۱۸) گردن کا مسح کرنا حلق کا مسح مسنون نہیں ہے بلکہ بدعت ہے۔

آدابِ وضو :- جن کے بجا لانے میں فضیلت اور بڑا ثواب ہے، مگر نہ کرنے پر گنہ گار بھی نہیں، وہ یہ ہیں :-

(۱) اونچی جگہ بیٹھ کر وضو کرنا تاکہ چھینٹیں اُڑ کر بدن اور کپڑوں پر نہ آویں (۲) قبلہ رُخ ہو کر بیٹھے (۳) اعضائے وضو کو دھونے میں کسی خادم وغیرہ سے بلا ضرورت کام نہ لے بلکہ خود دھوئے۔ (۴) وضو کرتے وقت دنیا کی باتیں نہ کرے (۵) نیتِ وضو دل میں بھی کرے اور زبان سے بھی کہے کہ میں وضو کی نیت کرتا ہوں (۶) وضو کرتے وقت جو دعائیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ و تابعین سے منقول ہیں وہ پڑھے[1] (۷) کانوں کے سوراخ میں

---

[1] کلی کرتے وقت اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی تِلَاوَۃِ الْقُرْاٰنِ وَذِکْرِکَ وَشُکْرِکَ (اے اللہ میری مدد کر تلاوت قرآن اور اپنے ذکر اور شکر پر)، ناک میں پانی ڈالتے وقت اَللّٰھُمَّ اَرِحْنِیْ رَائِحَۃَ الْجَنَّۃِ (اے اللہ آپ مجھے جنت کی خوشبو سے بہرہ مند کیجئے) چہرہ دھوتے وقت اَللّٰھُمَّ بَیِّضْ وَجْھِیْ یَوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوْہٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْہٌ (اے اللہ میرے چہرہ کو روشن کیجئے جس دن بعض چہرے سفید ہوں گے بعض سیاہ) داہنا ہاتھ دھوتے ہوئے اَللّٰھُمَّ اَعْطِنِیْ کِتَابِیْ بِیَمِیْنِیْ وَحَاسِبْنِیْ حِسَابًا یَّسِیْرًا (اے اللہ مجھے میرا نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں دیجئے اور مجھ سے آسان حساب

(بقیہ صفحہ ۲۰ پر)

ں انگلی ڈال کر مسح کرنا (۸) انگوٹھی اگر تنگ ہے تو اس کا ہلانا پانی پہنچانے کے لئے فرض ہے، لیکن ڈھیلی انگوٹھی ہاتھ میں ہو تب بھی اس کا ہلانا مستحب ہے کلی اور ناک میں پانی ڈالنا داہنے ہاتھ سے ور ناک صاف کرنا بائیں ہاتھ سے چاہئے (۹) وقت نماز شروع ہونے سے پہلے وضو کر لینا (۱۰) وضو کے بعد اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ (میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور رسول ہیں) پڑھے (۱۱) وضو کے بچے ہوئے پانی سے ایک دو گھونٹ پی لے (۱۲) پھر یہ دعا پڑھے:۔
اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِیْنَ (اے اللہ مجھے توبہ کرنیوالوں میں سے کر دیجئے اور کر دیجئے مجھکو ان لوگوں میں سے جو پاکی حاصل کرنیوالے ہیں) (۱۳) دھوپ میں تپے ہوئے پانی سے وضو نہ کرے (۱۴) اپنے لئے کوئی برتن وضو کا خاص نہ کرے (۱۵) چہرے پر پانی آہستہ ڈالے زور سے نہ مارے (۱۶) وضو کے بعد اگر رومال سے اعضاء کو پونچھے تو اس میں زیادہ مبالغہ نہ کرے بلکہ کچھ تری رہنے دے (۱۷) وضو کے لئے برتن مٹی کا استعمال کرے (۱۸) وضو میں نہ ضرورت سے زیادہ پانی بہائے نہ بہت کمی کرے (۱۹) بعد وضو کے تین مرتبہ سورہ قدر (اِنَّا اَنْزَلْنَاہُ) پڑھو کہ اس کا بڑا ثواب ہے (مراقی الفلاح ملخصاً)

تنبیہ:۔ جو شخص وضو میں ان فرائض اور سنن اور آداب کی پوری رعایت کرے انشاء اللہ تعالیٰ وہ اس فضیلت کا مستحق ہے جو اوپر حدیث میں آئی ہے کہ "اس کے اگلے پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے"۔

غور کا مقام ہے کہ اتنے ذرا سے عمل پر کس قدر رحمت اللہ تعالیٰ کی متوجہ ہوتی ہے مگر افسوس کہ ہم اس میں بھی غفلت برتتے ہیں۔

خصلت دوم

جواب اذان میں ایک دعاء حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے مؤذن کو اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہتے ہوئے سنا

(بقیہ حاشیہ ۱۹ کا) بایاں پیر دھوتے ہوئے اَللّٰهُمَّ لَا تُعْطِنِیْ کِتَابِیْ بِشِمَالِیْ وَلَا مِنْ وَّرَاءِ ظَهْرِیْ (اے اللہ مجھے
(بقیہ ص ۲۱ پر)

اور اس نے اس کے جواب میں یہ دعا پڑھی، اس کے اگلے پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے" دعا یہ ہے

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ رَضِیْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَبِیًّا وَّرَسُوْلًا (گواہی دیتا ہوں کہ نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے، اور یہ کہ محمد اللہ کے رسول ہیں، میں راضی ہوں اللہ کے ساتھ رب مان کر، اور اسلام کے ساتھ دین مان کر، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نبی اور رسول مان کر) اخرجہ ابویعلیٰ فی صحیحہ وکذا اخرجہ مسلم وابوداؤد و ترمذی والنسائی وابن ماجہ والحاکم فی المستدرک ولیس عندہم لفظ تا آخر)

اور ابوداؤد نے حضرت ابوسعید خدریؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ جو شخص یہ کہے رَضِیْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَبِیًّا، اس کیلئے جنت واجب ہو گئی، اور بیہقی نے دعوات میں حضرت ابوہریرہؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ جس شخص نے مؤذن کو اذان دیتے ہوئے سنا اور اس نے یہ دعا پڑھ لی تو اس کے لئے عرش سے پروانہ اترتا ہے جس میں دوزخ سے امان لکھا ہوتا ہے، وہ دعا یہ ہے:-

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ کا) میرا نامۂ اعمال نہ بائیں ہاتھ میں دیجئے اور نہ پیٹھ کے پیچھے سے) سر کے مسح کے وقت اَللّٰهُمَّ اَظِلَّنِیْ تَحْتَ ظِلِّ عَرْشِكَ یَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّ عَرْشِكَ (اے اللہ مجھے اپنے عرش کے سایہ کے نیچے جگہ دیجئے جس دن آپ کے عرش کے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا) کانوں کے مسح کے وقت اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ (اے اللہ کر دے مجھے ان لوگوں میں سے جو بات کو سنتے ہیں اور احسن اور بہتر بات کی اتباع کرتے ہیں) گردن کا مسح کرتے ہوئے اَللّٰهُمَّ اَعْتِقْ رَقَبَتِیْ مِنَ النَّارِ (اے اللہ میری گردن کو یعنی مجھ کو جہنم سے آزادی دیجئے) داہنا پاؤں دھوتے ہوئے اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْ قَدَمِیْ عَلَی الصِّرَاطِ یَوْمَ تَزِلُّ فِیْهِ الْاَقْدَامُ (اے اللہ میرا قدم پل صراط پر جما دیجئے جس دن لوگوں کے قدم پھسل جائیں گے) بایاں پاؤں دھوتے ہوئے بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ ذَنْبِیْ مَغْفُوْرًا وَّسَعْیِیْ مَشْکُوْرًا وَّتِجَارَتِیْ لَنْ تَبُوْرَ (بسم اللہ اے اللہ میرے گناہ بخش دیجئے اور میری کوشش کا بدلہ دیجئے اور میری تجارت کو خسارہ نہ ہو)

رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ نَبِيًّا وَّبِالْقُرْاٰنِ اِمَامًا وَّبِالْكَعْبَةِ قِبْلَةً اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اَللّٰهُمَّ اكْتُبْ شَهَادَتِيْ هٰذِهٖ فِيْ عِلِّيِّيْنَ وَاَشْهِدْ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَتَكَ الْمُقَرَّبِيْنَ وَاَنْبِيَآئَكَ الْمُرْسَلِيْنَ وَعِبَادَكَ الصّٰلِحِيْنَ وَاخْتِمْ عَلَيْهَا بِاٰمِيْنَ وَاجْعَلْ لِّيْ عِنْدَكَ عَهْدًا تُوَفِّيْنِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ۔ (شفاء الاسقام) (میں اللہ تعالیٰ کو رب ماننے پر اور اسلام کو دین ماننے پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی ماننے پر اور قرآن کو رہنما اور کعبہ کو قبلہ ماننے پر راضی ہوں، اور گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، اے اللہ میری اس گواہی کو علیین میں لکھ دے اور اس پر گواہ بنا دے اپنے ملائکہ مقربین اور اپنے انبیاء مرسلین اور اپنے نیک بندوں کو اور اس پر آمین کی مہر لگا دیجئے اور کر دیجئے میرے لئے اپنے پاس پختہ وعدہ جسے آپ قیامت کے دن مجھے پورا پورا دیں بیشک آپ وعدہ خلافی نہیں فرماتے)

خصلتِ سوم

مقتدی کا امام کے ساتھ آمین کہنا

حدیث:۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا کہ جب نماز میں سورہ فاتحہ کے بعد امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو کیونکہ اُس وقت ملائکہ بھی آمین کہتے ہیں، تو جس شخص کی آمین ملائکہ کی آمین کے موافق ہوگی اس کے اگلے پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے

اس روایت کو ابن وہب نے اپنے مصنّف اور جرجانی نے اپنے امالی میں بطریق سعید
سیتب و ابوسلمہ بن عبد الرحمن روایت کیا ہے اور حضرت امام مالک نے مؤطا میں اور امام احمد
اپنی مسند میں اور صحیح بخاری و مسلم اور ترمذی و ابوداؤد و نسائی ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے
ان کی روایت میں لفظ مَا تَاَخَّرَ (پچھلے گناہوں) کا ذکر نہیں، حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں
تَاَخَّرَ کی زیادتی کو زیادت شاذہ فرمایا ہے۔ (شعار الاسلام)

حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں جس شخص کی آمین ملائکہ کی آمین کے ساتھ موافق پڑے گی
کے اگلے پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے، اور موافق پڑنے کا مطلب صحیح و مختار قول کے موافق
ہے کہ زمانہ میں موافقت ہو جائے کہ جس وقت ملائکہ کی زبان سے آمین نکلے اسی وقت اس کی زبان
بھی نکلے، اور ابن حبان وغیرہ نے فرمایا ہے کہ موافقت سے مراد یہ ہے کہ اخلاص اور خشوع
بھی ملائکہ کے ساتھ موافقت ہو یعنی جس طرح وہ اخلاص و خشوع کے ساتھ آمین کہتے ہیں یہ بھی
لاص اور خشوع کے ساتھ کہے۔

تنبیہ:۔ کتنا مختصر عمل اور کتنا بڑا اجر عظیم ہے، ذرا سی فکر ہو تو آمین ملائکہ کے ساتھ
نہ میں موافقت کیا مشکل ہے، بلکہ اتنی تھوڑی سی دیر کیلئے تو اخلاص و خشوع میں موافقت
جانا بھی کوئی بڑی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو اسکی رعایت کی توفیق عطا فرمائیں۔

خَصْلَتِ چہارُم

نَمَازِ ضُحیٰ

آفتاب بلند ہونے کے بعد سے نصف النہار تک جو نماز پڑھی جائے اس کو نماز ضحیٰ کہتے ہیں
یث میں اس پورے وقت کی نوافل کو صلوٰۃ الضحیٰ ہی کہا گیا ہے، مگر عرف عام میں جو نماز آفتاب
ہونے کے بعد متصل پڑھی جائے اسکو اشراق اور جو اسکے بعد دھوپ پوری طرح پھیل جانے کے بعد
ی جائے اس کو چاشت یا ضحیٰ کہتے ہیں، اور احادیث معتبرہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان
نوں وقتوں میں نماز پڑھنا ثابت ہے (حاشیہ امداد السلوک)

پس معلوم ہوا کہ جو فضیلت نماز ضحیٰ کی حدیث میں مذکور ہے وہ نماز اشراق اور نماز چاشت دونوں کو شامل ہے ان میں سے جو بھی ادا کر لی جائے اس فضیلت کا مستحق ہوگا اور دونوں کو جمع کرے تو سبحان اللہ۔

حدیث:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ جو شخص (ضحیٰ) کی دو رکعتوں پر مداومت کرے اس کے سب گناہ بخش دیئے جائیں گے اگرچہ وہ سمندر کی جھاگ کی طرح بیشمار وکثیر ہوں۔

اس حدیث کو ترمذی و ابن ماجہ و ابن شیبہ نے روایت کیا ہے۔ نیز ابویعلیٰ کی روایت میں ہے کہ اس شخص کے سب گناہ بخش دیئے جائیں گے اور ایسا ہو جائے گا جیسے ماں کے پیٹ سے آج پیدا ہوا ہے۔ نیز ابوداؤد و مسند احمد اور بیہقی میں بھی اس مضمون کی حدیث بایں الفاظ وارد ہے کہ جو شخص نماز فجر پڑھنے کے بعد اپنی جگہ بیٹھا رہے یہاں تک کہ آفتاب بلند ہونے کے بعد دو رکعت نماز ضحیٰ کی پڑھ کر اٹھے اور اس درمیان میں کوئی دنیا کی بات نہ کرے تو اس کی خطائیں معاف کر دی جائیں گی اگرچہ وہ سمندر کے جھاگ سے بھی زیادہ ہوں، اور ابویعلیٰ اور اوسط طبرانی نے اسی مضمون کی حدیث حضرت عائشہؓ سے نقل کی ہے جس میں چار رکعت ضحیٰ کا ذکر ہے (شفاء الاسقام)، اور بعض روایات میں تعداد رکعت چھ بعض میں آٹھ بھی مذکور ہیں (حاشیہ امداد)

(باقی آئندہ)

اعلان

(۱) ایک منی آرڈر رہ ۵۰ روپیہ کا ۲۵ اکتوبر ۱۹۹۱ء کو وصول ہوا ہے منی آرڈر کوپن پر بھیجنے والے کا نام نہیں ہے، پتہ بھی نامکمل ہے، غالباً بھٹکل (کرناٹک) کا ہے بھیجنے والے صاحب اپنے نام و پتہ سے فوراً مطلع فرمائیں

(۲) منی آرڈر کوپن پر اپنا پتہ اور خریداری نمبر ضرور لکھیں!

(۳) رسالہ کے متعلق رقم اگر بذریعہ بنک ڈرافٹ ارسال کرنی ہے تو مندرجہ نام (انگریزی حروف) سے بنائیں "WASIYA TUL IRFAN"

ان لوگوں نے آپس میں کہا کہ اب تو نقش قدم بھی مٹ گیا ہے اور آواز بھی باہر نہیں جا سکتی، لہٰذا اب سوائے اللہ کے اور تم لوگوں کے اعمال صالحہ کے اور کوئی شکل نجات کی نہیں ہے یعنی بعض نے بعض سے کہا کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرو اپنے کسی عمل صالح کے واسطے سے جو تم نے کیا ہو شاید کہ اللہ تعالیٰ اس کو ہمارے اوپر سے ہٹا دے۔ ایک شخص نے ان میں سے کہا کہ اے اللہ آپ جانتے ہیں کہ میری ایک چچازاد بہن تھی اور اس سے مجھے محبت تھی میں نے اُسے ہر چند پھسلایا، لیکن اُس نے مجھے قابو نہیں دیا، کچھ دنوں بعد اسے فقر و فاقہ پیش آیا تو وہ میرے پاس کچھ مانگنے کے لئے آئی، میں نے کہا جب تک کہ تم مجھے اپنے اوپر قدرت نہ دوگی تب تک میں کچھ نہ دوں گا، یہ سُنکر اس نے انکار کیا اور چلی گئی اور کچھ دنوں بعد پھر لوٹ کر آئی اور پہلے سے زیادہ مصیبت اور سختی کی حالت میں آئی، ایک دوسری روایت میں ہے کہ اس کا شوہر مریض تھا جس سے اس کے کئی چھوٹے بچے تھے اور یہ سب لوگ قحط میں مبتلا تھے اس طور پر وہ میرے پاس تین چار بار مانگنے آئی، میں نے کہا کہ میرے کچھ دینے کی وہی شرط ہے کہ مجھکو اپنی نفس پر قدرت دو، اس بار وہ راضی ہوگئی۔ چنانچہ جب میں نے اس سے مقاربت کا ارادہ کیا تو وہ کانپنے لگی اور اس نے کہا کہ اے اللہ کے بندے تیرے لئے اس مہر کا توڑنا حلال نہیں ہے، یہ سُن کر میں نے اُسے چھوڑ دیا اور اسکی حاجت پوری کردی، تو اے اللہ آپ اگر جانتے ہوں کہ میں نے یہ کام محض آپ کی ڈر اور آپ کی رضا کیلئے کیا ہو تو غار کا منہ کھول دیجئے، چنانچہ غار کے منہ پر سے وہ پتھر تھوڑا سا ہٹ گیا۔

دوسرے شخص نے کہا کہ اے اللہ آپ تو جانتے ہی ہیں کہ میرے ماں باپ دونوں بوڑھے تھے اور جب میں دودھ دوہتا تھا تو انھیں پہلے پلاتا تھا، ایک شب جب میں دودھ دوہکر لایا تو دیکھا کہ وہ دونوں سو رہے ہیں، پس میں نے اُن کو جگانا مناسب نہ جانا اور اپنی بکریوں کا بھی مجھے خوف ہوا کہ میں نے انھیں یونہی کھلا ہوا چھوڑ دیا ہے کہیں بھیڑیا نہ کھا لے لیکن میں نے اُن کا خیال کئے بغیر دودھ کا برتن ہاتھ میں لئے ہوئے صبح صادق ہونے تک اُن کے پاس کھڑا رہا اور جنگل میں بکریاں رات بھر کھلی پڑی رہیں تو اے اللہ اگر آپ جانتے ہوں کہ یہ کام میں نے محض آپ کی رضا کیلئے کیا تھا تو غار کا منہ کھول دیجئے، چنانچہ وہ پتھر

تھوڑا اور ہٹ گیا۔

تیسرے شخص نے کہا اے اللہ میں نے ایک دفعہ چند مزدور کام کرنے کے لئے رکھے اور ہر ایک کی مزدوری ۳ صاع گندم مقرر کی، سب نے دن بھر کام کیا میں نے مزدوری چکادی ایک مزدور بولا کہ میں نے زیادہ کام کیا ہے مجھے زیادہ مزدوری دیجئے، میں نے زائد دینے سے انکار کیا، وہ غصہ ہو کر چلا گیا، ایک روایت میں یہ ہے کہ ایک مزدور دوپہر کے وقت آیا اور بقیہ وقت میں اتنا ہی کام کیا جتنا اور مزدوروں نے دن بھر میں کیا تھا، پس میں نے یہ چاہا کہ اسکو پورے دن کی مزدوری دوں، چنانچہ دیدیا، یہ دیکھکر دوسرے مزدوروں میں سے ایک شخص نے کہا کہ یہ تو دوپہر سے آیا تھا اور آپ نے اُسے پورے پیسے دیئے، اور میں صبح سے کام کررہا ہوں تو میری اور اس کی مزدوری میں برابری کیسی، میں نے اس سے کہا کہ میں نے تمہاری مزدوری کچھ کم تو نہیں کی (اور اس کو زائد جو دیا اس کے کام کی وجہ سے دیا) یہ سنکر وہ مزدور غصہ ہوا اور اپنی مزدوری چھوڑکر چلا گیا، میں نے اس کو زمین اور امانت سمجھ کر بو دیا جس کی وجہ سے بہت پیداوار ہوئی، اس غلہ کو بیچ کر گائے اور بکری اور اونٹ بہت سی چیزیں خریدیں، کچھ دنوں کے بعد جب اسے ضرورت پیش آئی تو میرے پاس اپنی مزدوری طلب کرنے کے لئے آیا میں نے کہا یہ سب چیزیں جو دیکھ رہے ہو یہ سب تمہاری ہی ہیں ان سب کو لے جاؤ، تو اے اللہ اگر آپ جانتے ہیں کہ میں نے جو کچھ کیا آپ کی رضا کے لئے کیا تو اس پتھر کو ہٹا دیجئے چنانچہ غار کے منہ سے وہ پتھر ہٹ گیا وہ لوگ چلے گئے، اس واقعہ کو نعمان بن بشیر نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ آپ حدیث الرقیم بیان فرماتے تھے اور پھر یہی حدیث بیان فرمائی، اور نعمان کے علاوہ دوسرے حضرات بھی اسی حدیث کو مختلف الفاظ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔

حکایت:۔ بنی اسرائیل کے ایک اور عابد کا واقعہ | بنی اسرائیل میں ایک عابد تھا جو عبادت اور تقویٰ کے ساتھ ساتھ بہت ہی زیادہ حسین وجمیل بھی تھا، گویا حسنِ سیرت کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے اس کو حُسنِ صورت سے بھی نوازا تھا۔

ذریعۂ معاش یہ تھا کہ اپنے ہاتھ سے کچھ چٹائی وغیرہ بنتا تھا۔ اور اس کو فروخت کرکے گذر بسر

کرتا تھا۔ ایک مرتبہ شاہی محل کی جانب اس کا جانا ہوگیا، ملکہ کی باندی نے محل میں سے اس کو دیکھا اور بھاگی ہوئی ملکہ کے پاس گئی اور کہا کہ ایک ایسا شخص میں نے دیکھا ہے جو کچھ بیچ رہا ہے کہ دنیا حسین انسان میری نظر سے آج تک کوئی گذرا ہی نہیں۔ ملکہ نے کہا اس کو محل کے اندر بلالا چنانچہ باندی باہر جاکر اس کو بلالائی۔ اور ملکہ کے پاس پیش کیا۔ ملکہ نے جب اس کو دیکھا تو اس پر عاشق ہوگئی اور اُن سے کہا کہ اپنی یہ سب چٹائیاں وغیرہ تو الگ رکھ دیجئے اور یہ لباس پہن لیجئے۔ اور باندی سے کہا کہ خلوت خانہ میں خوشبو وغیرہ کا انتظام کر اور ان بزرگ سے کہا کہ اب آپ کو یہ چٹائی بنانے اور بیچنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ کے سب مصارف ہمارے ذمہ ہیں۔ اور آیئے ہمارے ساتھ خلوت خانہ میں چلیئے۔ عابد یہ منظر دیکھکر بہت گھبرایا اور کہا کہ مجھ سے یہ کام نہ ہوگا، ملکہ نے کہا تم محل سے باہر تو جا سکتے نہیں، اس لئے تمہیں تو ہمارا کہنا ماننا ہی پڑیگا اور نوکروں کو حکم دیا کہ کمرے کے دروازے بند کردیئے جائیں۔ چنانچہ سب دروازے بند کردیئے گئے۔

عابد بہت پریشان ہوا، نجات کی کوئی صورت سمجھ میں نہ آئی۔ مکان کے سب دروازے بند ہو چکے تھے، ایک راستہ ذہن میں آیا، ملکہ سے پوچھا کہ اس کمرے کے اوپر بھی کوئی چھت ہے اور تنہائی کی کوئی جگہ ہے۔ میں ذرا وضو کرکے دو رکعت نماز پڑھنا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا کہ ہاں ہاں بہت اچھی جگہ ہے۔ آپ ضرور اس سے فارغ ہو جایئے اور باندی کو آواز دی کہ آپ کے لئے اوپر وضو کا سامان پہنچاؤ۔

جب عابد اوپر گیا تو دیکھا کہ بہت اونچا محل ہے اور اوپر سے نیچے اترنے کی کوئی سبیل نہیں (یعنی دیواریں چکنی ہیں اور کہیں پیر کا امکان نہیں ہے) اس وقت عاجز ہو کر اپنے نفس کو ملامت کرنے لگا کہ افسوس صد افسوس! آج ستر سال کی عمر گزری کہ تو اپنے رب کریم کی رضا ڈھونڈتا رہا اور شب و روز اسی کا حریص تھا کہ کونسا عمل کرے کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو جائیں۔ لیکن ہائے افسوس کہ آج ایسی شب آگئی کہ اس کی وجہ سے تیرے ستر سالہ عبادت پر پانی پھرنے والا ہے، جا دور ہو ظالم! واقعی تو بڑا ہی خائن ہے، دھوکے باز اور بے وفا ہے۔ اگر آج کی رات آہی گئی اور اس نے تیرے سب عمل (زہد و عبادت) پر پانی پھیر ہی دیا تو وہ سب تو کالعدم ہو جائینگے۔ بس یہی آج کا عمل لیکر خدا کے یہاں جانا اور خدا کو منہ دکھانا۔ جا تجھے حیا نہیں تجھ سے دھوکا ہوا اور تونے

تو مجھے ایسی جگہ مارا جہاں پانی بھی نہ مل سکا۔

اسی طرح سے وہ اپنے نفس پر دیر تک عتاب کرتا رہا۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آخر کار نفس کو بالکل آمادہ کر لیا کہ اپنے کو محل کے اوپر سے نیچے زمین پر گرا دے، چنانچہ کودنا ہی چاہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کو جوش آگیا۔ جبرئیل کو پکارا۔ حضرت جبرئیلؑ لبیک یارب لبیک کہتے ہوئے حاضر ہوئے، فرمایا کہ میرے اس بندے کو دیکھ رہے ہو، میری معصیت اور میرے عذاب سے بچنے کی خاطر محل پر سے کودنے جارہا ہے، جاؤ اس کو اپنے پر روکو اور دیکھو خبردار اس کو ذراسی خراش بھی نہ لگنے پائے، یہ سنتے ہی حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اپنے بازو پھیلا دیئے اور ان پر اس کو روک لیا پھر دھیرے سے زمیں اتار دیا جس طرح سے کہ ایک مہربان اور شفیق ماں اپنے بچے کو نرمی سے گود میں لیتی ہے اور گود سے اتارتی ہے۔ فرمایا کہ پھر وہ وہاں سے سیدھا اپنے گھر آیا اور چٹائی اور ٹوکری وغیرہ وہیں محل میں چھوڑ دیا۔ سورج غروب ہو چکا تھا بیوی نے پوچھا کہ چٹائی تو بک گئی ہوگی پیسے کہاں ہیں؟ عابد نے کہا کہ آج دام ملے نہیں، بیوی نے کہا پھر بھلا آج روزہ کس چیز سے افطار کیا جائے، کہا جانے بھی دو آج کچھ نہ کھائیں گے، لیکن تم یہ کرو کہ تنور میں آگ تو جلا ہی لو، اس لئے کہ اگر گھر سے دھواں نہ اٹھے گا تو پڑوسی سمجھیں گے کہ آج ان کے یہاں کچھ کھانے کو نہیں ہے، اور ہماری وجہ سے بلاوجہ وہ سب تکلیف میں پڑینگے چنانچہ بیوی اٹھی اور جاکر اس نے چولھے میں آگ جلادی اور پھر آکر عابد کے پاس بیٹھ گئی، اتنے میں پڑوس کی ایک عورت آئی اور کہا کہ بہن آگ جلائی ہو تو تھوڑی آگ ہمیں دے دو۔ عابد کی بیوی نے کہا چولھے میں سے جاکر لے لو۔ چنانچہ وہ باورچی خانہ میں گئی اور آگ لیکر پھر اس کے پاس آئی اور کہا کہ بہن تم یہاں بیٹھی باتیں کر رہی ہو اور تمہاری روٹی جو تنور میں پڑی ہے پک گئی ہے جاؤ جلدی نکالو نہیں تو جل کر کوئلہ ہو جائے گی، یہ کہہ کر وہ تو چلی گئی اور یہ اٹھ کر باورچی خانہ میں گئی، دیکھا کہ واقعی تنور خوب دہک رہا ہے اور اس میں نہایت ہی عمدہ روٹی پک کر بالکل تیار موجود ہے، سمجھ گئی کہ یہ خدائی عطیہ ہے۔ اس نے روٹی کو تنور سے نکالا اور طباق میں رکھ کر عابد کے پاس لائی اور اس سے کہا کہ یہ محض آپ کی برکت اور کرامت سے ملی۔ اللہ تعالیٰ کے آپ مقبول بندے ہیں، آپ ہی کے لئے خدا نے اس کو بھیجا ہے، لہٰذا اب دعا کر دیجئے کہ ساری

عمر ہم پر اسی طرح وسعت رہے، عابد نے کہا جو کچھ ادھر مل گیا ہے بس اسی پر قناعت کر اور راضی رہ، مزید کی فرمائش نہ کر لیکن عورت ذات کو کہاں صبر، اس کے سر ہوگئی کہ نہیں ابھی دعا کیجئے، یہاں تک اصرار کیا کہ اس سے قبول کرا کر چھوڑا

جب آدھی رات ہوئی تو عابد نے نماز پڑھی اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ (پروردگار آپ نے جن نعمتوں سے نوازا ہے وہ ہماری حیثیت سے کہیں زیادہ ہے) لیکن میری بیوی نے مجھ سے دعا کرنے کی درخواست کی ہے اس لئے عرض ہے کہ جب تک وہ زندہ رہے یارب تو اسی طرح سے وسعتِ رزق کا معاملہ جاری فرما۔ اِدھر وہ عابد دعا سے فارغ ہوا ادھر وہ چھت کھلی اور ایک ہاتھ نمودار ہوا اور اس میں ایک ایسا قیمتی یاقوت تھا کہ در و دیوار جس کی چمک سے جگمگا اٹھے، پاس ہی بیوی سو رہی تھی۔ عابد نے اس کے پیر ہلائے اور کہا کہ اُٹھ کر بیٹھ اور جو مانگا تھا آیا ہے لے اس کو۔ اس نے نیند کے خمار ہی میں کہا ارے بیٹے جلدی نہ کیجئے، بس اسی لئے آپ نے مجھے جگا دیا، میں اس وقت ایک بہت ہی عمدہ خواب دیکھ رہی تھی۔ ایک کرسی دیکھا سونے کی جس میں یاقوت اور زمرد جڑے ہوئے تھے نہایت ہی عمدہ اور حسین تھی، لیکن ایک جگہ اس میں ذرا سی ٹوٹن تھی جیسے کوئی ہیرا نکل گیا ہو، میں نے وہاں کے لوگوں سے پوچھا یہ کس کی کرسی ہے انھوں نے کہا کہ تمہارے شوہر کے لئے بچھائی گئی ہے وہ اس پر آکر بیٹھیں گے، میں نے کہا کہ ذرا سا عیب اس میں کیسے ہوگیا ہے کوئی نگ جھڑ گیا ہے کیا؟

لوگوں نے کہا کہ اس میں ایک یاقوت جڑا ہوا تھا، مگر اس کی بیوی نے کوئی فرمائش کی اور دنیا میں ملنے کی جلدی مچائی اس لئے یہاں سے نکال کر وہاں بھیج دیا گیا ہے۔ یہ تو خواب میں دیکھا (اور اس کے بعد اب دیکھ رہی ہوں کہ تم ایک یاقوت مجھے دے رہے ہو کہ لو یہ وہاں سے آیا ہے تو ہو نہ ہو یہ وہی یاقوت ہے جو تمہاری کرسی سے نکال کر لایا گیا جس کی وجہ سے وہ عیب دار ہوگئی ہے) لہٰذا مجھے ایسی چیز درکار نہیں ہے جس کی وجہ سے آپ کی کرسی عیب دار ہو جائے۔ پس اللہ تعالیٰ سے پھر دعا فرمائیے کہ اس کو واپس لیکر وہیں لگوا دیں، عابد نے پھر دعا کی اور وہ ہاتھ واپس ہوگیا۔ سبحان اللہ! کیسا ایمان تازہ کر دینے والا واقعہ ہے۔ سچ ہے ؎

در کریم سے سائل کو کیا نہیں ملتا — جو مانگنے کا طریقہ ہے اس طرح مانگے

حکایت:- ہارون رشید کے ایک لڑکے کا عبرتناک واقعہ

فقیہ ابو اللیث سمرقندیؒ اپنے والد سے اور وہ اپنی سند کے ساتھ عبداللہ بن الفرج العابد سے نقل کرتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں، میں ایک دن اپنے مکان سے باہر نکلا اور کسی ایسے شخص کو تلاش کرنے لگا جو میرے گھر کی مرمت کر دے، پس لوگوں نے مجھے کسی ایسے شخص کی طرف اشارہ کیا جو شکل وصورت میں تو بہت حسین تھا اور ایک ٹوکری اور پھاوڑا لئے ہوئے تھا، میں نے اس سے کہا کہ دن بھر کا کام ہے تم کر دو گے، اُس نے کہا ہاں فرمایئے، میں نے کہا اجرت کیا لو گے، اس نے کہا ایک درہم اور ایک دانق، میں نے کہا کہ اچھا آؤ، چنانچہ وہ میرے ساتھ آیا اور ایک دن میں تین مزدوروں کے برابر کام کیا، دوسرے دن پھر آیا اور اسی کو تلاش کرنے لگا، لوگوں نے کہا کہ وہ تو ہفتہ میں صرف ایک دن نظر آتا ہے اور وہ دن بھی بتایا، میں نے اس دن تک انتظار کیا اور جب وہ دن آیا تو پھر اس کی تلاش میں نکلا، دیکھا کہ وہ بیٹھا ہوا ہے اور پھاوڑا اور ٹوکری لئے ہوئے ہے، میں نے اس سے کہا کہ میرے یہاں کام کر دو گے، اُس نے کہا ہاں کر دوں گا، میں نے کہا مزدوری کیا لو گے، اُس نے کہا ایک درہم اور ایک دانق، میں نے کہا آؤ چلو، وہ میرے ساتھ گیا اور دن بھر میں تین مزدوروں کے اتنا کام کیا، جب شام ہوئی تو میں نے اسے دو درہم اور دو دانق دیئے اور اس بات کا منتظر رہا کہ دیکھوں وہ کیا کہتا ہے، چنانچہ اُس نے مجھ سے کہا کیا دیا آپ نے، میں نے کہا دو درہم اور دو دانق، اُس نے کہا کیا میں نے نہیں کہا آپ سے کہ میری مزدوری ایک درہم اور ایک دانق ہے، آپ نے میرا اجارہ مجھ پر فاسد کر دیا، میں آپ سے کچھ نہ لوں گا۔

عبداللہ ابن فرج کہتے ہیں کہ پھر میں نے اس کو ایک درہم اور ایک دانق دینا چاہا مگر اس نے لیا نہیں، میں نے اصرار کیا، اُس نے کہا سبحان اللہ! میں کہہ رہا ہوں کہ نہ لوں گا اور آپ اصرار کئے چلے جا رہے ہیں۔

غرض کہ اس نے نہیں لیا اور چلا گیا، میں اندر اپنی اہلیہ کے پاس گیا، اس نے کہا خدا تمہارا بھلا کرے تمھیں کیا ہو گیا کہ اس نے تین دن کا تو کام کیا اور تم نے اس کی مزدوری بھی ہڑپ کر لی۔ ابن فرج کہتے ہیں کہ پھر میں ایک دن اس کی تلاش میں نکلا، لوگوں نے مجھے

بتایا کہ وہ تو آج کل بیمار ہے میں نے اس کا جائے قیام دریافت کیا اور دروازہ پر آکر اندر آنے کی اجازت طلب کی، اندر جاکر دیکھا کہ اسے دستوں کی شکایت ہے، ایک ویرانہ مکان میں پڑا ہوا ہے، جس میں صرف ایک پھاوڑا اور ایک ٹوکری رکھی ہوئی ہے، میں نے اُسے سلام کیا، اس نے جواب دیا، میں نے کہا کہ مجھے آپ سے ایک حاجت ہے اور کسی مومن کے قلب کو خوش کرنے کی فضیلت سے تو آپ واقف ہی ہیں وہ یہ ہے کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ میرے مکان پر تشریف لے چلیں تاکہ میں وہاں آپ کی تیمار داری کرسکوں، اسنے کہا کیا واقعی تم دل سے ایسا چاہتے ہو، میں نے کہا ہاں بیشک، اُس نے کہا اچھا میں تمہارے یہاں چل سکتا ہوں لیکن تین شرطوں کے ساتھ، میں نے کہا بہتر ہے فرمایئے، اس نے کہا۔

ایک یہ کہ تم میرے سامنے کوئی کھانے کی چیز مت لاؤ گے جبتک کہ میں خود نہ سوال کروں، میں نے کہا بہتر ہے منظور، اس نے کہا دوسری یہ کہ جب میرا انتقال ہوجائے تو مجھے اسی جبے اور اسی کمبل میں دفن کرنا، میں نے کہا یہ بھی منظور، اس نے کہا کہ تیسری شرط جوان دونوں سے کڑی ہے، اس کو میں بعد میں بتاؤں گا۔

چنانچہ میں اس کو ظہر کے وقت اپنے گھر لے آیا، پس جب دوسرے دن کی صبح ہوئی تو اس نے مجھے پکارا اے عبداللہ یہاں آؤ، میں فوراً اس کے پاس گیا اور دریافت کیا کہ کیا بات ہے، اس نے کہا، میں اس وقت تمھیں تیسری شرط کی اطلاع دینا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ میں اس وقت سکراتِ موت میں مبتلا ہوں اور میرے وفات کا وقت قریب آگیا ہے، تم میری آستین کا جیب کھولو اور اسمیں سے تھیلی نکالو، میں نے اسے کھولا، تھیلی میں ایک انگوٹھی تھی جس میں ہرا نگینہ جڑا ہوا تھا، اس نے مجھ سے کہا کہ جب میرا انتقال ہوجائے اور تم میرے دفن کفن سے فارغ ہو جانا تو اس انگوٹھی کو لیکر امیرالمومنین ہارون رشید کے پاس جانا اور ان سے کہنا کہ آپ سے اس انگوٹھی والے نے کہا ہے کہ آپ کی حالت پر افسوس ہے خدا نہ کرے کہ آپ اسی نشہ میں مرجائیں، اس لئے کہ اگر آپ کا انتقال اسی حال میں ہوگیا تو آپ کو بہت شرمندگی اٹھانی پڑے گی۔ چنانچہ جب میں اس کے کفن دفن سے فارغ ہوا تو میں نے معلوم کیا کہ ہارون رشید کس دن باہر

نکلتے ہیں، اس وقت جاکر حاضری کی اجازت کیلئے پرچہ بھیجا، خادم سے فرمایا کہ اس رقعہ والے کو بلالاؤ، میں اندر گیا، فرمایا تمھیں کیا ضرورت ہے، میں نے وہ انگوٹھی نکالی اسکو دیکھکر فرمایا یہ تمھیں کہاں سے ملی، میں نے کہا مجھے ایک مزدور نے دی ہے۔ اسکے بعد میں نے جو ان میں نظر کی تو دیکھا کہ آنسو سے ان کی ڈاڑھی تر اور ڈاڑھی سے گرکر کپڑا تر ہوگیا تھا، اور وہ کہہ رہے تھے کہ مزدور؟ مزدور؟ ، اس کے بعد مجھے اپنے قریب بلالیا اور پاس ہی بٹھالیا، میں نے کہا اے امیر المومنین اس نے ایک وصیت بھی کی ہے اور مجھ سے کہا ہے کہ جب میں یہ انگوٹھی آپ کو پہنچاؤں تو یہ کہوں کہ اس انگوٹھی والے نے آپ کو سلام عرض کیا ہے اور کہا ہے جس نشہ میں آپ چور ہیں خبردار اسمیں نہ رہیے گا، اس لئے کہ اگر آپ اسی حال میں مرگئے تو بہت ندامت اٹھانی پڑیگی، یہ سُنکر وہ کھڑے ہوگئے اور اپنے آپ کو بستر پر گرالیا اور اسی پر لوٹنے پوٹنے اور سر ڈاڑھی پٹکنے لگے ہائے میرے نختِ جگر تم نے اپنے باپ کو برابر نصیحت کی زندگی میں بھی اور مرتے مرتے بھی، یہ سُنکر میں نے اپنے دل میں کہا کہ اچھا وہ مزدور ان کا بیٹا تھا؟ مجھے بالکل پتہ نہ تھا۔

غرض ہارون رشید بہت دیر تک روتے رہے، پھر اٹھکر بیٹھے، پانی منگوایا اور اپنا چہرہ دھویا، پھر مجھ سے فرمایا تمھاری اس سے ملاقات کس طرح ہوئی، میں نے ان سے سارا قصہ بیان کیا سنتے رہے اور روتے رہے، جب سکون ہوا تو مجھ سے کہا کہ یہ میرا سب سے پہلا بچہ تھا، میرے باپ مہدی نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ میری شادی زبیدہ سے کریں گے، لیکن ایک دن میری نظر ایک دوسری عورت پر پڑی جس سے مجھ کو قلبی تعلق ہوگیا۔ میں نے والدصاحب سے چھپا کر اس سے نکاح کرلیا، جس سے یہ لڑکا پیدا ہوا، میں نے ماں بیٹے کو بصرہ بھیج دیا اور انھیں یہ انگوٹھی اور بہت سی چیزیں دیں اور بیوی سے یہ کہا کہ جاؤ اپنے آپ کو پوشیدہ رکھنا اور جب تمھیں یہ اطلاع ملے کہ اب میں تخت خلافت پر ہوں تو میرے پاس آجانا، پس جب میں تخت خلافت پر بیٹھا تو لوگوں سے ان دونوں کا پتہ لگوایا تو مجھ سے کہا گیا کہ وہ دونوں تو مرگئے

(باقی آئندہ)

گر ایں مدعی دوست بشناختے　بہ پیکار دشمن نہ پرداختے

(اگر یہ مدعی (جو محبت دوست کا دعویٰ کرتا ہے) اگر اسکو دوست کی معرفت ہوتی تو دشمن سے برسرپیکار نہ ہوتا (دوست کے ساتھ مشغولی اسے غیر کے ساتھ مشغول ہونے سے باز رکھتی)

احتیاطِ خطاب | کاندھلہ میں ایک بار مولویوں کے مجمع میں یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ کافر کو کافر کہنا کیسا ہے، ایک جماعت یہ کہہ رہی تھی کہ تہذیب کے خلاف ہے، اور ایک جماعت کہہ رہی تھی کہ جائز ہے کیونکہ قرآن میں بکثرت کافر کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، پہلی جماعت نے اس کا جواب دیا کہ قرآن میں خطاب کے موقع میں کافروں کو کافر نہیں کہا گیا (بلکہ یٰاَیُّھَا النَّاس سے خطاب کیا گیا ہے) اور گفتگو اس میں ہے کہ کافر کو کافر کہہ کر خطاب کرنا کیسا ہے، پھر ایک مولوی صاحب کو حکم بنایا گیا کہ اس اختلاف کا فیصلہ کریں، انھوں نے کہا کہ قرآن میں خطاب کے موقع پر بھی کافروں کو کافر کہا گیا ہے قُلْ یٰاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ مگر میں اس محاکمہ کا بھی محاکمہ کرتا ہوں کہ قرآن میں کفار کو کافر کہہ کر بلا ضرورت خطاب نہیں کیا گیا اور جہاں اس لفظ سے خطاب کیا گیا ہے وہاں ضرورت تھی۔ وہ یہ کہ ان ظالموں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بیڈھنگی درخواست کی تھی کہ ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی عبادت کر لیا کریں، ایک سال ہم آپ کے خدا کی عبادت کر لیا کریں گے، اس کے جواب میں یہ سورت نازل ہوئی کہ "ان سے فرما دیجئے کہ اے کافرو! میں تمہارے معبودوں کی پرستش نہ کرونگا نہ تم میرے معبود کی عبادت کروگے نہ اب نہ آئندہ"

تو یہاں ان لوگوں کی امیدیں قطع کرنے کے لئے سختی کے ساتھ کافر کہہ کر ان کو خطاب کیا گیا ہے، باقی آیات میں اس لفظ سے خطاب نہیں کیا گیا کیونکہ ضرورت نہ تھی۔ بس فیصلہ یہ ہوا کہ خشن خطاب بلاضرورت نہ کرنا چاہیے، ہاں ضرورت سے ہو تو جائز ہے۔

تفسیری نکتہ | ایک بات استطراداً یہاں اور سمجھ لیجئے وہ یہ کہ اس سورت کے متعلق بعض لوگوں نے ایک غلطی کی ہے کہ لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ تمہارے واسطے تمہارا دین ہے ہمارے واسطے ہمارا دین ہے اور یہ تفسیر کر کے اسی آیت کے حکم کو باقی سمجھا ہے۔

چنانچہ بعض صوفیہ نے اسی کو اپنا معمول بنالیا اور صلح کل اپنا مذہب بنالیا کہ موسیٰ بدین خود عیسیٰ

بدین خود کسی سے لڑنے جھگڑنے کی ضرورت نہیں، مگر یہ استدلال اس لئے غلط ہے کہ اول تو یہاں دین بمعنی مذہب ہونا مسلم نہیں بلکہ بمعنی جزا ہونا محتمل ہے یعنی جیسا تم کروگے ویسا بھروگے۔ پس لَکُمْ دِیْنُکُمْ ایسا ہے جیسا محاورہ میں کہتے ہیں کَمَا تَدِیْنُ تُدَانُ (جیسا کروگے ویسا بھروگے) اور اس صورت میں منسوخ ناسخ کی بھی ضرورت نہ ہوگی، اور اگر یہی تفسیر کی جاوے تو اس صورت میں یہ آیت منسوخ ہوگی،

بہر حال اس سے صلح کل کی تائید نہیں ہوتی ہے، اب تو آپ کو معلوم ہوا ہوگا کہ قرآن سے استدلال بدون معرفت غریب کے جائز نہیں اس لئے محض ترجمہ ڈپٹیہ[1] مہارت علوم شرعیہ کے لئے پڑھ لینا کافی نہیں ؎

نہ ہر کہ چہرہ برافروخت دلبری داند ۔ نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند

(ایسا نہیں ہے کہ جو بھی بناؤ سنگار سے خوبرو بن جائے وہ انداز دلبری بھی جانے اور ایسا بھی نہیں کہ جو آئینہ رکھ لے وہ آئین سکندری سے واقف ہو)

ہزار نکتۂ باریک تر زمو ایں جاست ۔ نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

(یہاں ہزارہا ایسے نکتے اور باریکیاں ہیں جو بال سے بھی باریک تر ہیں یہ ضروری نہیں ہے کہ جو سر منڈائے وہ اوصاف قلندرانہ بھی رکھتا ہو)

لوگ اس ترجمہ کی زبان کی تعریف کرتے ہیں مگر زبان بھی کچھ عمدہ نہیں، چنانچہ یَعْمَهُوْنَ (وہ عقل کے اندھے ہیں) کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ٹامک ٹوئیاں مارا کریں فصحاء دہلی و لکھنؤ کی زبان سے ٹامک ٹوئیاں کبھی نہیں سنا گیا یہ محض بازاری زبان ہے، اسی طرح اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ہم کبڈی کھیل رہے تھے یہ بالکل غلط تفسیر ہے کیونکہ استباق کے معنیٰ باہم دوڑنے کے ہیں کہ ایک شخص دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کرے اور کبڈی میں ایسا نہیں ہوتا، دوسرے کبڈی کا لفظ فصیح نہیں۔ تیسرے کبڈی میں موضع لعب سے غیبت نہیں ہوتی، پھر یہ برادران یوسف کا عذر کیونکر بن سکتا ہے بلکہ عذر کے موقع ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پر وہ یہی کہہ سکتے ہیں کہ ہم ایک دوسرے سے آگے نکلنے کے لئے دوڑ رہے تھے۔ اور یوسف علیہ السلام سامان پر تھے ہماری نگاہ سے اوجھل ہوگئے

---

[1] یعنی شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد صاحب کا ترجمہ کردہ قرآن مجید

کہ بھیڑیا کھا گیا اور ہم کو خبر نہ ہوئی۔ بہر حال کبڈی کے ساتھ تفسیر کرنا عقل کے بھی خلاف، لغت کے بھی خلاف، فصاحت کے بھی خلاف ہے، مگر لوگ ہیں کہ اس ترجمہ پر لٹو ہیں۔

بہر حال اس سورت میں ضرورت کی وجہ سے کفار کو کفار کہا گیا ہے ورنہ بلا ضرورت مخاطب کو سخت الفاظ سے خطاب کرنا ممنوع ہے تو ان مولوی صاحب نے دیہات کے بے نمازیوں کو بلا ضرورت سُور اور کتا بنایا تھا اس پر وہ بگڑ گئے اور ان پر مارنے کو چڑھ آئے، میزبان نے یہ دیکھ کر مولوی صاحب کو اطلاع کی، پوچھا آخر میں نے کیا قصور کیا؟ کہا تم نے بے نمازیوں کو سُور اور کتا کہا ہے، کہا پھر تم کو تو نہیں کہا، دیہاتی بولے کہ ہم بھی تو بے نمازی ہیں، کہا تم کدھر سے بے نمازی ہو کیا تم نے کبھی عید بقرعید کی بھی نماز نہیں پڑھی، گاؤں والوں نے کہا ہاں عید بقرعید کی تو پڑھ لیتے ہیں کہا پھر تم تو نمازی ہو، اب کیا تھا اب خوش ہو گئے اور لگے دعوتیں کرنے، تو بدون مواظبت کے جو عمل ہوگا تو وہ ایسا ہوگا جیسا یہ دیہات والے نمازی تھے، تو کیا ان کو کوئی نمازی کہہ سکتا ہے ہرگز نہیں، اسی طرح بدون مواظبت ذکر کے آدمی ذاکر نہیں ہو سکتا، بدون مواظبت صبر کے صابر نہیں ہو سکتا ہے، وعلیٰ ہٰذا القیاس۔

مداومت نماز مگر مداومت و مواظبت کے یہ معنیٰ نہیں ہیں کہ ہر وقت اسی میں لگا رہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ جو وقت جس عمل کا مقرر ہے اُس وقت میں وہ عمل بجا لائے ورنہ نماز پر مواظبت دشوار ہو جائے گی، کیونکہ نماز ہر وقت جائز نہیں۔ اور یہی غلطی بعض صوفیہ کو پیش آئی ہے کہ صورت صلوٰۃ کی ضرورت کے منکر ہو گئے اور دلیل یہ بیان کی کہ سورۂ معارج میں ہے اَلَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلٰوتِهِمْ دَآئِمُوْنَ (جو لوگ اپنی نمازوں پر دوام اور ہمیشگی کرتے ہیں) اور صورت صلوٰۃ کا دوام ہو نہیں سکتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مراد روح صلوٰۃ ہے جس پر دوام ہو سکتا ہے، مگر یہ دلیل غلط ہے کیونکہ انھوں نے دوام کے معنیٰ نہیں سمجھے اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھو حضور کا ارشاد ہے اَلْمَرْءُ فِی الصَّلٰوۃِ مَادَامَ یَنْتَظِرُ الصَّلٰوۃَ فَذٰلِکُمُ الرِّبَاطُ فَذٰلِکُمُ الرِّبَاطُ فَذٰلِکُمُ الرِّبَاطُ (آدمی نماز ہی میں رہتا ہے جب تک نماز کا انتظار کرتا رہے یہی رباط فی سبیل اللہ ہے یہی رباط فی سبیل اللہ ہے یہی رباط فی سبیل اللہ ہے) یعنی نماز کے انتظار میں رہنا بھی حکماً نماز ہی میں رہنا ہے، جس شخص نے صبح کی نماز پڑھ لی اور نیت یہ ہے کہ ظہر کی نماز بھی پڑھوں گا۔

وہ اسی وقت سے منتظر صلوٰۃ ہے۔ اس پر شاید کسی کو شبہ ہو کہ صبح کی نماز پڑھ کر تو ہم بہت سے کاموں میں مشغول ہو جاتے ہیں، کوئی تجارت و زراعت میں مشغول ہوتا ہے کوئی کھانے پکانے کے سامان میں، اور قاعدہ ہے اَلنَّفْسُ لَاتَتَوَجَّهُ اِلٰی شَیْئَیْنِ فِیْ اٰنٍ وَاحِدٍ کہ نفس ایک آن میں دو طرف توجہ نہیں کر سکتا، تو صبح سے ظہر تک انتظار کا تحقق کہاں ہوا جبکہ درمیان میں بہت سا وقت اس حالت میں گزرا ہے کہ ظہر کی نماز کا خیال بھی نہیں آیا، اس کا جواب ایک تو یہ ہے کہ آن واحد میں دو چیزوں کی طرف توجہ محال عقلی نہیں گو مستبعد ہو۔ مگر آجکل یہ بھی ایک حماقت ہے کہ محال عادی کو محال عقلی سمجھتے ہیں۔

علم سے مس رامپور میں ایک صاحب سے معراج کے مسئلہ پر گفتگو ہوئی وہ کہنے لگے کہ معراج کا مسئلہ سمجھ میں نہیں آیا یہ تو محال ہے۔ میں نے کہا آپ اس کے استحالہ پر دلیل قائم کیجئے۔ کہنے لگے اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی، میں نے کہا عدم نظیر سے استحالہ پر استدلال نہیں ہو سکتا، بہت سے بہت عدم وقوع پر استدلال ہوگا اور عدم وقوع سے استحالہ ثابت نہیں ہو سکتا، اور اگر نظیر بتلا دی جائے تو وہ بھی ایک واقعہ ہوگا اگر وہ محتاج دلیل نہیں تو معراج ہی کے واقعہ کو بلا دلیل مان لیجئے، اور اگر وہ بھی محتاج دلیل ہے تو تسلسل لازم آئے گا جو محال ہے، اس لئے نظیر کا مطالبہ فضول ہے۔

آجکل یہ بھی ایک غلطی ہے کہ نظیر کو دلیل سمجھتے ہیں، لوگوں کو علم سے مس ہی نہیں رہا کہ دلیل کو تو دلیل نہیں سمجھتے غیر دلیل کو دلیل کہتے ہیں، چنانچہ میرے اس جواب پر وہ صاحب کہنے لگے کہ تسلی نہیں ہوئی۔ میں نے کہا آپ کی تسلی تو جب ہو کہ میں یہاں سے اڑوں اور آپ کے سامنے آسمان پر جاؤں مگر شاید اس وقت بھی تسلی نہ ہوتی بلکہ خود ان کو معراج ہوتی تو تسلی ہوتی اور ممکن ہے اس وقت بھی تردد رہتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کی بابت فرمایا ہے وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ۝ لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ (اگر ہم ان کیلئے آسمان میں کوئی دروازہ کھول دیں پھر یہ دن کے وقت اسمیں چڑھ جائیں تب بھی یوں کہہ دیں کہ ہماری نظر بندی کر دی گئی تھی بلکہ ہم لوگوں پر تو بالکل جادو کر رکھا ہے)

علہ وقت

یعنی اگر یہ لوگ آسمان کے دروازوں میں بھی چڑھ جائیں جب بھی ان کو اپنے اوپر نظر بندی یا سحر کا شبہ ہوتا۔ غرض مجھے اول تو اس قاعدہ ہی میں کلام ہے، میں ایک آن میں دو طرف توجہ ہونے کو محال عقلی نہیں سمجھتا،

چنانچہ مولوی فضل حق صاحب خیرآبادی کی نسبت سنا گیا ہے کہ وہ ایک وقت میں تین کام کرتے تھے، درس بھی دیتے، شطرنج بھی کھیلتے اور تصنیف بھی کرتے رہتے حالت یہ تھی کہ جب تک طالب پڑھتا رہتا تصنیف کرتے رہتے اور اسی درمیان میں شطرنج کا مہرہ بدل دیتے اور جب وہ عبارت سے فارغ ہوتا تصنیف بند کرکے اس کی تقریر کر دیتے۔

شاید کوئی یہ کہے کہ یہ تو ایک آن میں تین کام نہ ہوئے بلکہ ایک آن میں ایک کام ہوا تو اس کا جواب ظاہر ہے کہ گو ظہور عمل کا جدا آن میں ہوا، مگر یہ کام ایسے ہیں کہ ایک آن کی توجہ میں نہیں ہو سکتے، اس لئے لازم ہے کہ ان کی توجہ تینوں کاموں پر ساتھ ساتھ رہتی تھی اور یہ محال کیونکر ہو سکتا ہے جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ نماز کے اندر دکان کا حساب بھی کرتے ہیں۔ تو جیسے یہ ہو سکتا ہے اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ تجارت کی حالت میں آپ نماز میں لگے رہیں۔

چنانچہ ارشاد ہے رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ (ایسے لوگ صبح شام اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں) جن کو اللہ کی یاد سے اور نماز پڑھنے سے اور زکوٰۃ دینے سے نہ خرید غفلت میں ڈالنے پاتی ہے نہ فروخت) آپ کو نماز تجارت سے مشغول نہیں کرتی انکو تجارت نماز اور ذکر اللہ سے مشغول نہیں کرتی، مگر شاید آپ کہیں کہ یہ تو وہ کر سکتا ہے جو ایسا ذاکر شاغل ہو کہ ذکر اللہ اسکے دل میں سرایت کر گیا ہو عوام سے تو ایسا نہیں ہو سکتا گویا آپکے نزدیک عوام استحضار صلوٰۃ سے اور دوام فی الصلوٰۃ کی فضیلت سے محروم ہیں، مگر یہ دعویٰ بلا دلیل ہے۔

حقیقت ایمان | الحمد للہ اس اشکال کو رفع کرنا اللہ تعالیٰ نے مجھے سمجھا دیا اس طرح کہ اول یہ مقدمہ سمجھ لو کہ ایمان ہر وقت فرض ہے اور مومن ہر وقت مومن ہے اس کی کوئی ساعت ایمان سے خالی نہیں، حالانکہ ایمان کی حقیقت تصدیق بالقلب ہے، اب اگر دوام ایمان کے معنی یہ ہیں کہ اس تصدیق کا ہر وقت استحضار رہے تو ظاہر ہے کہ ہر وقت اس کا استحضار نہیں ہوتا، معلوم ہوا کہ دوام کے کوئی اور معنی بھی ہیں، پس سمجھو کہ دوام ایمان کے معنی یہ ہیں

کہ ایک بار تصدیق کا استحضار کر کے پھر اس کی ضد کا استحضار نہ ہو، جب تک ضد کا استحضار نہ ہو گا اس وقت تک اس استحضار کو باقی سمجھا جائے گا اور یہ شخص ہر ساعت میں مومن ہے۔ یہ تو شرعی مثال ہے جس سے دوام کے یہ معنی معلوم ہوئے اور محسوسات میں بھی اس کی چند مثالیں ہیں مثلاً مشی[1] فعل اختیاری ہے اور ہر قدم کا اٹھانا فعل اختیاری ہے اور فعل اختیاری مسبوق بالقصد[2] ہوتا ہے، مگر کیا ہر قصد جدید ہوتا ہے ہرگز نہیں، اگر ایسا ہو تو مشی دشوار ہو جائے، لامحالہ یہی کہا جائے گا کہ ابتداء میں جو ایک بار قصد کیا ہے وہی اخیر تک مستمر ہے، علیٰ ہذا ستار بجانے والے کا ہر نقرہ فعل اختیاری ہے اور فعل اختیاری مسبوق بالقصد ہے، مگر یہاں بھی ہر نقرہ پر قصد جدید نہیں ہو سکتا ورنہ ستار بجانا دشوار ہو جائے گا اور یقیناً خراب بجے گا، پس یہاں بھی یہی کہا جائے گا کہ ایک ہی قصد اخیر تک مستمر ہے۔

غرض شرعیات سے اور محسوسات سے ہر طریقہ سے یہ مسئلہ ثابت ہو گیا کہ ایک ہی قصد مستمر ہو سکتا ہے۔ اب سمجھئے کہ جس شخص نے صبح کی نماز پڑھی ہے اور اس وقت دل میں ارادہ ہے کہ ظہر بھی پڑھوں گا، تو اس کا یہ قصد مستمر کیوں نہ ہو گا گو درمیان میں استحضار نہ رہے۔ اب صوفی صاحب سُن لیں کہ دوامِ صلوٰۃ صورت صلوٰۃ میں بھی ہو سکتا ہے یعنی روح صلوٰۃ کیساتھ خاص نہیں۔

گوشہ نشینی اب انصاف کیجئے کہ جو لوگ محض ترجمۂ قرآن پڑھ کر اپنے کو مجتہد سمجھتے ہیں یہ ان کی حماقت ہے یا نہیں، اب تو آپ کو معلوم ہوا ہو گا کہ دین کا سمجھنا ہر شخص کا کام نہیں ہے

ہزار نکتہ باریک تر ز مو ایں جاست ۔۔۔ نہ ہر کہ سر بہ تراشد قلندری داند

آجکل جو لیڈر دین کے رہنما بنے ہوئے ہیں ان کی مثال ایسی ہے کہ ؎

گربہ میر و سگ وزیر و موش را دیوان کنند ۔۔۔ ایں چنیں ارکان دولت ملک را ویراں کنند

(اگر بلی کو بادشاہ اور کتے کو وزیر اور چوہے کو محکمۂ عدالت کا افسر بنا دیں تو یہ سب ارکان دولت ملک کو برباد کر دیں گے) اور جو لوگ کام کے ہیں وہ حجرہ میں گمنام پڑے ہوئے ہیں اور خدا سے ان ظالموں کے ظلم کی جو وہ دین پر کر رہے ہیں، فریاد کرتے ہیں ؎

---

[1] چلنا۔ [2] ارادہ کے بعد۔

پری نہفتہ رخ و دیو در کرشمہ وناز بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبیست

ین اور خوبرو چہرہ چھپائے ہوئے ہے اور دیو (چڑیل) کرشمہ وناز کر رہا ہے، یہ دیکھ کر حیرت کی وجہ ے عقل اڑ گئی کہ یہ برعکس معاملہ نہایت عجیب ہے) بعض لوگ ان حجرہ نشینوں سے کہتے ہیں کہ تم ں میدان میں نکلو حجرہ میں کیوں بیٹھے ہو، مگر ان سے کوئی پوچھے کہ حجرہ والوں کو میدان ں آنے کون دیتا ہے ان سے کام کون لیتا ہے؟ اگر یہ میدان میں نکلیں گے تو شریعت ، اتباع کا حکم کریں گے جو آج کل لوگوں کے نزدیک تعصب اور تنگ خیالی ہے پھر تم خود ہی ہوگے کہ یہ مولوی ہمارے کام میں روڑے اٹکاتے ہیں ان کو حلال و حرام، جائز وناجائز ہی ڑی رہتی ہے، اب میدان میں نکل کر نہ ان سے میدان کا کام ہوگا نہ خلوت کا، دونوں سے گزرے ہوں گے، اس سے تو ان کا خلوت ہی میں رہنا اچھا اور تم کو خبر بھی ہے جو لوگ میدان ں نکلے ہوئے ہیں وہ حجرہ نشینوں ہی کی برکت سے کا کام کر رہے ہیں، کیونکہ حجرہ والے ہر وقت سلمانوں کی کامیابی اور صلاح و فلاح کی دعا کرتے رہتے ہیں، مولانا فرماتے ہیں ؎

ہر کہ تنہا نادر ایں رہ را برید ہم بعون ہمت مرداں رسید

ں کسی نے شاذ ونادر اس راہ سلوک کو تنہا طے کر لیا وہ بھی بہت سے اللہ والوں کی ہمت ، توجہ کی مدد ہی سے پہنچا ہے)

صاحبو! دین کا سمجھنا ان لیڈروں کا کام نہیں ہے بلکہ یہ انہی لوگوں کا کام ہے جنہوں ، حجرہ میں بیٹھ کر چراغوں کا دھواں پھانکا ہے اور پانی کی جگہ تیل پی لیا ہے، بعض طلبہ یسا پیش آیا ہے کہ مذاق میں کسی نے ان کو پانی کی جگہ تیل دے دیا اور وہ مطالعہ ں ایسے مصروف تھے کہ ان کو اصلا اسکی خبر نہ ہوئی۔

ایک طالب علم کی حکایت کتابوں میں لکھی ہے کہ ایک رات ان کے گھر میں تیل نہ تھا ے پریشان ہوئے، اتفاق سے بادشاہ کا جلوس سامنے سے گزرا جس کے ساتھ مشعلیں ھا یہ اس کے ساتھ ہو لئے اور کتاب ہاتھ میں لیکر مطالعہ کرتے چلے گئے یہاں تک کہ جلوس محل اہی میں داخل ہوا یہ بھی ساتھ ساتھ چلے گئے، بادشاہ کی نظر ان پر پڑ گئی تھی، اس نے خدام کو دیا تھا کہ ان کو نہ روکا جائے یہاں تک کہ جلوس خاص خلوت گاہ میں پہنچا، یہ بھی وہیں پہنچ گئے

اور برابر مطالعہ میں مشغول رہے، بادشاہ ان کو دیکھتا رہا مگر ان کو کچھ خبر نہ ہوئی جب مطالعہ سے فارغ ہوئے اور اپنے کو خاص خلوت گاہ شاہی میں دیکھا تو قرائن سے سمجھ گئے کہ میں شاہی محل کے اندر ہوں، اب یہ ڈرنے لگے، بادشاہ نے تسلی دی کہ ڈرو نہیں مجھے تم سے بہت محبت ہوگئی ہے اور اب میں چاہتا ہوں کہ تمہارے لئے کافی وظیفہ مقرر کر دوں تاکہ تم فراغ قلب سے تحصیل علم میں مشغول رہو، کہا حضور یہ تو جھگڑا ہے میں تنخواہ لینے وغیرہ کا پابند نہیں ہوسکتا کہ آزادی میں خلل پڑتا ہے واقعی سے

آنکس کہ ترا شناخت جاں راچہ کند   فرزند و عیال و خانماں راچہ کند

(جس نے تجھ کو پہچان لیا (اور معرفت الٰہی حاصل ہوگئی) وہ جان کو لیکر کیا کریگا، زن و فرزند اور گھر بار کیا کرے گا) ہاں اگر آپ مجھے راحت دینا چاہتے ہیں تو کسی بنئے سے کہدیجئے کہ مجھے تیل دیدیا کرے اور ماہوار آپکو حساب دکھلا کر تیل کے دام آپ سے لے لیا کرے مجھ سے کچھ نہ مانگا کرے، چنانچہ بادشاہ نے ان کے واسطے تیل کا انتظام کر دیا۔

تو تحقیق احکام اور تدقیق ان علماء کا کام ہے لیڈروں کا کام نہیں، غضب یہ کہ لیڈر علماء کا کلام بھی تو نقل نہیں کرتے بلکہ اپنا کلام بیان کرتے ہیں اور اپنے کلام سے علماء کے کلام کو رد کرتے ہیں، حالانکہ وہ اس بات کی بھی لیاقت نہیں رکھتے کہ علماء کے کلام کو سمجھ بھی سکیں، اس پر ان کا حوصلہ یہ ہے کہ علماء کو میدان میں نکلنے کی تاکید کرتے ہیں اور ان کو اپنی تقلید پر مجبور کرنا چاہتے ہیں۔

صاحبو! میرے نزدیک تو یہ وقت میدان میں نکلنے کا نہیں، کیونکہ حدیث میں ہے:-

إِذَا رَأَيْتَ شُحًّا مُطَاعًا وَدُنْيَا مُؤْثَرَةً وَهَوًى مُتَّبَعًا وَإِعْجَابَ كُلِّ ذِيْ رَأْيٍ بِرَأْيِهِ فَعَلَيْكَ بِخَاصَّةِ نَفْسِكَ وَدَعْ عَنْكَ أَمْرَ الْعَامَّةِ (جب تم دیکھو کہ بخل کی اطاعت کی جاتی ہے اور دنیا کو ترجیح دیجاتی ہے اور خواہشات نفسانی کی اتباع کیجاتی اور ہر رائے والا اپنی رائے کو اچھا سمجھتا ہے اور اس پر نازاں ہے تو ایسے وقت میں تم پر لازم ہے کہ تم بس اپنی ہی فکر کرو اور عوام کے معاملہ کو یکسر نظر انداز کر دو) اور میرے نزدیک آجکل یہ سب علامات موجود ہیں اس لئے آجکل گوشہ نشینی لازم ہے۔

(۱۷۱) فرمایا کہ کسی پر تشدد یا قطع تعلق کرنے میں مفسدہ کا اندیشہ ہو اور اسکی طرف سے اضرار کا خوف ہو اور اپنے اندر تحمل کی طاقت نہ ہو اس کو امر بالمعروف سے سکوت کی اجازت ہے، باقی جس کو ہمت ہو اس کو سکوت کی اجازت نہیں۔

(۱۷۲) فرمایا کہ اپنے گنہ گار بھائیوں سے ملو مگر ان کو سمجھاؤ یعنی ملنے کا حق بھی ادا کرو تو ملو۔

(۱۷۳) فرمایا کہ عورت مرتدہ (جو نکاح توڑنے کیلئے مرتد ہو جائے) ارتداد کے بعد کسی اور مرد سے نکاح نہیں کر سکتی، بلکہ محبوس کیجائے گی اور اسلام لانے اور شوہر اوّل ہی سے نکاح پر مجبور کیجائے گی۔

(۱۷۴) فرمایا کہ رضا بالکفر کفر ہے، خواہ اپنے کفر سے رضا ہو یا غیر کے کفر سے یعنی اگر کوئی شخص اپنے لئے تو پسند نہ کرے مگر دوسرے کے کافر ہونے سے راضی ہو، تو خواہ دوسرا کافر نہ ہوا ہو، مگر یہ راضی ہونے والا فوراً ہی کافر ہو گیا۔

(۱۷۵) فرمایا کہ تجدید ایمان کے لئے صرف دو چار آدمیوں کے سامنے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ زور سے کہدینا اور اپنی غلطی پر اظہار ندامت کافی ہے اور تجدید نکاح میں اعلانِ عام کی بھی ضرورت نہیں نہ خطبہ کی ضرورت، نہ قاضی کی، نہ پانچوں کلموں کی بلکہ کسی خاص مجلس میں دو آدمیوں کے سامنے ایجاب قبول کر لیا جائے کافی ہے۔

(۱۷۶) فرمایا کہ حدیث میں ہے کہ "ایک مرتبہ نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سہو ہو گیا، بعد نماز کے آپ نے فرمایا کہ لوگوں کا کیا حال ہے کہ وضو اچھی طرح کر کے نہیں آتے جس سے امام کو نماز میں سہو ہو جاتا ہے" اس سے معلوم ہوا کہ گنہ گار کے گناہ کا اثر بے گناہوں پر بھی پہونچتا ہے۔

(۱۷۷) فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے کہ جب انسان کسب کرتا ہے تو [illegible] اللہ تعالیٰ اثر دیدیتے ہیں ورنہ اس کے کسب کو بالذات کوئی دخل نہیں۔

(۱۷۸) فرمایا کہ جو کچھ صدقہ زکوٰۃ تم دیتے ہو وہ تو مجازاً خدا کا حق کہا جاتا ہے ورنہ حقیقت میں وہ تمہارے ہی نفع کے واسطے مقرر کیا گیا ہے تاکہ دنیا میں تمہارے مال میں برکت ہو اور آخرت

تاکہ تم کو ثواب ملے۔

(۱۷۹) فرمایا کہ (۱) جو لوگ پھل آنے سے پہلے بیع کرتے ہیں چونکہ یہ بیع باطل ہے کہ جس سے بائع کی ملک زائل ہوتی ہے نہ مشتری کی ثابت ہوتی ہے، اس لئے وہ خود بھی حرام کھاتے ہیں اور دوسروں کو بھی حرام کھلاتے ہیں، اس میں تبدیل ملک سے تبدل عین کا حکم نہیں اس لئے جہاں تک بیع و شرا کا سلسلہ چلے گا سب حرام کھانے میں مبتلا ہوں گے۔
(۲) جو لوگ جان بوجھ کر کھاتے ہیں وہ تو حرام کھانے کے ساتھ گنہ گار بھی ہوتے ہیں
(۳) جو لوگ بغیر علم کے کھاتے ہیں ان کو گناہ تو نہیں ہوتا، مگر ایسا نقصان ہوتا ہے کہ ہمیشہ کو یاد رہتا ہے جیسے زہر بے خبری میں کھا جائے تو گناہ تو نہ ہوگا مگر نقصان ضرور پہنچیگا اور وہ نقصان قلب کی ظلمت ہے (۴) وہ لوگ جن کو یہ علم ہے کہ اس شہر میں باغ کثرت سے پھل نمودار ہونے کے پہلے فروخت ہوتے ہیں مگر یہ علم نہیں کہ بازار میں جو پھل بک رہا ہے وہ کس باغ کا ہے، تو اس کا حکم یہ ہے کہ ان پر تحقیق واجب ہے۔

(۱۸۰) فرمایا کہ جس چیز کا خود کھانا حرام ہے اسے اولاد کو کھلانا بھی حرام ہے، بلکہ جانوروں کو بھی کھلانا حرام ہے، جانوروں کو خود نہ کھلاؤ، بلکہ ایسی جگہ رکھ دو کہ وہ خود آکر کھالیں یاد رکھو کہ اپنی اولاد کو جو حرام مال کھلاتا ہے وہ ان کے اندر شرارت کا مادہ پیدا کرتا ہے۔

(۱۸۱) فرمایا کہ جو لوگ پھل آنے سے پہلے باغ فروخت کر چکے ہیں وہ اب پھل آنے کے بعد دو جملے کہہ دیں تو اصلاح ہو جائے گی، بائع یہ کہدے کہ میں قیمت معلومہ پر باغ کا پھل بیچتا ہوں اور مشتری یہ کہدے کہ میں خریدتا ہوں۔

(۱۸۲) فرمایا کہ مسائل عشر حسب ذیل یاد رکھنے کے قابل ہیں :-
(۱) کھیتوں کی بیع میں عشر کی یہ تفصیل ہے کہ تیاری سے پہلے بیچے تو عشر مشتری کے ذمہ ہے اور تیاری کے بعد بیچے تو بائع کے ذمہ۔ بخلاف پھلوں کے کہ وہ چونکہ مع درختوں کے نہیں بکتے، اس لئے جب تک پھل درختوں پر نہ آجائیں بیع معدوم کی لازم آویگی، اس لئے ناجائز ہے، اور عشر بائع کے ذمہ ہے، مشتری کے ذمہ نہیں، پھل باغ والے ہی کا ہے اس کے ذمہ فقراء کا حق ہے (۲) اگر کھیت پر آفت آگئی یا باغ کا پھل پھول برباد ہوگیا تو عشر واجب نہیں

(۳) عشر کاشتکار پر ہے خواہ زمین خود کاشتکار کی ہے یا دوسرے کی کرایہ پر لی ہو۔ (۴) اگر زمیندار زمین کاشتکار کو بٹائی پر دے تو اس صورت میں اپنے اپنے حصہ کا عشر دونوں کے ذمہ ہے (۵) زمیندار زمین ٹھیکہ پر دے مثلاً فی بیگہ من بھر غلہ پر یا فی بیگہ دو روپیہ پر، اس صورت میں علماء کا اختلاف ہے، مگر علمائے دیوبند کا فتویٰ یہ ہے کہ عشر کاشتکار کے ذمہ ہے کیونکہ کاشت کا وہی مالک ہے. (۶) بارانی زمین عشری پر دسواں حصہ اور غیر بارانی پر یعنی جو کنویں یا نہر سے سینچی جاتی ہو، اس پر بیسواں حصہ (۷) عشر عشری زمین پر ہے. اور عشری زمین وہ ہے کہ جب سے مسلمانوں نے اسکو فتح کیا ہے وہ کسی کافر کے قبضہ میں نہ آئی ہو۔

اب زمین کی تین حالتیں ہیں :- (۱) ایک یہ کہ معلوم ہو جائے کہ یہ زمین مسلمانوں کے ہاتھوں میں آتی رہی ہے، اس میں عشر کا وجوب ظاہر ہے (۲) دوسرے یہ کہ معلوم ہو کہ یہ زمین کافروں کے ہاتھ سے آئی ہے اس میں عشر نہیں ہے (۳) یہ معلوم نہ ہو کہ یہ کافروں کے پاس سے آئی ہے مگر اس وقت وہ مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے یہ بھی باستصحاب حال قسم اول کے حکم میں ہے۔

(۸) عشر تمام پیداوار پر ہوگا، زکوٰۃ کی طرح قرض منہا نہ ہوگا۔

(۱۸۳) فرمایا کہ عشر سے مال میں کمی نہیں آتی، انشاء اللہ برکت ہوگی، اور اسکی برکت سے آئندہ پیداوار میں ترقی ہوگی، جو لوگ عشر ادا کرتے ہیں اس کی برکت کا حال ان سے پوچھ لو کہ خدا نے ان کو کس قدر ترقی دی ہے۔

(۱۸۴) فرمایا کہ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ یَوْمَ حَصَادِهٖ وَلَا تُسْرِفُوْا (زراعت میں جو حق واجب ہے وہ اس کے کاٹنے کے وقت ادا کر دیا کرو اور حد سے مت گزرو) کا مطلب یہ ہے کہ فقراء کا حق ادا کرو اور سارا کا سارا خود ہی نہ کھا جاؤ کہ مسکینوں کا حق بھی کھا لو، کیونکہ یہ اسراف ہے اور اسراف کی حقیقت تجاوز عن الحد ہے۔

(۱۸۵) فرمایا کہ جبتک لینے والا اپنے کو مالک نہ سمجھ لے اس وقت تک تملیک کا تحقق ہی نہیں ہوا۔

(۱۸۶) فرمایا کہ یاد رکھو کہ خدا کی نافرمانی کے ساتھ مشاہدۂ جمال حق کبھی نہیں ہو سکتا، دل اور روح کی آنکھیں اس وقت کھلتی ہیں جب نفس کی شہوت و لذت کو حرام جگہ سے

ردکا جائے۔

(۱۸۷) فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن ہر آنکھ روتی ہوگی بجز اس آنکھ کے جو اللہ کے حرام کی ہوئی چیز کے دیکھنے سے روکی گئی اور وہ آنکھ جس نے اللہ کے راستہ میں پہرہ دیا، اور وہ آنکھ جس میں سے خوفِ الٰہی کی وجہ سے مکھی کے سر کے برابر آنسو نکل آیا۔

(۱۸۸) مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ قوت شہوانی ایک ایسی قوت ہے کہ اس کو اگر اپنے اندر جمع رکھا جائے اور اس سے کام لیا جائے تو وہی قوت موصل الی الحق ہو جاتی ہے، اسلئے کہ اس کے اندر رہنے سے ایک جوش اور ہمت رہتی ہے اور کام جوش اور ہمت ہی سے ہوتا ہے، تو بس اسکو اندر ہی رکھ کر کام کرے تو کام خوب ہوتا ہے اور اگر اس کو نکال دیا تو سمجھو کہ اس سے کسل ہوگا اور ایسا ہوگا کہ گویا تم نے اپنا پَر اکھاڑ دیا۔ لہٰذا چاہئے کہ اس میں افراط نہ کرو۔ بزرگوں نے لکھا ہے کہ افراط شہوت رانی سے باطنی نقصان ہوتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے ؎ [a]

پر نگہدار و چنیں شہوت مراں　　تا پر میلت برد سوئے جناں

(قوت شہوت کو محفوظ رکھو اسے نکال کر ضائع نہ کرو، تاکہ تمھاری شہوت کی قوت تمھیں جنت کی طرف لے جائے)

خلق پندارند عشرت می کنند　　بر خیالے پر خود بر می کنند

(لوگ سمجھتے ہیں کہ (اسطرح) وہ عیش و عشرت کر رہے ہیں یہ انکا خیال خام ہے بلکہ اپنا پر اکھاڑ رہے ہیں اور قوت پرواز بیکار)

(۱۸۹) فرمایا کہ حدیث میں ہے اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی اَنْزَلَ الدَّاءَ وَالدَّوَاءَ وَجَعَلَ لِکُلِّ دَاءٍ دَوَاءً فَتَدَاوَوْا وَلَا تَدَاوَوْا بِالْحَرَامِ یعنی بیشک اللہ تعالیٰ نے مرض و دوا دونوں اتارا ہے اور ہر مرض کیلئے دوا رکھی ہے، پس دوا تو کرو لیکن حرام سے علاج نہ کرو۔“ اس میں ترغیب ہے دوا کرنے پر، غالب عادت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی تھی، سو مسنون طریقہ یہی ہوا، لیکن امر چونکہ ارشادی ہے اس لئے ترک تداوی بھی جائز ہے اور قابل ملامت نہیں، خصوص اگر غلبہ توکل سے ہو تو یہ بھی ایک درجہ کا توکل ہے یعنی ترک اسباب ظنیہ، اور اس درجہ سے اعلیٰ درجہ وہ توکل ہے جو مباشرت اسباب کے ساتھ ہو، کیونکہ اسباب کو استعمال کرتے ہوئے اسباب پر اعتماد نہ کرنا بہ نسبت اس کے زیادہ عجیب ہے

---

[a] یہ ملفوظ اصل میں مولانا رومیؒ کا ہے مفید سالکین ہونے کی وجہ سے داخل کیا گیا۔

کہ اسباب کو استعمال نہ کیا جائے اور پھر اس پر نظر نہ ہو۔

(۱۹۰) فرمایا کہ متقدمین حنفیہ کا یہ مذہب ہے کہ نہ حرام خالص سے تداوی جائز اور نہ ایسی چیز سے جائز ہے جس میں کوئی حرام جزو ہو جیسے گدھی کا دودھ اور حرام گوشت اور تریاق (جو سانپ سے تیار ہوتا ہے) اور متاخرین حنفیہ نے ضرورت شدیدہ کیوقت تداوی بالحرام کے جواز پر فتویٰ دیا ہے۔

(۱۹۱) فرمایا کہ عقیقہ میں پوری گائے یا پورا اونٹ کا ذبح کرنا جائز ہے۔

(۱۹۲) فرمایا کہ اب تک حدیث لَوْلَاكَ الخ کی اصل معلوم نہ تھی مگر اب معلوم ہوگئی چنانچہ ارشاد ہے فَقَدْ رَوَى الدَّيْلَمِيُّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رض مَرْفُوْعًا اَتَانِيْ جِبْرَئِيْلُ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ لَوْلَاكَ مَا خَلَقْتُ الْجَنَّةَ وَلَوْلَاكَ مَا خَلَقْتُ النَّارَ وَفِيْ رِوَايَةِ ابْنِ عَسَاكِرَ لَوْلَاكَ مَا خَلَقْتُ الدُّنْيَا۔ (فرمایا رسول اللہ ص نے میرے پاس جبرئیل آئے اور کہا اے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اگر آپ نہ ہوتے تو نہ میں جنت پیدا کرتا نہ جہنم، اور ابن عساکر کی روایت میں ہے کہ اگر آپ نہ ہوتے تو میں دنیا کو پیدا ہی نہ کرتا)

(۱۹۳) فرمایا کہ ایسی چیز مت دیکھو جس سے شک یا تردد پیدا ہو اور جو بلا قصد ایسی بات کان میں پڑ جائے اور یہی حالت پیدا ہو جائے تو اس کو خاص تدبیر سے زائل کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ اس اہتمام سے پریشانی اور بڑھے گی، اور ہمیشہ کیلئے ایک مستقل شغل ہو جائے گا۔ بلکہ بجائے تدبیر کے اس سے بے التفاتی اختیار کرو اور کتنا ہی وسوسہ ستادے بالکل پروا نہ کرو البتہ دعا و تضرع کرتے رہو اور اس کو کافی سمجھو۔ انشاء اللہ بہت جلد طبیعت صاف ہو جائیگی اور جب یہی عادت ہو جائے گی تو قلب میں ایسی قوت پیدا ہو جائیگی کہ وہ ایسی چیزوں سے متاثر نہ ہوگا۔

(۱۹۴) فرمایا کہ مقرض[۱] اگر یہ کہدے کہ قرض کو ہم نہ دنیا میں لیں گے نہ آخرت میں یہ شرعاً لغو ہے (جب تک یہ نہ کہدے کہ ہم نے معاف کیا) دنیا میں بھی اس کو مطالبہ کا حق ہے اور اگر مطالبہ نہ بھی کیا اور مر گیا تو اضطراراً وہ قرض ان کے ورثہ کی ملک ہو جائیگی اور ان کو مطالبہ کا حق ہوگا، مورث کا وہ کہنا کہ ہم نہ لیں گے ورثہ پر حجت نہ ہوگا اسیطرح اس وعدہ کا اثر آخرت میں کچھ نہیں ہوسکتا وہاں کیا حال ہو اور کیا خیال ہو، ممکن ہے کہ جب

---

[۱] قرض دینے والا۔

مدیون کی نیکیاں ملتی ہوئی یا اپنے گناہ مدیون پر پڑتے ہوئے دیکھے تو معاف نہ کرے۔

(۱۹۵) فرمایا کہ حدیث میں ہے اَعْظَمُ النِّکَاحِ بَرَکَۃً اَیْسَرُہٗ مَؤُنَۃً اس سے صاف ظاہر ہے کہ جتنا زیادہ نکاح میں خرچ کیا جائے گا برکت کم ہوگی۔

(۱۹۶) فرمایا کہ شادی بیاہ میں قرض دینا بھی جس سے رسومات ادا کئے جائیں یا اسراف کیا جائے ممنوع ہے، کیونکہ گو اس مقرض کی نیت اتلاف[1] مال کی نہ ہو مگر تلف کا وقوع تو ہوا۔ جس کا سبب اس شخص کا فعل ہے، اور امرِ منکر کا مباشر[2] ہونا جس طرح منکر ہے اسی طرح سبب بننا بھی۔ دلیله قوله تعالیٰ۔ لَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ الخ[5]

(۱۹۷) فرمایا کہ ایسے کو مرید کرنا مناسب نہیں جس کا ادب شیخ کو کرنا پڑے بلکہ ایسے کو کرنا چاہئے کہ جس کو جو چاہے کہہ سکے۔

(۱۹۸) فرمایا کہ ایذائے شیوخ بلا قصد بھی وبال سے خالی نہیں ہوتی، اس لئے افراط[3] فی الشفقت مضر ہے کیونکہ جتنی شفقت زیادہ شیخ کو ہوگی اتنی ہی مرید کی بے تمیزیوں سے زیادہ ایذا ہوگی۔

(۱۹۹) فرمایا کہ جو جس کام کیلئے آوے اس میں لگا رہے اور جو خدمت چاہے مجھ سے لیوے تو مجھ کو اس میں راحت ہوتی ہے۔

(۲۰۰) فرمایا کہ مسجد کا لوٹا چونکہ وقف ہوتا ہے اس لئے کسی کا اس لوٹے کو اپنے قبضہ میں محبوس کر لینا گو تھوڑی ہی دیر ہو کہ جس سے دوسرا کام نہ لے سکے ممنوع ہے۔

(۲۰۱) فرمایا کہ صاحبو! اس عقل سے جو کام لینے کا ہے وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ پر اعتماد و انقیاد کا اپنے کو مکلّف سمجھ لے اور وحی کا اتباع کرے۔

(۲۰۲) فرمایا کہ بعض اکابر کا قول ہے کہ قیامت میں ہر عمل کی ہیئت مشاہدہ ہوگی، مثلاً کسی شخص نے کسی اجنبیہ سے زنا کیا تھا۔ تو ویسا زنا کرتا ہوا قیامت میں نظر آئے گا۔

(۲۰۳) فرمایا کہ واردات کی مخالفت معصیت تو نہیں مگر دنیاوی ضرر ضرور ہو جاتا ہے۔ اور یہ ضرر (اضطراراً تو نہیں مگر اختیاراً) کبھی مفضی ہو جاتا ہے ضررِ دینی کی طرف اور وہ ضررِ دینی اس طرح پر ہوتا ہے کہ کسی معصیت کا وسوسہ ہوا اور اس سے بچنے کے لئے اگر ہمت سے اس کی مقاومت ہو سکتی

[1] ضائع کرنا [2] کرنے والا [3] شفقت میں حد سے زیادتی۔ [4] وہ نکاح جس میں خرچ کم ہوں سب سے زیادہ برکت والا

[5] اور دشنام مت دو ان کو جنکی یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں کیونکہ وہ بھی براہ جہل حد سے گذر کر اللہ تعالیٰ کی شان میں

ی مگر طبعاً کسل ہوگیا اور اس سے غباوت ہوگئی، اس لئے اعمال میں کمی ہوگئی۔ اب اس میں
دہی صورتیں ہیں کہ پھر وہ عمل اگر واجب تھا تو خسران ہوا، اور اگر واجب نہ تھا تو حرمان ہوا،
ہے یہ بڑا نازک راستہ بڑے ہی سنبھل کر چلنے کی ضرورت ہے۔

(۲۰۴) فرمایا کہ روزہ کی خاصیت یہ ہے کہ اس سے خود بخود غذا کم ہو جاتی ہے، روزہ دار ز
یادہ کھا نہیں سکتا، عاشق کو محبوب کی یاد سے ایسی تسلی اور خوشی ہوتی ہے کہ اس خوشی کی وجہ سے
وک اُڑ جاتی ہے۔

(۲۰۵) فرمایا کہ ذکر اللہ سے لطافت کے ساتھ بشاشت بھی قلب میں بڑھ جاتی ہے۔
ں لئے اہل اللہ زندہ دل ہوتے ہیں۔ مردہ دل نہیں ہوتے۔

(۲۰۶) فرمایا کہ معصیت سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ اوّل ہمت خود کرے اور اس کے ساتھ
ا تعالیٰ سے ہمت طلب کرے اور خاصان خدا سے بھی دعا کرائے۔ انشاء اللہ گناہوں سے
چنے کی ضرور ہمت ہوگی۔ صاحبو! کامیابی کی گاڑی کے دو پہیے ہیں۔ ایک اپنی ہمت، دوسرے
رگوں کی دعا۔ ان دونوں پہیوں سے گاڑی کو چلاؤ ایک پہیا کافی نہیں۔

(۲۰۷) فرمایا کہ حدیث ہے کَانَ إِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ الْأَوَاخِرُ مِنْ رَمَضَانَ شَدَّ مِيزَرَهٗ
أَيْقَظَ أَهْلَهٗ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم عشرہ اخیرہ میں لنگی مضبوط باندھ لیتے تھے (یعنی عبادت
کیلئے مستعد ہو جاتے تھے یا بیویوں کے پاس جانے سے بچتے تھے) اور اہل خانہ کو (عبادت کیلئے)
بدار فرما دیتے تھے۔

(۲۰۸) فرمایا کہ نقل میں بعض دفعہ اصل سے بھی زیادہ انعام ملتا ہے۔ چنانچہ ایک رئیس کے
ں ایک شخص خربوزہ لایا، اس کو خربوزہ کی بازاری قیمت دی گئی۔ دوسرا شخص مٹی کا خربوزہ
ا، اس کو بہت روپیہ انعام دیا گیا۔

(۲۰۹) فرمایا کہ جو شخص عشا اور صبح دونوں کی نماز جماعت سے ادا کرے اس کو لیلۃ القدر
ہ حصہ مل جائے گا یعنی یہ بھی جاگنے والوں میں شمار ہوگا، گو اس رات میں عشاء کے بعد صبح تک سوتا
ہو مگر اس کا جاگنے والوں میں شمار ہونا ایسا ہے جیسا چاندی کے سکوں میں گلٹ کا بھی چاندی کی

ہ خفلت

قطعی کرکے رکھ دیا جائے۔ ابن المسیبؒ کا ارشاد ہے کہ عشاء کی نماز جماعت سے پڑھ لینا بھی فضیلت لیلۃ القدر کیلئے کافی ہے، کیونکہ فوت جماعت پھر غیر اختیاری ہے اسلئے یہ فوت منقص[۱] ثواب لیلۃ القدر نہ ہوگا۔

(۲۱۰) فرمایا کہ اگر تقریر کرنے والے کو آمد مضامین کی نہ ہو اور تکلف کرکے گھیر گھار کرکے مضامین کو لادے یعنی تکلف سے بلاغت کا جلب کرے تاکہ سننے والے سمجھیں کہ اس کو قوت ہے بیان میں، تو یہ غلو فی البلاغۃ مبغوض ہے اِنَّ اللّٰہَ[۲] یُبْغِضُ الْبَلِیْغَ مِنَ الرِّجَالِ کا مصداق ہے۔ اور ایک غلو سننے والوں کیلئے ہے وہ یہ ہے کہ اگر بیان میں کوئی خاص رنگ نہ ہو تو اس بیان سے منتفع ہی نہ ہوں بلکہ منتظر رہیں دوسرے رنگ کے۔

(۲۱۱) فرمایا کہ جس قدر نافرمانی ہوتی جاتی ہے حق سبحانہٗ تعالیٰ سے بندہ کا تعلق گھٹتا چلا جاتا ہے، اور اس ضرر کا مقتضایہ ہے کہ اگر گناہوں پر عقوبت اور سزا کا اندیشہ نہ بھی ہوتا تب بھی گناہ نہ کرنا چاہئے۔

(۲۱۲) فرمایا کہ مسلمان کو اپنی اولاد سے چاہے کتنی ہی محبت ہو لیکن اگر وہی اولاد خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کر بیٹھے تو پھر دیکھئے باپ کس قدر غصہ آئے گا اتنا اپنے ساتھ گستاخی کرنے پر ہرگز نہ آتا۔ تو دیکھئے اگر اس باپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے طبعی محبّت زیادہ نہ تھی تو اتنا غصہ کیوں آیا۔

(۲۱۳) فرمایا کہ محبت خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں عوام تو سب کچھ کرگزرتے ہیں اور خواص دیکھتے ہی رہ جاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عوام کی نظر میں تو صرف ایک چیز ہوتی ہے یعنی محبت، لہٰذا وہ اس کے مقتضا پر عمل کرنے لگ جاتے ہیں۔ اور خواص کی نظر محبت کے ساتھ حکمت پر بھی ہوتی ہے مثلاً وہ مواقع پر دیکھتے ہیں کہ اگر مقتضائے محبت پر عمل کیا گیا تو اس سے مسلمانوں کو بمقابلہ نفع کے ضرر زیادہ پہنچے گا، خواص کی نظروں میں یہ چیزیں ہوتی ہیں جو عوام کی طرح جوش ظاہر کرنے سے ان کو روکتی ہیں، کیونکہ تنہا جوش کافی نہیں بلکہ ہوش سے کام لینا بھی ضروری ہے۔

---

[۱] کم کرنے والا۔ [۲] بیشک اللہ تعالیٰ بلا ضرورت زیادہ بولنے والے شخص کو مبغوض رکھتے ہیں۔

(باقی آئندہ)

حامل مضامین تصوف و عرفان • افادات وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیر سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین حضرت مصلح الامۃ

مدیر:- احمد مکین

شمارہ ۲،۳ شعبان، رمضان ۱۴۱۲ھ مطابق فروری، مارچ ۱۹۹۲ء جلد ۱۵

قیمت فی پرچہ:- پانچ روپیہ سالانہ زرِ تعاون پچپن روپیہ ششماہی تیس روپیہ

سالانہ بدل اشتراک:- پاکستان سو روپیہ۔ غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ
مولوی احمد مکین - ۲۵/۲۳ - بخشی بازار
الہ آباد ۲۱۱۰۰۳
فون ۶۰۴۷۹۸

پرنٹر- پبلشر:- صغیر حسن۔ :- اسرار کریمی پریس۔ جانسین گنج الہ آباد

ترتیب

۱	پیش لفظ	مدیر	۳
۲	رمضان سے متعلق کچھ کوتاہیاں	حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ	۹
۳	روزہ اور اسکی اقسام	حضرت مولانا شاہ عبدالرزاق جھنجھانوی قدس سرہٗ	۲۹
۴	فضائلِ ماہِ رمضان	امام فقیہ ابو اللیث سمرقندی نور اللہ مرقدہٗ	۳۹
۵	تراویح	مولانا اکبر علی صاحب مدظلہم	۴۹
۶	نجات المسلمین	فقیہ امت حضرت مولانا مفتی محمد شفیع قدس سرہٗ	۵۷
۷	مجالس مصلح الامۃ (مال کی شرعی حیثیت)	مصلح الامۃ محی السنۃ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ قدس سرہٗ	۶۵
۸	کمالات اشرفیہ	حضرت مولانا محمد عیسیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ	۷۳
۹	تنویر السالکین	مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ	۸۱
۱۰	المرابطہ	حکیم الامۃ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ	۸۹

گذارش

رسالہ ہر ماہ کی دس تاریخ کو سپرد ڈاک کیا جاتا ہے۔ اگر رسالہ آخر ماہ تک موصول نہ ہو تو ادارہ کو فوراً مطلع فرمائیں تاکہ دوبارہ بھیجا جاسکے، ورنہ بصورت دیگر ادارہ ذمہ دار نہ ہوگا۔ منی آرڈر کوپن پر اپنا پورا پتہ اور خریداری نمبر ضرور لکھیں!

انتباہ

سال ختم چندہ ختم۔ سنہ ۹۲ء کا زرِ تعاون اگر آپ نے ابتک ارسال نہ فرمایا ہو تو اولین فرصت میں روانہ فرما کر ادارہ کا تعاون فرمائیے۔

پیش لفظ

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ

حسنات سے معمور، سیئات سے عاری اور تقرب الٰہی کے حصول کا ماہ مبارک عنقریب شرو[ع] ہونیوالا ہے، رحمتوں کے دن اور برکتوں کی راتوں کا تسلسل پھر تیس دنوں تک قائم رہے[گا] کیا ہی مبارک ہے یہ مہینہ جس کا پہلا عشرہ رحمت، دوسرا مغفرت اور آخری عشرہ نار جہ[نم] سے آزادی ہے، کتنے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اس ماہ کی برکتوں اور سعادتوں سے اپ[نے] جیب و داماں خوب ہی خوب بھرا کرتے ہیں، جن کے پہلو راتوں میں خواب گاہوں سے دور، قی[ام] و سجود میں مشغول رہا کرتے ہیں، جنکی زبانیں دن میں خورد و نوش کی لذت سے ناآشنا، تلاوت او[ر] ذکر سے تر رہا کرتی ہیں، وہ اس ماہ کے ہر ہر لمحہ کو فلاح دارین کیلئے وسیلہ بنا لیتے ہیں.

اگر کسی کے نصیب اور مقدر پر رشک کرنا ہے تو انھیں صائم النہار اور قائم اللیل کے مق[در] پر کرنا چاہیئے وَفِیْ ذٰلِكَ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ۝ (اور حرص کرنیوالوں کو ایسی ہی چیز کی حرص کرنا چاہیئے)

اسی ماہ میں وہ متبرک اور مقدس رات بھی ہے جس میں رب العٰلمین نے محض اپنے لطف و کرم سے دنی[ا] کی سب سے برگزیدہ ہستی اور عظیم شخصیت سید ولد آدم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر تمام عالم کے نام ا[یک] مقدس ترین پیغام کے حیات آفریں نزول کا سلسلہ شروع فرمایا، ارشاد خداوندی ہے اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ ۝ (بیشک ہم نے قرآن کو شب قدر میں اتارا ہے) اس شب کی قدر و منزلت کا اندازہ انسان کے علم و ادراک سے باہر تھا، اس لیے حضرت حق جل مجدہٗ نے خود فرمایا وَمَا اَدْرٰىكَ مَا لَیْلَةُ الْقَدْرِ لَیْلَةُ الْقَ[دْرِ] خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝ (اور آپ کو معلوم ہے کہ شب قدر کیسی چیز ہے، شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے)

یہ لیلۃ القدر ہزار مہینوں کی راتوں سے قدر و منزلت میں بڑھ کر ہے، رب العٰلمین ہم سب کو اس ما[ہ] کی برکات کی تحصیل اور اسکے حقوق کو کما حقہٗ ادا کرنے کی توفیق سے نوازے (آمین)

اس ماہ مبارک کی اہمیت و خصوصیت کے پیش نظر یہ رسالہ فروری و مارچ کا مشترک شمارہ ہے، اسمیں خصوصی طور پر وہ مضامین شامل اشاعت ہیں جو رمضان المبارک کے فضائل و مسائل اور خصوصیات

مشتمل ہیں، جن کا مطالعہ یقیناً نافع اور برکات کے حصول کا ذریعہ بنے گا

شعبان المعظم جو کہ رمضان المبارک کی آمد کا پیش خیمہ ہے، اسی بنا پر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اس ماہ کے چاند دیکھنے کا سب مہینوں سے زیادہ اہتمام فرمایا کرتے، نیز اس ماہ میں اور مہینوں سے زیادہ روزہ بھی رکھتے، مگر عام امت کو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نصف شعبان کے بعد روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے، اس لئے کہ ہو سکتا ہے ضعف ہو جائے اور یہ ضعف رمضان شریف کے روزوں پر اثرانداز ہو۔

اس ماہ کے احکام :-

(۱) اس ماہ کے چاند دیکھنے کا اہتمام کرنا چاہیے (۲) پندرھویں شب کو عبادت کرنا اور پندرھویں تاریخ کو روزہ رکھنا مستحب ہے (۳) اور قبرستان جاکر دعائے مغفرت کرنا (۴) نصف شعبان کے بعد روزہ رکھنا خلافِ اولیٰ ہے (۵) یوم شک (یعنی ۳۰ شعبان) میں روزہ رکھنا منع ہے۔

اس ماہ کے منکرات :- (۱) چراغاں وآتش بازی کرنا (۲) اس رات ایصال ثواب بھی بے اصل ہے (۳) حلوہ پکانا (۴) لوگوں کو اجتماعی عبادت کیلئے کسی ایک جگہ کوشش وکاوش سے جمع کرنا (۵) گھر لیپنا اور برتنوں کا بدلنا یہ رسم بالکل رسوم کفار کے مشابہ ہے اور حدیث تشبہ سے حرام ہے۔

مدرسہ : عارف باللہ حضرت مصلح الامۃ قدس سرہ العزیز کے قائم فرمودہ مدرسہ وصیۃ العلوم سے آپ اچھی طرح شناسا ہیں، الحمد للہ یہ مدرسہ آج بھی علوم شرعیہ کے نشر واشاعت کی خدمت میں مصروف عمل ہے اور جد محترم حضرت مصلح الامۃ علیہ الرحمۃ کے وصال کے بعد ان کے خلیفہ وجانشیں حضرت مولانا شاہ قاری محمد مبین صاحب دامت برکاتہم کے زیر سرپرستی انہیں اصول وخطوط پر ہے جو حضرت مصلح الامۃ علیہ الرحمۃ کے قائم کردہ اور پسندیدہ تھے اللہ کا شکر ہے امسال بھی مقامی اور بیرونی طلبہ کی تعداد خاصی رہی، جنمیں سے تقریباً پچیس طلباء کے قیام وطعام کی کفالت مدرسہ کے جانب سے ہوئی۔ ابتدائی مکتب، درجات اردو، فارسی، تجوید وقرأت، خوشخطی اور عربی پنجم تک تمام جماعتیں بفضلہ تعالیٰ پورے ذوق وشوق کے ساتھ علمی سرگرمیوں میں مصروف رہیں، اساتذہ کا عملہ جو کہ تیرہ افراد پر مشتمل ہے، یہ حضرات تدریس اسباق اور پابندیٔ اوقات پر پورے طور پر کاربند ہے، مدرسہ کے عملہ میں طباخ اور موذن مسجد کی شمولیت سے مجموعی تعداد پندرہ ہو جاتی ہے۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ یہ مدرسہ آج بھی اعتماد علی اللہ اور توکل کے اسی نہج پر قائم ہے جسکی بنیاد حکیم الامت مجدد الملت قدس سرہ نے خانقاہ امدادیہ میں ڈالی تھی، لہٰذا مدرسہ وصیۃ العلوم الہ آباد کی جانب سے نہ کوئی سفیر مقرر ہے اور

اعلان

[illegible]

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ ہمارے پاس رسالہ وصیۃ العرفان کے پُرانے شمارے کافی تعداد میں موجود ہیں، لیکن وہ ابتک غیر مرتب اور مخلوط صورت میں تھے، الحمدللہ اب ہم نے ان کو سن وار مرتب کر لیا ہے، جن کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:۔

۱۹۸۱ء:۔ تھوڑے رسائل موجود ہیں، لیکن اپریل، جولائی، اکتوبر اور دسمبر کے رسائل نہیں ہیں۔

۱۹۸۲ء:۔ ۱۰۸ سیٹ مکمل موجود ہیں، اسکے علاوہ متفرق شمارے بھی ہیں۔

۱۹۸۳ء:۔ ۳۲ سیٹ مکمل ہیں، باقی متفرق ہیں۔

۱۹۸۴ء:۔ جنوری اور مارچ نہیں ہیں۔ ۱۹۸۵ء:۔ مارچ نہیں ہے۔

۱۹۸۶ء:۔ دسمبر نہیں ہے۔ ۱۹۸۷ء:۔ ۴ سیٹ مکمل ہیں اور باقی متفرق ہیں۔

۱۹۸۸ء:۔ ۹۲ سیٹ مکمل موجود ہیں اور باقی متفرق ہیں۔

۱۹۸۹ء:۔ ۱۲۱ سیٹ مکمل موجود ہیں اور باقی متفرق ہیں۔ ۱۹۹۰ء:۔ مئی نہیں ہے۔

۱۹۹۱ء:۔ تھوڑے سے متفرق رسائل ہیں۔

یہ رسائل دو روپیہ فی شمارہ کے حساب سے خریدے جا سکتے ہیں، لیکن ڈاک اور رجسٹری کا خرچ بذمہ خریدار ہوگا۔

معرفت حق ۱۹۸۵ء کے جنوری اور فروری کے رسائل موجود ہیں، ان کی قیمت بھی دو روپیہ فی شمارہ ہے۔

اس کے علاوہ ہمارے پاس کچھ سالوں کے مجلّد سیٹ بھی ہیں، جنکی تفصیل درج ذیل ہے:۔

سن	اسٹاک مجلّد سیٹ	قیمت فی سیٹ	ڈاک خرچ بذمہ خریدار؛ بذریعہ رجسٹری تقریباً فی سیٹ گیارہ روپیہ خرچ آئیگا اور ہر سیٹ پیکنگ کا مزید اضافہ ہوگا
۱۹۷۵ء	۷۰ سیٹ	۳۵ر۰۰	
۱۹۸۳ء	۵ سیٹ	۳۵ر۰۰	

سن	اسٹاک مجلد سیٹ	قیمت فی سیٹ	ڈاک خرچ
۸۵ء	۵۱ سیٹ	۳۵/۰۰	بذمہ خریدار بذریعہ رجسٹری
۸۶ء	۵۳ 〃	۴۵/۰۰	تقریباً فی سیٹ گیارہ
۸۷ء	۲۱ 〃	۴۵/۰۰	روپئے آئے گا، اور ہر سیٹ
۸۸ء	۱۴ 〃	۴۵/۰۰	پر پانچ روپیہ
۸۹ء	۲۵ 〃	۴۵/۰۰	کا مزید اضافہ
۹۰ء	۹ 〃	۵۰/۰۰	ہوگا

کلید معرفت :- یہ رسالہ معرفت حق اور وصیۃ العرفان کے تمام مضامین کی یک جامع فہرست ہے، جو دسمبر ۱۹۶۳ء سے جون ۱۹۷۰ء تک کے مضامین پر مشتمل ہے، نیز اس میں حضرت مصلح الامۃ کی تمام دوسری گراں بہا تصانیف کی مکمل فہرست بھی آخر میں دی گئی ہے جو حضرات رسالے کے پرانے خریدار ہیں، نیز وہ حضرات جو اس رسالے کے سننے سنانے کا اہتمام کرتے ہیں وہ اگر کسی مضمون کو تلاش کرنا چاہیں گے تو بلاشبہ اُن کے لیے حل مشکلات کی کلید ہی ثابت ہوگا۔

کلید معرفت سے رسالہ کی افادیت اور بڑھ جاتی ہے، اس فہرست کی مدد سے اُن مضامین عالیہ کا سُراغ لگانا نہایت آسان ہو جاتا ہے، جو دُرِ مکنون کی طرح رسالے کے اوراق میں منتشر ہیں، صفحات ۸۸، قیمت تین روپئے۔

اب ہم کچھ اپنے رسالے کے بارے میں عرض کرنا چاہتے ہیں :-

موجودہ رسالہ وصیۃ العرفان نے ابتداءً دسمبر ۱۹۶۳ء سے معرفت حق کے نام سے اپنا سفر شروع کیا تھا، جون ۱۹۷۰ء میں چند قانونی دشواریوں کی وجہ سے اس کا نام تبدیل کرکے وصیۃ العرفان رکھا گیا، اور آج الحمدللہ یہ رسالہ منزل بہ منزل طے کرتا ہوا اپنی عمر کے ۲۷ سال پورے کر رہا ہے، گویا کہ چوتھائی صدی سے زائد گذار چکا ہے، الحمدللہ کہ اس پورے دور میں رسالہ بذاء نے مرشدی ومولائی حضرت مصلح الامۃ شاہ **وصی اللہ** صاحب قدس سرہ کے

شن کو باحسن وجوہ باقی اور جاری رکھنے کی کوشش کی ہے۔

حضرت مصلح الامتؒ کی ذات گرامی آج کسی تعارف کی محتاج نہیں رہی۔ آپ کی ذات منبع الکمالات نے پورے دین کو عملی صورت میں آسان کرکے پیش فرمایا اور اس دین متین کی جاذبیت اور دل ربائی اور حقیقی علاج و کامرانی کی سرشاری چونکہ امت کے لیے متاع گم شدہ بن چکی تھی، اس لئے حضرت والا نور اللہ مرقدہ نے از سر نو اس کو منظر عام پر لاکر عملی صورت میں پیش فرمایا۔

حضرت مصلح الامتؒ کی مجالس میں نہایت اہم اور فکر انگیز اصلاحی مضامین نہایت سلیس اور دل نشیں انداز میں بیان ہوتے تھے، الحمد للہ یہ رسالہ انھیں مضامین کا ترجمان رہا ہے۔

پرانے رسائل چونکہ حضرت والا کے زمانہ سے زیادہ قریب ہیں، لہٰذا اُن کے مضامین نہایت اہم قیمتی اور پُر تاثیر ہیں، اُن کے کلام کا نور پوری قوت سے اُن رسائل میں جلوہ گر ہے، اس لئے ہم گذارش کرینگے کہ پُرانے رسائل جن کی فہرست اوپر درج کی گئی ہے نہایت قابل قدر ہیں، اُن سے ضرور مستفید ہوں۔ اور اہل خیر حضرات سے ہماری گذارش ہے کہ وہ ان رسائل کو کثیر تعداد میں خرید کر مدارس، کتبخانے، پبلک لائبریریاں اور دوسرے دیندار حضرات میں تقسیم کریں کہ یہ بھی دین کا ایک کام ہے، اس سے رسالے کو بھی مدد پہونچے گی اور پڑھنے والوں کو جو نفع پہونچے گا وہ ان کے لیے انشاء اللہ صدقہ جاریہ ہوگا وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغ۔

امانت علی عفی عنہ

(بقیہ صٖ ۱۷) جن حضرات کو حضرت مصلح الامتہؒ سے عقیدت و محبت ہے وہ آج بھی نہایت خوشی سے اس ادارے کی خدمت کرکے ذخیرۂ آخرت جمع کر رہے ہیں، جو لوگ مدرسہ کا تعاون کرنا چاہتے ہیں وہ براہِ راست رقوم حضرت صاحب مدظلہٗ کو پیش کر دیتے ہیں، یا بذریعہ منی آرڈر یا بنک ڈرافٹ بناکر الٰہ آباد روانہ کر دیتے ہیں۔
بنک ڈرافٹ حسب ذیل نام اور حروف سے بنائیں:-

MADARSA WASIA TUL ULOOM

ملفوظ حضرت مُصلح الامۃ قدس سرہٗ

فرمایا کہ پہلے زمانہ میں مشائخ کسی کو جو اجازت دیتے تھے اور اپنا خلیفہ بناتے تھے یا علماء کسی کو سند فراغ عطا فرماتے تھے تو وہ اس کی وجہ سے بہت فکر میں پڑ جاتا تھا اور اس خلافت واجازت کو خدائی امانت سمجھ کر اس کے تحمل کا ایک بار اپنے اوپر محسوس کرتا تھا لوگ ڈرتے رہتے تھے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تھے کہ حسن وخوبی کے ساتھ اسکی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو سکیں۔

لیکن اب معاملہ برعکس ہو گیا ہے اور لوگوں نے اجازت اور خلافت کو دنیاداری کا ایک ذریعہ سمجھ لیا ہے پھر اب دین کہاں رہا۔

پہلے زمانہ میں برسوں کسی کو آزمانے اور امتحان لینے کے بعد تب اس کو اجازت دیجاتی تھی اور اب نہ مشائخ کی جانب سے امتحان ہے اور نہ مرید کے اندر خوف وامانت ہی ہے بس ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لوگ اس کے لئے منہ کھولے ہوئے ہیں - اہل نااہل کی تمیز اُٹھ گئی ہے - ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں دین کیونکر باقی رہ سکتا ہے طریق ہر راہ سے خراب ہوا اور اب تو اس کو ختم ہی سمجھو۔

دنیا میں اس سے اپنی کوئی غرض حاصل کرلے تو چاہے کرلے لیکن اللہ تعا کے یہاں اس قسم کا تعلق کچھ بھی مفید نہیں اس کو خوب سن لیجئے اور سمجھ لیجئے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

رمضان سے متعلق کچھ کوتاہیاں

معاشرہ کی وہ برائیاں جو ہماری زندگی کو گھن کی طرح کھارہی ہیں اور وہ کوتاہیاں جو ہر شعبۂ حیات میں بری طرح سرایت کرگئی ہیں حتیٰ کہ ہماری طاعات وعبادات بھی غفلتوں اور کوتاہیوں سے خالی نہیں، ان کوتاہیوں کی نشاندہی کی بابت مجدد ملت حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی علیہ الرحمۃ نے ایک عظیم اصلاحی مضمون "اصلاح انقلاب" کے عنوان سے سپرد قلم فرمایا اور ساتھ ہی اصلاح کے طریقے بھی تجویز کیے، جو نہایت ہی نفع بخش ثابت ہوا۔ ہم اس شمارہ میں وہ مضمون پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں، جو رمضان المبارک سے متعلق ہے، اس مضمون میں (۱) رویت ہلال (۲) حقیقت صوم (۳) سحر (۴) افطار (۵) قیام رمضان (تراویح) وہ اعمال جو رمضان شریف سے ملحق ہیں یعنی (۶) صدقہ فطر (۷) نماز عید، ان مذکورہ بالا اعمال کے متعلق سیر حاصل مختصر مضامین مذکور ہیں، نیز حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ نے زمانۂ حال کے مطابق اس مضمون پر حاشیہ رقم فرمایا ہے جس کی بنا پر اس کے حسن میں اضافہ اور افادیت تام ہوگئی۔

یہ مضمون بشکریہ "البلاغ" (کراچی) شمارہ ۹ رمضان المبارک ۱۳۸۵ھ) شائع کیا جارہا ہے امید ہے کہ قارئین ان مضامین کو پوری قدرشناسی اور جذبۂ عمل کے ساتھ پڑھیں گے۔

ادارہ

ارکان اسلام میں سے ایک روزہ رمضان شریف کا ہے جو مثل نماز کے عبادت بدنیہ ہے اس میں جو انقلاب ہوا ہے نماز کے بعد اس کا بیان بقدر ضرورت مع اصلاح ضروری معلوم ہوتا ہے، اور بعض اعمال رمضان المبارک کے متعلق اور بھی ہیں روزے کے ساتھ ان کا بیان بھی مناسب ہے۔ مجموعہ ان اعمال کا یہ ہے:۔

(۱) رویت ہلال (۲) صوم (۳) سحر (۴) افطار (۵) قیام رمضان یعنی تراویح اور دو عمل

جو عید سے متعلق ہیں ان کو بھی ملحقات رمضان سے کہہ سکتے ہیں، یعنی صدقہ فطر و نماز عید یہ کل سات ہوئے ان سب کے متعلق مختصر مختصر مضامین مذکور ہوتے ہیں۔

رویت ہلال | اس میں (جہاں اسلامی ریاست نہیں ہے) ایک بے احتیاطی عظیم ہو گئی ہے، وہ یہ کہ قریب قریب ہر شخص گو وہ علم دین بھی نہ رکھتا ہو اس میں بلا مراجعت علماء کے اپنی تحقیق پر گو کہ وہ کسی اصل شرعی پر مبنی نہ ہو اعتماد کرتا ہے، جس روایت کو چاہا قبول کر لیا، اگرچہ وہ قابل قبول نہ ہو، اور جس کو چاہا رد کر دیا اگرچہ وہ قابل رد نہ ہو، اور ظاہراً رمضان کے چاند کی نسبت قبول کرنے میں زیادہ احتیاط معلوم ہوتی ہے اور لوگوں کو اکثر یہی دھوکہ ہو جاتا ہے کہ روزہ ہی تو رکھا ہے اس میں کیا برائی ہے، لیکن ایک بے احتیاطی تو فی الحال ہو جاتی ہے کہ بدون ثبوت رمضان باعتقاد رمضان یعنی بہ نیت فرض روزہ رکھا جاتا ہے۔ اور غیر رمضان میں بہ نیت رمضان روزہ رکھنا ممنوع آیا ہے۔ چنانچہ حدیث نہیٰ عن صوم یوم الشک[۱] کا یہی حاصل ہے جس کی لم اور راز یہ ہے کہ حدود شرعیہ کی اس میں توہین اور ہتک لازم آتی ہے گویا شارع علیہ السلام کے نزدیک تو رمضان مثلاً ہفتہ کے دن سے شروع ہوگا، مگر اس شخص کے نزدیک جمعہ ہی سے شروع ہو گیا حدود کی مزاحمت کے جرم ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔

ایک اور بے احتیاطی جو اس سے اشد ہے بعض اوقات فی المآل (انجام کار) ہو جاتی ہے، وہ یہ کہ مثلاً اسی بناء غیر صحیح پر روزہ شروع کیا اور ختم رمضان پر اتفاق سے ابر وغیرہ ہوا تو یہ شخص اکمال ثلثین کے قاعدہ پر (یعنی تیس پورے کر کے) عید کرے گا۔ اور ممکن ہے کہ وہ عین تیس تاریخ رمضان کی ہو تو کس قدر سخت بات ہے؟ اور اس شخص کے اثر سے جتنوں نے عید کی اور ایک ایک فرض الٰہی کا برباد ہوا، سب کا وبال اس کی گردن پر رہا اور چونکہ اپنے نزدیک رمضان پورا کر چکے ہیں، اسلئے اس روزہ کا تدارک قضا سے بھی کوئی نہ کرے گا تو سب کے ذمے ایک ایک فرض روزہ چڑھا رہا اور اسی پر موت آگئی، پس جب ایسی بے احتیاطیاں اس قبول کرنے میں ہوئیں تو اس قبول کرنے کو احتیاط نہیں کہا جا سکتا، اور بلا وجہ شرعی رد کرنے میں تو بے احتیاطی کا لزوم ظاہر ہے، فرض روزہ کا ضائع کرنا لازم آتا ہے،

[۱] یوم الشک میں روزہ رکھنے کو حدیث میں منع فرمایا۔ یوم الشک کہتے ہیں اس دن کو جس میں ابر کے باعث ۲۹ کا چاند نظر نہ آنے کی وجہ سے یہ شبہ ہو کہ گذشتہ مہینہ شعبان کی تیسویں تاریخ ہے یا رمضان شروع ہو کر پہلی رمضان ہے۔ ۱۲

اور یہی خودرائی بعض اوقات ہلال عید میں ہوتی ہے تو وہاں دونوں شقوں میں صریح خرابی ہے یعنی اگر قابل قبول کو رد کر دیا تو عید کا روزہ رکھوایا جو حرام ہے اور قابل رد کو قبول کر لیا تو رمضان کا روزہ توڑ دایا جو اس سے بڑھ کر حرام ہے۔ میں نے بے علموں کو دیکھا ہے کہ کبھی محض افواہی خبر سنکر قبول کر لیتے ہیں ان کو یہ خبر نہیں کہ خبر کی حجت ہونے کے کیا کیا شرائط ہیں، کبھی کہیں سے تار[ع] آجانے پر اعتبار کر لیتے ہیں اور ان کو اس کے احکام فقہیہ کی اطلاع نہیں جو کہ مخصوص ہے علمار محققین متقنین کے ساتھ پس بڑا مدار استدلال کا اس کے قبول پر ان کے نزدیک یہ ہے کہ کہتے ہیں کہ صاحب لاکھوں روپے کی تجارت تار پر چلتی ہے پھر اس کا اعتبار نہ کرنے کا کیا سبب ؟

لیکن اگر کوئی ان سے پوچھے کہ گواہ کے پاس سمن آنے کے بعد اگر تار پر شہادت ادا کر دے تو قانوناً کیوں معتبر نہیں، اور معاملات تجارت اور اس شہادت میں کیوں فرق ہے اور اس شہادت میں اور رویت ہلال کی شہادت میں کیا فرق ہے ؟ تو اس کا کوئی معقول جواب نہیں دے سکتے۔

اسی طرح میں نے بعض بے علموں کو محض اس بنا پر شہادت کو رد کرتے ہوئے دیکھا ہے کہ شہادت ادا کرنے والا گنوار ہے کوئی معزز آدمی نہیں اگرچہ وہ گنوار دین میں ان معززین سے ہزار درجہ افضل ہو، مگر ان کے نزدیک وہ آدمی بھی نہیں۔ پھر اسی قسم کے لوگوں کو یہاں تک تنزل[ع] کرتے ہوئے دیکھا ہے کہ کہتے ہیں میرے چاروں نے دیکھا ہے۔ ہمارے محلہ کے فلاں فلاں (نابالغ) بچے نے دیکھا ہے۔ پس یا آں شوراشوری یا باایں بے نمکی اور اس تمامتر خرابی کا منشا صرف یہی ایک امر ہے کہ علما سے اپنے کو مستغنی سمجھتے ہیں بلکہ افسوس ہے کہ بعض اوقات ان کا فتویٰ سنکر ان سے مزاحمت کرتے ہیں اور اس میں جرح نکالتے ہیں۔ الا ماشاء اللہ

سو اس کی اصلاح یہ ہے کہ ہر شخص اس میں دخل نہ دیا کرے۔ دوسرے کی رویت پر حکم لگانا تو بڑی بات ہے، مصلحت یہ ہے کہ خود اپنی رویت یعنی دیکھنے کو بھی ہر ایک کے روبرو بیان کرتا نہ پھرے کہ اور لوگ حکم لگا دیں گے، البتہ حاضرین مجلس رویت یا عقلا کے روبرو ظاہر کرنا مضائقہ نہیں، بلکہ سب خبروں اور مشاہدات کو جمع کر کے کوئی عالم متدین معتبر قریب ہوں تو ان کے پاس

ع تار کا مسئلہ آگے آرہا ہے۔ ع یعنی جب کبھی عید یا رمضان کے چاند کا قبول کرانا منظور ہوتا ہے تو گو خود نہیں دیکھا مگر ایسے ایسے ناقابل اعتبار لوگوں کے دیکھنے کو سند میں پیش کرتے ہیں۔

جاکر اور اگر فاصلہ سے ہوں اور خود نہ جاسکے تو دو تین عاقل دیندار آدمیوں کو ان کی خدمت میں حاضر کرا کے پوری صورت حال واقعہ کی عرض کر کے وہ جو فتویٰ دیں اس پر عمل کرے، اور اگر اس فتویٰ میں کوئی شبہ خیال میں آوے تو عوام کے روبرو اس کو ظاہر نہ کریں کہ انتظام دین میں خلل پڑے گا بلکہ بواسطہ یا بلا واسطہ اس کو بھی ان ہی عالم سے یا اور کوئی صحبت یافتہ علماء کا قریب ہو اس سے پیش کر کے حل کرے۔

بلکہ میں تو بر دئے تجربہ واقعات یہاں تک ضروری سمجھتا ہوں کہ جس جگہ متعدد علماء ہوں وہاں ایک عالم بھی بدون مشورہ دوسرے عالم کے اس باب میں اپنی تحقیق و رائے عوام کے روبرو ظاہر نہ کرے کیونکہ ممکن ہے کہ دوسرے عالم کی رائے میں کچھ اختلاف ہو اور اقوال مختلفہ کے شیوع سے عوام میں تشویش پھیل جائے بلکہ سب مشورہ کر کے اور اگر اختلاف ہو تو باہم طے کر کے ایک قول منقح کر کے وہی قول منقح عوام تک پہونچے۔ اور جس عالم سے استفتار کیا جائے ایک ہی جواب سب جگہ ملے اور اگر رائے میں اتفاق نہ ہو تو جو شخص زیادہ مرجع خلائق وکبیر ہو اس کے سپرد فتویٰ کر دیں، باقی سکوت کریں، اگر ان سے کوئی پوچھے تو اسی مرجع موصوف کی طرف حوالہ کریں خود خاموش رہیں، اسمیں انشاء اللہ کبھی بدنظمی[1] نہیں ہوسکتی۔

میں نے تو ایسی تشویشات کو دیکھ کر ایک مقام پر یہ انتظام کیا تھا کہ سب علماء کو متفق کر کے

---

[1] وحدت عید کا مسئلہ جو آجکل پاکستان میں اٹھا ہوا ہے اس سے معلوم ہوا کہ ایک شہر کے اندر وحدت قائم رکھنے کا اہتمام ہمیشہ سے علماء کے پیش نظر رہا ہے، اور علماء میں اختلاف رائے کی صورت میں اس وحدت کو قائم رکھنے کا بہترین طریقہ حضرتؒ نے اسمیں بیان فرمادیا ہے تاکہ دینی عبادات میں بدنظمی نہ ہو لیکن اس کا تعلق ایک شہر سے ہے دوسرے شہروں کو اپنا پابند بنانا یا دوسرے شہر سے خبر منگا کر اپنے آپ کو ان کے تابع کرنا شرعی حیثیت سے غیر ضروری ہے۔ اور بدنظمی و خلفشار کا موجب بھی ہے اور دور دراز کے مختلف شہروں میں اگر عید مختلف دنوں میں ہو تو اسمیں کوئی قباحت اور بدنظمی نہیں ہے مگر آجکل بہت سے لوگوں نے بلا کسی شرعی ضرورت کے پورے ملک میں ایک دن عید منانے کے شوق میں ایسے طریقے اختیار کر رکھے ہیں کہ ان کا نتیجہ ہر شہر ہر بستی میں اختلاف و بدنظمی کی صورت میں نکل رہا ہے۔ ان حضرات کو اگر پورے ملک میں عید کی وحدت مطلوب ہی ہے تو پھر اس کے لئے ایسے مستند معتمد اہل فتویٰ علماء کی ہلال کمیٹی بنانا لازم ہے جو شرعی ضابطہ شہادت و قضا کے ماہر ہوں اور ان میں بھی اگر اختلاف رائے ہو جائے تو بدنظمی و انتشار سے ملک کو بچانے کی وہی تدبیر ہے جو حضرتؒ نے رکھی ہے کہ کمیٹی سے جس کو اختلاف ہو وہ سکوت اختیار کرے اور فیصلہ اس عالم پر چھوڑ دے جسکو اس مجلس میں

خاص ایک عالم کو اس باب میں محط خبر و مدار حکم ٹھہرالیا کہ جو خبر ہلال کے متعلق جس عالم کے پاس خبر آئے تو وہ انکی خدمت میں پہنچائی جائے اور جو شخص جس سے فتویٰ پوچھنے آئے وہ سائل کو ان ہی کے پاس بھیج دے اور جس کو کوئی اختلاف کرنا ہو انھیں سے ظاہر کرے۔ غرض عوام کو اختلاف کی اطلاع نہ ہو اور حکم حاصل کرنے میں ان کو تشویش نہ ہو اور اس قرارداد کے بعد عام لوگوں میں اس کا اشتہار دیدیا گیا، پس سب غلطیوں سے نجات ہوگئی تھی۔ اگر سب جگہ ایسا انتظام کر لیا جائے تو اقرب[1] إلى الاتفاق وابعد من الافتراق ہے۔ اور ایک انتظام یہ ضروری ہے کہ چاند دیکھنے پر یا اس کی خبر سننے پر بلا ضرورت دوسرے مقامات پر تار نہ دوڑادیا کریں، بلکہ کسی عامی کے پوچھنے پر بھی جواب نہ دیا کریں کہ دوسری جگہ عوام کے ہاتھ میں ایسی خبریں پہنچ جانے کے بعد چونکہ اس وقت خود رائی کا غلبہ ضرور مفاسد پیش آتے ہیں کہ ان کا انسداد قابو سے باہر ہے اور شرعاً کوئی ضروری امر ہے نہیں کہ از خود دوسری جگہ خبر بھیجا کرے۔ البتہ کوئی عالم دریافت کرے تو جواب دیدے۔ پھر وہ خود ہی حکم شرعی کے موافق عمل کریں گے۔ اور کسی مفسدہ کا احتمال نہ ہوگا، اور جب ایسے استدلالات کہ کسی درجہ میں صلاحیت استدلال ہونے کی رکھتے ہیں، بدون حکم علماء کے قابل اطمینان نہیں، تو جو استدلال اپنی ذات میں بھی صلاحیت استدلال ہونے کی نہیں رکھتے، ان سے دلیل پکڑنا تو کس قدر مذموم اور اختراع فی الدین ہوگا، مثلاً رجب کی چوتھی کا لامحالہ غرۂ[2] رمضان کے موافق ہونا چاند کا بڑا ہونا یا دیر تک ٹھہرنا اونچا ہونا یا بدر کامل ہونا، بیٹھ کر اٹھنا، دو شب تک غائب رہنا، فلاں جنتری میں ۲۹ یا ۳۰ کا لکھا رہنا و مثل ذالک یہ سب شرع میں غیر معتبر ہیں۔ اور یہ شبہ نہ کیا جائے کہ اکثر ایسے امور حسابی اور مطابق واقع کے ہیں تو شرع نے امور واقعیہ کی نفی کیسے کی، اس میں تو اس کی طرف نسبت کذب کی لازم آتی ہے، وجہ اس شبہ کے وارد نہ ہونے کی یہ ہے کہ شرع نے ان امور کے وقوع کی نفی نہیں کی کہ جب یہ محذور لازم آوے بلکہ ان امور کے اعتبار کی نفی کی ہے، یعنی ہم ان امور کو وقوع پر اپنے احکام کا مدار نہیں رکھتے، تو یہ حق ہر صاحب قانون کو حاصل ہے، مثلاً کوئی نوکری مشروط ہو بی اے کے ساتھ تو وہ انٹرینس والے کو نہ ملیگی تو اس کے یہ معنی نہیں کہ اس شخص کے انٹرینس ہونے کی نفی کی گئی ہے۔ بلکہ معنی یہ ہیں کہ انٹرینس ہونا معتبر اور مدار استحقاق نوکری کا اس موقع پر نہیں ہے۔ تو اگر غرۂ[3] شرعی غرۂ حسابی نہ ہو تو اس کو یکم کہنے کے یہ معنی نہیں کہ وہ واقع میں یکم ہے، بلکہ معنی یہ ہیں کہ خواہ وہ واقع میں کسی دوسرے حساب سے

[1] اتفاق و اتحاد سے قریب تر، اختلاف و انتشار سے دور تر [2] یکم رمضان [3] از روئے شریعت پہلی تاریخ

دوم ہو، مگر بروئے قواعد فلاں فلاں روزہ اسی سے شروع کرنے کا حکم دیا جاتا ہے، اور روزہ شروع کرنے کی تاریخ کو ہماری اصطلاح میں یکم کہا جائے گا اور لغت و اصطلاح کا تطابق ضروری نہیں، جیسا اہل حساب تاریخ کو طلوع سے شروع کرتے ہیں اور بعض اہل اصطلاح نصف شب سے شروع کرتے ہیں، اور اس کو کوئی محل اعتراض نہیں سمجھا جاتا، یہاں تک رویتِ ہلال کے متعلق کلام ہو چکا۔

ــه ریڈیو کی خبر پر عید منانے کا مسئلہ :- آجکل سب سے زیادہ بے احتیاطی یہ ہو رہی ہے کہ عموماً ہر ملک کے ریڈیو سے مختلف شہروں اور ملکوں میں چاند ہونے کی خبریں نشر ہوتی ہیں بہت سے ناواقف انھیں خبروں پر عمل کر کے عید منا لیتے ہیں۔ اوّل تو اکثر ریڈیو کی خبریں سُنی سُنائی نقل کی جاتی ہیں، جن پر کوئی اعتماد دینی معاملات میں نہیں ہو سکتا۔ پھر ایک ملک کے ریڈیو کا اعلان دوسرے ملک کیلئے کافی نہیں۔ ریڈیو کے اعلان پر روزہ اور عید میں اعتماد مندرجہ ذیل تین شرطوں کے ساتھ ہو سکتا ہے :-

(۱) چاند دیکھنے والوں نے کسی ماہر عالم یا علماء کے سامنے شہادت دی ہو اور انھوں نے شرعی ضابطۂ شہادت کے مطابق اس شہادت کو قبول کر کے فیصلہ چاند ہونے کا دیدیا ہو۔ عالم یا علماء کا یہ فیصلہ ریڈیو پر نشر کیا جائے عام خبروں کی طرح چاند ہونے کی خبر نہ ہو۔

(۲) ریڈیو کے ذریعہ آئی ہوئی خبر کی شرعی حیثیت شہادت کی نہیں بلکہ اعلان اور منادی کی ہے، جیسے شہر میں گھنٹے یا سائرن وغیرہ بجا کر روزہ کے ختم یا شروع ہونیکا اعلان کیا جاتا ہے اور اسپر اعتماد کرنا جائز ہے، اسی طرح ہلال عید و رمضان کا اعلان اگر شرعی فیصلہ کے ماتحت ہو تو اس اعلان پر اعتماد کر کے رمضان یا عید کرنا درست ہے، مگر یہ اعلان صرف اُسی شہر کے لئے معتبر ہوتا ہے جہاں یہ اعلان کیا گیا — اگر حکومت اسلامی اور اسکے سربراہ نے اس اعلان کو پورے ملک کیلئے کیا ہے تو اس کی حدود مملکت میں یہ اعلان معتبر ہوگا، حدود مملکت سے باہر یہ اعلان کافی نہیں۔ خصوصاً دور دراز کے ملکوں میں جہاں عموماً ایک دن کا فرق رہتا ہے، جیسے حجاز، شام، مصر وغیرہ ان کے ریڈیو کے اعلان پر بلاد بعیدہ کے مسلمانوں کو عمل کرنا کسی طرح درست نہیں

تیسرا اور سیدھا صاف طریقہ یہی ہے کہ ہر شہر کے لوگ اپنے شہر کی رویت کے مطابق رمضان و عید کیا کریں، باہر کی خبروں کے پیچھے نہ پڑیں جب تک باقاعدہ شرعی شہادت اس شہر میں نہ آجائے دوسرے شہروں ملکوں کی نقل نہ کریں رسول اللہ صلی اللہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

صوم

اس میں چند کوتاہیاں کی جاتی ہیں۔ ایک یہ کہ بعض تو بلا کسی وجہ قوی یا ضعیف کے روزہ نہیں رکھتے۔ میں نے ایک شخص کو دیکھا تھا جس نے عمر بھر کبھی روزہ نہیں رکھا، پھر ان میں بعض تو کم ہمت ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ ہم سے روزہ پورا نہ ہو سکے گا۔ چنانچہ وہ شخص اسی بلا میں مبتلا تھا میں نے کہا کہ تم بطور امتحان ہی رکھ کر دیکھو۔ چنانچہ رکھا اور پورا ہو گیا اور پھر اس کی ہمت بندھ گئی اور کہنے لگا کیسے افسوس کی بات ہے کہ رکھ کر بھی نہ دیکھا تھا اور پختہ یقین کر بیٹھا تھا کہ کبھی رکھا ہی نہ جاوے گا یہ لوگ سوچ کر دیکھیں کہ اگر طبیب کہدے کہ آج دن بھر نہ کچھ کھاؤ نہ کچھ پیو ورنہ فلاں مرض مہلک پڑ جاوے گا۔ تو اس نے تو ایک ہی دن کے لئے کہا ہے یہ شخص دو دن نہ کھائے گا کہ احتیاط اسی میں ہے۔ افسوس ہے کہ خدا تعالیٰ دن دن کا کھانا پینا چھڑا دیں اور کھانے پینے سے عذاب مہلک کی وعید فرما دیں اور قول طبیب کی برابر بھی اس کی وقعت نہ ہو۔ انا للہ

اور بعض ان سے بھی بدتر بدعقیدت ہیں کہ روزہ کی ضرورت ہی میں ان کو کلام ہے، پھر بعضے تو ان میں مہذب ہیں کہتے ہیں کہ روزہ جس غرض سے مشروع ہوا تھا کہ قوت بہیمیہ منکسر ہو جائے وہ غرض ہم کو بدولت علم و تہذیب کے حاصل ہے، اس لئے اب روزہ کی ضرورت نہیں۔ ان کا جواب یہ ہے کہ اول تو تم کو اس غرض کا حاصل ہونا مشاہدہ کے خلاف ہے قوت بہیمیہ کے آثار فخر و تعلی و ظلم و قساوت جس قدر تم میں ہیں دوسروں میں اس کا عُشر عشیر بھی نہیں۔ دوسرے اگر غرض حاصل بھی ہو جاوے تب بھی یہ مسلم نہیں کہ روزہ بس اسی غرض کے لئے مشروع ہوا ہے، بلکہ خود اسکی صورت نوعیہ بھی مطلوب ہے۔ تفصیل اس جواب کی نماز کے مضمون میں تحریر ہو چکی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیے

علیہ وسلم کا واضح ارشاد اس بارے میں یہی ہے صُومُوا لِرُؤْيَتِهِ وَأَفْطِرُوا لِرُؤْيَتِهِ فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَأَكْمِلُوا عِدَّةَ ثَلَاثِينَ یعنی چاند دیکھ کر روزہ رکھو، چاند دیکھ کر افطار کرو۔ اگر چاند ۲۹ کو ابر وغیرہ کی وجہ سے نظر نہ آوے تو مہینے کے تیس دن پورے کر کے اگلا مہینہ شروع کر دو

(بقیہ حاشیہ ص۱۲)

اور بعضے تہذیب سے بھی گزر کر گستاخی اور تمسخر کے کلمات کہتے ہیں، مثلاً روزہ وہ رکھے جسکے گھر اناج نہ ہو، یا یہ کہ بھائی ہم سے بھوکا نہیں مراجاتا، یا ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ صاحب کو علانیہ رمضان میں کھاتے ہوئے ایک دیندار نے ٹوکا تو وہ فرماتے ہیں کہ رمضان کیا چیز؟ اس دیندار نے کہا کہ صاحب رمضان مہینا ہوتا ہے، تو کہتے ہیں کہ جنوری، فروری الخ اس میں رمضان تو کہیں نہیں آیا اور امثال ان اقوال کے۔

سو یہ دونوں فریق بوجہ انکار فرضیت روزہ زمرۂ کفار میں داخل ہیں، اور پہلے فریق کا قول محض ایمان شکن ہے، اور دوسرے کا ایمان شکن بھی اور دل شکن بھی۔ اور فریق اول اس تاویل سے کفر سے نہیں بچ سکتا، کیونکہ یہ تاویل ضروریات دین میں[1] ہے اور ایسی تاویل رافع کفر نہیں ہوتی کما تقرر فی محلہ۔ اور مہذب فریق ظاہراً اس غیر مہذب سے اہون ہے، مگر عند التامل ضرر میں اس سے اشد ہے کیونکہ غیر مہذب[2] عنوان خود اپنے بطلان پر دلیل ہے، اور مہذب عنوان میں تلبیس زیادہ محتمل ہے۔ اور جس طرح بدعقیدت لوگوں میں دو فریق ہیں، مہذب اور غیر مہذب جیسا ابھی بیان ہوا اسی طرح کم ہمت لوگوں میں بھی دو فریق ہیں، ایک مہذب جو باوجود روزہ نہ رکھنے کے علانیہ نہیں کھاتے پیتے بلکہ اپنے اس عیب کا اخفا کرتے ہیں اور ظاہر ہونے پر شرماتے ہیں، اور دوسرے غیر مہذب جو ذرا شرم نہیں کرتے علانیہ کھاتے پیتے ہیں اور روکنے پر کہتے ہیں کہ جب خدا کی چوری نہیں تو بندہ کی کیا چوری۔ حالانکہ یہ مضمون محض تلبیس ہے، کیونکہ خدا تعالیٰ سے تو کسی معصیت کا اخفا ہو ہی نہیں سکتا اور خلق سے اخفا ہو سکتا ہے، تو ممکن کا قیاس محال پر یہ خود سفسطہ[3] ہے، دوسری مخلوق سے معصیت کے اخفا کا خود خدا تعالیٰ نے حکم دیا ہے تو اس کے ترک سے اور بھی معصیت اشد ہو جاتی۔ تو بلا وجہ اشد میں کیوں مبتلا ہو۔

اور بعض بلا عذر تو روزہ ترک نہیں کرتے مگر اس کی تمیز نہیں کرتے کہ یہ عذر قوی اور شرعاً معتبر ہے یا نہیں۔ ادنیٰ بہانہ سے روزہ افطار کر دیتے ہیں، خواہ ابتدا ہی سے نہیں رکھتے یا رکھ کر توڑ ڈالتے ہیں، ذرا پیاس لگی اور روزہ افطار کر دیا، خواہ ایک ہی منزل کا سفر ہوا روزہ افطار کر دیا

---

[1] چنانچہ اپنے موقع پر (کتب اسلامیہ) میں یہ بات دلائل و براہین سے ثابت ہو چکی ہے۔
[2] یعنی وہاں تو الفاظ ہی سے اس کا باطل ہونا معلوم ہوتا ہے اور مہذب الفاظ میں دھوکہ اور فریب میں پھنسنے کا اندیشہ ہے۔

[3] مغالطہ

نہیں ہے لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِكُمْ [1] کیا اس ہلاک اور قتل کی نسبت گو تسبباً سہی ان ظالموں کی طرف نہ ہوگی؟ غرض تفریط اور افراط دونوں [2] صوم میں شرع نے دونوں سے روکا ہے اور ان حدود کا علم بدون صحبت واستفسار وصحبت علماء کے نہیں ہوتا، پس اس سب کا علاج یہی ہے

بعض لوگ نفس روزہ میں افراط وتفریط نہیں کرتے، لیکن روزہ محض صورت کا نام سمجھ کر صبح سے شام تک اَجْوَفَیْن (یعنی فم وفرج) کو بند رکھنے پر اکتفا کرتے ہیں، اور اس میں علاوہ مقصود بیت صورت نوعیہ کے کہ وہ بھی ثابت ہے۔ اور حکمتیں موجود ہیں جن کی طرف قرآن مجید میں اشارہ بلکہ صراحت ہے لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ [3] ان سب کو نظر انداز کرکے اپنے صوم کو جسد بلا روح بنا لیتے ہیں۔

خلاصہ اُن حکمتوں کا معاصی ومنہیات سے بچنا ہے، سو ظاہر ہے کہ اکثر لوگ روزہ میں بھی اکثر معاصی سے نہیں بچتے، جو حالت ان کی معصیت میں قبل رمضان ہوتی ہے، رمضان کے آنے سے اس میں کوئی تفاوت نہیں ہوتا، اگر غیبت کی عادت تھی تو وہ بدستور رہتی ہے، اگر نگاہ بد کے خوگر تھے تو وہ نہیں چھوڑتے، اگر حقوق العباد میں مبتلا تھے، ان کی صفائی نہیں کی، بلکہ بعض کے معاصی تو غالباً بڑھ جاتے ہیں، کیونکہ پہلے تو کسی کاروبار میں لگے رہتے تھے، اب روزہ میں چلنے پھرنے محنت مشقت کا کام تو ہوتا نہیں، دوستوں میں جا بیٹھے کہ روزہ بہلے گا، پھر دوستوں میں کوئی شغل تفریح کا بھی ضروری ہے، یا تو باتیں کرنا شروع کیں جن میں زیادہ حصہ غیبت کا ہوگا اور یا چوسر گنجفہ تاش یا ہارمونیم باجا یا گراموفون لے بیٹھے، اور دن پورا کر دیا: بھلا اس روزہ کا کوئی معتد بہ حاصل؟

کیا اتنی بات عقل سے سمجھ میں نہیں آتی کہ کھانا پینا جو فی نفسہ مباح ہے، جب روزہ میں وہ حرام ہوگیا تو غیبت اور دوسرے معاصی جو فی نفسہ بھی حرام ہیں وہ روزہ میں کس قدر سخت حرام ہوں گے، تو مباح اصلی سے بچنا اور غیر مباح میں مبتلا ہونا یہ روزہ کس قسم کا ہے۔ حدیث میں ہے کہ جو شخص بدگفتاری اور بدکرداری نہ چھوڑے خدا تعالیٰ کو اس کی کچھ پرواہ نہیں کہ وہ شخص اپنا کھانا پینا چھوڑے۔ اور اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ بالکل روزہ ہی نہ ہوگا۔ کبھی یہ سمجھ کر کہ جب روزہ ہی نہ ہوا تو پھر رکھنے سے کیا فائدہ، سو روزہ تو ہو جائے گا، مگر نہایت ادنیٰ درجہ کا۔ جیسا اندھا، لنگڑا، کانا،

---

[1] اپنے دین میں غلو نہ کرو، حد سے مت نکلو [2] جیسا کہ شروع بحث صوم میں بدعقیدہ لوگوں کے جواب میں گزرا۔
[3] تاکہ تم پرہیزگار ہو جاؤ۔

گنجا، اپاہج آدمی ہوتا ہے، مگر ناقص درجہ کا، اور بالکل روزہ نہ رکھنا تو اس سے بھی اشد ہے، کیونکہ ذات کا سلب صفت کے سلب سے سخت تر ہے۔

اور اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ جب غیبت چونکہ مباح فی نفسہ نہیں لہٰذا زیادہ شدید ہے، اور اکل و شرب چونکہ فی نفسہ مباح ہیں وہ اس سے خفیف ہیں، پس غیبت سے روزہ افطار نہ ہونا خورد و نوش سے افطار ہو جانا کیا معنیٰ؟ جواب یہ ہے کہ روزہ جن خصوصیات کے لیے مشروع کیا گیا ہے ان کے اعتبار سے اس کی ایک خاص ماہیت مشخصہ ہے یعنی اِمساک عن المفطرات بالنیۃ (نیت کرکے افطار کرنے والی چیزوں سے رکنا) سو اکل و شرب وغیرہ گو اہون (ہلکے) ہوں مگر اس ماہیت کے منافی ہیں۔ اور دوسرے معاصی گو اغلظ ہوں مگر اس ماہیت کو منافی نہیں، گو اس ماہیت کی اغراض کے منافی ہوں سو قاما فی الباب ان معاصی سے وہ اغراض فوت ہو جائیں گے، سو اس کو ہم بھی مانتے ہیں۔ چنانچہ اوپر کہا گیا ہے کہ بھلا اس روزہ کا کوئی معتد بہ حاصل؟ اور اصل حقیقت صوم کی متحقق ہو جانے سے یہ اثر ہوگا کہ قیامت میں یہ بازپرس نہ ہوگی کہ روزہ کیوں نہیں رکھا؟ بلکہ یہ پوچھا جائے گا کہ روزے کو خراب کیوں کیا؟ سو بڑا فرق ہے اس میں کہ حاکم کے حکم کے بعد سالانہ کاغذ ہی نہ بنایا اور اس میں کہ بنایا مگر کہیں کہیں غلطیاں رہ گئیں، اور یہ جو کہا گیا کہ ایسے روزے سے معتد بہ فائدہ نہیں، یہ قید اس لئے لگائی گئی کہ بالکل بے سود بھی نہیں اور وہ فائدہ ایک تو ظاہر ہے کہ کسی قدر تو تعمیل ارشاد ہے، دوسرے ہر عمل میں ایک خاص برکت ہے، جب صبح سے شام تک لذات مخصوصہ سے نفس کو روکا تو اس سے نفس ضرور منفعل و منصبغ (اثر قبول کنندہ و رنگ پذیرندہ) ہوگیا جس کا اثر یا تو آئندہ ظاہر ہو کہ کسی معصیت سے رکنے کی توفیق ہو جائے، یا اسی روز یہ ہوا ہو کہ اگر یہ صورت صوم بھی نہ ہوتی تو کوئی خاص معصیت سرزد ہوتی اور روزہ کی برکت سے سرزد نہ ہوئی تو اس وجہ بالکل بے سود اور لاحاصل نہیں کہہ سکتے، اور تدبیر ان معاصی سے بچنے کی تین امر کا مجموعہ ہے، خلق سے بلا ضرورت تنہا اور یکسو رہنا۔ کسی اچھے شغل میں لگے رہنا، مثل تلاوت قرآن مجید وغیرہ۔ نفس کو سمجھانا اور وقتاً وقتاً دھیان کرتے رہنا کہ ذرا سی لذت کے واسطے صبح سے شام تک کی مشقت کو کیوں ضائع کیا اور تجربے سے معلوم ہوا کہ نفس پھسلانے سے بہت کام کرتا ہے۔ سو یوں نفس کو پھسلا دے کہ ایک مہینے کے لئے تو اس دستور العمل کی مجموعہ تین امور مذکورہ کا ہے پابندی کرے پھر دیکھا جاوے گا یہ ایک مہینہ تو وہ پھسلانے میں اگر مرضی کے موافق پورا کرے گا، پھر یہ بھی تجربہ ہے کہ جس طرز پر آدمی

ایک مدت تک رہ چکا ہو وہ آسان ہو جاتا ہے، بالخصوص اہل باطن کو رمضان میں یہ حالت زیادہ مُدرَک (معلوم) ہوتی ہے، کہ اس مہینے میں جو اعمال صالحہ کئے ہوتے ہیں، سال بھر تک ان کی توفیق رہتی ہے، پس اس طریق سے بعد رمضان بھی وہی عادت ترک معاصی کی تھوڑی توجہ سے انشاء اللہ محفوظ رہے گی۔ اور میں یہ نہیں کہتا کہ پھر معصیت کی طرف میلان ہی نہ ہوگا بلکہ دعویٰ یہ ہے کہ اس میلان کا جس قدر پہلے تقاضا ہوتا تھا اب اس قدر تقاضا نہ ہوگا کہ بہت تھوڑی توجہ اور ضبط سے وہ میلان دفع یا مغلوب ہو جاوے گا، اور میرے نزدیک یہی اثر ہے شیاطین کے مقید ہو جانے کا رمضان میں کہ قبل رمضان جو نفسانی خواہشیں طبعاً پیدا ہوتی ہیں ان کی اعانت شیاطین بھی کرتے تھے، اسلئے تقاضا شدید ہوتا تھا کہ ضبط میں زیادہ مشقت ہوتی تھی، رمضان میں گو ایسی خواہشیں پیدا تو ہوتی ہیں کیونکہ نفس اور طبیعت قید نہیں ہوتے مگر شیاطین چونکہ قید ہو گئے، اس لئے ان کی جانب سے اعانت نہیں ہوتی۔ تو تقاضا اس قدر نہ ہوگا اور رکنا اتنا دشوار نہ ہوگا۔ چنانچہ یہ امر تجربہ اور مشاہدہ سے دیکھ لیا جائے کہ صحیح ہے اور اس تقریر سے بعض اشکالات بھی حل ہو گئے، اور اسی کا ضمیمہ یہ بھی ہے کہ حتی الوسع رمضان میں غذائے حلال کا زیادہ اہتمام رکھے۔ شرم کی بات ہے کہ حلال سے دن بھر رکا رہے اور حرام پر افطار ہو۔

سحور یعنی سحری | اس میں غالباً دو کوتاہیاں ہوتی ہیں، ایک تعجیل کے متعلق۔ دوسرے تاخیر کے متعلق اوّل کا بیان یہ ہے کہ اکثر لوگ آدھی رات سے سحری کھا کر بیٹھ رہتے ہیں، سو اوّل تو خود اس قدر تعجیل ہی امر شارع وغرض مشروعیت سحر کے خلاف ہے اور وہ غرض یہ ہے کہ مسلمین واہل کتاب میں فرق رہے اور روزہ میں قوت وطاقت رہے، اور دوسرے اکثر عوام کا اس کے ساتھ یہ اعتقاد منضم ہو جاتا ہے، کہ جب سحر کھا کر روزے کی نیت کر لی یا سو گئے تو اس کے بعد گو رات باقی ہی ہو، مگر اب کھانا پینا جائز نہیں، سو یہ اعتقاد ایک اختراع فی الدین ہے، جس سے توبہ واجب ہے۔

اور ثانی کا بیان یہ ہے کہ بعضے لوگ خصوص جن کے پاس نقشے اور گھڑیاں بھی ہیں، اس قدر تاخیر کرتے ہیں کہ بعض اوقات یہ اشتباہ قوی ہو جاتا ہے کہ کہیں صبح صادق کے بعد تو نہیں کھایا۔ اس قدر مبالغہ ضرور بے احتیاطی ہے۔ حدیث متفق علیہ کالراعی[1] یرعی حول الحمی یوشک ان یرتع فیہ۔ اس سے صاف روک رہی ہے۔ اسی طرح گھڑیوں پر اتنا اعتماد کہ اس کی بنا پر اتنے

1. اس چرواہے کی طرح جو اپنے جانور بادشاہ کی مخصوص چراگاہ کے ارد گرد چراتا ہے، قریب ہو کہ اسکے جانور اس چراگاہ میں

بڑے فرض الٰہی کو خطرے میں ڈالنے پر اقدام کر بیٹھے، جسارت عظیمہ ہے اور تجربہ کے بھی خلاف، کیونکہ ہزاروں واقعات بڑی بڑی قیمتی گھڑیوں کی غلطی نکلنے پر شاہد ہیں۔ اسی طرح اس کے مقابل بعض کا تشدد کہ گھڑی ہی کو بدعت کہتے ہیں، اور نماز روزہ میں اس کے حساب کو کسی درجہ میں معتبر رکھنے کو حرام سمجھتے ہیں۔ یہ بھی تعدی حدود ہے، اس میں قول فیصل یہ ہے کہ اصل مدار معرفت اوقات کیلئے علامات خاصہ ہیں اور ان علامات کے تحقق میں جیسا مشاہدہ اور حس معتبر ہے اسی طرح اس مشاہدہ و حس کی مطابقت پر کوئی اصطلاح یا آلہ جس کا کثرت تکرار مشاہدہ سے صحیح و معتبر ہونا معلوم ہوا ہو، مقرر کر لیں یا اور کوئی قدرتی چیز مطابق معلوم ہو تو اس کا اعتبار بھی جائز ہے، نہ من حیث الخصوصیت بلکہ من حیث المطابقۃ لتلک العلامات المعتبرۃ شرعاً (یعنی یہ کہ کوئی خصوصیت اس آلہ اور اصطلاح کی نہیں، بلکہ یہ آلہ چونکہ ایسی علامتوں کے مطابق ہو گیا ہے جو شرعاً معتبر ہیں) اس کا بھی اعتبار ہو گیا، پس گھڑی اسی قبیل سے ہے۔ نظیر اس کی طبل سحور ہے جس کے جواز اعتبار کو فقہاء متاخرین نے تنصیصاً فرمایا ہے یعنی صبح صادق کے لئے جو نقارہ بجایا جائے اس پر اعتبار کر لینے کی فقہاء نے تصریح فرمائی ہے، لیکن بدل کسی طرح اصل کی برابر نہیں ہو سکتا، کیونکہ اصل میں تو غلطی کا احتمال ہی نہیں (مثلاً غروب کا آنکھوں سے دیکھ لینا۔ ہاں شاید کبھی حس میں غلطی ہو جائے) اور بدل میں احتمال ہے (جیسے گھڑی) اور یہاں سے سحر میں مرغ کی اذان کا اور افطار کے وقت شپرک (چمگادڑ) کے نکلنے کا حکم بھی معلوم ہو گیا کہ بدون تجربہ کامل کے اس پر اعتماد نہ چاہئے۔

بعض لوگ سحر مناسب وقت کھاتے ہیں، مگر فضول حقہ و پان میں اس قدر دیر لگاتے ہیں کہ روزہ خطرہ میں پڑ جاتا ہے، بعضے پان منہ میں لے کر سو رہتے ہیں، یہ سب بے عنوانیاں ہیں ایک بے عنوانی سحور کے متعلق بعض مقامات پر یہ دیکھی جاتی ہے کہ صبح کی اذان قبل الوقت کہتے ہیں تاکہ سحر کھانے والے سحر چھوڑ دیں، مگر جن کے نزدیک اذان فجر قبل الوقت کافی نہیں (جیسے امام ابوحنیفہ وغیرہ) ان کے نزدیک اس اذان کا اعادہ ضروری ہے، اور اعادہ نہیں کیا جاتا، تو صبح کی نماز بدون اذان ہوتی ہے، دوسرے اگر لوگوں کو اس کی عادت ہو گئی اور ظاہر ہے کہ مؤذن نہ ایسے دیانتدار نہ ایسے واقف کار اوقات ہیں، تو اگر کسی روز غلطی سے خلاف معمول بعد صبح صادق اذان ہوئی تو تمام لوگوں کے روزے اس اذان کے بھروسے برباد ہوں گے، اس لئے مصلحت یہ ہے کہ اذان ایسے وقت

کچھ محنت مزدوری کا کام ہوا اور روزہ افطار کر دیا اور ایک طرح سے تو یہ بلا عذر روزہ چھوڑنے والوں سے بھی زیادہ قابل مذمت ہیں، وہ یہ کہ بلا عذر نہ رکھنے والے خود بھی اپنے کو صاحب عذر نہیں سمجھتے۔ اپنے کو فعل قبیح کا مرتکب سمجھتے ہیں اور یہ لوگ اپنے کو معذور جان کر بے گناہ سمجھتے ہیں، حالانکہ شرعاً وہ معذور نہیں، اسلئے گنہ گار ہوں گے، ان لوگوں کو چاہیئے کہ ایسے لوگوں پر نظر کریں جو سخت سے سخت حالت میں بھی روزہ نہیں چھوڑتے

میں نے ریلوے کے ایک ڈرائیور کو دیکھا ہے کہ ہر وقت انجن میں رہتا تھا اور سخت گرمی کی فصل تھی اور روزے رکھتا تھا، بہت سے کھیتی کاٹنے والے دیکھے گئے ہیں کہ جیٹھ بیساکھ کے دنوں میں دھوپ میں بیٹھ کر کھیتی کاٹتے ہیں اور روزے رکھتے ہیں۔ تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ قدرے عادت اور زیادہ ہمت یعنی پختہ ارادہ ان دونوں کے جمع ہونے سے مشکل کام بھی سہل ہو جاتا ہے اور ذوق و جدان سے کام لیا جائے تو روزے میں تسہیل و تائید خداوندی کا کھلی آنکھوں مشاہدہ ہوتا ہے، پھر اس پر بھی ہمت توڑ دینا اور بہانے ڈھونڈھنا سخت محرومی ہے

بعضے لوگ عذر کی حد کو تو سمجھتے ہیں، لیکن عذر قصداً اختیار کرتے ہیں، مثلاً سفر شرعی واقع میں عذر ہے مگر اس شخص کو در حقیقت سفر کی ضرورت نہ تھی، صرف اسی نیت سے بلا ضرورت سفر کیا ہے کہ روزہ نہ رکھنا پڑے۔ رہا قضا تو وہ چونکہ شرعاً موسع[1] ہے اس لئے اس کے واسطے خاص فرصت کو انتخاب کر لیا جاتا ہے اور نہایت افسوس کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ تھوڑے دنوں سے ایک نئے اجتہاد کی بدولت قضا کے عوض فدیہ کے کافی ہونے کے اعتقاد سے نفع اٹھایا جا رہا ہے، جس پر میں نے مجمل کلام اپنے بعض[2] رسائل میں بزبان اردو اور اسی رسالے کے حاشیہ ملحقہ بالآخر میں بعبارت عربیہ کیا ہے، خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ اس باب میں نہ رائے محض معتبر ہے اور نہ کسی آیت یا حدیث کے ظاہری مفہوم پر غیر مجتہد کو عمل درست ہے، اور نہ عامی کو محض مطالعہ فقہ کا کافی ہے، بعد انقراض زمانۂ اجتہاد کے عالم کو کتب فقہیہ کا اتباع، اور عامی کو علماء سے استفتا کر کے عمل کرنا واجب ہے، اور یہی معیار ہے عذر کے معتبر ہونے نہ ہونے کا وہ بے ملی ہیں بعض

[1] یعنی ادا کرنے میں بہت وسعت رکھی ہے جب چاہے ادا کرے اس لئے سب سے زیادہ چھوٹے اور غریب مزدوری کے ایام چھانٹ کر روزی میں ادا کر دیتے ہیں ۱۲ [2] یعنی اصلاح ترجمہ دہلویہ ۱۲

[illegible]

وقات قصد ہوتا ہے قرآن و حدیث و فقہ کے اتباع کا۔ اور لازم آجاتا ہے اتباع اپنی رائے اور ہویٰ کا۔ کیا یہ بات ظاہر نہیں ہے کہ جو شخص طبیب نہ ہو، وہ اگر کتاب دیکھ کر کسی مریض کیلئے نسخہ لکھ دے تو کچھ تعجب نہیں کہ وہ نسخہ قواعدِ طب کے بھی خلاف ہو۔ اور جس جگہ اتباعِ کتاب وسنت وفقہ کا قصد بھی نہ ہو اس کا ذکر ہی کیا۔

بعض لوگوں کا افطار تو عذر شرعی سے ہوتا ہے مگر ان سے یہ کوتاہی ہوتی ہے کہ بعض اوقات اس عذر کے دفع ہونے کے وقت کسی قدر دن باقی ہوتا ہے اور شرعاً بقیہ دن میں امساک یعنی کھانے پینے سے بند رہنا واجب ہوتا ہے، مگر وہ اس کی پرواہ نہیں کرتے، مثلاً سفرِ شرعی سے ظہر کے وقت واپس آگیا، یا عورت حیض سے ظہر کے وقت پاک ہوگئی، تو ان کو شام تک کھانا پینا نہ چاہئے۔ علاج اس کوتاہی کا مسائل و احکام کی تعلیم و تعلّم ہے۔

بعض لوگ خود تو روزہ رکھتے ہیں، لیکن بچوں سے (باوجود ان کے روزہ رکھنے کے قابل ہونے کے) روزہ رکھوانے کی پرواہ نہیں کرتے، بلکہ بعض اوقات ان کے نابالغ ہونے کی دلیل بنا کر اپنی رائے و عمل کو صواب سمجھتے ہیں۔ اور روزہ رکھانے کو سختی سمجھتے ہیں، خوب سمجھ لیا جائے کہ عدم بلوغ سے ان بچوں پر واجب نہ ہونا لازم آتا ہے، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کے اولیاء پر بھی ان سے روزہ رکھوانا واجب نہ ہو۔ جس طرح نماز کے لئے باوجود عدم بلوغ کے ان کو تاکید کرنا بلکہ مارنا ضروری ہے، اسی طرح روزے کے لئے بھی اتنا فرق ہے کہ نماز میں عمر کی قید ہے اور روزہ میں تحمّل پر مدار ہے (یعنی جب روزہ کی تکلیف کو برداشت کرنے کی قابلیت و طاقت آجائے رکھوانا واجب ہے) اور راز اس میں یہ ہے کہ کسی کام کا دفعۃً پابند ہونا دشوار ہوتا ہے، تو اگر بالغ ہونے کے بعد ہی تمام احکام شروع ہوں تو اس پر ایک بار گراں پڑ جائے گا، اس لئے شریعت کی رحمت ہے کہ پہلے ہی سے شدہ شدہ سب اعمال کا خوگر بنانے کا قانون مقرر کیا تاکہ مکلف ہونے کے وقت دشواری نہ ہو۔

پس اس قانون کی تنفیذ سرپرستوں کے ذمہ مقرر کی گئی، سو اگر سرپرستوں پر یہ واجب نہ ہو تو اس قانون کا کوئی فائدہ ہی نہ ہوگا، کیونکہ واجب نہ ہونے کی صورت میں ان کو ترک بھی جائز ہوگا، تو اگر اس صورت جائزہ سے یہ منتفع ہوئے تو بلوغ کے بعد اس نئے نئے مکلف کو اسی

مصیبت کا سامنا ہوگا تو قانون کا عدم و وجود برابر ہوا تو لامحالہ اولیاء پر اس کا وجوب ہوگا تو ان لوگوں میں دو غلطیاں ہیں۔ ایک اس کو ضروری نہ سمجھنا، دوسرے اس ضروری کو سختی سمجھنا جس میں شرع پر دھبہ لگتا ہے کیونکہ نصوص میں بتلایا گیا ہے کہ شرع میں تنگی نہیں ہے۔ قَالَ اللّٰہُ تعالیٰ یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ[1]۔ وَمَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ[2]۔ وفی الحدیث اَلدِّیْنُ یُسْرٌ[3]۔ اور اس سے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ نو مسلم بالغ تو دفعۃً جمیع احکام کا مکلف ہو جاتا ہے، کیونکہ شرع نے تو اس کے لئے بھی وہی قانون تسہیل مقرر کیا تھا، مگر یہ خود اس کی اور اس کے خاندان والوں کی غلطی ہے کہ اسلام میں دیر لگانے سے وہ سہولت ضائع کر دی، اس لئے مراہق قبل بلوغ جب کہ وہ عاقل ہو ایک درجہ میں مخاطب بالایمان ہے جیسا کہ اصولیوں نے تصریح کی ہے۔ پس مخاطب ہونے کے بعد توقف کرنا اپنے ہاتھوں سے اس سہولت میں کمی کرنا ہے، اور کمی اس لئے کہا کہ دفعۃً واحدۃً بھی جمیع احکام بجالانا بوجہ اسکے کہ وہ احکام قلیل اور فی نفسہ سہل ہیں، چنداں دشوار نہیں، لیکن شرع نے اور زیادہ سہولت کر دی تھی۔

روزے میں افراط بھی مذموم ہے

اور جس طرح یہاں تک روزہ میں تفریط کرنے والوں کا ذکر تھا اسی طرح بعض لوگ اس میں افراط کرنے والے بھی پائے جاتے ہیں، اور ظاہر میں تو یہ لوگ اقرب الی الدین ہیں لیکن چونکہ شریعت میں افراط بھی پسند نہیں، اس لئے ان کی حالت کو بھی دین کے موافق نہ کہا جائے گا مثلاً بعضے لوگ سفر یا مرض میں جان کو آ جاتے ہیں، مگر دینداری جتلانے کو یا افطار پر صوم کے ترجیح دینے کو افطار نہیں کرتے، اور یہ سخت غلطی ہے اگر اول نیت ہے تو بہت برا ہے، اور اگر ثانی ہے تو اس لئے جہل ہے کہ صوم کو مطلقاً افطار پر ترجیح نہیں ہے، بلکہ ایسی شدت کی حالت میں امر بالعکس ہے ورنہ حدیث لیس من البر الصیام فی السفر[4] کے کوئی معنی نہ ہوں گے، بلکہ یہ جہل بوجہ اس کے کہ اس کا اثر عقیدہ تک پہونچتا ہے، اول سے بھی اشد ہے، کیونکہ علمی غلطی عملی غلطی سے اقبح و اشنع ہے، اور عقیدہ تک اثر اس طرح ہے کہ شریعت نے جس کو راجح قرار دیا، یہ شخص اس کو مرجوح سمجھتا ہے، اور جس کو مرجوح قرار

---

[1] حق تعالیٰ نے خاص رمضان کی نسبت فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر آسانی چاہتا ہے، تنگی اور دشواری کا قصد نہیں کرتا۔

[2] دوسری جگہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر دین میں کوئی دشواری نہیں ڈالی ۱۲ [3] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ دین آسان ہے ۱۲ [4] سفر میں روزہ رکھنا کار خیر نہیں۔

گویا اس کو راجح اعتقاد کر رہا ہے۔ اور رخصت شرعیہ میں اس کا دل تنگ ہے، تو گویا اس کو ناقص سمجھتا ہے اور شرع کی طرف تجویز نقص کو نسبت کرنا کتنا بُرا عقیدہ ہے۔ حدیث اُولٰئِکَ الْعُصَاۃُ (سلہ) اور حدیث مَا بَالُ اَقْوَامٍ یَتَنَزَّھُوْنَ الخ (سلہ) ایسے ہی موقع میں ہے۔ یہی حکم ہے ان عورتوں کا کہ باوجود تحقیق اس امر کے کہ روزہ رکھنا دودھ پینے والے بچہ کو مضر کرے گا اپنی ہٹ دھرمی اور ہیکڑی سے باز نہیں آتیں بلکہ ان کی حالت پہلے شخص سے بھی زیادہ منکر (بری) ہے، کیونکہ اس نے تو صرف اپنا ہی نقصان کیا تھا، اس نے ایک بے گناہ بچہ کو بھی ضرر پہنچایا، سو کسی کو ضرر پہنچانا پھر وہ بھی بچہ، یہ حقوق العباد کی کس درجہ کی فرد ہے، اور ان سب صورتوں سے بڑھ کر افراط یہ ہے کہ بعضوں کو بہت چھوٹے کم سمجھ ناتواں بچہ کو روزہ رکھانے کا شوق ہوتا ہے، کچھ تو خود اس روزہ رکھانے کا فخر ہوتا ہے اور کچھ روزہ کشائی میں حوصلہ نکالنے کا ارمان ہوتا ہے، سو اول تو مبنیٰ ہی اس کا فاسد پھر لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا (سلہ) کی مخالفت پھر اس پر بعض عوارض ایسے مرتب ہو جاتے ہیں کہ معصیت میں تضاعف ہو جاتا ہے۔

مجھ کو ایک جگہ کا قصہ معلوم ہے کہ اسی طرح کے ایک بچہ کو روزہ رکھوایا اور اپنی امارت اچھالنے کے لئے روزہ کشائی کا بہت زیادہ اہتمام کیا، گرمی کے بڑے اور کڑے دن عصر کے وقت تک جوں توں کر کے اس نے کھینچا، آخر طاقت طاق ہو گئی اور صبر و تواں نے جواب دیدیا۔ ٹھنڈے پانی کے مٹکے بھرے رکھے تھے ان پر تر کپڑا لپٹا تھا، برف گھولنے کا سامان ہو رہا تھا، اس سارے سامان ذائقہ نے پیاس بھڑکا دی۔ ایک ایک کی خوشامد پانی کے لئے کرتا تھا، لیکن اگر پانی دیتے ہیں تو روزہ کشائی کا سامان اکارت جاتا ہے، اپنا سامان بچانے کے لئے پانی کو جواب دیدیا۔ آخر سخت بیتاب ہو کر دوڑ کر ایک مٹکے کو جا لپٹا اور محبوب سے وصل ہوتے ہی روح نے قالب کو چھوڑ دیا، اس کی نعش زبانِ حال سے سراپا تھی کہ "لو بھائی تم کو تمہارا سامان رہے، ہم اپنی جان تمہارے سامان پر فدا کرتے ہیں"۔

کس قدر حسرتناک ماجرا ہے۔ یہ نتیجہ ہے غلو اور افراط کا۔ آخر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بے معنیٰ تو

سلہ ایک مرتبہ آپؐ نے سفر میں روزہ رکھنے والوں کی نسبت فرمایا کہ وہ گنہگار ہیں ۱۲ سلہ ایک دفعہ سفر میں آپؐ نے افطار فرمالیا اور بعض صحابہ کو افطار میں تامل ہوا تو آپؐ نے فرمایا کہ لوگوں کو کیا ہو گیا کہ جس کام کو میں خود کر گزرا اس سے پرہیز کرتے ہیں ۱۲ سلہ اللہ تعالیٰ کسی نفس کو اسکی برداشت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے ۱۲

لہ محنت مزدوری کا کام ہوا اور روزہ افطار کر دیا اور ایک طرح سے تو یہ بلا عذر روزہ چھوڑنے والوں سے بھی زیادہ قابلِ مذمت ہیں، وہ یہ کہ بلا عذر نہ رکھنے والے خود بھی اپنے کو صاحبِ عذر نہیں سمجھتے۔ اپنے کو فعلِ قبیح کا مرتکب سمجھتے ہیں اور یہ لوگ اپنے کو معذور جان کر بے گناہ سمجھتے ہیں، حالانکہ شرعاً وہ معذور نہیں، اسلئے گنہ گار ہوں گے۔ ان لوگوں کو چاہئے کہ ایسے لوگوں پر نظر کریں جو سخت سے سخت حالت میں بھی روزہ نہیں چھوڑتے۔

میں نے ریلوے کے ایک ڈرائیور کو دیکھا ہے کہ ہر وقت انجن میں رہتا تھا اور سخت گرمی کی فصل تھی اور روزے رکھتا تھا، بہت سے کھیتی کاٹنے والے دیکھے گئے ہیں کہ جیٹھ بیساکھ کی دنوں میں دھوپ میں بیٹھ کر کھیتی کاٹتے ہیں اور روزے رکھتے ہیں۔ تجربے سے معلوم ہوا ہے کہ قدرے عادت اور زیادہ ہمت یعنی پختہ ارادہ ان دونوں کے جمع ہونے سے مشکل سے مشکل کام بھی سہل ہو جاتا ہے اور ذوق و وجدان سے کام لیا جائے تو روزے میں تسہیل و تائیدِ خداوندی کا کھلی آنکھوں مشاہدہ ہوتا ہے، پھر اس پر بھی ہمت توڑ دینا اور بہانے ڈھونڈھنا سخت محرومی ہے۔

بعض لوگ عذر کی حد کو تو سمجھتے ہیں، لیکن عذر قصداً اختیار کرتے ہیں، مثلاً سفرِ شرعی واقع میں عذر ہے مگر اس شخص کو درحقیقت سفر کی ضرورت نہ تھی، صرف اسی نیت سے بلا ضرورت سفر کیا ہے کہ روزہ نہ رکھنا پڑے۔ رہا قضا تو وہ چونکہ شرعاً موسّع[1] ہے اس لئے اس کے واسطے خاص فروری کو انتخاب کر لیا جاتا ہے اور نہایت افسوس کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ تھوڑے دنوں سے ایک نئے اجتہاد کی بدولت قضا کے عوض فدیہ کے کافی ہونے کے اعتقاد سے نفع اٹھایا جا رہا ہے، جس پر میں نے مجمل کلام اپنے بعض[2] رسائل میں بزبان اردو اور اسی رسالے کے حاشیہ ملحقہ بالاخیر میں بعبارت عربیہ کیا ہے، خوب سمجھ لینا چاہئے کہ اس باب میں نہ رائے محض معتبر ہے اور نہ کسی آیت یا حدیث کے ظاہری مفہوم پر غیر مجتہد کو عمل درست ہے، اور نہ عامی کو محض مطالعہ فقہ کا کافی ہے، بعد انقراض زمانۂ اجتہاد کے عالم کو کتب فقہیہ کا اتباع، اور عامی کو علماء سے استفتا کر کے عمل کرنا واجب ہے، اور یہی معیار ہے عذر کے معتبر ہونے نہ ہونے کا، بے علمی میں بعض

---

[1] یعنی ادا کرنے میں بہت وسعت ہے جب چاہو ادا کرے اس لئے سب سے زیادہ چھوٹے اور خوب سردی کے ایام چھانٹ کر فروری میں ادا کر دیتے ہیں ۱۲ [2] یعنی اصلاح ترجمہ دہلویہ ۱۲

قات قصد ہوتا ہے قرآن و حدیث و فقہ کے اتباع کا۔ اور لازم آجاتا ہے اتباع اپنی رائے اور
ی کا۔ کیا یہ بات ظاہر نہیں ہے کہ جو شخص طبیب نہ ہو، وہ اگر کتاب دیکھ کر کسی مریض کیلئے نسخہ
دے تو کچھ تعجب نہیں کہ وہ نسخہ قواعدِ طب کے بھی خلاف ہو۔ اور جس جگہ اتباعِ کتاب و سنت
فقہ کا قصد بھی نہ ہو اس کا ذکر ہی کیا۔

بعضے لوگوں کا افطار تو عذر شرعی سے ہوتا ہے مگر ان سے یہ کوتاہی ہوتی ہے کہ بعض اوقات
اس عذر کے رفع ہونے کے وقت کسی قدر دن باقی ہوتا ہے اور شرعاً بقیہ دن میں امساک یعنی
کھانے پینے سے بند رہنا واجب ہوتا ہے، مگر وہ اس کی پرواہ نہیں کرتے، مثلاً سفر شرعی سے
ظہر کے وقت واپس آگیا، یا عورت حیض سے ظہر کے وقت پاک ہوگئی، تو ان کو شام تک کھانا
پینا نہ چاہئے۔ علاج اس کوتاہی کا مسائل و احکام کی تعلیم و تعلّم ہے۔

بعض لوگ خود تو روزہ رکھتے ہیں، لیکن بچوں سے (باوجود ان کے روزہ رکھنے کے قابل ہونے
کے) روزہ رکھوانے کی پرواہ نہیں کرتے، بلکہ بعض اوقات ان کے نابالغ ہونے کی دلیل بنا کر
اپنی رائے و عمل کو صواب سمجھتے ہیں۔ اور روزہ رکھلانے کو سختی سمجھتے ہیں، خوب سمجھ لیا جائے کہ عدم
بلوغ سے ان بچوں پر واجب نہ ہونا لازم آتا ہے، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کے اولیاء
پر بھی ان سے روزہ رکھوانا واجب نہ ہو۔ جس طرح نماز کے لئے باوجود عدم بلوغ کے ان کو تاکید کرنا
بلکہ مارنا ضروری ہے، اسی طرح روزے کے لئے بھی اتنا فرق ہے کہ نماز میں عمر کی قید ہے اور روزہ
میں تحمّل پر مدار ہے (یعنی جب روزہ کی تکلیف کو برداشت کرنے کی قابلیت و طاقت آجائے رکھوانا
واجب ہے) اور راز اس میں یہ ہے کہ کسی کام کا دفعتہً پابند ہونا دشوار ہوتا ہے، تو اگر بالغ ہونے
کے بعد ہی تمام احکام شروع ہوں تو اس پر ایک بارِ گراں پڑ جائے گا، اس لئے شریعت کی
رحمت ہے کہ پہلے ہی سے شدہ شدہ سب اعمال کا خوگر بنانے کا قانون مقرر کیا تاکہ مکلّف ہونے
کے وقت دشواری نہ ہو۔

پس اس قانون کی تنفیذ سرپرستوں کے ذمّہ مقرر کی گئی، سو اگر سرپرستوں پر یہ واجب
نہ ہو تو اس قانون کا کوئی فائدہ ہی نہ ہوگا، کیونکہ واجب نہ ہونے کی صورت میں ان کو ترک بھی
جائز ہوگا، تو اگر اس صورت جائزہ سے یہ منتفع ہوئے تو بلوغ کے بعد اس نئے نئے مکلّف کو اسی

مصیبت کا سامنا ہوگا تو قانون کا عدم و وجود برابر ہوا تو لامحالہ اولیاء پر اس کا وجوب ہوگا تو ان لوگوں میں دو غلطیاں ہیں۔ ایک اس کو ضروری نہ سمجھنا، دوسرے اس ضروری کو سختی سمجھنا جس میں شرع پر دھبہ لگتا ہے کیونکہ نصوص میں بتلایا گیا ہے کہ شرع میں سختی نہیں ہے۔ قَالَ اللّٰهُ تعالیٰ[1] يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ۔ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ[2] فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ۔ وفي الحديث الدِّيْنُ يُسْرٌ[3]۔ اور اس سے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ نومسلم بالغ تو دفعۃً جمیع احکام کا مکلف ہو جاتا ہے، کیونکہ شرع نے تو اس کے لئے بھی وہی قانون تسہیل مقرر کیا تھا، مگر یہ خود اس کی اور اس کے خاندان والوں کی غلطی ہے کہ اسلام میں دیر لگانے سے وہ سہولت ضائع کر دی، اس لئے مراہق قبل بلوغ جب کہ وہ عاقل ہو ایک درجہ میں مخاطب بالایمان ہے جیسا کہ اصولیوں نے تصریح کی ہے۔ پس مخاطب ہونے کے بعد توقف کرنا اپنے ہاتھوں سے اس سہولت میں کمی کرنا ہے، اور کمی اس لئے کہا کہ دفعۃً واحدۃً بھی جمیع احکام بجالانا بوجہ اسکے کہ وہ احکام قلیل اور فی نفسہ سہل ہیں، چنداں دشوار نہیں، لیکن شرع نے اور زیادہ سہولت کر دی تھی

روزے میں افراط بھی مذموم ہے اور جس طرح یہاں تک روزہ میں تفریط کرنے والوں کا ذکر تھا اسی طرح بعض لوگ اس میں افراط کرنے والے بھی پائے جاتے ہیں، اور ظاہر میں تو یہ لوگ اقرب الی الدین ہیں لیکن چونکہ شریعت میں افراط بھی پسند نہیں، اس لئے ان کی حالت کو بھی دین کے موافق نہ کہا جائے گا مثلاً بعضے لوگ سفر یا مرض میں جان کو آجاتے ہیں، مگر دینداری جتلانے کو یا افطار پر صوم کے ترجیح دینے کو افطار نہیں کرتے، اور یہ سخت غلطی ہے اگر اول نیت ہے تو بہت برا ہے، اور اگر ثانی ہے تو اس لئے جہل ہے کہ صوم کو مطلقاً افطار پر ترجیح نہیں ہے، بلکہ ایسی شدت کی حالت میں امر بالعکس ہے ورنہ حدیث لیس[4] من البر الصیام فی السفر کے کوئی معنی نہ ہوں گے، بلکہ یہ جہل بوجہ اس کے کہ اس کا اثر عقیدہ تک پہونچتا ہے، اوّل سے بھی اشد ہے، کیونکہ عملی غلطی علمی غلطی سے اقبح و اشنع ہے۔ اور عقیدہ تک اثر اس طرح ہے کہ شرع نے جس کو راجح قرار دیا، یہ شخص اس کو مرجوح سمجھتا ہے، اور جس کو مرجوح قرار

---

[1] حق تعالیٰ نے خاص روزہ کی نسبت فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر آسانی چاہتا ہے، تنگی اور دشواری کا قصد نہیں کرتا۔

[2] دوسری جگہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے دین میں کوئی دشواری نہیں ڈالی ۱۲ [3] رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ دین سراسر آسانی ہے ۱۲ [4] سفر میں روزہ رکھنا کار خیر نہیں۔

دیا اس کو راجح اعتقاد کر رہا ہے۔ اور رخصت شرعیہ میں اس کا دل تنگ ہے، تو گویا اس کو ناقص سمجھتا ہے اور شرع کی طرف تجویز نقص کو نسبت کرنا کتنا بُرا عقیدہ ہے۔ حدیث اُولٰئِکَ العُصَاۃُ [۱] اور حدیث مَا بَالُ اَقْوَامٍ یَتَنَزَّھُوْنَ الخ [۲] ایسے ہی موقع میں ہے۔ یہی حکم ہے ان عورتوں کا کہ باوجود تیقن اس امر کے کہ روزہ رکھنا دودھ پینے والے بچہ کو ضرر کرے گا اپنی ہٹ دھرمی اور بیکلی سے باز نہیں آتیں، بلکہ ان کی حالت پہلے شخص سے بھی زیادہ منکر (بری) ہے، کیونکہ اس نے تو صرف اپنا ہی نقصان کیا تھا، اس نے ایک بے گناہ بچہ کو بھی ضرر پہنچایا، سو کسی کو ضرر پہنچانا پھر وہ بھی بچہ، یہ حقوق العباد کی کس درجہ کی فرد ہے، اور ان سب صورتوں سے بڑھ کر افراط یہ ہے کہ بعضوں کو بہت چھوٹے کم سمجھ ناتواں بچہ کو روزہ رکھانے کا شوق ہوتا ہے، کچھ تو خود اس روزہ رکھانے کا فخر ہوتا ہے اور کچھ روزہ کشائی میں حوصلہ نکالنے کا ارمان ہوتا ہے، سو اول تو مبنیٰ ہی اس کا فاسد پھر لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا [۳] کی مخالفت پھر اس پر بعض عوارض ایسے مرتب ہو جاتے ہیں کہ معصیت میں تضاعف ہو جاتا ہے۔

مجھ کو ایک جگہ کا قصہ معلوم ہے کہ اسی طرح کے ایک بچّہ کو روزہ رکھوایا اور اپنی امارت اچھالنے کے لئے روزہ کشائی کا بہت زیادہ اہتمام کیا، گرمی کے بڑے اور کڑے دن عصر کے وقت تک جوں توں کر کے اس نے کھینچا، آخر طاقت طاق ہوگئی اور صبر و تواں نے جواب دیدیا۔ ٹھنڈے پانی کے مٹکے بھرے رکھے تھے ان پر تر کپڑا لپٹا تھا، برف گھولنے کا سامان ہو رہا تھا، اس سارے سامان ذائقہ بھڑکا دی۔ ایک ایک کی خوشامد پانی کے لئے کرتا تھا، لیکن اگر پانی دیتے ہیں تو روزہ کشائی کا سامان اکارت جاتا ہے، اپنا سامان بچانے کے لئے پانی کو جواب دیدیا۔ آخر سخت بیتاب ہو کر دوڑ کر ایک مٹکے کو جا لپٹا اور محبوب سے وصل ہوتے ہی روح نے قالب کو چھوڑ دیا، اس کی نعش زبانِ حال سے سراپا یاں تھی کہ "لو بھائی تم کو تمہارا سامان رہے، ہم اپنی جان تمہارے سامان پر فدا کرتے ہیں"

کس قدر حسرتناک ماجرا ہے۔ یہ نتیجہ ہے غلو اور افراط کا۔ آخر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بے معنیٰ تو

---

[۱] ایک مرتبہ آپؐ نے سفر میں روزہ رکھنے والوں کی نسبت فرمایا کہ وہ گنہ گار ہیں ۱۲ [۲] ایک دفعہ سفر میں آپؐ نے افطار فرمالیا اور بعض صحابہ کو افطار میں تامل ہوا تو آپؐ نے فرمایا کہ لوگوں کو کیا ہوگیا کہ جس کام کو میں خود کر گزرا اس سے پرہیز کرتے ہیں ۱۲ [۳] اللہ تعالیٰ کسی نفس کو اسکی برداشت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے ۱۲

نہیں ہے لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ[1] کیا اس ہلاک اور قتل کی نسبت گو تسبباً سہی ان ظالموں کی طرف نہ ہوگی؟ غرض تفریط اور افراط دونوں صوم میں شرع نے دونوں سے روکا ہے اور ان حدود کا علم بدون صحبت و استفسار و صحبت علماء کے نہیں ہوتا، پس اس سب کا علاج یہی ہے

بعض لوگ نفس روزہ میں افراط و تفریط نہیں کرتے، لیکن روزہ محض صورت کا نام سمجھ کر صبح سے شام تک اَجْوَفَيْن (یعنی فم و فرج) کو بند رکھنے پر اکتفا کرتے ہیں، اور اس میں علاوہ مقصودیت صورت نوعیہ کے کہ وہ بھی ثابت ہے۔ اور حکمتیں موجود ہیں جن کی طرف قرآن مجید میں اشارہ بلکہ صراحت ہے لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ[2] ان سب کو نظر انداز کر کے اپنے صوم کو جسد بلا روح بنا لیتے ہیں۔

خلاصہ اُن حکمتوں کا معاصی و منہیات سے بچنا ہے، سو ظاہر ہے کہ اکثر لوگ روزہ میں بھی اکثر معاصی سے نہیں بچتے، جو حالت ان کی معصیت میں قبل رمضان ہوتی ہے، رمضان کے آنے سے اس میں کوئی تفاوت نہیں ہوتا، اگر غیبت کی عادت تھی تو وہ بدستور رہتی ہے، اگر نگاہِ بد کے خوگر تھے وہ نہیں چھوڑتے، اگر حقوق العباد میں مبتلا تھے، ان کی صفائی نہیں کی، بلکہ بعض کے معاصی تو غالباً بڑھ جاتے ہیں، کیونکہ پہلے تو کسی کاروبار میں لگے رہتے تھے، اب روزہ میں چلنے پھرنے محنت مشقت کا کام تو ہوتا نہیں، دوستوں میں جا بیٹھے کہ روزہ بہلے گا، پھر دوستوں میں کوئی شغل تفریح کا بھی ضروری ہے، یا تو باتیں کرنا شروع کیں جن میں زیادہ حصہ غیبت کا ہوگا اور یا چوسر گنجفہ تاش یا ہارمونیم باجا یا گراموفون لے بیٹھے، اور دن پورا کر دیا: بھلا اس روزہ کا کوئی معتدبہ حاصل؟

کیا اتنی بات عقل سے سمجھ میں نہیں آتی کہ کھانا پینا جو فی نفسہ مباح ہے، جب روزہ میں وہ حرام ہوگیا تو غیبت اور دوسرے معاصی جو فی نفسہ بھی حرام ہیں وہ روزہ میں کس قدر سخت حرام ہوں گے، تو مباح اصلی سے بچنا اور غیر مباح میں مبتلا ہونا یہ روزہ کس قسم کا ہے۔ حدیث میں ہے کہ جو شخص بدگفتاری اور بدکرداری نہ چھوڑے خدا تعالیٰ کو اس کی کچھ پرواہ نہیں کہ وہ شخص اپنا کھانا پینا چھوڑے۔ اور اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ بالکل روزہ ہی نہ ہوگا۔ کبھی یہ سمجھ کر کہ جب روزہ ہی نہ ہوا تو پھر رکھنے سے کیا فائدہ، سو روزہ تو ہو جائے گا، مگر نہایت ادنیٰ درجہ کا۔ جیسا اندھا، لنگڑا، کانا،

---

[1] اپنے دین میں غلو نہ کرو، حد سے مت نکلو۔ [2] جیسا کہ شروع بحث صوم میں بدعقیدہ لوگوں کے جواب میں گزرا۔

[2] تاکہ تم پرہیزگار ہو جاؤ۔

گنجا، اپاہج آدمی ہوتا ہے، مگر ناقص درجہ کا، اور بالکل روزہ نہ رکھنا تو اس سے بھی اشد ہے، کیونکہ ذات کا سلب صفت کے سلب سے سخت تر ہے:

اور اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ جب غیبت چونکہ مباح فی نفسہ نہیں لہذا زیادہ شدید ہے، اور اکل و شرب چونکہ فی نفسہ مباح ہیں وہ اس سے خفیف ہیں، پس غیبت سے روزہ افطار نہ ہونا خورد و نوش سے افطار ہو جانا کیا معنیٰ؟ جواب یہ ہے کہ روزہ جن خصوصیات کے لئے مشروع کیا گیا ہے ان کے اعتبار سے اس کی ایک خاص ماہیت مشخصہ ہے یعنی اِمْسَاکٌ عَنِ الْمُفْطِرَاتِ بِالنِّیَّۃِ (نیت کرکے افطار کرنے والی چیزوں سے رکنا) سو اکل و شرب وغیرہ گو اہون (ہلکے) ہوں مگر اس ماہیت کے منافی ہیں۔ اور دوسرے معاصی گو اغلظ ہوں مگر اس ماہیت کو منافی نہیں، گو اس ماہیت کی اغراض کے منافی ہوں سو ثابتاً فی الباب ان معاصی سے وہ اغراض فوت ہو جائیں گے، سو اس کو ہم بھی مانتے ہیں۔ چنانچہ اوپر کہا گیا ہے کہ بھلا اس روزہ کا کوئی معتد بہ حاصل؟ اور اصل حقیقت صوم کی متحقق ہو جانے سے یہ اثر ہو گا کہ قیامت میں یہ بازپرس نہ ہوگی کہ روزہ کیوں نہیں رکھا؟ بلکہ یہ پوچھا جائے گا کہ روزے کو خراب کیوں کیا؟ سو بڑا فرق ہے اس میں کہ حاکم کے حکم کے بعد سالانہ کاغذ ہی نہ بنایا اور اس میں کہ بنایا مگر کہیں کہیں غلطیاں رہ گئیں، اور یہ جو کہا گیا کہ ایسے روزے سے معتد بہ فائدہ نہیں، یہ قید اس لئے لگائی گئی کہ بالکل بے سود بھی نہیں اور وہ فائدہ ایک تو ظاہر ہے کہ کسی قدر تو تعمیل ارشاد ہے، دوسرے ہر عمل میں ایک خاص برکت ہے، جب صبح سے شام تک لذات مخصوصہ سے نفس کو روکا تو اس سے نفس ضرور منفعل و منصبغ (اثر قبول کنندہ و رنگ پذیرندہ) ہو گیا جس کا اثر یا تو آئندہ ظاہر ہو کہ کسی معصیت سے رکنے کی توفیق ہو جائے، یا اسی روز یہ ہوا ہو کہ اگر یہ صورت صوم بھی نہ ہوتی تو کوئی خاص معصیت سرزد ہوتی اور روزہ کی برکت سے سرزد نہ ہوئی تو اس وجہ سے بالکل بے سود اور لاحاصل نہیں کہہ سکتے، اور تدبیر ان معاصی سے بچنے کی تین امر کا مجموعہ ہے، خلق سے بلاضرورت تنہا اور یکسو رہنا۔ کسی اچھے شغل میں لگے رہنا مثل تلاوت قرآن مجید وغیرہ۔ نفس کو سمجھانا اور وقتاً فوقتاً دھیان کرتے رہنا کہ ذرا سی لذت کے واسطے صبح سے شام تک کی مشقت کو کیوں ضائع کیا۔ اور تجربے سے معلوم ہوا کہ نفس پھسلانے سے بہت کام کرتا ہے۔ سو یوں نفس کو پھسلاوے کہ ایک مہینے کے لئے تو اس دستور العمل کی مجموعہ تین امور مذکورہ کا ہے پابندی کرلے پھر دیکھا جاوے گا یہ ایک مہینہ تو وہ پھسلانے میں آکر مرضی کے موافق پورا کرلے گا، پھر یہ بھی تجربہ ہے کہ جس طرز پر آدمی

ل مدت تک رہ چکا ہو وہ آسان ہو جاتا ہے، بالخصوص اہل باطن کو رمضان میں یہ حالت زیادہ
رک (معلوم) ہوتی ہے، کہ اس مہینے میں جو اعمال صالحہ کئے ہوتے ہیں، سال بھر تک ان کی توفیق
ہتی ہے، پس اس طریق سے بعد رمضان بھی وہی عادت ترک معاصی کی تھوڑی توجہ سے انشاء اللہ
فوظ رہے گی۔ اور میں یہ نہیں کہتا کہ پھر معصیت کی طرف میلان ہی نہ ہوگا بلکہ دعویٰ یہ ہے کہ اس میلان
جس قدر پہلے تقاضا ہوتا تھا اب اس قدر تقاضا نہ ہوگا کہ بہت تھوڑی توجہ اور ضبط سے وہ میلان
فع یا مغلوب ہو جاوے گا، اور میرے نزدیک یہی اثر ہے شیاطین کے مقید ہو جانے کا رمضان میں
بل رمضان جو نفسانی خواہشیں طبعاً پیدا ہوتی ہیں ان کی اعانت شیاطین بھی کرتے تھے، اسلئے
اضا شدید ہوتا تھا کہ ضبط میں زیادہ مشقت ہوتی تھی، رمضان میں گو ایسی خواہشیں پیدا تو ہوتی ہیں
ونکہ نفس اور طبیعت قید نہیں ہوتے مگر شیاطین چونکہ قید ہو گئے، اس لئے ان کی جانب سے اعانت
یں ہوتی۔ تو تقاضا اس قدر نہ ہوگا اور رکنا اتنا دشوار نہ ہوگا۔ چنانچہ یہ امر تجربہ اور مشاہدہ سے دیکھا جائے
یح ہے اور اس تقریر سے بعض اشکالات بھی حل ہو گئے، اور اسی کا ضمیمہ یہ بھی ہے کہ حتی الوسع رمضان
ں غذائے حلال کا زیادہ اہتمام رکھے۔ شرم کی بات ہے کہ حلال سے دن بھر رکا رہے اور حرام
افطار ہو۔

ور یعنی سحری | اس میں غالباً دو کوتاہیاں ہوتی ہیں، ایک تعجیل کے متعلق۔ دوسرے تاخیر کے متعلق
ل کا بیان یہ ہے کہ اکثر لوگ آدھی رات سے سحری کھا کر بیٹھ رہتے ہیں، سو اوّل تو خود اس قدر
بیل ہی امر شارع وغرض مشروعیت سحر کے خلاف ہے اور وہ غرض یہ ہے کہ مسلمین واہل کتاب میں
رق رہے اور روزہ میں قوت وطاقت رہے، اور دوسرے اکثر عوام کا اس کے ساتھ یہ اعتقاد منضم
وجاتا ہے، کہ جب سحر کھا کر روزہ کی نیت کر لی یا سو گئے تو اس کے بعد گو رات باقی ہی ہو، مگر
ب کھانا پینا جائز نہیں، سو یہ اعتقاد ایک اختراع فی الدین ہے، جس سے توبہ واجب ہے۔

اور ثانی کا بیان یہ ہے کہ بعضے لوگ خصوص جن کے پاس نقشے اور گھڑیاں بھی ہیں، اس قدر
خیر کرتے ہیں کہ بعض اوقات یہ اشتباہ قوی ہو جاتا ہے کہ کہیں صبح صادق کے بعد تو نہیں کھایا۔
ا قدر مبالغہ ضرور بے احتیاطی ہے۔ حدیث متفق علیہ کَالرَّاعِیْ یَرْعٰی حَوْلَ الْحِمٰی یُوْشِکُ[1]
نْ یَّرْتَعَ فِیْہِ۔ اس سے صاف روک رہی ہے۔ اسی طرح گھڑیوں پر اتنا اعتماد کہ اس کی بنا پر اتنے

---

[1] اس چرواہے کی طرح جو اپنے جانور بادشاہ کی مخصوص چراگاہ کے ارد گرد چراتا ہے، قریب ہے کہ اسکے جانور اس چراگاہ میں

جیسے فرض الٰہی کو خطرے میں ڈالنے پر اقدام کر بیٹھے، جسارت عظیمہ ہے اور تجربہ کے بھی خلاف، کیونکہ ہزاروں واقعات بڑی بڑی قیمتی گھڑیوں کی غلطی نکلنے پر شاہد ہیں۔ اسی طرح اس کے مقابل بعض کا تشدد کہ گھڑی ہی کو بدعت کہتے ہیں، اور نماز روزہ میں اس کے حساب کو کسی درجہ میں معتبر رکھنے کو حرام سمجھتے ہیں۔ یہ بھی تعدیٔ حدود ہے، اس میں قول فیصل یہ ہے کہ اصل مدار معرفت اوقات میں علامات خاصہ ہیں اور ان علامات کے تحقق میں جیسا مشاہدہ اور حس معتبر ہے اسی طرح اس مشاہدہ وحس کی مطابقت پر کوئی اصطلاح یا آلہ جس کا کثرت تکرار مشاہدہ سے صحیح ومعتبر ہونا معلوم ہوا ہو، مقرر کرلیں یا اور کوئی قدرتی چیز مطابق معلوم ہو تو اس کا اعتبار بھی جائز ہے، نہ مِن حیث الخصوصیت بلکہ مِن حیث المطابقۃ لتلک العلامات المعتبرۃ شرعاً (یعنی یہ کہ کوئی خصوصیت اس آلہ اور اصطلاح کی نہیں، بلکہ یہ آلہ چونکہ ایسی علامتوں کے مطابق ہوگیا ہے جو شرعاً معتبر ہیں) اس کا بھی اعتبار ہوگیا، پس گھڑی بھی اسی قبیل سے ہے۔ نظیر اس کی طبل سحور ہے جس کے جواز اعتبار کو فقہاء متأخرین نے تنصیصاً فرمایا ہے، یعنی صبح صادق کے لئے جو نقارہ بجایا جائے اس پر اعتبار کرلینے کی فقہاء نے تصریح فرمائی ہے، لیکن بدل کسی طرح اصل کی برابر نہیں ہوسکتا، کیونکہ اصل میں تو غلطی کا احتمال ہی نہیں (مثلاً غروب کا آنکھوں سے دیکھ لینا۔ ہاں شاید کبھی حس میں غلطی ہوجائے) اور بدل میں احتمال ہے (جیسے گھڑی) اور یہاں سے سحر میں مرغ کی اذان کا اور افطار کے وقت شبرک (چمگادڑ) کے نکلنے کا حکم بھی معلوم ہوگیا کہ بدون تجربہ کامل کے اس پر اعتماد نہ چاہئے۔

بعض لوگ سحر مناسب وقت کھاتے ہیں، مگر فضول حقہ وپان میں اس قدر دیر لگاتے ہیں کہ روزہ خطرہ میں پڑجاتا ہے، بعضے پان منہ میں لے کر سو رہتے ہیں، یہ سب بے عنوانیاں ہیں، ایک بے عنوانی سحور کے متعلق بعض مقامات پر یہ دیکھی جاتی ہے کہ صبح کی اذان قبل الوقت کہتے ہیں تاکہ سحر کھانے والے سحر چھوڑ دیں، مگر جن کے نزدیک اذان فجر قبل الوقت کافی نہیں (جیسے امام ابوحنیفہؒ وغیرہ) ان کے نزدیک اس اذان کا اعادہ ضروری ہے، اور اعادہ نہیں کیا جاتا، تو صبح کی نماز بدون اذان ہوتی ہے، دوسرے اگر لوگوں کو اس کی عادت ہوگئی اور ظاہر ہے کہ مؤذن نہ ایسے دیانتدار نہ ایسے واقف کار اوقات ہیں، تو اگر کسی روز غلطی سے خلاف معمول بعد صبح صادق اذان ہوئی تو تمام لوگوں کے روزے اس اذان کے بھروسے برباد ہوں گے، اس لئے مصلحت یہ ہے کہ اذان اسی وقت

دو ہدیے ہیں اور دو فرحتیں ہیں، دو حرمتیں ہیں ایک حرمت ماہِ رمضان، ایک حرمت قرآن۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ (ہم نے نازل کیا قرآن پاک کو ماہِ رمضان المبارک میں) دو عصمتیں ہیں ایک شیطانِ لعین سے کہ وہ انسان کو گمراہ کرتا ہے اور قلوب میں وسوسے ڈالتا ہے، اور دوسرے دوزخ کی آگ سے کہ اس مہینہ میں شیطان قید کر دیا جاتا ہے اور دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں دو نعمتیں ہیں. ایک یہ کہ اس مبارک ماہ میں بہشت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، دوسرے یہ کہ دلوں کو نورِ ایمان کی روشنی سے منور کر دیتے ہیں، دو رخصتیں ہیں ایک وقت سے پہلے افطار مسافر کے حق میں اور دوسرے بیمار کے حق میں۔

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ط وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ (سو جو شخص اس ماہ میں موجود ہو اس کو ضرور اس میں روزہ رکھنا چاہئے، اور جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے ایام کا شمار رکھنا ہے) دو کرامتیں ہیں ایک خود روزہ اور دوسرے جزائے روزہ جس کو اللہ پاک نے اپنے سے متعلق رکھا ہے اَلصَّوْمُ لِيْ وَاَنَا اَجْزِيْ بِهٖ (روزہ میرے لئے ہے اور میں خود اسکی جزا دوں گا)

دوسرے یہ کہ روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک و عنبر کی خوشبو سے بہتر ہے۔

دو بشارتیں ہیں ایک ارادۂ یُسر، دوسرے نفیِ عسر۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (اللہ تعالیٰ کو تمہارے ساتھ آسانی کرنا منظور ہے اور تمہارے ساتھ دشواری منظور نہیں) دو برکتیں ہیں ایک برکت روزہ، دوسرے برکت سحور یعنی سحری کھانے کی برکت، دو راتیں ہیں ایک شبِ بدر[1]، دوسری شبِ قدر، دو ہدیے ہیں پہلا یہ کہ روزہ دار کی نیند بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک بیداری کی عبادت میں داخل ہے، دوسرے یہ کہ اسکی خاموشی تسبیح و تہلیل کا درجہ رکھتی ہے. دو فرحتیں ہیں ایک افطار کی فرحت، دوسرے دیدار کی فرحت۔

امیر المومنین حضرت کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ امتِ محمدی کو عذاب نہیں دیگا اس لئے کہ اس نے اس امت کو ماہِ رمضان اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ کی نعمتیں عطا فرمائی ہیں. اے مومن روزہ دار قُلْ هُوَ اللّٰهُ پڑھ اور برأت و نجات حاصل کر۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے

---

[1] رمضان ۱۷ھ ۔۔۔

یہ ماہ رمضان میں پانچ چیزیں عطا فرمائی ہیں۔
پہلی یہ کہ جب رمضان المبارک کی پہلی شب ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ میری امت پر اپنی رحمتوں کے ساتھ نظر کرتا ہے، اور ظاہر ہے کہ جس پر اللہ پاک کی نگاہِ رحمت ہو جاتی ہے اس کو پھر عذاب نہیں دیا جاتا۔
دوسرے یہ کہ اللہ پاک کے نزدیک روزہ داروں کے منہ کی بو مشک و عنبر پر فوقیت رکھتی ہے
تیسرے رمضان المبارک کی تمام راتوں اور دنوں میں فرشتے روزہ داروں کے گناہوں کے لئے توبہ و استغفار کرتے ہیں۔
چوتھے یہ کہ اللہ پاک بہشتوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ اللہ کے اُن نیک بندوں اور دوستوں کا استقبال کرنے کے لئے آمادہ و آراستہ رہیں کہ وہ وقت نزدیک آگیا ہے کہ وہ دنیا کی تکلیفوں اور محنتوں سے رہائی پائیں اور میری رحمتوں کی طرف دوڑتے ہوئے آئیں۔
پانچویں یہ کہ جب رمضان المبارک کی آخری رات ہوتی ہے تو اللہ پاک جو رحیم و کریم ہے، روزہ داروں کو بخش دیتا ہے اور اُن کے گناہوں کو دھو ڈالتا ہے، جب ماہِ رمضان شروع ہوتا ہے تو عرش خداوندی لرزنے لگتا ہے کہ ایسا مہمانِ عزیز مومنین کے پاس جا رہا ہے، کیا خبر ہے کہ وہ اُن کے پاس سے خوش و خرم واپس آتا ہے یا نہیں۔
ماہ رمضان میں مقربانِ بارگاہِ الٰہی تیرے حجرۂ خواجگی یعنی تیرے محل کی طرف دیکھتے ہیں کہ تو کسی بھوکے فقیر کو روٹی کا لقمہ دیتا ہے یا نہیں، کسی یتیم کا دل خوش کرتا ہے یا نہیں۔ تو نے حلال روزی کمائی ہے یا حرام کی کمائی سے تیرے لئے کھانا تیار کیا گیا ہے، ایسا تو نہیں کہ تو یتیم یا کسی بیوہ کے مال سے روزہ کھول رہا ہو۔
امام بلخ خلفِ ایوب کے یہاں ایک باندی تھی جس کو انھوں نے فروخت کر دیا، حاکم شہر نے اس کو خریدا اور اپنے گھر لے گیا، وہ باندی حاکم کے محل میں بیٹھی ہوئی تھی اور اس کے ملازم افطاری کے لئے مختلف چیزیں لا لاکر دسترخوان سجا رہے تھے، اور جیسا کہ حکام کا شیوہ اور ان کے یہاں کا دستور ہوتا ہے، کہیں سے گوشت، کہیں سے شیرینی اور کہیں سے خوان لگ کر آرہا تھا، کنیز نے اس سے پہلے کبھی یہ نہ دیکھا تھا کہ دوسروں کے مال سے روزہ کھولا جاتا ہو، اس نے پوچھا کہ یہ کیا ہے اور کیوں ہے کہ افطاری کا سامان ایک ساتھ اور یک جا صورت میں نہیں لایا گیا، اُسے جواب ملا کہ اہلِ قریہ پیسہ

محصول کی صورت میں عائد ہوتا ہے، جیسے جیسے لوگ لا لا کر دیتے جاتے ہیں سامان یہاں آتا رہتا ہے، کنیز نے تعجب سے کہا کیا مسلمانوں میں اس قسم کی باتیں بھی ہوتی ہیں؟ جواب ملا کہ "ہاں یہی ہوتا ہے"، اس پر وہ کنیز رونے لگی اور کہنے لگی کہ مجھے میرے پہلے آقا کے یہاں پہنچا دو، جہاں میں نے پرورش پائی ہے کہ جب کوئی مرغ بیمار ہوتا اور اس کے دسترخوان کا کوئی ریزہ چن لیتا تو شفا پا جاتا، اے خلف ایوب کی باندی سے بدتر انسان سر اٹھا اور سوچ کہ کس برتے پر تو خود کو اپنے وقت کا عالم اور زاہد کہہ سکتا ہے، اور اس کا سزاوار ہو سکتا ہے۔

اے عزیز باتمیز! تجھے اس ماہ مقدس میں اپنے ایک سال کے گناہ بخشوا لینے چاہئیں۔ اگر تو نے اس مبارک مہینے "شہر رمضان" میں اپنے گناہوں کو نہ بخشوایا تو پھر اس کے لئے کونسا مہینہ ہوگا، دریائے رحمت جوش میں ہے، اگر اس وقت تو اپنے مقصد و مراد تک نہیں پہنچا تو کب پہنچے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ صبر کے دو حصے ہیں، نصف حصہ ایمان سے متعلق ہے اور نصف حصہ روزے سے، نیز کہا گیا ہے کہ انسان کے اعمال اور ذخیرۂ ثواب کو مظالم برباد کر دیتے ہیں سوائے روزہ کے کہ اس کا ثواب انسان سے نہیں چھینا جاتا، باری تعالیٰ قیامت کے دن حکم فرمائیں گے کہ روزہ دار سے قصاص نہ لیا جائے۔

اب کہ تجھے روزۂ عام کے بارے میں معلوم ہوگیا، جو "اخیار" کا روزہ ہے اور اسکی فضیلت و ثواب سے بھی تجھے آگاہی ہوگئی۔ تو اے فرزند ارجمند جان لے کہ روزہ کی دوسری قسم خاصانِ خدا کا روزہ ہے اور وہ مذکورہ امور سے بچنے کے علاوہ تمام عیوب و ذنوب یعنی گناہوں اور بداعمالیوں سے بچنا اور ظاہری و باطنی دونوں سطح پر صبر اختیار کرنا اور اپنے اعضا و جوارح کو تمام برائیوں سے محفوظ رکھنا ہے، جیسا کہ نفس کو شراب و طعام یا کھانے پینے سے روکا جاتا ہے، اسی طرح تمام قویٰ اور اعضا مثال کے طور پر آنکھوں، کانوں، زبان اور دل کی حفاظت کی جائے کہ وہ بری چیزوں کے دیکھنے، ان کے بولنے سننے اور انہیں چکھنے اور عالم خیال میں ان کی خواہش کرنے سے بچیں۔

جب ان اعضاء کی حفاظت ہو جائے گی تو باقی تمام اعضاء بھی مصئون و محفوظ ہو جائیں گے اور تو مکمل طور پر راہِ خدا میں ایستادہ اور منزلِ صبر و رضا میں قائم ہوگا۔

سب سے پہلے دل کی حفاظت فرض ہے، اللہ پاک نے فرمایا ہے۔

وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا فِیْ قُلُوْبِکُمْ (اللہ تعالیٰ وہ سب کچھ جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے)
دل بادشاہ ہے اور تمام اعضاء وجوارح اس کے تابع فرمان ہیں، جب دل نیکی اختیار کرتا ہے تو رعیت یعنی اعضائے مختلفہ بھی اس کی پیروی میں صلاح و فلاح کی راہ اختیار کرتا اور نیک بن جاتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے کہ دل جو ایک پارۂ گوشت ہے اگر وہ نیک ہوجائے تو سارا جسم نیک ہوجائے۔ اس کے برعکس جب دل برائی کی راہ اختیار کرتا ہے تو تمام بدن بُرا ہوجاتا ہے۔ شیخ طریقت و برہان حقیقت حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں اپنے پیر ومرشد حضرت شیخ سری سقطیؒ کی خدمت میں باریاب ہوا، دیکھا کہ شیخ (علیہ الرحمۃ) بُری طرح رو رہے ہیں اور وہاں پانی کا برتن ٹوٹا ہوا پڑا ہے۔ میں نے پوچھا کہ یا حضرت آپ کو اس گریہ وزاری کا کیا سبب ہے، جواب میں فرمایا کہ میرے بیٹے ایک مدت سے میرے دل میں ٹھنڈا پانی پینے کی آرزو تھی اور میں چاہتا تھا کہ مٹی کا ایک نیا کوزہ میسر آئے تاکہ اس میں پانی ٹھنڈا کرکے پیوں، بہت مدت کے بعد یہ حاصل ہوا، کل رات میں نے اس میں پانی بھر کر رکھدیا کہ صبح تک ٹھنڈا ہوجائے، وقت سحر خواب میں دیکھا کہ بہشت کی ایک حُور اپنے جمال بے مثال کے ساتھ میرے پاس آئی، میں اس کے حُسن وجمال کو دیکھکر مبہوت ہوگیا، اور میں نے اُس سے پوچھا کہ تو کون ہے، جواب دیا کہ میں اس شخص کے لئے ہوں جو نے مٹی کے کوزے سے ٹھنڈا پانی پئے پھر غیرت حُسن سے مجبور ہوکر اُس نے کوزہ پر ہاتھ مارا، کوزہ ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا اور تمام پانی بہہ گیا۔ میری آنکھ کھُل گئی، میں نے دیکھا کہ واقعی کوزہ آپ ٹوٹ گیا ہے اور پانی بہہ گیا ہے، اب اس خیال سے کہ دل کی ایک ادنیٰ خواہش پر میں اس حد تک موردِ عتاب قرار دیا گیا ہوں، میری ندامت بھری آنکھوں سے بے اختیار حسرت کے آنسو بہہ رہے ہیں۔

دوسرے نادیدنی چیزوں سے آنکھوں کی حفاظت ہے، خدائے تعالیٰ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِھِمْ وَیَحْفَظُوْا فُرُوْجَھُمْ ط ذٰلِکَ اَزْکٰی لَھُمْ ط اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌ بِمَا یَصْنَعُوْنَ ۝ (اے محمد) ایمان والوں سے کہدو کہ وہ اپنی آنکھوں کو نیچی رکھیں اور اپنے اعضائے جنسی کی حفاظت کریں کہ یہی باتیں انھیں تمام برائیوں سے پاک کرنیوالی ہیں اللہ

اللہ تعالیٰ اُن تمام چیزوں کی خبر رکھتا ہے جو وہ کرتے ہیں)

اس بارۂ خاص میں حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے فرمایا ہے کہ نظر سے پرہیز کرو کہ نظر دل میں آرزو پیدا کرتی ہے اور نظر کرنے والے کے لئے یہی خواہش فتنہ بن جاتی ہے

تیسرے تجھ پر کانوں کی حفاظت لازم ہے جس کے ذریعہ تو اپنے کانوں کو فحش اور فضول باتوں کے سننے سے بچا سکے، یاد رکھ کہ سننے والا بھی کہنے والے کے ساتھ گناہ میں شریک ہوتا ہے۔ "سننا" بہت سے خطرات پیدا کرتا ہے اور اس سے دل میں گوناگوں وسوسے جنم لیتے ہیں، جن سے دل اور اس کے اتباع میں تمام جسم بہت سی ایسی مشغولیتوں میں گھر جاتا ہے جو طاعت و عبادت کیلئے پھر کوئی گنجائش نہیں چھوڑتیں۔

چوتھے زبان کی حفاظت ہے جو تیرے لئے ضروری ہے۔ سفیان بن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا، یا رسول اللہؐ وہ کونسی چیز ہے کہ جس سے آپ میری بابت میں ڈرتے ہیں، رسول اللہؐ نے اپنی زبان مبارک کی طرف اشارہ فرمایا کہ وہ چیز یہ ہے۔ یونس بن عبید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرا نفس اس پر تو قادر ہے کہ میں گرمیوں کے موسم میں بصرہ جیسے گرم شہر میں رہتے ہوئے روزہ رکھ لوں، لیکن میں ایک کلمہ لایعنی کو ترک نہیں کر سکتا، یعنی یہ ممکن نہیں کہ میری زبان سے کوئی لایعنی بات نکلے، جب ایسا ہے تو زبان کی حفاظت تیرے لئے اور بھی ضروری ہوگئی۔

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ جب صبح کا وقت ہوتا ہے تو تمام اعضائے جسمانی زبان سے کہتے ہیں کہ تجھے ہم خدائے عزوجلّ کی قسم دیتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ تو راست گفتار رہے جب تو سیدھی رہے گی تو ہم سب سیدھے راستے پر چلیں گے۔ اور جب تو کج رفتار ہو جائے گی تو ہم سب بہک جائیں گے۔

پانچویں یہ ہے کہ تو اپنے دست و پا کو غلط چیزوں کو حاصل کرنے اور بُری جگہوں پر جانے سے روکے۔

مختصر یہ کہ خاصانِ خدا کا روزہ تمام شیطانی راستوں کے مسدود کر دینے اور تمام برائیوں کے نفوذ کی راہوں کو تنگ سے تنگ تر کر دینے سے عبارت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

نے فرمایا ہے کہ شیطان سرایت کرتا ہے ابن آدم کے جسم میں خون کے جاری ہونے کی جگہوں سے، یعنی جس طرح رگوں میں خون گردش کرتا ہے، اسی طرح روح شیطانی بھی ابن آدم کے جسم میں سرایت کرکے خون کی طرح گردش کرتی ہے، پس کوشش کرو کہ اس کے نفوذ کی راہیں تنگ کر دو، اور یہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ اعضا کی شہوانی خواہشات سے حفاظت کی جائے، اس لئے کہ شیطان انسان کے قلب تک راہ نہیں پاتا، مگر شہوانی خواہشات کی وساطت سے۔"

جب خاصانِ الٰہی کا روزہ جو ابرار کہلاتے ہیں یہ ہے کہ وہ روزہ کی حالت میں تمام اعضائے بدن اور قوائے جسمانی کی حفاظت کرتے ہیں، تاکہ تمام عیوب و ذنوب یعنی گناہوں اور بد اعمالیوں سے بچ سکیں اور نیکی پر قائم و دائم رہیں، تاکہ اللہ پاک ان روزں کی برکت سے جو ہمیشہ رکھتے ہیں تیسرے قسم کے روزوں کی توفیق انھیں ارزانی فرمائے۔

روزے کی اس تیسری قسم یعنی صومِ حقیقی تک پہنچنا بہت زمانے کے بعد میسر آتا ہے اور بہت کم لوگوں کا حصہ ہوتا ہے۔ صومِ حقیقی مقربان بارگاہِ الٰہی اور غلامانِ حضرت رحمت پناہی کے لئے ہے کہ وہ آشکارو پنہاں غیرحق اور محبت غیرحق سے پرہیز کریں، اس طرح اُن کا روزہ اُن کو غیراللہ اور انکی محبت سے منزہ و مبرّا کر دیتا ہے اور وہ اس مژدۂ جاں فزا کے خلعتِ لطیف اور تشریف شریف سے نوازے جاتے ہیں۔ اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اُجْزٰی بِہٖ (فعل مجہول کی قرأت کے ساتھ) یعنی (روزہ خاص میرے لئے ہے اور اس کی جزا میں خود بن جاؤں گا۔"

از غیر تو دارم ہمہ روز روزہ   ہر شب کنم از عطائے تو دریوزہ
تا روزۂ من ترا قبول افتد   جان و دلِ من بر روزہ اند ہر روزہ

(ہر دن میں تیرے سوا ہر خیال سے پرہیز کرتا ہوں، یہی میرا روزہ ہے، ہر رات میں تیری بخششوں کے لئے تجھ سے دریوزہ کرتا ہوں، تاکہ تو اپنی عنایتِ بے نہایت سے میرے روزے کو قبول فرمائے، میرے دل و جان ہر روز روزہ دار رہتے ہیں)

جب یہ مقربان بارگاہ جو اخص خواص ہیں روزہ رکھتے ہیں، یعنی اس کارخانۂ افعال و آثار سے رختِ فکر باہر لے جاتے ہیں، اُس کی حدود سے بلند ہو جاتے ہیں اور شیون و صفات کے ان حجابات اور پردوں کو جلا دیتے ہیں جو تمام آثار و افعال کے مبادی و سرچشمہ ہیں تو اُن کا قبلۂ مراد اور

کعبہ مقصود صرف ذاتِ واجب الوجود ہوتی ہے اور کوئی دوسرا خیال اُن کے قریب نہیں آتا۔

بیروں زحدودِ کائنات است دلم برتر ز احاطۂ جہات است دلم
فارغ ز تقابلِ صفات است دلم مرآۃ تجلیات ذات است دلم

(میرا دل کائنات کی حدوں سے بلند ہو گیا ہے، میرا دل احاطۂ جہات سے بالاتر ہو گیا ہے، میرا دل تقابلِ صفات سے بے نیاز ہو گیا ہے، میرا دل تجلیاتِ ذات کا آئینہ بن گیا ہے)

(از صحائفِ معرفت)

فضائل ماہ رمضان

اہتمام رمضان فقیہ ابو اللیث سمرقندیؒ اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ جنت سال بھر تک خوشبو سے مہکائی جاتی ہے اور آراستہ کی جاتی ہے، ماہ رمضان کی آمد کی خاطر، جب رمضان کی اول شب آتی ہے تو عرش کے نیچے سے ایک ہوا چلتی ہے اس کا مثیرہ نام ہے، اس کی وجہ سے درختوں کے پتوں کے باہم ٹکرانے اور کواڑوں کی زنجیروں کے ملنے سے ایسی سُہانی آواز نکلتی ہے کہ کسی سننے والے نے اس سے اچھی آواز کبھی نہ سُنی ہوگی (اسے سنکر) حور عین نکلتی ہیں اور جنت کے کنارے کھڑے ہو کر پکار کر کہتی ہیں کہ ہے کوئی اللہ تعالیٰ سے ہمارا پیغام دینے والا تاکہ اللہ تعالیٰ اس سے ہمارا نکاح کردے۔ اسکے بعد وہ جنت کے پہرہ دار رضوان فرشتے سے پوچھتی ہیں کہ اے رضوان یہ آج کونسی شب ہے؟ رضوان لبیک کہکر حاضر ہوگا اور عرض کرے گا کہ اے خوب سیرت اور خوبصورت حسیناؤں! آج یہ رمضان کی اوّل شب ہے، اِدھر حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ اے رضوان! امت محمدیہ کے روزہ داروں کیلئے جنتوں کے سب دروازے کھول دو۔ اور مالک (داروغۂ جہنم) سے فرمائیں گے اے مالک! امت محمدیہ کے روزہ داروں کیلئے دوزخ کے سب دروازوں کو بند کردو۔ اور جبرئیلؑ کو حکم دیں گے کہ اے جبرئیلؑ جاؤ زمین میں اترو اور سرکش شیاطین کو بیڑیاں لگا کر گہرے سمندر میں پھینک دو تاکہ یہ سب میرے محبوب محمد رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی امّت میں جاکر ان کے روزوں کو خراب نہ کریں۔

ندائے رمضان اس کے بعد ماہ رمضان کی ہر شب میں تین بار اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ ہے کوئی مجھ سے سوال کرنے والا کہ میں اس کا سوال پورا کروں، ہے کوئی توبہ کرنے والا کہ میں اس کی توبہ قبول کر دوں، ہے کوئی استغفار چاہنے والا کہ میں اس کو بخش دوں۔ پھر اس کے بعد اعلان کیا جاتا ہے کہ کوئی قرض دیتا ہے مال والے کو جو غریب و فقیر نہیں ہے (کہ اندیشہ عدم ادائیگی کا ہو) اور وہ لیکر ادا کر دینے والا بھی ہے ظالم یا نادہند نہیں (کہ ڈر ہو عدم واپسی کا)

رمضان کا جمعہ اور یہ کہ رمضان شریف میں اللہ تعالیٰ ہر روز ایک لاکھ شخصوں کو دوزخ سے آزاد فرماتے ہیں، حالانکہ وہ سب کے سب سزا اور عذاب کے مستحق ہو چکے تھے، چنانچہ اس ماہ مبارک میں جب جمعہ کا دن یا جمعہ کی شب آتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی ہر ہر ساعت میں ایک ایک لاکھ جہنم کے قیدیوں کو جو اپنی بدعملی کے باعث مستحق نار ہو چکے تھے آزاد فرما دیتے ہیں، چنانچہ جب اس ماہِ مبارک کا آخری دن آتا ہے تو حق تعالےٰ اس دن اتنے لوگوں کو دوزخ سے رہا فرماتے ہیں جتنے کہ سارے رمضان میں اول دن سے لیکر آخر دن تک لوگوں کو آزاد فرمایا تھا۔

شب قدر پھر جب لیلۃ القدر آتی ہے تو اللہ تعالےٰ جبرئیلؑ کو حکم دیتے ہیں اور وہ فرشتوں کی ایک جماعت کے ساتھ آسمان سے دنیا میں نزول فرماتے ہیں ان کے ہاتھ میں ایک ہرا جھنڈا ہوتا ہے اس کو وہ بیت اللہ شریف پر گاڑ دیتے ہیں، ان کے چھ سو پر ہیں جن میں سے اپنے دو پروں کو وہ کبھی نہیں کھولتے سوا لیلۃ القدر کے، چنانچہ اس شب اس کو پھیلاتے ہیں اور وہ مشرق و مغرب سے بھی تجاوز کر جاتا ہے، حضرت جبرئیلؑ دنیا میں آکر اپنے فرشتوں کو امت محمدیہ کی جانب بھیج دیتے ہیں، چنانچہ وہ ہر قائم و قاعد کو اور نماز پڑھنے والے اور ذاکر کو سلام کرتے ہیں اور ان سے مصافحہ کرتے ہیں اور ان کی دعاؤں پر آمین کہتے ہیں، یہ سب طلوع فجر تک ہوتا رہتا ہے، صبح صادق ہونے پر جبرئیل علیہ السلام اعلان فرماتے ہیں کہ اے جماعت ملائکہ فرشتو! یہاں سے کوچ کرو، فرشتے کہتے ہیں کہ اے جبرئیل یہ بتاؤ کہ رب تبارک و تعالیٰ نے امت محمدیہ کے مومنین کے رفع حوائج کے بارے میں کیا کیا؟ وہ جواب میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ

؎ افطار کے وقت

نے ان سب پر نظرِ عنایت فرمائی کہ ان کے قصور کو معاف کر کے ان کو بخش دیا۔

چار بدنصیب | بجز چار قسم کے لوگوں کے، فرشتے دریافت کرتے ہیں کہ وہ چار قسم کے لوگ کون ہیں؟ فرمایا ہمیشہ شراب پینے والا، اپنے والدین کی نافرمانی کرنے والا، قاطع رحم اور مشاحن، عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ! مشاحن کون لوگ ہیں؟ فرمایا گیا وہ تعلق کا ختم کرنیوالا جو اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ بات چیت نہ کرے۔ **روزِ عید** | پس جب شب عید ہوتی ہے تو ملائکہ اس کو شبِ جائزہ کہتے ہیں اور جب عید کی صبح ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو زمین پر بھیجتے ہیں اور وہ ہر ہر شہر اور بستی میں پھیل جاتے ہیں، اور گلی کے موڑ پر کھڑے ہو کر آواز دیتے ہیں اور ان کی پکار کو ہر مخلوق سنتی ہے سوا جن و انس کے، وہ کہتے ہیں کہ اے امت محمد علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ! اٹھو اور نکلو اپنے رب کریم کی طرف جو بہت زیادہ دینے والا ہے اور بڑے بڑے گناہوں کو معاف کرنے والا ہے،

روزہ کا بدلہ | اور جب وہ لوگ عیدگاہ جانے کیلئے نکلتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے دریافت فرماتے ہیں کہ اے میرے فرشتو! بتاؤ اس مزدور کا کیا بدلہ ہے جو اپنے کام کو پورا کرے؟ فرشتے جواب میں کہتے ہیں کہ اے ہمارے معبود اور اے ہمارے سید اس اجیر کا بدلہ تو یہی ہے کہ اسکی پوری پوری اجرت دیدی جائے، اس پر حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے میرے فرشتو! تم سب گواہ رہو کہ میں نے اپنے بندوں کے صیام و قیام کے بدلے میں اپنی رضا اور مغفرت ان کو دیدی ہے، پھر حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے میرے بندو تم مجھ سے سوال کرو اور قسم ہے اپنی عزت و جلال کی کہ آج کے دن تم مجھ سے جو کچھ مانگوگے خواہ دین کے متعلق ہو یا دنیا کے میں اس کو تمہیں دیدوں گا۔

امت محمدیہ کیلئے خصوصی انعامات | فقیہ ابواللیث سمرقندیؒ اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شہر رمضان میں میری امت کو پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں کہ اس سے پہلے کسی امت کو نہیں دی گئیں۔ ایک یہ کہ روزہ دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ پسندیدہ ہے،

دوسرے یہ کہ اُن کیلئے فرشتے دعا مانگتے رہتے ہیں افطار کرنے تک۔ تیسرے یہ کہ اس ماہ میں سرکش شیاطین قید کر دیئے جاتے ہیں، پس رمضان میں نہیں پہونچ سکتے اُن چیزوں تک جن تک غیر رمضان میں پہونچ جاتے ہیں (یعنی شیاطین اتنا اغوا نہیں کر سکتے جتنا غیر رمضان میں کرتے تھے) چوتھے یہ کہ اللہ تعالیٰ رمضان شریف کے ہر دن میں اپنی جنت کو سجاتے ہیں اور اس سے فرماتے ہیں کہ عنقریب ہی میرے صالح بندے جن سے مشقت اور تکلیف دور کردی جائیگی تیرے پاس آئیں گے۔ اور پانچویں یہ کہ اسکی آخری شب میں لوگوں کی مغفرت کر دی جاتی ہے۔ کسی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا وہ شب، شب قدر ہوگی؟ آپ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ بات یہ ہے کہ کام کرنے والے کی اجرت کام ختم کرنے کے بعد دیدی ہی جایا کرتی ہے

مژدۂ روزہ داراں | حضرت مؤلف رحمۃ اللہ علیہ دوسری سند سے حضرت ابوہریرہؓ ہی سے روایت فرماتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (رمضان کے آنیسے پہلے) اپنے صحابہ کو خوشخبری سُنایا کرتے اور فرماتے تھے کہ تمہارے پاس رمضان شریف کا مہینہ آنے والا ہے یہ ایک مبارک مہینہ ہے، اللہ تعالیٰ نے اس ماہ کے روزے کو تم پر فرض فرمایا ہے اس میں جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں سرکش شیاطین اس ماہ میں قید کر دیئے جاتے ہیں، اسی مہینہ میں ایک شب لیلۃ القدر کہلاتی ہے جو ہزار مہینوں سے بڑھ کر اجر و ثواب رکھتی ہے۔

گناہوں کی معافی | حضرت اعمشؒ حضرت خیثمہؒ سے روایت کرتے ہیں کہ لوگ (حضرات صحابہؓ) کہا کرتے تھے کہ ایک رمضان سے لیکر دوسرے رمضان تک اسی طرح ایک حج سے لیکر دوسرے حج تک اور ایک جمعہ سے لیکر دوسرے جمعہ تک اور ایک نماز سے لیکر دوسری نماز تک کے مابین گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے بشرطیکہ آدمی کبائر سے اجتناب کرے (یعنی ایک فرض نماز ادا کرنے کے بعد سے لیکر دوسری فرض نماز ادا کرنے تک اگر کبیرہ سے بچا رہا تو صغیرہ گناہوں کو اللہ تعالیٰ معاف فرما دینگے یہی حال جمعہ سے جمعہ تک، حج سے حج تک اور رمضان سے رمضان تک کا بھی ہے اور اگر یہ شبہ ہو کہ جب فرض نمازوں سے گناہوں کا کفارہ ہوتا رہا تو جمعہ سے جمعہ

، درمیان گناہ رہ ہی کہاں گیا تو پھر کفارہ کس کا ہوگا ؟ جواب یہ ہے کہ اگر گناہ ہوگا تو
نارہ ہو جائے گا اور اگر نہ ہوگا تو اس کا درجہ بلند اور رتبہ بڑھا دیا جائے گا یہ بھی ایک
ہی ہے جو اس کو بھی مل سکتا ہے۔ (واللہ اعلم)

سراپا خیر | حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ جب رمضان شریف کا مہینہ آتا تو فرماتے
با خوش آمدید ہے اس ماہِ مبارک کیلئے جو ہم کو (گناہوں سے پاک وصاف کرنے کیلئے
ہے اور فرماتے تھے کہ رمضان شریف کا کیا کہنا وہ تو سراپا خیر ہی خیر ہے دن میں روزہ
کر (ثواب اور خیر حاصل کیجئے) اور شب کو نماز پڑھکر (خدا کا قرب حاصل کیجئے) اور اس
جو کچھ کسی پر خرچ کیا جائے وہ ایسا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنا۔

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے
ان کے مہینے میں دن کا روزہ اور شب کا قیام ایمان کے ساتھ ادا کیا اور ثواب سمجھ کر کیا
ںکے آئندہ کے سب گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

ت خاص | نیز انھیں سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ
رشاد فرمایا کہ ہر وہ نیکی جس کو بنی آدم کرتا ہے اس کا ثواب کم از کم دس اور زیادہ
یادہ سات سو گنے تک بڑھا دیا جاتا ہے (جیسا جس کا اخلاص ہو) لیکن فرمایا کہ سوا
کے کہ وہ تو اس نے میرے لئے رکھا ہے لہٰذا میں بذات خود اُس کا بدلہ دونگا، اسلئے
(بیچارہ) اپنی خواہشات کو اپنے کھانے پینے کو میرے لئے ہی چھوڑتا ہے۔ اور روزہ
ہے۔ اور روزہ دار کیلئے دو خوشیاں ہوں گی، ایک تو افطار کے وقت، دوسری
یامت میں وہ اپنے رب سے ملیگا۔

ں کی خصوصیات | فقیہ ابواللیث سمرقندیؒ اپنی سند سے حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت
ں کہ انھوں نے فرمایا کہ شعبان کی آخری تاریخ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ
ں میں آپؐ نے فرمایا کہ اے لوگو! تم پر ایک بابرکت اور عظیم الشان مہینہ سایہ فگن
ایسا مہینہ کہ اس میں ایک رات ایسی ہے جو ہزار راتوں سے بڑھ کر ہے (اس کا نام
بِ قدر۔ اللہ تعالیٰ نے اس ماہ کے روزے فرض کئے ہیں، اور اس ماہ میں رات کی نما

کو (مراد تراویح ہے) نفل قرار دیا ہے، جس شخص نے اس مہینہ میں کوئی عبادت نفلی طور سے ادا کی تو ایسی ہوئی جیسے اور مہینوں میں فرض ادا کرے، اور جس شخص نے اس میں فرض ادا کیا تو وہ ایسا ہوا جیسے کسی نے دوسرے مہینوں میں سے کسی مہینہ میں ستر فرض ادا کئے ہوں۔ یہ صبر کا مہینہ کہلاتا ہے، اور صبر کا بدلہ جنت ہے، اور یہ غمخواری کا مہینہ ہے اور ایسا مہینہ ہے کہ جس میں مومن کا رزق بڑھ جایا کرتا ہے، جس نے کسی روزہ دار کو افطار کرا دیا تو ایسا ہوا جیسے اس نے ایک غلام آزاد کر دیا ہو، اور اس کے گناہ بھی معاف کر دیئے جاتے ہیں، صحابہ فرماتے ہیں کہ یہ سنکر ہم لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم میں ہر شخص ایسا تو نہیں ہے جو دوسروں کو افطار کرانے کی طاقت رکھتا ہو، آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یہ ثواب اس کو بھی عطا فرمائیں گے جو کسی کو (پیٹ بھر کھانا نہ سہی) صرف ایک گھونٹ دودھ یا ایک کھجور یا ایک گھونٹ پانی ہی پلادے، باقی جو شخص کسی روزہ دار کو پیٹ بھر کھانا کھلا دے گا تو یہ اسکے لئے اسکے گناہوں کی معافی کا سبب بن جائیگا اور اللہ تعالیٰ اسکو میرے حوض سے ایسا سیراب فرمائیگا کہ اس کے بعد وہ دخول جنت تک پیاسا ہی نہ ہوگا۔ اور اس کو بھی اس روزہ دار کے روزہ کا ثواب ملیگا بدون اسکے کہ اس کے اجر میں کچھ کمی ہو، اور یہ ایسا مہینہ ہے کہ اول (عشرہ) اس کا رحمت ہے، اوسط (عشرہ) مغفرت ہے اور آخر (یعنی تیسرا عشرہ) دوزخ سے رہائی ہے، اور جس شخص نے اپنے غلام (ملازم اور نوکر وغیرہ) سے اس مہینہ میں کام کچھ کم لیا تو اللہ تعالیٰ اس کو جہنم سے آزاد فرما دینگے۔

آداب رمضان کی بجاآوری کا عظیم انعام

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ جس کسی اللہ کے بندے نے رمضان شریف کے روزے (دنیوی باتوں سے) سکوت اور خاموشی کی حالت میں گذارے اور اپنے اوقات کو اللہ تعالیٰ کی یاد اور ذکر سے معمور رکھا اور اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ اشیاء کو حلال جانا اور حرام کردہ کو حرام سمجھا اور ان ایام میں کسی فاحشہ[۱] کا بھی ارتکاب نہیں کیا مگر یہ کہ رمضان جب اس سے گذریگا تو اس حال میں ختم ہوگا کہ اس شخص کے سارے گناہ بخشے جاچکے ہونگے، اور مزید یہ کہ اس کے لئے ہر تسبیح وتہلیل (سُبحان اللہ ولا الٰہ الا اللہ کہنے) کے عوض جنت میں سبز زمرد کا ایک محل بنا دیا جائے گا جس۔

---

[۱] گناہ اور بےحیائی کا کام

وسط میں سرخ یاقوت جڑا ہوگا، اور اس یاقوت کے بیچ میں ایک موتی خیمہ کی شکل میں ہوگا جس کے اندر ایک بیوی حور عین میں سے موجود ہوگی، جو سونے کے دو کنگن دونوں ہاتھوں میں پہنے ہوگی جن پر سرخ یاقوت جڑا ہوگا، جو اس قدر چمکدار ہوگا کہ ساری زمین اس سے روشن ہو جائے گی۔

روزہ کا اجر وصلہ اسی سند سے حضرت ابن مسعودؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب رمضان شریف قریب آیا تو فرمایا کہ دیکھو شہر رمضان قریب آگیا اگر لوگوں کو اس کا علم ہو جاتا کہ رمضان شریف میں کیسی کچھ برکتیں اور اجر موجود ہے تو میری امت یہ تمنا کرتی کہ کاش! یہ سارے سال ہوتا تو خوب ہوتا، یہ سنکر بنی خزاعہ میں سے ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اس میں کیا فضیلت ہے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ رمضان شریف کیلئے شروع سال سے لیکر آخر سال تک جنت سنواری جاتی ہے، چنانچہ جب پہلی رات آتی ہے تو عرش کے نیچے سے ایک ہوا اٹھتی ہے جسکی وجہ سے جنت کے پتے باہم ٹکراتے ہیں، اس خوشنما منظر کو دیکھ کر حوریں کہتی ہیں کہ اے رب ہمارے لئے اس ماہ میں اپنے صالحین بندوں میں سے جوڑے بنا دیجئے کہ جنھیں دیکھکر ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور ہم کو دیکھکر انکی آنکھیں ٹھنڈی ہوں، پس جو شخص رمضان شریف کے روزے رکھتا ہے اس کا دو حور عین کے ساتھ عقد کر دیا جاتا ہے، پھر ہر ایک ان میں سے ایک ایک موتی کے بنے ہوئے خیمہ میں ہوگی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز میں فرمایا ہے:۔

حُوْرٌ مَّقْصُوْرَاتٌ فِی الْخِیَامِ (وہ عورتیں گوری رنگت کی ہونگی، خیموں میں محفوظ ہونگی) ان عورتوں میں سے ہر ایک کے اوپر رنگ برنگ کے ستر جوڑے ہونگے ایسے کہ ہر ایک کا رنگ دوسرے سے مختلف ہوگا اور ستر قسم کی خوشبوئیں دی جائینگی، اور ہر عورت ان میں سے سرخ یاقوت کے تخت پر بیٹھی ہوگی، جسمیں موتی جڑے ہونگے، اور ہر تخت پر ستر بستر بچھے ہوں گے جنکے استر ریشم کے ہوں گے، اور ہر ہر حور کیلئے ستر خادم ملیں گے، اور یہ سارا ثواب اس شخص کو ملیگا جو رمضان شریف کے روزے رکھے، باقی جو اور نیکیاں کی ہوں گی انکا اجر اسکے علاوہ ملیگا۔

اللہ تعالیٰ کا مہینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ جب میری امت کا مہینہ سے

اور اسکی فضیلت تمام مہینوں پر ایسی ہے جیسی فضیلت میری امّت کو ہے تمام امّتوں پر۔
اور فرمایا کہ شعبان میرا مہینہ ہے اور اسکی فضیلت تمام مہینوں پر ایسی ہے جیسی میری فضیلت تمام انبیاء علیہم السلام پر، رمضان اللہ تعالیٰ کا مہینہ ہے اور اسکی فضیلت تمام مہینوں پر ایسی ہے جیسی خدا کی فضیلت تمام مخلوق پر۔

شب قدر کی عدم تعیین کی مصلحت فقیہ ابو اللیث سمرقندیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لے گئے اس حال میں کہ لوگ بحث مباحثہ کر رہے تھے (غالباً موضوع بحث شب قدر کی تعیین ہی رہی ہوگی) آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ میں اسوقت اسی لئے آیا ہوں کہ تمہیں لیلۃ القدر کے متعلق بتاؤں، مگر مجھکو یہ اندیشہ ہے کہ اسکی تعیین معلوم کرکے تم لوگ اسپر اکتفا نہ کر بیٹھو اور دوسری شب میں عبادت ہی نہ کرو حالانکہ اللہ تعالیٰ کا منشا اسکے اخفا سے یہی تھا کہ تم اسکی لالچ میں سلسلے رمضان شب میں عبادت کرو، غیرہ ہوسکتا ہے کہ اب اسی میں بھلائی ہو، دیکھو تم لوگ لیلۃ القدر کو رمضان شریف کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو یعنی اکیسویں، تیئیسویں، پچیسویں، ستائیسویں اور انتیسویں شب میں۔

علامات شب قدر اور اسکی نشانی یہ ہے کہ وہ ایک روشن اور خوشگوار سی شب ہوگی نہ زیادہ گرم ہوگی اور نہ سرد، اسکی صبح کو جب سورج نکلے گا تو کچھ دیر تک اسکے اندر شعاعیں نہ ہونگی جو شخص اس رات میں ایمان کے ساتھ ثواب حاصل کرنیکی نیت سے قیام کرے (نماز وغیرہ پڑھے) تو اللہ تعالیٰ اس کے پچھلے گناہ سب معاف فرما دینگے۔

طریقہ تحصیل برکات فقیہ ابو اللیث سمرقندیؒ فرماتے ہیں کہ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ رکھنے اور نماز وغیرہ پڑھنے میں ایمان اور احتساب کی قید لگائی ہے، ایمان سے مراد یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ اس پر ثواب کا فرمایا ہے اس کا دل سے یقین رکھے اور تصدیق کرے، اور احتساب یہ کہ ان اعمال میں دل سے لگے اور خشوع وخضوع کیساتھ ان کو کرے،

پس جب کوئی شخص یہ چاہے کہ ان فضائل کو حاصل کرے جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے تو اسکو چاہئے کہ اولاً اس ماہ کی عظمت کو پہچانے اور اسمیں اپنی زبان کو کذب اور غیبت اور فضول بکواس سے بچائے اور اپنے جوارح کو خطایا اور لغزشوں سے پاک رکھے اور اپنے قلب کو حسد اور مسلمانوں کی عداوت سے محفوظ رکھے، جب یہ سب کرلے تو اب اس کو چاہئے کہ اس کا اندیشہ رکھے کہ

دیکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ میری یہ عبادت قبول بھی فرماتے ہیں یا نہیں، چنانچہ بعض حکماء سے مروی ہے کہ وہ یوں کہا کرتے تھے کہ اے اللہ! آپ نے اہل مصیبت کیلئے دنیا میں اجر کا اور آخرت میں ثواب دینے کا وعدہ فرمایا ہے تو اے اللہ اگر آپ ہم پر ہمارے اس روزہ کو رد فرمادیں تو ہم نے اس سلسلہ میں جو مصیبت اٹھائی ہے اسکے اجر سے آپ ہمکو محروم نہ کیجئے گا آپ تو بھلے کام کرنے میں مشہور و معروف ہیں۔

حضرت ابوذر غفاریؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ روزہ رکھا، جب تیئیسویں کی شب ہوئی تو آپ اٹھے اور نماز پڑھنے لگے یہانتک کہ تہائی رات گذر گئی، پھر چوبیسویں کی شب آپ باہر نہیں تشریف لائے، اور جب پچیسویں کی شب ہوئی تو آپ پھر باہر تشریف لائے اور ہم کو لیکر نماز پڑھی یہانتک کہ نصف شب گذر گئی، ہم نے عرض کیا کہ کاش آج کی رات آپ ہمکو مزید نماز پڑھاتے تو آپ نے فرمایا کہ جو شخص نکلے امام کیساتھ نماز پڑھتا ہے جبتک وہ پڑھے تو اسکے لئے ساری رات نماز پڑھنے کا ثواب لکھا جاتا ہے، پھر آپ چھبیسویں شب کو نہیں تشریف لائے لیکن ستائیسویں شب ہوئی تو آپ اٹھے اور اپنے سب اہل و عیال کو جمع کیا اور ہمکو نماز پڑھائی یہانتک کہ ہمیں اندیشہ ہوا کہ آج ہم سے فلاح چھوٹ جائیگی (تو لوگوں نے حضرت ابوذرؓ سے پوچھا کہ) فلاح کیا چیز ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ سحری کھانا۔

فضائل تراویح | حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلی رمضان کو تقریباً نصف شب کے وقت باہر تشریف لائے اور مسجد میں نماز پڑھی، لوگوں نے بھی آپ کے پیچھے نماز پڑھی، صبح کو لوگوں نے اسکا باہم چرچا کیا کہ رات کو تو نماز میں بڑا لطف آیا، چنانچہ دوسرے دن بہت زیادہ لوگ آئے اور آپکے ساتھ سب نے نماز پڑھی، پھر جب تیسری شب ہوئی تو اور مجمع بڑھا، یہانتک کہ مسجد کھچا کھچ بھر گئی بلکہ تنگ پڑ گئی، اس شب کو آپ باہر تشریف نہیں لائے (لوگ انتظار کرتے رہے) یہانتک کہ آپ نماز فجر کیلئے نکلے۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ نے لوگوں کی جانب رُخ کیا اور فرمایا کہ مجھ کو تمہارا نماز کیلئے آنا معلوم ہوا تھا مگر میں قصداً نہیں آیا، اسلئے کہ اندیشہ ہوا کہ (تمہارے اس شوق اور میری پسندیدگی کی وجہ سے) کہیں یہ نماز (تراویح) تم پر فرض نہ ہو جائے اور مبادا تم اسے ادا نہ کرسکو (تو گنہگار ہو) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کو رمضان کی راتوں میں نماز پڑھنے کی ترغیب فرمایا کرتے تھے بغیر اسکے کہ آپ ان پر لازم فرماتے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اور خلافت ابو بکرؓ میں معاملہ بدستور ایسا ہی رہا بلکہ حضرت عمرؓ کے ابتدائی دور میں بھی، پھر حضرت عمرؓ نے حضرت اُبی بن کعبؓ کو امام بنایا اور سب حضرات نے

ان کے پیچھے نماز پڑھی۔

فقیہ ابو اللیث سمرقندیؒ اپنے والد سے اور وہ اپنی سند کے ساتھ بیان کر
کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ حضرت عمرؓ نے تراویح کو طریقہ جاری کیا تو وہ ایک حدیث کی رو
کیا جس کو انھوں نے مجھ سے ہی سُنا تھا، لوگوں نے عرض کیا کہ یا امیر المومنین و
حدیث ہے، فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے
کے پاس ایک جگہ ہے جس کو حظیرۃ القدس کہا جاتا ہے وہ ایک نورانی جگہ ہے، و
فرشتوں کی بیشمار تعداد ہے جس کا علم خدا ہی کو ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت
ہیں اور ذرا دیر کیلئے بھی آرام نہیں کرتے، جب رمضان شریف کا مہینہ آتا
وہ حق تعالیٰ سے اجازت طلب کرتے ہیں کہ زمین پر اتریں اور مسلمانوں کے س
نماز پڑھیں، چنانچہ وہ ہر شب نیچے اترتے ہیں، پس جس شخص کو وہ چھو لیتے ہیں
ان سے چھو جاتا ہے وہ ایسا سعید ہو جاتا ہے کہ اس کے بعد پھر وہ شقی نہیں ہوتا، ح
عمرؓ نے جب یہ سُنا تو فرمایا کہ پس ہم تو اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ ایسی نماز
کریں، چنانچہ انھوں نے سب لوگوں کو نماز تراویح کے لئے جمع کیا اور ایک امام مقر

حضرات ختنینؓ کی توثیق | نیز حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ وہ ایک شب رمضان الم
میں باہر تشریف لائے تو مسجدوں سے قرآن پڑھنے کی آواز سُنی اور مساجد م
روشنی دیکھی تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ حضرت عمرؓ کی قبر کو نور سے بھر دے جس طرح
کہ انھوں نے ہماری مساجد کو نور سے معمور کر دیا ہے۔ اور حضرت عثمان بن عفا
عنہ سے بھی اسی طرح روایت ثابت ہے رضی اللہ عنہم اجمعین۔ (از تنبیہ الغافلین

تراویح

تراویح کیا چیز ہے؟ اسلام کی نگاہ میں اس کا کیا مقام اور عبادات میں اسکی کس قدر اہمیت ہے، اس کا اندازہ اس بات سے بخوبی کیا جا سکتا ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے جب یہ چاہا کہ اپنے فرمانبرداروں اور مومنین کو قدسیوں اور فرشتوں کا ہم پلہ بلکہ ان سے بھی بلند تر مقام عطا فرمائے تو سال کے ایک مقدس مہینے یعنی رمضان محترم کو جس میں اسکی رحمتیں موسلا دھار بارش سے زیادہ برستی ہیں اور مغفرت و بخشش کے خزانے خوب خوب لٹائے جاتے ہیں، اس مقصد کی تکمیل کیلئے منتخب فرمایا اور اپنے نام لیواؤں کے لئے اس مبارک مہینے میں ایسا بہترین نصاب تجویز کیا جس کی بدولت مسلمان ملائکہ اور فرشتوں کی خصوصیات کے حامل اور اوصاف و کمالات میں مکمل طور پر ان کے مشابہ بن جائیں۔

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی کہ اِنَّ اللّٰہَ افْتَرَضَ عَلَیْکُمْ صِیَامَہٗ وَسَنَنْتُ لَکُمْ قِیَامَہٗ (بیشک اللہ تعالیٰ نے رمضان کے روزے فرض فرمائے ہیں اور میں نے اس کی راتوں کا قیام یعنی تراویح پڑھنا مسنون کیا ہے)

اس نصاب کی تفصیل بیان کرتا ہے، یعنی اس نصاب کا پہلا جزو رمضان کے دنوں میں اپنے نفس کی تمام بہترین اور ضروری خواہشوں اور چاہتوں کو تج کر کھانے پینے اور جنسی خواہش سے باز رہ کر نفس کی گرفت سے پورے طور پر آزادی حاصل کرنا ہے، دوسرا جزو یہ کہ اس عظیم الشان کامیابی کے بعد جس میں آپ نے نفس امارہ کو شکست دیکر زبردست کامیابی حاصل کی ہے، اسکی رہی سہی حملہ کی قوت مزید پارہ پارہ کرنے کے لئے رمضان کی راتوں میں اللہ جل شانہٗ کی تسبیح و تقدیس اور تلاوت و عبادت میں مصروف ہو جاتا ہے، آپ جانتے ہیں کہ اللہ کی نورانی مخلوق جن کو فرشتہ کہا جاتا ہے ان کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں نہ ان کو جنسی خواہش سے کوئی واسطہ ہے، مسلمان بھی طلوع فجر سے لیکر غروب آفتاب تک مسلسل اسی عمل کی مشق کرتا اور محض رب کریم کی خوشنودی و رضا حاصل کرنے کے لئے یہ تمام صعوبت اور مشقت برداشت کرتا ہے، اس کام میں اسکو ہر لمحہ

نفس کے ساتھ جہاد کرنا پڑتا ہے، تو کیا پھر اس کامیاب کوشش کے بعد وہ ملائکہ کی خصوصیت کا حامل نہیں ہوا؟ اس طرح ملائکہ اور فرشتوں کی غذا صرف خدائے پاک کی تسبیح و تقدیس ہے اور فرشتے اپنی بقا اور حیات کیلئے اس غذا کے اسی طرح محتاج ہیں، جس طرح انسان اپنی زندگی اور بقا کے لئے روٹی پانی کا محتاج ہے یا دوسرے جانور اپنی سلامتی اور بقا کیلئے نباتاتی چیزوں یا گوشت خوری پر مجبور ہیں، مسلمان بھی دن بھر کے روزہ سے فارغ ہو کر جبکہ اس کو مکمل آرام و راحت کی ضرورت ہے اور تمام دن کے فاقے اور پیاس نے اسکو نیم جاں بنا دیا ہے جس کا تقاضا یہی تھا کہ وہ مزید کسی بوجھ کے اٹھانے کا ارادہ نہ کرے، تراویح پڑھنے کے لئے خود کو برضا و رغبت آمادہ کرلیتا ہے اور تلاوتِ قرآن میں مصروف ہو کر اس کی حلاوت و لذت میں ایسا کھو جاتا ہے کہ دن بھر کی تکان کا اس پر کوئی اثر نظر نہیں آتا، جب پر اس کو صادق و مصدوق سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّ احْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ (جس نے رمضان میں قیام کیا (یعنی تراویح پڑھی) ایمان اور طلب ثواب کیلئے، اس کے گذشتہ گناہ بخش دیئے گئے) کے بموجب سب سے پہلے اسکو تمام پچھلی خطاؤں اور گناہوں کی بخشش کا پروانہ دیدیا ہو۔

اب سوال یہ ہے کہ جب فرشتوں کے اوصاف اور خصوصیات میں پوری پوری مشابہت مسلمان نے حاصل کرلی تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ فرشتوں کا ہمسر اور ان کے برابر نہ ہو جائے پھر جب اس حقیقت پر نظر ڈالی جائے کہ فرشتے اور عالم قدس کے رہنے والے اپنی ان خصوصیات او اوصاف میں بالکل بے بس و مجبور محض ہیں، یعنی حق تعالیٰ شانہ نے ان میں نہ تو کھانے پینے اور جنسی خواہش کا کوئی مادہ پیدا کیا ہے اور نہ ان میں ان کاموں کی کوئی صلاحیت ہے نہ تقاضا نہ میلان اور نہ وہ ان چیزوں کی قدرت رکھتے ہیں. بلکہ یہ حالات ان کے غیر اختیاری ہیں اور وہ ایسا کرنے پر مجبور ہیں اور اس کے خلاف کرنے کی ان میں قدرت نہیں ہے، تو پھر ظاہر ان اوصاف کے ساتھ فرشتوں کے موصوف ہونے میں نہ ان کا کوئی کمال ثابت ہوتا ہے نہ یہ چیزیں ان کیلئے وجہ امتیاز بن سکتی ہیں، اس کے برعکس انسان میں حق تعالیٰ شانہ نے یہ تمام مادے اور صلاحیتیں مکمل طور پر پیدا کی ہیں، اور ان چیزوں کی صلاحیت خواہش و رغبت اور تقاضے بھی اس میں پیدا کئے ہیں، بیشک اگر ان تمام خواہشات کو قربان کرکے محض ربِ کریم کے حکم کی تعمیل

میں اور صرف اسکی رضا جوئی کے لئے نفس کو کچلتا ہے تو یقیناً یہ انسان کا کمال شمار ہوگا اور موجب افتخار و ستائش بھی۔

اسی طرح تسبیح و تقدیس فرشتوں اور قدوسیوں کی ایسی غذا ہے جس کے چھوڑنے پر وہ قادر نہیں، اس لئے اس غذا کے نہ ملنے کی صورت میں ان کیلئے ہلاکت کا اسی طرح خطرہ ہے جس طرح انسان یا حیوان کو اسکی غذا نہ ملنے پر موت کا اندیشہ ہوتا ہے، اس لحاظ سے تسبیح و تقدیس، عبادت و ذکر بھی فرشتوں کا کوئی کمال نہ ہوا، اس کے برعکس انسان محض مولائے کریم کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے ایسے وقت میں جبکہ اس کو سخت آرام کی ضرورت ہے اس کام میں لگ جاتا ہے، جس کی اس کو اپنی دنیوی حیات و بقا کیلئے کچھ بھی ضرورت نہیں ہے، یقیناً انسان کی یہ عبادت و تلاوت اور تسبیح و تقدیس اس کا زبردست کمال بھی شمار ہوگا، اور اس کے لئے موجب فخر بھی، مگر چونکہ دستور الٰہی یہ ہے کہ بندوں پر عبادات میں صرف اتنا بوجھ ڈالا جاتا ہے، جس کو خوش دلی اور نشاط کیساتھ برداشت کر سکیں، اور ان کے شوق و اشتیاق میں، ان کے سرور و کیف میں کوئی کمی نہ آنے پائے، چونکہ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالے علیہم اجمعین کی جماعت عبادت کے معاملہ میں درجۂ علیا پر فائز تھی، اس لئے یہ حضرات عبادت میں ذرا سی کمی کو بھی قبول کرنے کے لئے آمادہ نہ ہو سکتے تھے، بلکہ اس کو طاعت الٰہیہ میں کوتاہی قرار دیتے تھے، وہ نوافل اور مستحبات بھی اسی ذوق و شوق اور التزام کے ساتھ ادا کرنا ضروری سمجھتے تھے، جس قدر فرائض اور واجبات کی ادائیگی کا اہتمام کرتے تھے، مندوبات اور مستحبات میں ان کی کوشش کچھ اس درجہ سے کم درجہ کی نہ ہوتی تھی، جس قدر جد و جہد ضروریات میں کی جاتی تھی، چنانچہ تراویح کے سلسلے میں بھی کچھ ایسا ہی پیش آیا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ نے پہلے دن اس نماز کو جلوت میں ادا فرمایا تو صحابۂ کرامؓ کا بڑا مجمع اس میں شریک ہوا، پھر جب اسکی شہرت ہوئی تو اگلے دن آپؐ کی اقتداء پہلے روز سے کہیں زیادہ تعداد میں لوگوں نے کی اور تراویح کی جماعت میں شریک ہوئے اور مجمع برابر بڑھتا گیا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فراست نبوت سے سمجھ لیا کہ اس دور کے لوگ یقیناً اسکا التزام اور پابندی کریں گے اور ممکن ہے کہ اس کا التزام کرنے کی صورت میں اس نماز کو حق تعالیٰ شانہٗ شرائع دین میں داخل فرما کر اسکی فرضیت کا اعلان وحی کے ذریعہ سے کر دیں، لیکن آنیوالی نسلوں

میں چونکہ عبادات کا ذوق واشتیاق اس درجہ کا ہرگز نہ ہوگا، اس لئے وہ لوگ اس کا حق ادا کرنے اور اس کا پورا اہتمام کرنے سے قاصر رہیں گے، یہ بھی رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نورِ فراست سے جان گئے تھے کہ رحمتِ الٰہیہ بہرحال اس مبارک عبادت کے ذریعہ اپنے بندوں کو فرشتوں اور روحانیوں سے بلند تر مقام پر فائز کرنا چاہتی ہے، لیکن اس اندیشہ کے تحت اس کا التزام مناسب نہ سمجھا گیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خیال کہاں تک درست تھا، اور یہ رائے کس درجہ صائب تھی، اس کا اندازہ کرنے کے لئے یہ بات کافی ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے آپؐ کی وفات کے بعد امت مسلمہ کے قلوب میں اس عبادت کا اہتمام والتزام اور ذوق وشوق پیدا فرماکر آپ کی فراست کو سچ کر دکھایا، اور چونکہ جماعت کے ساتھ اس کی ادائیگی اور اہتمام میں اب کوئی خطرہ باقی نہ رہا تھا

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منشائے نبوت کے پیشِ نظر اندیشہ زائل ہوتے ہی اس سنت رسول کی اشاعت اس طرح فرمائی کہ سب لوگوں کو جماعت کے ساتھ ایک امام کے پیچھے ادا کرنے کا حکم دیا، اور بغیر کسی اختلاف واعتراض کے تمام صحابہ نے اس کو قبول فرمایا، گویا اس طرح بیک وقت حق تعالیٰ شانہٗ کا یہ منشا بھی پورا ہوگیا کہ قیامِ رمضان یعنی تراویح کے ذریعہ اس کے بندے ملائکہ کے ساتھ مشابہ اور ان کے اوصاف کے حامل بن جائیں، اور دوسری جانب حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خواہش بھی پوری ہوگئی کہ یہ عبادت بندوں پر فرض نہ ہو، آج وفات نبوی کو تقریباً چودہ سو سال گزر رہے ہیں، امت مسلمہ کا والہانہ تعلق اس عبادت کے ساتھ باوجود دورِ انحطاط کے باقی چلا آرہا ہے، اور دنیائے اسلام کے ہر خطہ اور ہر ملک میں رمضان محترم کی آمد کے ساتھ ہی مسجدیں تراویح کی نماز سے آباد اور نمازیوں سے لبریز ہوجاتی ہیں، اس رمضانی نصاب کی تکمیل پر انسانوں کو قربِ الٰہی اور رضائے خداوندی کی جو سعادت حاصل ہوتی ہے یقیناً ملائکہ اور فرشتے اس پر رشک کرتے ہونگے۔

البتہ یہ بات ضرور سمجھنے کی ہے کہ انسان کو اس رمضانی کتاب کی تکمیل پر جو باری تعالیٰ کے انعامات سے نوازا جاتا ہے وہ تب ہے جبکہ روزے بھی اپنی شرائط کے ساتھ ادا کئے جائیں اپنے روزے کو کسی قسم کی معصیت کے ساتھ داغدار نہ کیا جائے، لیکن اگر روزے کے مقاصد

فوت کر دیئے گئے اور اسکی شرائط کی پرواہ نہ کی گئی فواحش و منکرات، جھوٹ، غیبت، جنگ و جدل، ظلم و جور اور دوسرے فسق و فجور سے احتیاط و احتراز نہ کیا گیا تو ظاہر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے بموجب ایسے فاقے اور بھوک کی اللہ کے نزدیک نہ کوئی قدر و قیمت ہے اور نہ قرب و قبول، ٹھیک اسی طرح تراویح کا عمل بھی اگر سرور و نشاط اور شوق و ذوق کے ساتھ انجام نہ پایا، بلکہ کراہت اور بیزاری یا سستی اور کاہلی کے ساتھ اس کام کو کیا گیا تو اس کھوٹے سکے کی بھی خدا کے یہاں کوئی چلت نہ ہوگی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام نے منشائے باری تعالیٰ کو بہتر طور پر سمجھا، جس کا نتیجہ یہ تھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق رات کا اکثر حصہ بارگاہ الٰہی کی حاضر باشی میں گزارا کرتے تھے، حضرت عائشہؓ کے بیان کے بموجب ایک رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام گھر والوں اور دوسرے حضرات کو جمع فرمایا اور مسلسل تمام رات نماز و عبادات میں گزر گئی، یہاں تک کہ ہم کو خطرہ ہوگیا کہ سحری کھانے کا بھی موقع ملے گا یا نہیں۔

صحابۂ کرام کے بعد تابعین اور تبع تابعین کے دور میں بھی رمضان محترم کی راتوں میں جاگ کر تلاوت قرآن کی حلاوت و لذت میں سرشار ہو کر صبح کر دینے کا ولولہ اور جذبہ کچھ کم نہ تھا۔ سرخیل احناف سیدنا امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ اس مقدس مہینے میں اکسٹھ قرآن ختم فرماتے تھے، ایک دن میں اور دوسرا رات میں، اس طرح ساٹھ قرآن پورے ہو جاتے، اور ایک ختم تراویح میں کیا جاتا تھا، خیر القرون کے بعد پھر ذوق و شغف برابر کم ہوتا چلا گیا، اس کے باوجود اس دور انحطاط میں بھی بہت سے بزرگوں کا معمول رمضان المبارک میں صرف قرآن کریم کی تلاوت اور شب بیداری کا سلسلہ آج بھی جاری ہے، عام مسلمان بھی اکثر تراویح کے پابند ہو جاتے ہیں، خواہ رمضان سے پہلے وہ نماز پنجگانہ کے بھی پابند نہ ہوں، لیکن غیر شعوری طور پر رمضان شروع ہوتے ہی ایسے لوگ بھی تراویح کا التزام کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، حق تعالیٰ شانہٗ کا یہ وہ انعام ہے جس کا جس قدر ادا کیا جائے کم ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تراویح کے بعض فقہی پہلو بھی پیش نظر کر دیئے جائیں تاکہ مضمون کی افادیت میں مزید اضافہ ہو جائے۔

یہ بات تو بتائی جا چکی ہے کہ خود تراویح کی ادائیگی سنت مؤکدہ ہے، پھر اس کو جماعت سے ادا کرنا

مستقل سنت ہے پھر تراویح میں پورا ایک قرآن ختم کرنا تیسری سنت ہے، پھر تراویح میں بیس رکعات پڑھنا بھی سنت ہے۔

اس آخری سنت یعنی بیس رکعات کی نسبت کچھ لوگ کہدیتے ہیں کہ یہ سنت رسول نہیں بلکہ سنت فاروقی ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا نہ کوئی ثبوت ہے نہ اسکی کوئی اصل مجھے مختصر طور پر اس مسئلہ پر روشنی ڈالنا ہے، کہنے والوں کے اس قول کے مطابق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف آٹھ رکعات پڑھنا ثابت اور منقول ہے، چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں یہ فرمایا کہ آپ ایک روز خلوت سے باہر تشریف لائے اور ہم کو آٹھ رکعات تراویح اور تین رکعت وتر پڑھائیں، بیشک حضرت جابرؓ کا بیان یہی ہے، لیکن اس میں صرف ایک رات کا پیش آمدہ واقعہ ذکر کیا گیا ہے، دوسری راتوں میں اس سے پہلے اور اس کے بعد کس قدر پڑھیں، اس کا کوئی ذکر نہیں ہے، بلکہ اس شب میں آپ نے خلوت میں جماعت سے پہلے کس قدر پڑھی تھیں، اس کا بھی کوئی ذکر نہیں، ہوسکتا ہے کہ کچھ حصہ انفرادی طور پر آپؐ نے اس سے قبل خلوت میں ادا کیا ہو اور بقیہ کی تکمیل باہر آکر جماعت کے ساتھ فرمائی ہو

اصل بات یہ ہے کہ جہانتک زبانی اور قولی ارشاد کا تعلق ہے آپ نے تراویح کی رکعات کے لئے نہ کوئی حد اور عدد مقرر فرمایا نہ کوئی تعداد رکعات کی معین ومتعین فرمائی بلکہ صرف نماز تراویح کی ترغیب وتاکید ارشاد فرمائی اور تعداد کی تصریح قطعی نہیں کی اسکے بعد عملی اور فعلی حیثیت باقی رہ جاتی ہے، جو مختلف راتوں میں مختلف رہی اور حدیثوں میں آپ کا مختلف تعداد کے ساتھ تراویح پڑھنا مذکور ہے، ایک جانب اگر آٹھ رکعات پڑھنا منقول ہے تو دوسری طرف بیس رکعات پڑھنا بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، جس کے راوی عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، ابن ابی شیبہ نے اس روایت کو اپنے مصنف میں ذکر کیا ہے، یہ روایت سند کے لحاظ سے اگرچہ ضعیف شمار کی گئی ہے لیکن صحابہ کرام کے بیس رکعات پر اجماع اور جمہور صحابہ وتابعین تبع تابعین ائمہ مجتہدین کے تعامل وتوارث سے اس روایت کی تائید اور توثیق اس حد تک ہوچکی ہے کہ بڑی سے بڑی قوی روایت اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔

یہ بات عقلاً ممکن نہیں کہ صحابۂ کرام جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ اور اسوۂ حسنہ

کے ایسے شیدائی اور فدائی تھے کہ ادنیٰ سے ادنیٰ اور چھوٹی چھوٹی سنتوں کو بھی کسی قیمت پر چھوڑنا گوارا نہ فرماتے ہوں، وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی اعلیٰ سنت کو ترک کرنے اور اسکی خلاف ورزی کرنے پر متفق ہوجائیں، اور حضرت عمرؓ کے خلاف سنت حکم دینے پر کوئی چوں بھی نہ کرے، اور سب برضا ورغبت اس کو قبول کرلیں، اس کے برعکس اس سے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ بیس رکعت کا سنت ہونا ان حضرات کے نزدیک یقینی تھا تب ہی اس کو قبول کیا، اور اسکو سنتِ رسول ہی سمجھ کر عمل کیا۔

دوسری بات یہ بھی قابلِ غور ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح امتِ مسلمہ کو اپنی سنت اور طریقہ کی پیروی کا حکم دیا، ٹھیک اسی طرح خلفائے راشدین مہدیین کے اتباع کو اسی درجہ میں لازم اور ضروری قرار دیا ہے۔

آپ کا ارشاد ہے "عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ" یعنی مسلمانو! تم پر میرے اور میرے خلفائے راشدین کے طریقے کی پیروی واجب اور ضروری ہے" گویا اس طرح آپ نے خلفائے راشدین کی پیروی کو اپنی پیروی اور اتباع قرار دیا، تو پھر اس ارشاد کے بعد اس کہنے میں کیا تردد ہوسکتا ہے کہ حضرت عمرؓ کا حکم دینا گویا خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم فرمانا اور فاروق اعظمؓ کا عمل کرنا گویا خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا عمل ہے، حضرت عمر فاروقؓ کے بعد حضرت عثمان غنیؓ اور ان کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بھی اپنے اپنے دور میں بیس رکعات تراویح کا حکم دیا اور اسی کو رواج دیتے رہے۔

ایک دوسری روایت میں صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کی نسبت ہم کو حضور کے یہ الفاظ ملتے ہیں "اِقْتَدُوْا بِالَّذَيْنِ مِنْ بَعْدِيْ اَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ" یعنی میرے بعد ابو بکرؓ و عمرؓ کا اتباع کرنا تمہارے لئے واجب اور لازم ہے" ان حالات میں بیس رکعات کو صرف سنتِ عمری کہہ کر نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، جبکہ درحقیقت وہ سنتِ رسول ثابت ہے۔

اس طرح عبداللہ بن مسعودؓ جن کی شان میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں ارشاد فرمایا کہ "تَمَسَّكُوْا بِعَهْدِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ" یعنی عبداللہ بن مسعود کے طریقے کو پکڑ رہو

اختیار کرو" اور جن کی نسبت دوسرے حضرات صحابہ کا یہ بیان ہے کہ "کَانَ اَقْرَبَ النَّاسِ هَدْيًا وَدَلًّا وَسَمْتًا بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" یعنی لوگوں میں سب سے زیادہ حضورؐ کے طریقہ کے قریب اور اپنے چلن میں سب سے زیادہ حضورؐ کے مشابہ ابن مسعودؓ تھے"
یہ شیدائی سنت رسول بھی ہمیشہ بیس رکعات کا ہی حکم دیتے رہے اور اسی پر خود عامل رہے۔
اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی تعمیل تب ہی ہوسکتی ہے جبکہ ان لوگوں کی اتباع کی جائے، جن کی اتباع کا خود آپ نے پوری امت کو پابند بنایا ہے، اور جیسا کہ شروع میں بیان کیا جاچکا ہے کہ اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان حضرات کے نزدیک بیس رکعات نماز پڑھنا ثابت نہ ہوتا تو ہرگز ہرگز اس کا امکان نہیں ہوسکتا کہ یہ لوگ اس پر اجماع واتفاق کرتے اور اس کے مقابلہ میں آپ کی ثابت شدہ سنت کو چھوڑنے پر متفق ہوجاتے اس لئے اس کو فقط سنتِ عمری نہیں کہا سکتا،

حدیث میں جو سنۃ الخلفاء فرمایا گیا ہے، بیشک اس سے مراد وہ سنتیں ہیں جن کی اصل کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں موجود ہو، بیس رکعات کی اصل سنت رسول میں موجود تھی اس لئے سنتِ خلفاء بھی سنتِ رسول ہی شمار ہوگی (بشکریہ البلاغ ۱۳۸۵ھ)

ملفوظ حضرت مصلح الامۃ قدس سرہ

فرمایا، حدیث شریف میں ہے مَنْ لَّمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِيْ اَنْ يَّدَعَ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ یعنی جس شخص نے قولِ زور اور عملِ زور نہیں چھوڑا تو اللہ تعالیٰ کو اس کے روزہ کی پروا نہیں کہ اس نے اپنا کھانا چھوڑ دیا یا پانی چھوڑ دیا۔

اللہ تعالیٰ کے یہاں روزہ مقبول ہوتا ہے تقویٰ سے اور تقویٰ حاصل ہوتا ہے مامورات شرعیہ پر عمل کرنے اور ممنوعات ومحذورات سے اجتناب کرنے سے، یہ شخص خوش ہوتا ہے کہ اس نے بڑا کام کیا، تو کیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑا کام یہی ہے کہ اس نے بھوک اور پیاس پیدا کر لی، حالانکہ محض بھوکے اور پیاسے ہونے پر ثواب نہیں ملتا بلکہ ثواب ملتا ہے اللہ کے حکم پر عمل کرنے سے۔

خصلت پنجم

صلوٰۃ التسبیح

حدیث :۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عم بزرگوار عباس بن عبدالمطلب سے فرمایا " اے عباس اے میرے چچا میں آپ کو ایک بڑا عطیہ دیتا ہوں، ایک کام کی چیز بتلاتا ہوں کہ جب یہ کام کریں تو اللہ تعالیٰ آپ کے اگلے اور پچھلے گناہ[1]، پرانے اور نئے جو بلا ارادہ خطأً سرزد ہوئے یا قصداً صادر ہوئے، اور چھوٹے بڑے، خفیہ اور علانیہ سب گناہ بخش دیں اور وہ یہ ہے کہ آپ چار رکعات نماز پڑھیں جن میں (حسب دستور) فاتحہ کے بعد کوئی سورت قرآن کی پڑھیں، جب آپ پہلی رکعت میں قرارت سے فارغ ہو جائیں تو قیام ہی کی حالت میں پندرہ مرتبہ یہ کلمات پڑھیں :۔

سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ پھر رکوع میں جائیں (تسبیح رکوع کے بعد) پھر وہی کلمات دس مرتبہ پڑھیں، پھر رکوع سے سر اٹھائیں "قومہ میں" پھر دس مرتبہ وہی کلمات پڑھیں، پھر سجدہ میں جائیں تو (تسبیح سجدہ کے بعد) وہی کلمات دس مرتبہ پڑھیں، پھر پہلے سجدہ سے سر اٹھائیں تو "جلسہ میں" پھر دس مرتبہ پڑھیں پھر دوسرا سجدہ کریں تو اس میں بھی دس مرتبہ پڑھیں پھر دوسرے سجدہ سے اٹھ کر (بیٹھ جائیں اور) دس مرتبہ پڑھیں یہ (ایک رکعت میں) پچھتر تسبیح ہوئیں پھر اسی طرح چاروں رکعتوں میں (پچھتر پچھتر مرتبہ تسبیح پڑھیں) اس طرح کل تسبیحات تین سو ہو جائیں گی۔ اسی کا نام صلوٰۃ التسبیح ہے، اس حدیث کو امام بخاری نے جزء القرأت میں اور ابوداؤد و ابن ماجہ نے سنن میں ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں، حاکم نے مستدرک میں، بیہقی نے دعوات کبیر میں طبرانی نے کبیر و اوسط میں اور دار قطنی، ابن راہویہ، ابن ابی الدنیا، ابن شاہین وغیرہم ائمہ حدیث نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے اور بعض نے حسن بھی فرمایا ہے اور اس کو ضعیف کہنا جیسا کہ شرح مہذب اور اذکار نووی میں مذکور ہے یا موضوع قرار دینا جیسا کہ ابن جوزی ابن تیمیہ و ابن عبدالہادی نے کہا ہے باتفاق ائمہ قول مردود ہے، حافظ ابن حجرؒ نے ان لوگوں کے

---

[1] یہ گناہوں کی دس قسمیں حدیث میں بیان فرمائی ہیں بعض روایات میں جو لفظ "لَا اَقْعَلُ" بدو (مشر) ہ

ل کو غلط قرار دیا ہے اور علامہ سیوطی نے لآلی مصنوعہ میں ابن جوزی پر رد کرتے ہوئے فرمایا ہے "میں اللہ کے لئے اللہ کے نام پر گواہی دیتا ہوں کہ صلوٰۃ التسبیح کی حدیث صحیح ہے" اور دار قطنی نے فرمایا کہ فضائل سور میں سب سے زیادہ صحیح فضیلت قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کی حدیث ہے اور فضائل صلوٰۃ میں سب سے زیادہ صحیح فضیلت صلوٰۃ التسبیح کی ہے، اور شیخ سراج الدین بلقینی نے تدریب میں فرمایا کہ صلوٰۃ التسبیح کی حدیث صحیح ہے اور اس کے چند طرق ہیں جن میں بعض بعض سے تقویت ہوتی ہے۔

اور بیہقی نے فرمایا کہ حضرت عبد اللہ بن مبارکؒ صلوٰۃ التسبیح پڑھا کرتے تھے اور سلف صالحین رابر یکے بعد دیگرے پڑھتے آئے ہیں، امام تابعین ابوالجوزا اسے روزانہ ظہر کی اذان و نماز کے درمیان پڑھا کرتے تھے، حدیث صلوٰۃ التسبیح کو علاوہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے دوسرے صحابہ فضلؓ بن عباس اور عبد اللہ بن عمرو بن عاص اور عبد اللہ ابن عمر اور ابورافع مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی مرتضیٰ اور جعفر بن ابی طالب اور ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے روایت کیا ہے (شفاء الاسقام، مع اسماء مخرجین ومثلہ فی خاتمۃ ادعیۃ الحج والعمرۃ للعلامہ قطب الدین الحنفی۔

صلوٰۃ التسبیح کی ایک دوسری صورت

صلوٰۃ التسبیح کی جو صورت اوپر مذکور ہوئی قوی اور صحیح احادیث میں اسی طرح مذکور ہے اور حضرت عبد اللہ بن مبارکؒ سے اسکی ایک دوسری صورت منقول ہے، وہ یہ کہ اول رکعت میں سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ پڑھنے کے بعد قرات سے پہلے پندرہ مرتبہ اور قرارت کے بعد دس مرتبہ تسبیح مذکور پڑھیں اور دوسرے سجدہ کے بعد جو دس مرتبہ پڑھنا پہلی صورت میں نقل ہوا ہے وہ نہ پڑھیں۔ اس طرح بھی ہر رکعت میں پچہتر تسبیح کا عدد پورا ہوجاتا ہے اور پہلی رکعت کے بعد دوسری رکعت کی طرف کھڑے ہونے سے پہلے جو جلسۂ استراحت پہلی صورت میں لازم آتا ہے وہ اس صورت میں نہیں ہے۔ یہ دوسری صورت حضرت عبد اللہ بن جعفر کی حدیث میں بھی وارد ہوئی ہے اور چونکہ جلسۂ استراحت عام نمازوں میں حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک مکروہ ہے اس لئے بہت سے علمائے حنفیہ اور مالکیہ نے دوسری صورت کو اپنے مذہب کے مطابق پاکر

(بقیہ حاشیہ) کلام عشر خصال وارد ہوا ہے غالباً اس سے انہیں دس اقسام ذنوب کی طرف اشارہ ہے واللہ اعلم ۱۲ منہ

اسی کو ترجیح دی ہے۔ احیاء العلوم اور قوت القلوب میں بھی اسی کو راجح قرار دیا ہے، لیکن حافظ منذری، ابو عبد اللہ قصار اور بہت سے دوسرے علمائے مالکیہ نے فرمایا ہے کہ ایسے فضائل اعمال میں اتباع مذہب واحد ضروری نہیں دوسرے مذہب کے موافق بھی عمل کیا جا سکتا ہے، خصوصاً جبکہ اصح الروایتین سے اسکی تائید ہو رہی ہے، احقر ناکارہ نے اپنے بعض مشائخ حنفیہ سے بھی اس بارے میں ایسا ہی سُنا ہے کہ صلوٰۃ التسبیح میں جلسۂ استراحت حنفیہ کے نزدیک بھی مکروہ نہیں، اور علامہ قطب الدین حنفی نے رسالہ اَدعیۃ الحج والعمرۃ کے خاتمہ میں صلوٰۃ التسبیح کا مفصل بیان لکھا ہے، اس سے بھی یہی استفادہ ہوتا ہے۔

اور رحلت ناصریہ میں ہے کہ مناسب یہ ہے کہ کبھی پہلی صورت سے اور کبھی دوسری صورت سے پڑھ لیا جاوے۔ انتہی۔ کیونکہ دونوں صورتیں روایات حدیث اور تعامل سلف سے منقول و ماثور ہیں اس میں زیادہ کاوش و تفتیش اور خلاف و اختلاف فضول ہے۔

مسائل ضروریہ متعلقہ صلوٰۃ التسبیح

مسئلہ:۔ صلوٰۃ التسبیح ایک نفل نماز ہے اس لئے جو احکام شرعیہ عام نوافل کے متعلق وارد ہوئے ہیں وہ یہاں بھی ملحوظ رکھے جائیں مثلاً

(۱) رات کو پڑھیں تو قرارت میں جہر و اخفاء دونوں کا اختیار ہے اور دن میں پڑھیں تو اخفاء کرنا لازم ہے اور تسبیحات مذکورہ بہر حال آہستہ پڑھنی چاہیئے۔

(۲) یہ نماز بھی اوقات مکروہہ یعنی آفتاب کے طلوع و غروب کے وقت اور نصف النہار کے وقت نہ پڑھے۔ اسی طرح جن اوقات میں نفل پڑھنا مکروہ ہے مثلاً نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب سے پہلے اور عصر کے بعد غروب سے پہلے ان میں بھی صلوٰۃ التسبیح نہ پڑھیں اور افضل وقت اِس نماز کا زوال آفتاب کے بعد ظہر سے پہلے ہے (کما رواہ ابوداؤد عن ابی الجوزاء)

اور حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور بہت سے علمائے سلف جمعہ کے روز زوال کے بعد خطبۂ جمعہ سے پہلے صلوٰۃ التسبیح پڑھا کرتے تھے (شعائر الاسلام)

مسئلہ:۔ عام روایات حدیث میں کلمات التسبیح وہی منقول ہیں جو اوپر مذکور ہوئے یعنی سُبْحَانَ اللّٰہِ

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ. اور حضرت عبداللہ ابن جعفرؓ کی روایت میں ان کے بعد وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ ؕ بھی وارد ہوا ہے اور اس حدیث کی سند اگرچہ ضعیف ہے مگر فضائل اعمال میں اس پر عمل جائز ہے، اسی لئے احیاء العلوم میں اسکی زیادتی کو مستحسن قرار دیا ہے۔

مسئلہ :۔ صلوٰۃ التسبیح میں قرات فاتحہ کے بعد اختیار ہے جو سورت بھی چاہے پڑھے اور بعض روایات میں سورۂ اِذَا زُلْزِلَت اور عادیات اور اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ اور قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ منقول ہیں، نیز بعض روایات میں اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُرُ سورۂ عصر سورۂ کافرون اور اخلاص وارد ہوا ہے۔

مسئلہ :۔ رکوع سجدہ میں پہلے رکوع سجدہ کی تسبیحات معروفہ یعنی سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ رکوع میں تین مرتبہ اور سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی سجدہ میں تین مرتبہ پڑھے اس کے بعد صلوٰۃ التسبیح کے کلمات تسبیح دس دس مرتبہ پڑھیں، ترمذی کی روایت میں حضرت عبداللہ بن مبارک سے اسی طرح منقول ہے (شفاء الاسقام وادعیۃ الحج والعمرۃ)

مسئلہ :۔ اگر تسبیحات کو انگلیوں پر شمار کرنے کی ضرورت محسوس کرے تو جائز ہے، مگر اس طرح کہ رکوع میں ہاتھ گھٹنے پر اور سجدے میں زمین پر اور قعدہ میں ران پر رہے۔

مسئلہ :۔ دوسری رکعت[1] کے بعد جب قعدہ اولیٰ میں بیٹھے تو پہلے تسبیحات مذکورہ پڑھے پھر تشہد ادا کرے۔ (شفاء الاسقام)

مسئلہ :۔ اگر صلوٰۃ التسبیح میں کوئی سہو ہو جائے جس کے سبب سجدۂ سہو کرنا پڑے تو سہو کے دونوں[2] سجدوں میں تسبیحات مذکورہ نہ پڑھے۔ ترمذی نے نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مبارک سے اس کا سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ سجدۂ سہو میں تسبیحات صلوٰۃ التسبیح نہ پڑھی جاویں کیونکہ اس نماز کی کل تسبیحات تین سو ہیں وہ چاروں رکعات میں پوری ہو چکیں۔

مسئلہ :۔ صلوٰۃ التسبیح میں جو تسبیح پڑھی جاتی ہے اگر کوئی شخص کسی موقع پر یہ تسبیح پڑھنا بالکل بھول جائے یا تعداد میں کمی رہ جائے تو اس کا تدارک کس طرح کیا جائے اسکے متعلق شیخ ملا علی قاریؒ نے

---

[1] اس طرح قعدۂ اخیرہ میں بھی تشہد سے پہلے تسبیحات پڑھ لے۔ [2] شیخ سادی مالکی سے یہ مسئلہ پوچھا گیا تو فرمایا کہ اسکے متعلق احکام معلوم نہیں اور ائمہ کے کلام میں نہیں اسکی تفصیل مذکور نہیں اسی لئے شفاء الاسقام میں اس کا حکم حنفیہ کی کتاب شرح مشکوٰۃ سے اخذ کرکے لکھا ہے ۱۲ منہ

شرح مشکوٰۃ میں تحریر فرمایا ہے کہ اگر ایک جگہ میں یہ تسبیح رہ جائے یا سہواً کم پڑھی جائے تو جب یاد آوے اسی رکن میں رہتے ہوئے اس عدد کی بھی قضا کر لی جائے مثلاً رکوع میں دس مرتبہ تسبیح پڑھنا بھول گیا سجدے میں یاد آیا، تو سجدے میں یہ دس بھی پڑھے اور سجدے کی بھی، اس طرح بیس تسبیح سجدے میں پڑھ لے، اسی طرح یاد آیا کہ رکوع میں تین مرتبہ کم پڑھی گئی تو سجدے میں تیرہ مرتبہ پڑھ کر پورا کر لے۔

ملا علی قاریؒ نے یہ حکم حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ کی روایت سے اخذ کیا ہے جس میں تسبیحات کی مقررہ تعداد تین سو بتلائی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تین سو کی تعداد پوری کرنا صلوٰۃ التسبیح کے لئے ضروری ہے۔

مسئلہ:۔ اگر نماز پوری کرے اور سلام پھیرنے کے بعد یاد آیا کہ کچھ تسبیحات کم پڑھی گئیں تو اسکی وجہ سے اس پر سجدہ سہو نہیں آتا، کیونکہ سجدہ سہو ترک واجب پر مرتب ہوتا ہے اور یہ تسبیحات واجب نہیں، اس صورت میں یہ نماز مطلق نفل ہوگئی صلوٰۃ التسبیح کا ثواب حاصل نہ ہوا۔

(شفاء الاسقام)

مسئلہ:۔ اگر تسبیحات مذکورہ تعداد معینہ سے زیادہ پڑھی گئیں تو اگر سہواً ایسا ہوگیا تو کوئی مضائقہ نہیں اور ثواب میں بھی کوئی کمی نہیں، اگر قصداً ایسا کیا ہے تو بہت سے علماء کے نزدیک صلوٰۃ التسبیح کا ثواب خاص فوت ہوگیا، کیونکہ جن اذکار میں سنت کوئی خاص عدد منقول ہے، جس طرح اس عدد سے کمی اس کے اثر کو ضائع کر دیتی ہے اسی طرح زیادتی سے بھی وہ اثر خاص ضائع ہو جاتا ہے۔

اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے شیخ ابوالفضل کی شرح ترمذی سے نقل کیا کہ اس زیادتی سے صلوٰۃ التسبیح کا ثواب اور اثر تو فوت نہیں ہوتا مگر اس کے ثواب میں اس زیادتی سے کوئی زیادتی بھی نہیں ہوتی۔

(شفاء الاسقام)

مسئلہ:۔ صلوٰۃ التسبیح کی آخری رکعت میں تشہد اور درود شریف کے بعد سلام سے پہلے یہ دعا پڑھنا مستحب ہے جس کو حلیہ میں ابونعیم نے اور اوسط میں طبرانی نے بروایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ نقل کیا ہے، وہ دعا یہ ہے:۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ تَوْفِيْقَ اَهْلِ الْهُدٰى وَ اَعْمَالَ اَهْلِ الْيَقِيْنِ وَمُنَاصَحَةَ اَهْلِ التَّوْبَةِ وَعَزْمَ اَهْلِ الصَّبْرِ وَجِدَّ اَهْلِ الْخَشْيَةِ وَطَلَبَ اَهْلِ الرَّغْبَةِ وَتَعَبُّدَ اَهْلِ الْوَرَعِ وَعِرْفَانَ اَهْلِ الْعِلْمِ حَتّٰى اَلْقَاكَ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مَخَافَةً تَحْجُزُنِیْ بِهَا عَنْ مَعَاصِيْكَ حَتّٰى اَعْمَلَ بِطَاعَتِكَ عَمَلًا اَسْتَحِقُّ بِهٖ رِضَاكَ وَحَتّٰى اُنَاصِحَكَ بِالتَّوْبَةِ خَوْفًا مِّنْكَ وَحَتّٰى اُخْلِصَ لَكَ النَّصِيْحَةَ حَيَاءً مِّنْكَ وَحَتّٰى اَتَوَكَّلَ عَلَيْكَ فِی الْاُمُوْرِ كُلِّهَا وَحُسْنَ ظَنٍّ بِكَ سُبْحَانَ خَالِقِ النُّوْرِ (اے اللہ میں مانگتا ہوں تجھ سے توفیق اہل ہدایت کی سی، اور عمل اہل یقین کے سے، اور اخلاص اہل توبہ کا سا، اور ہمت اہل صبر کی سی، اور کوشش اہل خوف کی سی اور طلب اہل شوق کی سی، اور عبادت اہل تقویٰ کی سی، اور معرفت اہل علم کی سی یہاں تک کہ ملوں میں تجھ سے، اے اللہ میں مانگتا ہوں تجھ سے ایسا خوف جس کے ذریعہ روک دے تو مجھے اپنی نافرمانیوں سے تاکہ عمل کروں میں تیری طاعت کے ایسے عمل کہ مستحق ہو جاؤں ان سے تیری خوشنودی کا، اور تاکہ خالص کروں تیرے سامنے توبہ ڈر کر تجھ سے، اور تاکہ صاف کروں تیرے سامنے خلوص کو شرما کر تجھ سے، اور تاکہ بھروسہ کروں تجھ پر کل کاموں میں۔ اور مانگتا ہوں نیک گمان کو تیرے ساتھ پاک ہے پیدا کرنیوالا نور کا

مختصر صلوٰۃ التسبیح:۔ صلوٰۃ التسبیح مشہور تو وہی ہے جس کی صورت اوپر لکھی گئی اور فضائل مذکورہ بھی اسی کیلئے منقول ہیں، مگر بعض روایات حدیث میں ایک اور مختصر صورت بھی منقول ہے جو مقاصد دینیہ اور دنیویہ پورے ہونے کیلئے مجرب ہے، اس کو بھی مشائخ نے صلوٰۃ التسبیح صغریٰ کے نام سے موسوم کیا ہے صورت اسکی یہ ہے :۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے مسند میں اور ترمذی نے باب ما جاء فی صلوٰۃ التسبیح" میں، اور نسائی نے سنن میں، ابن خزیمہ، ابن حبان نے اپنی اپنی صحیح میں اور حاکم نے مستدرک میں حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کیا ہے کہ حضرت اُم سلیم رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو چند کلمات سکھائے ہیں جن کو وہ نماز کے اندر پڑھ لیں تو جو دعا مانگیں قبول ہو، وہ کلمات یہ ہیں:۔

سُبْحَانَ اللّٰهِ دس مرتبہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ دس مرتبہ اَللّٰهُ اَكْبَرُ دس مرتبہ ۔

فائدہ :- علامہ مناوی نے اس حدیث کو نقل کر کے فرمایا کہ اسناد اسکی حسن یا صحیح ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ فوائد و آثار جب مرتب ہوں گے کہ ان کلمات کے معنیٰ کا بھی دل میں استحضار ہو محض زبان کی حرکت نہ ہو۔ واللہ اعلم

ف :- اس مختصر صلوٰۃ التسبیح میں جو دس دس مرتبہ کلمات مذکورہ پڑھنا منقول ہے اسکا کوئی خاص محل نہ روایت حدیث میں متعین کیا گیا اور نہ علماء و مشائخ میں سے کسی کی نقل اس کے متعلق دیکھی اسلئے ظاہر یہ ہے کہ مصلی کو اختیار ہے جس رکن میں چاہے پڑھ لے یا آخر میں تشہد کے بعد پڑھ لے، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

خصلت ششم
رمضان کے روزے

حدیث :- امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے مسند میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص رمضان کے روزے رکھے ایمان کے ساتھ ثواب (اور غنیمت) سمجھ کر اسکے اگلے پچھلے گناہ بخشدیئے جائیں گے۔

اس روایت کو جامع صغیر میں بحوالہ تاریخ خطیب بھی نقل کیا ہے، نیز یہ روایت حدیث کی کتب ستہ مشہورہ میں بھی موجود ہے

اور ثواب سمجھ کر روزہ رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ روزہ کو بھاری مصیبت نہ سمجھے کہ مجبوری کے درجے میں رکھے، بلکہ اس کے ثواب عظیم کو سامنے رکھ کر موقع کو غنیمت سمجھے اور خوش دلی اور مستعدی سے روزے رکھے۔ (شفاء الاسقام)

خصلت ہفتم

قیام رمضان و تراویح | حدیث :- امام احمد نے اپنی مسند میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص رمضان کی راتوں میں (نماز کیلئے) کھڑا ہوا، اسکے اگلے پچھلے سب گناہ بخشدیئے جائیں گے" یہ حدیث صحاح ستہ میں بھی ہے مگر انمیں الفاظ ما تقدم،

یعنی پچھلے گناہوں کا ذکر نہیں ہے۔
رمضان کی راتوں میں نماز کیلئے کھڑا ہونا عام ہے، نماز تراویح اور تہجد و نوافل سب کو شامل ہے
(شفار الاسقام)

خصلت ہشتم ۸

قیام شب قدر | حدیث: امام نسائی نے سنن کبریٰ اور قاسم ابن اصبغ نے اپنے مصنف میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس شخص نے شب قدر میں ایمان کے ساتھ ثواب سمجھ کر (نماز کیلئے) قیام کیا اس کے اگلے پچھلے گناہ معاف ہو جائینگے"۔
یہ حدیث بخاری، مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ نے بھی روایت کی ہے۔ مگر اسمیں لفظ (ما تأخر) نہیں ہے، نسائی اور امام احمد کی روایت میں یہ زیادتی بھی سند صحیح وحسن کے ساتھ موجود ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے نسائی کی سند کو صحیح علی شرط البخاری قرار دیا ہے۔

خصلت نہم ۹

یوم عرفہ کا روزہ | حدیث:- امام مسلم اور نسائی، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ نے حضرت ابوقتادہؓ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ سے عرفہ کے دن روزہ رکھنے کے متعلق پوچھا گیا، آپ نے ارشاد فرمایا (یہ روزہ) "ایک سال پہلے اور ایک سال پچھلے کے گناہوں کا کفارہ ہوجاتا ہے" ابن ماجہ نے یہی مضمون حضرت قتادہؓ ابن نعمانؓ سے بھی روایت کیا ہے۔

خصلت دہم

بیت المقدس سے حج یا عمرہ کا احرام باندھنا | حدیث:- ابوداؤد نے سنن میں اور بیہقی نے شعب میں ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "جو شخص حج یا عمرہ کا احرام مسجد اقصیٰ سے باندھ کر مسجد حرام (مکہ کرمہ) میں حاضر ہوا اسکے اگلے پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے، اور اسکے لئے جنت واجب ہو جائیگی"۔

مال کی شرعی حیثیت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

مال کے متعلق عمومی غلط فہمی اور اس کا ازالہ

دین سے عام طور پر ناواقفیت کی وجہ سے جہاں اور بہت سی باتوں کا آج لوگوں کو صحیح علم نہیں رہا انھیں چیزوں میں سے ایک دنیا اور مال کا مسئلہ بھی ہے یعنی یہ کہ دنیا مذموم ہی ہے یا اُس میں خیر کا بھی کوئی پہلو ہے ؟ اور مال کا شرع میں کیا درجہ ہے ؟

اس بارے میں اندازہ ہوا کہ عوام تو عوام، خواص بلکہ بعض حضرات اہل علم تک غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ چنانچہ میں نے اس پر ایک دن کچھ گفتگو کی تو ایک عالم جو شریک مجلس تھے انھوں نے اس بیان کو بہت سراہا اور بہت تعریف کرنے لگے کہا کہ آج مال سے متعلق حضرت کا بیان سنکر آنکھیں کھل گئیں اور بہت سی باتیں بالکل نئی سننے میں آئیں جو اس سے قبل معلوم نہیں تھیں۔ میں نے اُن سے کہا کہ بہرحال آپ کی اس تائید سے مجھے تو بڑی تقویت ہوئی اور ابھی تو مجھے اس سلسلہ میں اور بھی بہت کچھ کلام کرنا ہے۔ انھوں نے کہا کہ یہ مضامین ضبط ہو رہے ہیں غالباً طبع بھی ہوں گے ان شاء اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح استفادہ کروں گا۔

اس وقت اسی مسئلہ پر کچھ کہنا چاہتا ہوں کہ اس زمانہ میں عام طور سے لوگ دنیا کو مذموم سمجھتے ہیں حالانکہ میں آپ کے سامنے کتاب و سنت سے نصوص پیش کر سکتا ہوں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خیال صحیح نہیں ہے۔

سنئے:۔

[illegible]

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

قُلْ إِن كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُم مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ۝ (پ۱۰)

یعنی آپ کہدیجیے کہ اگر تمھارے باپ اور تمھارے بیٹے اور تمھارے بھائی اور تمھاری بیبیاں اور تمھارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس میں نکاسی نہ ہونے کا تم کو اندیشہ ہو اور وہ گھر جن کو تم پسند کرتے ہو۔ تم کو اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیارے ہوں تو تم منتظر رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم بھیجدیں اور اللہ تعالیٰ بےحکمی کرنے والے لوگوں کو ان کے مقصود تک نہیں پہونچاتا۔ (بیان القرآن)

صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ تجارت میں کسادبازاری ہوجانے سے مراد یہ ہے کہ وہ سامان جسے تم نے تجارت اور نفع کے خیال سے خریدا ہے مگر ایام موسم میں تمھارے مکہ معظمہ سے باہر رہنے کی وجہ سے انکی بکری کے ایام تم سے فوت ہوجائیں اسلئے تم کو ان میں نقصان کا اندیشہ ہو۔

اسی طرح سے مَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا سے مراد یہ ہے کہ ایسی ایسی کوٹھیاں اور حویلیاں جن میں قیام کرنا تم کو پسند ہو۔

غرض یہاں ان تمام حیات دنیا کی زینتوں کو انکی مذکورہ صفات کے ساتھ اسلئے بیان کیا کہ یہ بتادیں کہ اگر حُبِّ دنیا کی کسی خاص مرتبہ پر ملامت بھی کیجائے تو یہ اس کے منافی نہیں ہے کہ انسان کے قلب میں ان چیزوں کی فی الجملہ محبت ہو۔

کیونکہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ جن چیزوں کو دنیا سمجھا جاتا ہے انکی نفس محبت منع نہیں ہے بلکہ منع یہ ہے کہ ان سب کی محبت کو اللہ و رسول کی محبت سے بڑھا دیا جائے جس کی علامت یہ ہے کہ ان چیزوں کی محبت انسان کو احکام الٰہیہ و نبویہ پر عمل کرنے سے روک دے اور اگر ایسا نہ ہو تو دنیا کا کسی کے پاس ہونا کچھ مضر نہیں۔

مالداری اور تقویٰ

حدیث شریف میں آتا ہے ایک صحابی بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر جلوہ افروز ہوئے اس حال میں کہ آپ کے سر کے بالوں میں پانی کی تراوٹ تھی۔ ہم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ اسوقت تو آپ بہت ہی خوش نظر آرہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں صحیح کہتے ہو۔ اس کے بعد لوگوں میں غنیٰ اور مالداری کی بات ہونے لگی۔ آپ نے فرمایا کہ غنیٰ میں کچھ مضائقہ نہیں ہے اُس شخص کے لئے جو اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرے اور یہ بھی سمجھ لو کہ متقی آدمی کو اگر صحت اور عافیت حاصل ہو تو یہ صحت اس کے لئے تقویٰ کے ساتھ مالداری سے بھی بہتر ہے اور نفس میں خوشی اور انشراح کا ہونا یہ تو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت ہے۔ یعنی انسان کا ہر حال میں خوش رہنا اور منشرح رہنا یہ حالت منجملہ خدائی بخششوں کے ہے جس کو اللہ تعالیٰ عطا فرمادیں وہ بہت ہی خوش نصیب ہے۔

دیکھئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ غنیٰ میں کچھ مضائقہ نہیں ہے مگر اس کی شرط تقویٰ بیان فرمائی۔ یعنی آدمی متقی ہو تو اس کے لئے مال دار ہونا کچھ برا نہیں ہے اس لئے کہ مال فی نفسہ کوئی بری چیز نہیں ہے۔ کوئی سانپ بچھو نہیں ہے کہ آدمی کو ڈس ہی لے بلکہ اس کے تو جان بھی نہیں ہے محض ایک بے جان سی شے ہے۔ اور آدمی جب متقی ہے یعنی اس کو خدا کا، آخرت کا خوف ہے تو وہ اس کو جائز اور حلال طریقہ سے کسب کریگا اور حقوق ادا کریگا یا جائز محل میں صرف کریگا پھر ایسے مال میں کیا مضائقہ ہے؟

یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جو ارشاد فرمایا۔

"لَا بَأْسَ بِالْغِنٰی لِمَنِ اتَّقَی اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ"۔

(یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرے اس کے لئے غنیٰ میں کچھ مضائقہ نہیں ہے) ہمارے دعا کے لئے یہ ارشاد کافی ہے

اھل دنیا کی اقسام لیکن ہم اور دوسری روایات سے بھی اس کی توضیح و تشریح کرتے ہیں۔ مشکوٰۃ شریف میں اسی باب میں ایک اور حدیث نقل کی ہے۔

عَنْ اَبِیْ کَبْشَۃَ الْاَنْمَارِیِّ اَنَّہٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ ثَلٰثٌ اُقْسِمُ عَلَیْہِنَّ، وَاُحَدِّثُکُمْ حَدِیْثًا فَاحْفَظُوْہُ۔

فَاَمَّا الَّذِیْ اُقْسِمُ عَلَیْہِنَّ فَاِنَّہٗ مَا نَقَصَ مَالُ عَبْدٍ مِنْ صَدَقَۃٍ وَلَا ظُلِمَ عَبْدٌ مَظْلِمَۃً صَبَرَ عَلَیْہَا اِلَّا زَادَہُ اللّٰہُ بِہَا عِزًّا وَلَا فَتَحَ عَبْدٌ بَابَ مَسْئَلَۃٍ اِلَّا فَتَحَ اللّٰہُ عَلَیْہِ بَابَ فَقْرٍ۔

وَاَمَّا الَّذِیْ اُحَدِّثُکُمْ فَاحْفَظُوْہُ فَقَالَ اِنَّمَا الدُّنْیَا لِاَرْبَعَۃِ نَفَرٍ

(۱) عَبْدٌ رَزَقَہُ اللّٰہُ مَالًا وَعِلْمًا فَہُوَ یَتَّقِیْ فِیْہِ رَبَّہٗ وَیَصِلُ رَحِمَہٗ وَیَعْمَلُ لِلّٰہِ فِیْہِ بِحَقِّہٖ فَہٰذَا بِاَفْضَلِ الْمَنَازِلِ۔

(۲) وَعَبْدٌ رَزَقَہُ اللّٰہُ عِلْمًا وَلَمْ یَرْزُقْہُ مَالًا فَہُوَ صَادِقُ النِّیَّۃِ یَقُوْلُ لَوْ اَنَّ لِیْ مَالًا لَعَمِلْتُ بِعَمَلِ فُلَانٍ فَاَجْرُہُمَا سَوَاءٌ۔

(۳) وَعَبْدٌ رَزَقَہُ اللّٰہُ مَالًا وَلَمْ یَرْزُقْہُ عِلْمًا فَہُوَ یَخْبِطُ فِیْ مَالِہٖ بِغَیْرِ عِلْمٍ لَا یَتَّقِیْ فِیْہِ رَبَّہٗ وَلَا یَصِلُ فِیْہِ رَحِمَہٗ وَلَا یَعْمَلُ فِیْہِ بِحَقٍّ فَہٰذَا بِاَخْبَثِ الْمَنَازِلِ۔

(۴) وَعَبْدٌ لَمْ یَرْزُقْہُ اللّٰہُ مَالًا وَلَا عِلْمًا فَہُوَ یَقُوْلُ لَوْ اَنَّ لِیْ مَالًا لَعَمِلْتُ فِیْہِ بِعَمَلِ فُلَانٍ فَہُوَ بِنِیَّتِہٖ وَوِزْرُہُمَا سَوَاءٌ۔

(رواہ الترمذی/مشکوٰۃ ص۴۵۱ ج ۲)

حضرت ابو کبشہ انماری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تین باتیں تو ایسی ہیں کہ میں ان پر قسم کھا سکتا ہوں اور ایک اور بات بیان کرتا ہوں تم لوگ اس کو سن کر یاد کرلو جن پر قسم کھا سکتا ہوں وہ تین باتیں یہ ہیں کہ۔

(۱) کسی انسان کا مال آج تک صدقہ کی وجہ سے کم نہیں ہوا۔ یعنی صدقہ دیتے وقت یہ خیال ہو سکتا ہے کہ اس سے مال کم ہو جائے گا اور شیطان اس وسوسہ کے ذریعہ انسان کو اس سے باز رکھ سکتا ہے تو سن لو کہ آج تک کوئی مثال ایسی نہیں پائی گئی کہ آدمی نے خدا کی راہ میں مال خیرات کیا ہو اور اسکی وجہ سے اس کا مال ختم ہو گیا ہو اور وہ فقیر ہو گیا ہو۔ اسی طرح

(۲) کسی انسان نے ظلم کئے جانے کے بعد صبر سے کام نہیں لیا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی عزت اور بڑھا دی ہے اور اسکو پہلے سے زیادہ معزز بنا دیا ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ

(۳) کسی شخص نے سوال کا دروازہ نہیں کھولا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر فقر کا دروازہ کھول دیا ہے۔ (قسم والی باتیں تو ختم ہوئیں۔)

اب وہ بات سنو جس کو بیان کرنا چاہتا ہوں اور تم سے یاد کرنے کو کہہ رہا ہوں۔ وہ یہ کہ اہل دنیا چار طرح کے ہوتے ہیں۔

(۱) ایک تو وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے مال بھی دیا ہے اور علم بھی۔ پس علم کی وجہ سے مال کے بارے میں وہ خدا سے ڈرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو اسکے مال میں حق مال (یا حق علم) ادا کرنے کی توفیق عطا فرماتا ہے یہ شخص مرتبہ میں سب سے افضل ہے۔ اور افضل منازل پر فائز ہے۔

(۲) دوسرا وہ شخص ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسکو علم تو دیا ہے مگر مال نہیں دیا ہے یہ شخص بوجہ علم دین ہونے کے اپنی نیت درست کر لیتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ کاش اگر میرے پاس بھی مال ہوتا تو میں بھی فلاں (دیندار) مالدار کی طرح اچھے اچھے دین کے کام

کرتا. تو اسکا اور اُسکا دونوں کا اجر یکساں ہوگا۔ (ایک کو تو عمل صالح کرنے کا دوسرے کو اس کی حسن نیت کا)۔

(۳) تیسرا وہ شخص ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسکو مال تو دیا ہو مگر علم نہ عطا کیا ہو تو وہ علم کی روشنی نہ ہونے کے سبب اپنے مال میں خبطی ہوکر اندھا دھند تصرف کرتا ہے یعنی اسکو خوب اچھی طرح سے اپنے نفس کی شہوات ولذات اور مناہی و ملاہی میں صرف کرتا ہو نہ اس میں اس کو خدا تعالیٰ کا ڈر ہو اور نہ صلہ رحمی ہی کرتا ہو اور نہ کسی طرح کا حق مال ادا کرتا ہو تو اس شخص کا مرتبہ سب سے اخبث ہے یعنی اخبث المنازل میں پڑا ہوا ہے۔

(۴) چوتھا شخص وہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نہ تو اسکو مال ہی دیا اور نہ ہی علم عطا فرمایا اس لئے وہ یہ کہتا ہے کہ کاش اگر میرے پاس بھی مال ہوتا تو فلاں (فاسق و فاجر) کی طرح میں بھی خوب گلچھرے اُڑاتا۔ پس چونکہ یہ اُسکا عزم ہے اس لئے یہ اور وہ شخص جو کہ اُن بُرائیوں کا کرنے والا ہے دونوں اس گناہ میں برابر ہونگے۔

حضرت مُصْلِحُ الامۃؒ کی تحقیق

میں کہتا ہوں کہ دیکھئے یہاں جس شخص کا مرتبہ سب سے افضل بیان فرمایا گیا ہے وہ ایسا شخص ہے جس کے پاس مال بھی تھا پس مال کو زیادتی مرتبہ میں دخل ہوا یعنی وہ معین بنا اعلیٰ مرتبہ حاصل ہونے میں۔ لہذا اس کو مطلقاً مذموم کیسے کہا جاسکتا ہے۔

معلوم ہوا کہ مال اور دنیا مطلقاً مذموم نہیں ہے بلکہ مذموم انکا سوء استعمال ہے۔ یعنی یہی دنیا اگر کفر و فسق کا اور معصیت اور ترک احکام الٰہی کا سبب بن جائے تو اس سے بڑھ کر کوئی شے منحوس اور مذموم نہیں ہے۔ لیکن اگر اسی دنیا کو ایمان اور طاعت کا۔ تقویٰ و طہارت کا اور اللہ تعالیٰ کی محبت اور معرفت کا موطن اور محل بنا لیا جائے تو اس کے عمدہ ہونے میں کیا کلام ہوسکتا ہے۔

ضرورت علم | اس حدیث میں علم اور مال دونوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ پس جہاں چہار

مذمت آئی ہے وہ اسی وجہ سے ہے کہ اسکو علم نہیں تھا ورنہ تو مال کے ساتھ ساتھ اگر علم بھی ہوتا ہے تو اس نے اسمیں چار چاند لگا دیئے ہے اور افضل منازل پر انسان کو پہنچا دیا ہے پس اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد لَا بَاسَ بِالْغِنٰی لِمَنِ اتَّقَی اللہَ عَزَّ وَجَلَّ کی پوری شرح موجود ہے کیونکہ یہاں پہلی قسم یہی بیان فرمائی ہے کہ ایک بندہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مال بھی دیا ہے اور علم بھی چنانچہ اس علم ہی کی وجہ سے وہ اپنے اس مال میں خدا کا تقویٰ اختیار کرتا ہے یعنی صلہ رحمی کرتا ہے اور اس کے سارے حقوق ادا کرتا ہے۔

مال نعمت خداوندی ہے

یہی میں آپ کو سمجھانا چاہتا ہوں کہ جس طرح اسلام دین اور ایمان یہ سب اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں اسی طرح سے مال بھی خدا کی ایک نعمت ہے۔ البتہ اگر آدمی اسمیں ایسا منہمک ہوجائے کہ خدا ہی کو بھول جائے تو یہ اس کی جہالت ہے اور غلطی پن ہے اسی قسم کو حدیث شریف میں اخبث المنازل* کہا گیا ہے کتاب وسنت میں مال کے متعلق سب تفاصیل مذکور ہیں اور یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں پیدا فرمادیں اور ہمارے اندر حوائج اور ضروریات رکھیں اور ان کے پورے ہونے کا ذریعہ مال کو قرار دیں اور پھر اسی کی تفصیل نہ بیان فرمائیں۔

آپ نے دیکھا کہ صرف اسی ایک حدیث میں کیسی مفصل گفتگو فرمائی۔ لیکن ہم لوگ سے آپ کو بتاتے ہی نہیں جس کی وجہ سے لوگ خرابیوں میں پڑے ہوئے ہیں ورنہ اگر آج ان عوام الناس کو دنیا کے حقوق اور اموال کے حدود بتائی جائیں تو یہ لوگ بہت آگے بڑھ جائیں اسلئے کہ انکے اندر دین کی زیادہ طلب دیکھتا ہوں مگر اپنی کم علمی سے مجبور ہیں۔ اب علماء ان چیزوں کو واضح کردیں بس راستہ انکے لئے صاف ہے۔

اور جس طرح سے یہاں فرمایا کہ مالداری میں کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ اس شخص کے لئے جو اللہ سے ڈرے۔ اسی طرح سے ایک دوسری جگہ یوں فرمایا ہے کہ نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلرَّجُلِ الصَّالِحِ۔ یعنی صالح مال صالح ومتقی آدمی کے لئے کیا ہی اچھی چیز

* بدترین درجہ

ہے یعنی انسان اگر صالح ہو اور اس کے پاس مال بھی صالح ہو تو اس میں کیا مضائقہ ہے یہ تو نور علیٰ نور ہے اسکو ایک دوسری روایت میں نِعْمَ الْمَعُوْنَۃُ فرمایا گیا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ

مَنْ اَخَذَ بِحَقِّہٖ فَنِعْمَ الْمَعُوْنَۃُ ھُوَ یعنی اس مال کو جو اس کے حق کے ساتھ لے یعنی جائز طریقوں سے حاصل کرے اور صحیح مصرف میں صرف کرے تو یہ ایک اچھا معین اور عمدہ مددگار ہے۔

حضرت سعید ابن جبیرؒ کا ارشادِ گرامی

اسی طرح سے صاحب روح المعانی نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں دنیا کو جو متاع غرور[ع] فرمایا گیا ہے تو یہ جب ہے کہ یہ طلب آخرت سے انسان کو روک دے لیکن اگر یہی اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی جانب داعی ہو اور آخرت کا ذریعہ بنے تو پھر یہی دنیا نِعْمَ الْمَتَاعُ وَ نِعْمَ الْوَسِیْلَۃُ بھی ہے۔ یعنی نہایت ہی عمدہ برتنے کی چیز اور بہت ہی خوب وسیلہ ہے۔ (روح پ ۲۷ صفحہ ۱۶۰)

دنیا کی وجہ مذمت

اسی بات کو علامہ شاطبیؒ نے الموافقات میں یوں بیان فرمایا ہے کہ

ذَمُّ الدُّنْیَا اِنَّمَا ھُوَ لِاَجْلِ اَنَّھَا تَصِیْرُ ذَرِیْعَۃً اِلٰی تَعْطِیْلِ التَّکَالِیْفِ۔

یعنی نصوص میں جو دنیا کی مذمت آئی ہے تو وہ لذاتہٖ نہیں ہے بلکہ اسلئے ہے کہ کبھی وہ ذریعہ بھی بن جایا کرتی ہے احکام الٰہیہ کے تعطل کا۔ یعنی دنیا میں منہمک ہو کر انسان احکام شرعیہ ہی کو ترک کر دیتا ہے اور خدا ہی سے غافل ہو جاتا ہے اور دنیا درصل اسی غفلت کا نام ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

چیست دنیا از خدا غافل بدن
نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

یعنی دنیا نام ہے خدا تعالیٰ سے غافل ہو جانے کا۔ باقی عمدہ عمدہ کپڑے۔ چاندی۔ سونا اور بیوی بچوں کا نام دنیا نہیں ہے۔ بلکہ اسباب راحت کسی کے پاس اور زیادہ کیوں نہ ہوں اگر وہ سب اسکو خدا کی یاد سے غافل نہ کریں تو انکا پاس ہونا کچھ مضر نہیں

ع دھوکے کا سودا

(باقی آئندہ)

(۲۱۴) فرمایا کہ حقیقت یہ ہے کہ عبدیت اسی میں زیادہ ہے کہ اپنی مشیت واختیار کو تسلیم کرکے اس کو مشیت حق کا تابع سمجھے، اس میں عبدیت کچھ زیادہ نہیں کہ اپنی مشیت و اختیار کی بالکل نفی کردے اور جبر کا قائل ہو جاوے، کمال تو یہ ہے کہ اپنے اختیار کا مشاہدہ کر رہا ہے اور پھر اس کو ضعیف سمجھ رہا ہے، اس کی مثال یہ ہے کہ بادشاہ کے سامنے رعیت کا ایک معمولی آدمی اپنے کو بے اختیار سمجھے یہ زیادہ کمال نہیں، ہاں اگر کوئی نواب اپنے کو کسی قدر بااختیار سمجھتے ہوئے بھی اپنے اختیار کو بادشاہ کے اختیار کا تابع بنا دے یہ کمال عبدیت ہے اسی وجہ سے اہل سنت کا مذہب عبدیت کے زیادہ قریب ہے کیونکہ ان کے عقیدہ میں عبدیت اہل جبر سے زیادہ ہے۔

(۲۱۵) فرمایا کہ کوئی شخص کسی کے پاس ایسے وقت نہ جاوے جس میں اسے خلوت کا قصد کیا ہو کیونکہ اس پر گرانی ہوگی۔

(۲۱۶) فرمایا کہ حدت[1] اور ہے اور شدت[2] اور، حدت لوازم ایمان سے ہے مومن بہت غیرتمند ہوتا ہے، مثلاً اگر کوئی کسی کی بیوی کو چھیڑے تو غصہ آتا ہے، اب اگر دیکھنے والا یہ کہے کہ یہ تو بہت تیز مزاج ہے تو اس سے یہ کہا جائے گا کہ کمبخت کچھ نہ کہنا تو بے غیرتی ہے، اسی طرح دیندار کو خلافِ دین پر تحمل نہیں ہوتا۔

(۲۱۷) فرمایا کہ قرآن وحدیث کا مدلول جو بے تکلف ماہر کے ذہن میں آجاوے وہ صحیح ہے اور اس کے بعد اپنے اہواء کی نصرت ہے۔

(۲۱۸) فرمایا کہ چندہ مانگو تو غریبوں سے مانگو، کچھ ذلت نہیں، وہ جو کچھ بھی دینگے نہایت خلوص اور تواضع سے دیں گے اور اس میں برکت بھی ہوگی اور امراء تو محصل کو ذلیل اور خود کو بڑا سمجھ کر دیتے ہیں اس لئے اس میں ذلت بھی ہے، دوسرے یہ کہ وہ تو بیچارے اہم کے قابل ہیں کہ ان کا خرچ آمدنی سے بڑھا ہوتا ہے اس لئے پریشان رہتے ہیں۔

(۲۱۹) فرمایا کہ ذکر کرنے کا جس قدر شوق ہو اس سے کچھ کم کرنا چاہئے یعنی شوق کو کچھ باقی چھوڑ دے، دیکھو جب چکی پر تھوڑا آٹا گارہ جاتا ہے تو پھر لوٹ آتی ہے اور جب بالکل نہیں رہتا تو نہیں لوٹتی۔

---

[1] تیزی [2] سختی

(۲۲۰) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ جس قدر نظر وسیع ہوتی جاتی ہے اعتراض کم ہوتا جاتا ہے۔

(۲۲۱) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ کے یہاں کسی کی شکایت نہیں سُنی جاتی تھی اور نہ کسی سے بدگمان ہوتے تھے، اگر کوئی کہنے لگا اور حضرت بوجہ حلم منع بھی نہ کرتے مگر جب وہ کہہ لیتا تو فرماتے کہ وہ شخص ایسا نہیں ہے (یعنی تم جھوٹے ہو)

(۲۲۲) فرمایا کہ کافر کے اکرام میں مفسدہ نہیں ہے، بدعتی کے اکرام میں مفسدہ ہے۔

(۲۲۳) فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جو لوگ علمائے دین کی توہین اور اُن پر طعن وتشنیع کرتے ہیں قبر میں اُن کا منہ قبلہ سے پھر جاتا ہے اور یہ بھی فرمایا کہ جس کا جی چاہے دیکھ لے۔

(۲۲۴) فرمایا کہ صوفیہ مجوزین مولد شریف پر حسن ظن غالب ہے اور مانعین پر حزم واحتیاط غالب ہے اور یہ اختلاف مسئلہ میں ایسا ہے جیسے حنفیہ جمعہ کے روز صبح کی نماز میں الم تنزیل السجدہ کی قرات کے التزام کو باوجود نقل کے ایہام عوام کے سبب مکروہ کہتے ہیں اور شافعیہ مستحب کہتے ہیں اور ایہام کا علاج اصلاح بالقول کو کہتے ہیں۔

(۲۲۵) درمنضود میں ہے کہ دل میں ایسا احتمال پیدا ہونا جس میں اپنے معتقد فیہ کے مغلوب ہونے کا احتمال ہو دعوئ محبت وعقیدت ورجاء من اللہ کے خلاف ہے۔ اور اگر تمنا معتقد فیہ کے مغلوب ہونے کی پیدا ہو تو عدم محبت وعقیدت کی دلیل ہے۔

(۲۲۶) فرمایا کہ جب حق تعالےٰ کی طرف سے رحمت ومغفرت کی ہوائیں چلتی ہیں تو گو اس سے مقصود کوئی خاص بزرگ ہوں لیکن حسب قرب وبعد آس پاس کو بھی پہنچتی ہیں جیسا کہ کسی کے پنکھا جھلا جادے تو آس پاس کے لوگوں کو بھی ہوا ضرور لگتی ہے، اس لئے بزرگوں کے قریب دفن ہونے کی تمنا کرنا عبث نہیں، سلف وخلف کا تعامل صاف دلیل ہے کہ یہ عمل بے اصل نہیں۔

(۲۲۷) فرمایا کہ اولیاء جو شے کشف میں دیکھتے ہیں بالکل حق ہوتی ہے مگر چونکہ دور سے دیکھتے ہیں اس لئے اسکی توقیت یعنی زمان ومکان معین کرنے میں ان کا تخمینہ ہوتا ہے

ا ص ۱۷۱ ک ۱۰

جس میں غلطی بھی ممکن ہے بخلاف کشف انبیاء کے کہ وہ دیکھتے بھی حق ہیں اور انھیں اس شے کے سر پر لیجا کر کھڑا کر دیا جاتا ہے اور نہایت قریب سے دیکھتے ہیں، اس لئے ان سے تخمین و تعیین مکان و زمان میں بھی غلطی نہیں ہو سکتی۔

(۲۲۸) فرمایا کہ ضیف (مہمان) و مضیف (میزبان) دونوں کیلئے ضیافت عذر افطار ہے جبکہ ضیف یا مضیف مجرد حضور اور ترک افطار پر راضی نہ ہو۔

(۲۲۹) فرمایا کہ مدعی کے اصلاح کے واسطے علم کا اظہار بھی جائز ہے۔

(۲۳۰) فرمایا کہ طریق میں مقصود جمعیت قلب ہے، فطرۃً کسی کو ترک اسباب ں جمعیت ہوتی ہے اور کسی کو مباشرت اسباب میں، پس دونوں میں محبوب کی تجویز ؤینی ہی کی طرف تفویض ہے اور تشریعاً دونوں مخیر فیہ ہیں۔

(۲۳۱) فرمایا کہ بند لگانا اور بٹن سے اجتناب یہ احتیاط ہے، باقی شیوع عام ں سے دیکھنے والے کو کھٹک نہ ہو، رافعِ تشبہ ہے۔

(۲۳۲) فرمایا کہ تصرفات کا صدور قوت نفسانیہ سے ہوتا ہے اور جس طرح قوت جسمانیہ لات مقصودہ سے نہیں جیسے مصارعت (کشتی لڑنا) اسی طرح قوت نفسانیہ بھی، اور اسی وجہ سے یہ قوت نفسانیہ اہل باطل میں بھی پائی جاتی ہے، بلکہ بعض محققین کا قول ہے کہ "عارف را ت نہ باشد" ہمت سے مراد تصرف ہے یعنی وہ اس کے عدم کو اس کے وجود پر ترجیح دیتے ہیں ، وجہ اس کی یہ بتلاتے ہیں کہ اس میں شانِ عبدیت سے بُعد ہے، اور یہ وجہ افعال جسمانیہ ں نہیں پائی جاتی ہے کیونکہ اس میں اسباب مادیہ کی طرف احتیاج ظاہر ہے جو عین عبدیت ہے تصرفات نفسانیہ میں اسباب خفی ہیں اس لئے احتیاج کی شان اس میں خفی ہے، نیز ل جسمانیہ کے صدور میں عوام معتقد نہیں ہوتے اور تصرفات میں معتقد ہو جاتے ہیں، تو میں افتتان[1] اور عجب[2] کا خطرہ بھی ہے۔

(۲۳۳) فرمایا کہ حضرت مولانا قاسم صاحبؒ ہر دینی کام میں سب کے روح رواں تھے اور نام ؛یں ہمیشہ پیچھے رہتے تھے، اور جس طالب علم کے اندر تکبر دیکھتے تھے اس سے کبھی کبھی ، اٹھوایا کرتے تھے اور جس کے اندر تواضع دیکھتے تھے اس کے جوتے خود اٹھایا کرتے تھے

---

[1] فتنہ میں پڑنا [2] خود بینی

(۲۳۴) فرمایا کہ غیر اللہ کے اہتمام میں لگ جانا اور اسی میں منہمک ہوجانا یہ ناپسندیدہ ہے اگرچہ وہ انہماک اور اہتمام مباح ہی کیوں نہ ہو۔

(۲۳۵) محققین اور منتہین کی یہ شان ہوتی ہے کہ ان کیلئے ہر ہر چیز آئینہ جمال خداوندی بن جاتی ہے جہاں زیادہ غصہ کا موقع ہوتا ہے زیادہ غصہ کرتا ہے، جہاں رنج کا موقع ہوتا ہے زیادہ رنج کرتا ہے، غرض وہ جہاں جیسا محل ہوتا ہے ویسا ہی بن جاتا ہے، یہی مطلب ہے اس مضمون کا جو حدیث میں آیا ہے کُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرَهُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِهٖ الخ یعنی "میں ہی اسکی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور میں ہی اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے" الخ اس کے یہ معنیٰ نہیں کہ نعوذ باللہ حق تعالیٰ اس کے آلہ بن جاتے ہیں، بلکہ جیسے آلہ وذی آلہ میں اختلاف نہیں ہوتا، اسی طرح وہ بالکل امر حق کا تابع بن جاتا ہے اور اس کا کوئی قول وفعل امر حق کے مخالف نہیں ہوتا۔

(۲۳۶) فرمایا کہ شغل وحدۃ الوجود نافع اس شخص کے لئے ہوگا جس میں دو شرط جمع ہوں ایک تو اللہ تعالیٰ کی فاعلیت اور کمال وجود کا مشاہدہ جس کا خاصہ یہ ہے کہ اسباب سے نظر اٹھ جاتی ہے دوسرے محبت، اگر مشاہدہ حاصل ہے اور محبت نہیں تو اندیشہ ہے کہ کفر میں مبتلا ہوجاوے مثلاً کسی کا باپ مرا، اب چونکہ اس کو مشاہدہ حاصل ہے اس لئے اس کو بھی خدائے تعالیٰ کی طرف سے سمجھے گا مگر چونکہ اس کو ابھی محبت حاصل نہیں اس لئے اسکو حق تعالیٰ کی طرف سے ناگواری پیدا ہوجاوے گی جو کفر ہے۔

(۲۳۷) فرمایا کہ ایک تو عمل نافع کا ہم کو امر فرمایا جس میں سراسر ہمارا ہی نفع ہے پھر عمل کی توفیق بھی دی، پھر توفیق کے بعد اس کو ہمارا عمل فرمایا اور جب عمل سے نفع پہونچا تو اوپر سے انعام بھی دیا تو گویا عطا پر عطا ہوئی۔

(۲۳۸) فرمایا کہ ہماری ریاضت ومجاہدہ کیا چیز ہے جس پر کوئی ثمرہ مرتب ہو، یہ سب کچھ حق تعالیٰ کی عطا ہے جو جنت میں ملے گا، جیسے کسی سخی نے رائی کا دانہ لیکر کسی کو ایک گاؤں دیدیا تو اب کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ یہ رائی کا دانہ اس قابل تھا کہ اسکے عوض ایک گاؤں دیدیا جاوے۔

(۲۳۹) فرمایا کہ منتہی کو اولاد کے مرنے پر آنسو ناگواری (حکم خداوندی) سے نہیں نکلتے بلکہ ترحم سے نکلتے ہیں کہ وہ اپنی آنکھوں سے اپنے بچہ کی اس حالت کو دیکھ نہیں سکتا، اگر آنسو نہ نکلتے تو بچہ کا حق ادا نہ ہوتا، کیونکہ ترحم بچہ کا حق ہے، بعض بلا میں خاصیت ہے کہ اس سے آنسو نکلا کرتے ہیں اور باوجود آنسو نکلنے کے وہ دل سے ناراض نہیں ہوتا، جیسا مرچ کھانیوالا دل سے ناراض نہیں ہوتا گو آنکھیں رو رہی ہیں، پس رضا و الم (خوشی اور تکلیف) جمع ہو سکتے ہیں۔

(۲۴۰) فرمایا کہ خلق معصیت میں حکمت بیان کرنا تو فعل حق میں حکمت بیان کرنا ہے اسلئے محمود ہے، کسب معصیت میں حکمت بیان کرنا تو قریب بکفر ہے۔

(۲۴۱) فرمایا کہ درحقیقت یہ شیطان کا ایک دھوکا ہے کہ گناہ کر لینے سے تقاضا کم ہو جائے گا کیونکہ ارتکاب معصیت سے فی الحال کچھ دیر کو تقاضا کم ہو جائے گا مگر اس کا اثر یہ ہوگا کہ آئندہ کیلئے مادۂ معصیت قوی ہو جائے گا اور ازالہ قدرت سے باہر ہو جائیگا۔

(۲۴۲) فرمایا طاعات کے ساتھ تقاضائے معصیت موجب قرب ہے اور معصیت کے ساتھ عدم تقاضا موجب قرب نہیں ہو سکتا بلکہ ارتکاب سے پہلے جو اس تقاضا کی وہ مخالفت کرتا تھا یہ مقاومت نفس اور مجاہدہ کی ایک فرد تھی جو موجب قرب ہے۔

(۲۴۳) فرمایا کہ اگر نماز سنت کے موافق ہو تو گو اس میں لاکھوں وساوس آئیں وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے اس نماز سے جو خلاف طریقہ مسنون پڑھی جاوے کیونکہ پہلی نماز اوفق بالسنۃ ہے اور دوسری ابعد من السنۃ ہے۔

(۲۴۴) فرمایا کہ تقاضائے معصیت پر عمل کر لینے کے بعد جو ایک قسم کا سکون محسوس ہوتا ہے وہ ہرگز قابل قدر نہیں کیونکہ یہ کیفیت ہے عمل نہیں، اور کیفیت موجب قرب نہیں بلکہ عمل باعث قرب ہے۔

(۲۴۵) فرمایا کہ بندہ اگر اس وجہ سے توبہ نہ کرے کہ میرے گناہ اس قدر ہیں یا اس درجہ کے ہیں کہ توبہ سے کچھ فائدہ نہ ہوگا، یہ بھی حماقت اور شیطان کا جال ہے کیونکہ گو یہ صورۃ شرمندگی ہے لیکن حقیقت میں یہ کبر ہے کہ اپنے کو اتنا بڑا سمجھتا ہے کہ گویا اس نے حق تعالیٰ کا ایسا نقصان کر دیا ہے کہ اب اس کو معاف نہیں کر سکتے، یاد رکھو یہ برتاؤ بالکل مساوات کا سا ہے

حالانکہ خدائے تعالیٰ اور اسکی صفات کاملہ کے سامنے تمہاری اور تمہارے افعال کی ہستی ہی کیا ہے، سارا عالم بھی نافرمان ہوجاوے تو ان کا ذرہ برابر بھی کچھ نقصان نہیں ہوسکتا نہ ان کو عفو و کرم سے مانع ہوسکتا ہے، مشہور ہے ایک مچھر بیل کے سینگ پر جا بیٹھا، جب وہاں سے اڑنے لگا تو بیل سے معذرت چاہی کہ معاف کیجئے گا آپ کو میرے بیٹھنے سے بہت تکلیف ہوئی ہوگی۔ بیل نے کہا ارے بھائی مجھ کو تو خبر بھی نہیں ہوئی تو کب بیٹھا کب اڑا۔

(۲۴۶) فرمایا کہ صوفی تو قابل قدر ہے ہی، متشبہ[1] بالصوفی بھی قابل قدر ہے، گو ریا کی نیت سے صوفیوں کی شکل بنانا فی نفسہ محمود نہیں، مگر اس تشبہ سے یہ تو معلوم ہوگیا کہ اس کے دل میں اہل اللہ کی عظمت ہے۔

(۲۴۷) فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو جو تہجد کے عادی ہیں وقت پر جگا کر اپنے ساتھ ہمکلام ہونے کا شرف دیتے ہیں، اس لئے بجائے ناز کے نیاز و شکر اختیار کرنا چاہئے۔

(۲۴۸) فرمایا کہ اگر ساری زمین گناہوں سے بھر جاوے تو توبہ سب کو مٹادیتی ہے، دیکھئے بارود ذراسی ہوتی ہے مگر بڑے بڑے پہاڑوں کو اڑا دیتی ہے۔

(۲۴۹) فرمایا کہ اگر بندوں کو رحمت حق کا مشاہدہ ہونے لگے تو گناہوں کو بڑا سمجھنے پر شرمندگی ہوگی، ناامیدی تو بھلا کیا ہوتی، مگر اس شرمندگی کے مقتضا پر (کہ توبہ نہ کرے) عمل نہ کرنا چاہئے، کیونکہ گناہ اگرچہ رحمت حق کے مقابلہ میں چھوٹے ہیں، مگر تمہارے لئے تو بڑے ہی ہیں، تولہ بھر سنکھیا اگرچہ من بھر تریاق کے سامنے چھوٹا ہے، مگر معدہ کے مقابلہ میں بڑا ہے۔

(۲۵۰) فرمایا کہ مؤمن اپنے گناہوں سے ڈرتا ہے گو ادنیٰ ہی گناہ ہو، بخلاف فاجر کے کہ وہ گناہ کو مثل مکھی سمجھتا ہے کہ آئی اور اڑادیا، تو معلوم ہوا کہ گناہ کو سخت سمجھ کر توبہ کرنا علامت ایمان کی ہے، اور اسکو ہلکا سمجھنا علامت بے ایمانی کی ہے، اور اوپر جو آیا ہے کہ گناہ کو بڑا نہ سمجھے اس کا مطلب یہ ہے کہ اتنا بڑا نہ سمجھے کہ توبہ سے مانع ہوجاوے، اور یہاں بڑا سمجھنے کا مطلب یہ ہے کہ اتنا چھوٹا نہ سمجھے کہ توبہ کی ضرورت نہ سمجھے، غرض اصل چیز توبہ ہے جو اعتقاد توبہ سے مانع ہو وہ مذموم ہے خواہ بڑے ہونے کا اعتقاد ہو خواہ چھوٹے ہونے کا۔

(۲۵۱) فرمایا کہ جس شخص کے اندر یہ تین باتیں ہوں اسکی صحبت کو غنیمت سمجھو، ایک یہ کہ

[1] صوفی کی شکل بنانے والا

فقیہ ہو، دوسرے محدّث ہو، تیسرے صوفی ہو۔

(۲۵۲) فرمایا کہ محبّتِ حق پیدا کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ محبت والوں کے پاس بیٹھنا شروع کر دے ؎ آہن کہ بپارس آشنا شد ؛ فی الحال بصورت طلا شد (جو پتھر کہ پارس سے چھو جاتا ہے، فوراً سونے کی صورت اختیار کر لیتا ہے)

(۲۵۳) فرمایا کہ بندہ کو چاہیئے کہ خود ہمّت کرے پھر اس کی تکمیل حق تعالیٰ خود کر دیتے ہیں جیسے باپ جب دیکھتا ہے کہ بچہ دس قدم چلا اور گر گیا تو خود ہی رحم کھا کر اس کی مدد کرتا ہے اور اس کو گود میں اٹھا لیتا ہے تو جیسے باپ چاہتا ہے کہ بچہ اپنی طرف سے کوشش کرے چلنے کی اسی طرح حق تعالیٰ ہماری طلب کو دیکھنا چاہتے ہیں، مگر افسوس تو یہ ہے کہ ہم تو سرکتے ہی نہیں اپنی جگہ سے۔

(۲۵۴) فرمایا کہ ہم جیسے مبتدیوں کیلئے اسباب ہی کے ساتھ تشبث انسب ہے اور تفصیل پر عمل کرنا کہ قوت قلب کے وقت اسباب کو اختیار نہ کیا جاوے، اور ضعف کے وقت اسباب کو اختیار کیا جاوے یہ خود متوشش قلب ہے کہ ہر موقع پر سوچا کریں کہ اس وقت قلب میں قوت ہے یا ضعف، اور مبتدی کو تشویش خود مضر ہے، اور بعض اوقات اس کا فیصلہ محتاج تامّل ہوگا، اس وقت زیادہ تشویش ہوگی اور بعض دفعہ اسی میں غلطی ہوگی جو بعد میں ظاہر ہوگی تو اس وقت تاسّف کا غلبہ ہوگا جو تشویش سے بھی زیادہ مضر ہے، اور بعض اوقات ترک اسباب اور پھر کامیابی سے عُجب (رنج) پیدا ہو جاتا ہے جو سب سے زیادہ مضر ہے، تو محض ایک امر غیر ضروری یعنی ترک اسباب کے لئے اپنے کو اتنے خطرات میں ڈالنا خلاف طریق ہے، اور مباشرت اسباب میں ان سب سے امن ہے اور ساتھ ہی مشاہدہ ہے اپنے عجز و ضعف و افتقار کا جو طریق میں مطلوب بھی ہے اور معین بھی ہے، البتہ اہل تمکین و اہل رسوخ کے لئے دوسرے احکام ہیں۔

(۲۵۵) ایک صاحب کا خط تہجد کے وقت آنکھ نہ کھلنے یا باوجود آنکھ کھلنے کے ضعف باقی بعد المرض کے سبب ہمّت نہ ہونے کے متعلق مع اطلاع پابندی نوافل بعد العشاء آیا جس میں بے حد اظہار قلق کیا تھا، اس پر حسب ذیل جواب لکھا گیا۔

اسلم یہی ہے کہ صلوٰۃ اللیل کا التزام رہے، اور اگر بعد سونے کے خود بلا اہتمام آنکھ کھل گئی تہجد

بھی پڑھ لیا، ورنہ جب تک قوت نہ آجائے اس کا اہتمام نہ کیا جائے۔ فضائل کی حدیث میں قیام اللیل وصلوٰۃ اللیل کا عنوان بکثرت وارد ہے جس سے نفس فضیلت کا حاصل ہو جانا ثابت ہوتا ہے اور اس باب میں یہ اور تہجد مشارک ہیں، اب رہ گئی زیادہ فضیلت وہ قیام بعد النوم کے ساتھ خاص ہے خواہ نوم حقیقتاً ہو خواہ حکماً (یعنی اول شب سے آخر تک بیدار رہا اور ایسے وقت نماز پڑھی کہ اس کے قبل عادۃً نوم ہوا کرتی ہے) اس زیادت کیلئے قلق کرنا ایسا ہے جیسا رمضان میں کسی کی آنکھ سحور کیلئے نہ کھلے مگر روزہ کی توفیق ہو اور روزہ سے اتنا مسرور نہیں ہوتا جتنا فضیلت سحور کے فوت ہونے سے محزون ہوتا ہے تو کیا یہ حزن طبعی عقلاً بھی مطلوب ہے! خصوص جب حدیث میں تصریح ہے کہ اگر اٹھنے کا ارادہ ہو اور آنکھ نہ کھلے كَانَ نَوْمُهٗ عَلَيْهِ صَدَقَةً (اسکی نیند اس پر صدقہ ہوگی) اور قویٰ کا مساعدت نہ کرنا بجائے آنکھ نہ کھلنے کے ہے لِكَوْنِ كُلٍّ مِّنْهُمَا عُذْرًا (ان میں سے ہر شئے کے عذر ہونے کی وجہ سے)

(۲۵۶) فرمایا کہ احکام آخرت کا مدار عامل کی نیت اور عمل پر ہے نہ کہ واقعہ پر، پس اگر کسی کو اپنی طہارت و ادائیگی شرائط اذکار وعبادات کا علم اپنے زعم میں تو ہے گویا عتبار واقع کے نہیں اس حالت میں قبول موعود ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ (اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتے) عدم قبول ومطرودیت اختیاری کوتاہی پر ہوتی ہے نہ کہ غیر اختیاری پر، اور غیر معلوم ہونے کیلئے غیر اختیاری ہونا لازم ہے۔

(۲۵۷) فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی رضائے واقعی معلوم کرنے کی صورت ان کا وعدہ اور شرائط وعدہ کا تحقق ہے، اور اس پر بھی جو خشیت مومن کیلئے لازم ہے اسکی دو وجہ ہے ایک تو مآل میں احتمال کہ شاید کوئی اختیاری کوتاہی ہو جاوے، دوسرے یہ کہ شاید کوئی اختیاری کوتاہی فی الحال ہو گئی ہو جس کا علم بھی التفات سے ہو سکتا تھا اور التفات میں کوتاہی ہوئی ہو کہ یہ بھی اختیاری ہے۔

(۲۵۸) فرمایا کہ حق تعالیٰ کے غنی ہونے کے یہ معنی نہیں کہ وہ غفور شکور نہیں یا وہاں توجہ و اتنظام نہیں نعوذ باللہ، بلکہ معنی یہ ہیں کہ ہمارے اعمال سے انکا کوئی نفع یا ضرر نہیں۔

مجھے بالکل یہ نہ معلوم ہوا کہ ابھی تک وہ دونوں زندہ ہیں خیر یہ بتاؤ کہ تم نے اسے کہاں دفن کیا ہے میں نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے قبرستان میں، ہارون رشید نے کہا کہ مجھے تم سے ایک کام ہے وہ یہ کہ جب مغرب کی نماز ہوجائے تو تم باہر کھڑے ہوکر میرا انتظار کرنا میں بھیس بدل کر نکلوں گا اور اس کے قبر کی زیارت کرنے جاؤں گا تو میں ان کے انتظار میں کھڑا رہا اور حشم و خدم چاروں طرف تھے، چنانچہ (بھیس بدل کر) وہ نکلے اور میرے ہاتھ میں ہاتھ ڈالا پس میں ان کو اسکی قبر کے پاس لے گیا، وہ شام سے لیکر صبح تک روتا رہا اور یہی کہتا رہا کہ اے میرے بیٹے تو نے میری ہمیشہ خیر خواہی کی، زندگی میں بھی اور پس مرگ بھی، پھر ان کے رونے کی وجہ سے ان پر ترس کھاکر میں بھی رونے لگا، یہاں تک کہ فجر طلوع ہوگئی، پھر وہ واپس چلا آیا اور جب محل کے صدر دروازہ پر پہنچا تو مجھ سے کہا کہ میں نے تمہارے لئے دس ہزار درہم کا حکم دیدیا ہے اور یہ بھی حکم کردیا ہے کہ یہ تم کو برابر دیا جایا کرے، اور جب مرنے لگوں گا تو اس شخص کو بھی وصیت کرجاؤں گا جو میرے بعد حاکم ہوگا کہ وہ تم کو اسی طرح دیتا رہے جبتک تمہاری کوئی اولاد باقی رہے اس لئے کہ تمہارا مجھ پر بڑا حق ہے کیونکہ تم نے میرے بچے کی تجہیز و تکفین کا بندوبست کیا ہے، پھر جب محل کے دروازہ میں داخل ہونے لگا تو مجھ سے کہا کہ میں نے تمہارے لئے جو وصیت کردی ہے اس کے لئے طلوع آفتاب تک انتظار کرنا، میں نے کہا انشاء اللہ، اس کے بعد میں وہاں سے واپس چلا آیا اور پھر کبھی نہیں گیا۔

حکایت۔ حضرت ثعلبہؓ انصاری کے توبہ کی قبولیت کا عجیب واقعہ

فقیہ ابو اللیث سمرقندیؒ اپنے والد سے اور وہ اپنی سند کے ساتھ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں میں باہم مواخاۃ فرمائی تو حضرت سعید بن عبدالرحمٰن کی مواخاۃ حضرت ثعلبہ انصاریؓ کے ساتھ فرمادی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک کیلئے تشریف لے گئے اور آپ کے ہمراہ سعید بن عبدالرحمٰنؓ بھی غزوہ میں گئے اور انھوں نے اپنے دینی بھائی ثعلبہؓ کو اپنے اہل وعیال کا نگراں مقرر کردیا، چنانچہ ثعلبہؓ ان کے گھر والوں کے لئے لکڑی کا انتظام کرتے، ان کے لئے اپنی پیٹھ پر لاد کر پانی لایا کرتے اور ان تمام کاموں میں اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھتے تھے۔

ایک دن ثعلبہ آئے اور مکان میں داخل ہوئے تو ابلیس (اللہ کی اس پر لعنت ہو) آیا اور کہا کہ پردہ کے پیچھے دیکھو کیا ہے، ثعلبہؓ نے پردہ اٹھا کر دیکھا تو اپنے بھائی سعید کی اہلیہ پر نظر پڑ گئی جو ایک حسین عورت تھیں، پس ان سے صبر نہ ہو سکا، ان کے پاس پہنچ کر انھیں ہاتھ لگا دیا، انھوں نے کہا اے ثعلبہ تم نے ہمارے بارے میں اپنے بھائی کی حرمت کا لحاظ نہیں کیا جو اللہ کے راستے میں جہاد کے لئے نکلا ہوا ہے، یہ سن کر ثعلبہؓ دیل دثبور کرنے لگے یعنی توبہ توبہ یہ مجھ سے کیا حرکت ہوئی میرے لئے ہلاکت ہو اور ہائے میں تباہ ہو گیا، یہ کہتے ہوئے پہاڑ کی طرف بھاگے اور زور زور سے کہنے لگے کہ اے اللہ آپ آپ ہی ہیں اور میں، میں ہی ہوں، آپ بار بار بخشنے والے ہیں اور میں بار بار گناہ کرنے والا ہوں، پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ سے تشریف لائے تو تمام مواخاتی بھائی اپنے اپنے بھائیوں سے ملنے آئے، اور حضرت سعید کے بھائی ان سے ملنے نہ آئے، جب سعید اپنے گھر پہنچے تو اپنی بیوی سے پوچھا کہ یہ بتاؤ میرے دینی بھائی کا کیا حال ہے، اس نے کہا کہ اس نے اپنے آپ کو گنا ہوں کے سمندر میں گرا دیا اور پھر بھاگ کر پہاڑ کی طرف نکل گیا۔

یہ سنکر حضرت سعیدؓ بھی اپنے بھائی کی تلاش میں نکلے، چنانچہ انھیں دیکھا کہ اوندھے پڑے ہوئے ہیں اور اپنے ہاتھ کو اپنے سر پر رکھے ہوئے بلند آواز کے ساتھ یہ کہہ رہے ہیں کہ ہائے افسوس! کس قدر ذلیل مقام ہے اس شخص کا جو اپنے رب کی نافرمانی کرے، سعیدؓ نے کہا اے میرے بھائی اٹھو اور بتاؤ کہ تمھیں اس مقام تک کس چیز نے پہنچا دیا ہے جس کو میں دیکھ رہا ہوں، ثعلبہؓ نے کہا میں تمھارے ساتھ نہیں چلوں گا یہاں تک تم میرے ہاتھ کو میری گردن میں باندھو اور مجھے کھینچ کر لے چلو جس طرح سے کہ ایک ذلیل غلام کو اس کے آقا کے دروازے تک لے جایا جاتا ہے، چنانچہ سعید نے ایسا ہی کیا اور ثعلبہؓ کی ایک لڑکی تھی جس کا نام خمصانہ تھا وہ آگے بڑھی اور اپنے باپ کو کھینچ کر حضرت عمرؓ کے دروازے پر لے گئی، ثعلبہ نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں نے اپنے بھائی کی بیوی کو ہاتھ لگایا جو اللہ کے راستے میں جہاد کیلئے نکلے تھے تو کیا میرے لئے اب توبہ کی کوئی شکل ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ دور ہو میرے پاس سے، میرا جی چاہتا ہے کہ میں اٹھ کر اور بال پکڑ کر تم کو پیٹوں، میرے پاس سے فوراً چلے جاؤ، میرے نزدیک تمھارے لئے کوئی توبہ نہیں، چنانچہ ثعلبہؓ ان کے پاس سے نکل کر حضرت ابو بکرؓ کے دروازے پر آئے اور ان سے کہا

میں نے اپنے بھائی کی بیوی کو ہاتھ لگا دیا ہے جو اللہ کے راستہ میں جہاد کیلئے نکلا تھا، کیا میرے لئے اس سے توبہ کی کوئی سبیل ہے، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہٹ جاؤ میرے پاس سے کہیں تم مجھے بھی اپنی آگ سے جلا نہ دینا، میرے نزدیک تمھارے لئے ہرگز کوئی توبہ نہیں ہے، ان کے پاس سے ثعلبہؓ نکل کر حضرت علیؓ کے پاس آئے اور کہا کہ میں نے اپنے بھائی غازی فی سبیل اللہ کی بیوی کو ناجائز طور پر ہاتھ لگا دیا ہے، کیا اس سے توبہ کی کوئی صورت ہے، انھوں نے بھی فرمایا کہ میرے پاس سے چلے جاؤ تمھارے لئے اس سے کوئی توبہ نہیں، ثعلبہؓ ان کے پاس سے بھی چلے آئے اور کہا کہ بھائی سعیدؓ اور بیٹی خمصانہؓ تم نے دیکھا کہ مجھے ان سب لوگوں نے مایوس کر دیا، لیکن مجھے امید ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مایوس نہ فرمائیں گے، پس ان کی لڑکی انھیں لیکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بیڑی اور ہتھکڑی میں بندھا ہوا دیکھ کر فرمایا کہ تم نے تو مجھے جہنم کا طوق اور بیڑی کی یاد دلا دی، ثعلبہؓ نے عرض کیا، اللہ کے نبی! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، مجھ سے ایک گناہ صادر ہو گیا ہے وہ یہ ہے کہ میں نے اپنے دینی بھائی کی بیوی کو جبکہ وہ اللہ کے راستہ میں جہاد کیلئے گیا تھا شہوت سے ہاتھ لگا دیا تھا تو کیا اب میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میرے پاس سے چلے جاؤ، میرے نزدیک تمھارے لئے کوئی توبہ نہیں، تو ثعلبہؓ وہاں سے نکلے اور ان کی لڑکی نے ان سے کہا کہ ابا جان! آج سے آپ نہ میرے باپ اور نہ میں آپ کی بیٹی، جب تک آپ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب راضی نہ ہو جائیں، اس کے بعد ثعلبہؓ پہاڑ کی طرف بلند آواز سے یہ کہتے ہوئے کہ اے اللہ میں حضرت عمرؓ کے پاس گیا، انھوں نے مجھے مارنے کا ارادہ کیا، حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس گیا، انھوں نے مجھے ڈانٹا اور بہت خفا ہوئے، حضرت علیؓ کے پاس گیا، انھوں نے مجھے دھتکار دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گیا، آپ نے بھی مجھے ناامید اور مایوس کر دیا، پس بار الٰہا! آپ میرے ساتھ کیا کرنا چاہتے ہیں؟ میری دعا قبول فرمائیں گے یا نہیں، اگر نہ قبول فرمائیں تو ہائے میری ہلاکت اور شقاوت اور ہائے میری ندامت و پشیمانی، اور اگر قبول فرمائیں تو میرے لئے انتہائی خوش نصیبی کی بات ہوگی، ان کی اس دعا کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آسمان سے ایک فرشتہ آیا اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آیا آپ نے مخلوق کو پیدا

کیا ہے یا میں نے ؟ حضورؐ نے فرمایا نہیں اے میرے سعید بلکہ آپ ہی نے پیدا فرمایا ہے،
نے کہا، خدائے جبار تبارک وتعالیٰ آپ سے یہ فرماتے ہیں کہ میرے بندے کو خوشخبری دیدیجئے
میں اسکی خطا کو معاف کر دیا، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ کون
ثعلبہؓ کو میرے پاس لے آئے، یہ سنکر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اٹھے اور عرض کیا یا رسول
ہم لے آویں گے، اور حضرت علیؓ اور حضرت سلمانؓ اٹھے اور عرض کیا یا رسول اللہ ہم
آویں گے، آپ نے حضرت علی اور سلمانؓ کو اجازت دیدی، چنانچہ دونوں ان کی تلاش
نکلے اور ان کی طرف چل پڑے، اثنائے تلاش میں مدینہ کے ایک چرواہے سے ملاقات ہو
علیؓ نے اس سے پوچھا کہ تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابی کو یہاں دیکھا ہے
نے کہا شاید آپ حضرات اس شخص کو تلاش کرتے ہوں گے جو جہنم کے خوف سے بھاگ
پھر رہا ہے، ان حضرات نے کہا ہاں ہاں، وہ کہاں ہیں ہمیں ان کا پتہ بتاؤ، اس نے
جب رات ہوتی ہے تو وہ اسی میدان میں اس درخت کے نیچے آتے ہیں اور بلند آواز
یہ کہتے ہیں کہ سب سے زیادہ ذلیل مقام اس شخص کا مقام ہے جس نے اپنے رب کی نا
کی، اسکے بعد ان دونوں حضرات نے انتظار کیا، یہاں تک کہ جب رات ہوگئی تو دیکھا کہ ثع
درخت کے نیچے آئے اور روتے ہوئے سجدے میں گر گئے، جب سلمانؓ نے ان کی
آواز سنی تو ان کے پاس آئے اور کہا، اے ثعلبہؓ اٹھو! رب العلمین نے تمہیں بخش دیا،
ثعلبہؓ نے کہا کہ تم لوگ میرے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کس حال میں چھوڑ کر آئے ہو
بولے جیسا خدا کو پسند ہے اور تم بھی پسند کرتے ہو۔

جس وقت حضرت بلال نماز کی اقامت کہہ رہے تھے یہ دونوں صاحبان ان کو لے
پہنچے اور ان کو آخری صف میں کھڑا کر دیا، پھر نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
التکاثر پڑھا، تو حضرت ثعلبہؓ نے ایک چیخ ماری پھر جب آپ نے حتیٰ زرتم المقابر
تو انھوں نے دوسری چیخ ماری اور ان کی روح پرواز کر گئی، جب رسول اللہ صلی اللہ
نماز پڑھ چکے تو ثعلبہؓ کے پاس آئے اور فرمایا کہ اے سلمانؓ ان کے منھ پر پانی کی چھینٹیں
سلمانؓ نے کہا، اے اللہ کے نبی! یہ تو دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں، اسکے بعد ان

دوڑتی ہوئی آئی اور کہا یا نبی اللہ! میرے والد کہاں ہیں، مجھے ان سے ملاقات کا بہت شوق ہے، آپؐ نے فرمایا مسجد میں جاؤ، وہ مسجد میں گئیں، دیکھا کہ ان کے والد کا انتقال ہو چکا ہے اور ان پر ایک چادر ڈال دی گئی ہے، خمصانہؓ نے اپنا ہاتھ سر پر رکھا پھر چلانے لگیں ہائے مجھ پر غم کا کتنا بڑا پہاڑ ٹوٹ پڑا، ہائے ابا جان! اب آپ کے بعد میرا کون ہوگا، یہ سنکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے خمصانہ! کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ میں تمہارا باپ بن جاؤں اور فاطمہ تمہاری بہن ہو جائے، وہ بولیں کہ ہاں کیوں نہیں یا رسول اللہ! میں اس پر راضی ہوں پھر جب حضرت ثعلبہؓ کا جنازہ اٹھایا گیا، تو ان کے جنازے کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لے گئے، یہاں تک کہ جب قبر کے کنارے پہونچے تو آپ پنجوں کے بل چلنے لگے، واپسی کے وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا یا رسول اللہ! میں نے آپ کو پنجوں کے بل چلتے دیکھا تھا اس کا کیا سبب تھا؟ آپؐ نے فرمایا کہ اے عمر! میں ملائکہ کی کثرت کی وجہ سے قدم رکھنے پر قادر نہ تھا

فقیہ ابو اللیثؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مختلف الفاظ سے نقل کی گئی ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ آیت حضرت ثعلبہؓ ہی کے شان میں نازل ہوئی وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ الیٰ قولہ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ (اور ایسے لوگ کہ جب کوئی ایسا کام کرتے ہیں جس میں زیادتی ہو یا اپنی ذات پر نقصان اٹھاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کو یاد کر لیتے ہیں، پھر اپنے گناہوں کی معافی چاہنے لگتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے سوا اور ہے کون جو گناہوں کو بخشتا ہو، اور وہ لوگ اپنے فعل پر اصرار نہیں کرتے اور وہ جانتے ہیں، ان لوگوں کی جزا بخشش ہے ان کے رب کی طرف سے اور ایسے باغ ہیں کہ ان کے نیچے سے نہریں چلتی ہوں گی، ان میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے، اور اچھا حق الخدمت ہے ان کام کرنے والوں کا)

حکایتؒ:۔ روایت کعب احبار موت کی کیفیت کے بیان میں

فقیہ ابو اللیث سمرقندیؒ اپنے والد سے اور وہ اپنی سند کے ساتھ حضرت احنف بن قیسؒ سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ملنے کیلئے مدینہ آیا تو میں نے ایک بڑا

حلقہ دیکھا جس میں حضرت کعب احبارؓ لوگوں سے حدیث بیان کر رہے تھے، انھوں نے فرمایا کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کا وقت قریب آیا تو انھوں نے عرض کیا اے میرے پروردگار! میرا دشمن جب مجھے مرا ہوا دیکھے گا تو خوش ہوگا، کیونکہ خود اُسے قیامت تک کے لئے مہلت مل چکی ہے، ان سے کہا گیا کہ اے آدم تم تو جنت میں پہونچ جاؤ گے اور اس ملعون کو اس لئے زندہ رکھا جائے گا تاکہ اوّلین و آخرین کی تعداد کے بقدر موت کا مزہ چکھے، پھر آدم علیہ السلام نے ملک الموت سے کہا کہ مجھ سے بیان کرو کہ تم اس ملعون کو کس طرح موت کا مزہ چکھاؤ گے جب ملک الموت نے اسے بیان کیا تو حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا کہ (رَبِّ حَسْبِیْ حَسْبِیْ) اے رب بس بس میرے لئے کافی ہے، حضرت کعبؓ سے اتنا سُنکر سارا مجمع چیخ اٹھا اور کہا کہ اے ابواسحٰق! اللہ آپ پر رحم فرمائے، ہم سے بھی بیان کر دیجئے وہ ملعون موت کا مزہ کیسے چکھے گا، انھوں نے پہلے تو بیان کرنے سے انکار کیا، لیکن جب لوگوں نے اصرار کیا تو انھوں نے فرمایا کہ جب دنیا کا آخری وقت ہوگا اور نفخ صور کا وقت قریب آجائے گا تو لوگ بازاروں میں خرید و فروخت کرتے ہوں گے، باہم لڑائی جھگڑا بھی ہوتا ہوگا، اور باتیں بھی ہو رہی ہوں گی کہ اچانک ایک زبردست دھماکہ ہوگا اور آدھی مخلوق بیہوش ہو جائے گی اور تین دن تک ہوش میں نہ آئیں گے اور بقیہ آدھے لوگوں کی عقل زائل ہو جائے گی اور مدہوش ہو کر مارے گھبراہٹ کے اسطرح سے خاموش کھڑے ہوں گے جیسے بھیڑ بکری کسی درندہ کو دیکھکر سکتے میں آجاتی ہیں، پس لوگ اسی خوف و دہشت میں مبتلا ہوں گے کہ اچانک آسمان اور زمین کے درمیان سے ایک سخت آواز مانند بجلی کی کڑک کے پیدا ہوگی جس کی وجہ سے زمین پر کوئی بھی باقی نہ رہ جائیگا، دنیا فنا ہو جائے گی، نہ آدمی رہ جائیں گے نہ جن اور شیطان، نہ کوئی وحشی جانور، اور نہ کوئی دوسرا جاندار، بس یہی زندگی کی وہ آخری مہلت ہے جو اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو دی، پھر اللہ تعالیٰ ملک الموت سے فرمائے گا کہ میں نے اولین و آخرین کی تعداد کے بقدر تمہارے لئے مددگار پیدا کر دیئے ہیں، اور سب آسمان اور زمین والوں کے بقدر تمہارے اندر قوت پیدا کر دی ہے اور آج میں تم کو اپنے غضب و ناراضگی کے سارے کپڑے پہناتا ہوں، پس میرے بغض اور ناراضگی

کو لیکر اس ملعون اور مردود ابلیس کے پاس جاؤ اور اسکو موت کا مزہ چکھاؤ اور موت کی جتنی سختی اولین و آخرین سب جن وانس نے اٹھائی ہے اس سے کئی گنا زائد سختی اس پر ڈالو اور اپنے ہمراہ جہنم کے ستر ہزار پیادوں کو لے لو، جو سب کے سب غیظ غضب میں بھرے ہوئے ہیں، اور چاہئے کہ ہر زبانیہ کے پاس جہنم کی آگ کی ایک زنجیر ہو، اور اسکی بدبو دار روح کو جہنم کے ستر ہزار آنکڑوں سے نکالو اور جہنم کے داروغہ مالک سے پکار کر کہو کہ وہ جہنم کے سارے دروازے کھول دے، یہ سن کر ملک الموت (ایسے غیظ و غضب کی) صورت میں اتریں گے کہ اگر انھیں ساتوں آسمان والے اور ساتوں زمین والے دیکھیں تو سب کے سب ملک الموت کے دیکھنے کی دہشت سے پگھل جائیں، پھر اس کے بعد جب وہ ابلیس کے پاس جائیں گے اور اس کو زور سے ڈانٹیں گے تو وہ بڑی زور سے چیخ مارے گا اور ایسی آواز نکالے گا کہ اگر اہل مشرق و مغرب سن لیں تو بے ہوش ہو جائیں، ملک الموت اس سے فرمائینگے کہ ٹھہر جا اے خبیث میں تجھے آج کے دن موت کا مزہ چکھا کے رہوں گا ان سب لوگوں کی تعداد کے بقدر جن کو تونے گمراہ کیا، تونے کتنی زیادہ عمر پائی اور کتنی ہی نسلوں کو تونے گمراہ کر ڈالا، تیرے بہت سے ساتھی ہیں جو جہنم میں تجھ سے ملیں گے، اور یہی وہ وقت معلوم ہے جو تیرے اور تیرے رب کے درمیان معین تھا، اور اب تو کہاں بھاگ کر جا سکتا ہے، یہ سنکر شیطان پورب کی طرف بھاگے گا، لیکن وہاں بھی ملک الموت کو اپنے سامنے دیکھے گا، تو سمندروں میں گھس جائے گا، وہاں بھی ملک الموت کو موجود پائے گا اور سمندر اس کو باہر پھینک دیں گے اور اسے قبول نہ کریں گے، پھر زمین میں ہر طرف بھاگا بھاگا پھرے گا اور کہیں نہ ٹھکانہ ملیگا، نہ جائے پناہ، نہ نجات کی جگہ، پھر دنیا کے بیچوں بیچ آدم علیہ السلام کے قبر کے پاس آکر کہے گا کہ اے آدم تمھاری ہی وجہ سے میں مردود اور ملعون ہوا اے کاش! تم پیدا نہ ہوتے، اس کے بعد وہ ملک الموت سے پوچھے گا کہ تم مجھے کس پیالے سے پلاؤگے یعنی کس عذاب سے میری روح قبض کروگے، ملک الموت جواب دیں گے کہ اہل لظی کے پیالے سے یعنی جہنم والوں جیسے عذاب کے ذریعہ، اور اہل سقر کے پیالے سے اور اہل دوزخ کے پیالے سے بلکہ اس سے کئی گنا زیادہ، فرماتے ہیں، یہ سنکر ابلیس کبھی زمین پر

لوٹے گا، کبھی چیخے چلائیگا کبھی مشرق سے مغرب اور مغرب سے مشرق کو بھاگے گا، یہاں تک کہ جب اس مقام پر پہنچے گا جس میں وہ اتارا گیا تھا اپنے ملعون ہونے کے دن، اسوقت زبانیہ یعنی دوزخ کے پیادے آنکڑے نصب کئے تیار کھڑے ہونگے اور زمین مانند دہکتے ہوئے انگارے کے ہو جائے گی، اور زبانیہ یعنی جہنم کے پیادے اس کو گھیر لیں گے اور آنکڑوں سے کونچیں گے، پس اس طرح ابلیس جانکنی کی تکلیف اور عذاب میں جبتک اللہ کو منظور ہوگا پڑا رہے گا، اور حضرت آدم و حوا علیہا السلام سے کہا جائے گا کہ آؤ آج کے دن اپنے دشمن کو دیکھو کہ اس پر کیا مصیبت نازل ہو رہی ہے اور کس طرح موت کا مزہ چکھ رہا ہے تو وہ لوگ جب اس کے عذاب کی شدت اور موت کی کیفیت دیکھیں گے تو کہیں گے اے پروردگار آپ نے ہم پر اپنی نعمت پوری کر دیا۔

حکایت اس جوان کی جس نے اپنے کو فروخت کر دیا

فقیہ ابو اللیث سمرقندیؒ نے اپنی سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ عبدالواحد بن زیدؒ نے فرمایا کہ ایکدن ہم اپنی اسی مجلس میں بیٹھے تھے اور ہم نے غزوہ کے لئے جانے کی تیاری کر لی تھی، اور میں نے اپنے اصحاب سے دوشنبہ کی صبح تیار رہنے کے لئے کہہ دیا تھا، اسی مجلس میں ایک شخص نے یہ آیت تلاوت کی (اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ (اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں کو اور ان کے مالوں کو اس بات کے عوض خرید لیا ہے کہ ان کو جنت ملے گی) تو ایک لڑکا کھڑا ہوا جس کی عمر پندرہ سال یا اس کے لگ بھگ تھی اس کے والد کا انتقال ہو چکا تھا اور وراثت میں کافی مال ہاتھ آیا تھا، اس نے کہا اے عبدالواحد! کیا واقعی اللہ نے مومنین سے ان کی جان و مال کو جنت کے بدلے خرید لیا ہے، میں نے کہا ہاں میرے دوست! تب اس نے کہا، اے عبدالواحد میں آپ کو اس بات پر گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اپنی جان و مال کو جنت کے بدلے بیچ دیا تو میں نے اس سے کہا (کہ کہہ تو رہے ہو مگر کام آسان نہیں ہے) کیونکہ تلوار کی دھار اس سے کہیں زیادہ سخت ہے اور تم ابھی بچے ہو (شاید سہا نہ سکو) مجھے ڈر ہے کہ صبر نہ کر سکو گے اور اس بیع سے عاجز ہو جاؤ گے،

مگر میں اپنی رائے پر اصرار نہیں کرتا اگر کسی عالی ہمت کے نزدیک ابھی ان علامات کے ظہور کا وقت نہ ہو تو بسم اللہ وہ میدان میں نکلیں، مگر اپاہجوں کو کیوں اپنے ساتھ کھینچتے ہیں، آخر ایک کام یہ بھی تو ہے کہ خدا سے دعا کریں تو ان کو اس کام کے واسطے رہنے دیں، ایک جماعت اس کے واسطے بھی تو ہونا چاہئے یہ تقسیم عمل اچھی چیز ہے مگر افسوس آجکل دعا کو لوگ عمل ہی نہیں سمجھتے، اب میں مقصود کو عرض کرتا ہوں یہ گفتگو درمیان میں اس بات پر آگئی تھی کہ میں نے دوامِ عمل کے معنیٰ کی تحقیق کرکے عرض کیا تھا کہ یہ علوم محض ترجمۂ قرآن پڑھنے سے حاصل نہیں ہوسکتے جیسا آجکل بعض لوگ اسی قدر علم سے اجتہاد کا دعویٰ کرتے ہیں

صبر و عمل | بہر حال یہاں صبر و مصابرت و مرابطت کا امر ہے اور تقویٰ اسکی تکمیل ہے، صبر کے معنیٰ ہیں حَبْسُ النَّفْسِ عَلٰی مَا تَکْرَہُ یعنی نفس کو ناگوار امور پر جمانا، اور مصابرت کے معنیٰ یہ ہیں کہ دوسروں کے ساتھ معاملہ کرتے ہوئے ناگوار امور پر نفس کو ثابت قدم رکھنا، اور مرابطت کے معنیٰ یہ ہیں کہ صبر و مصابرت پر مواظبت کی جائے۔

اس تقریر سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ عمل ان سب میں مشترک ہے، مطلب یہ ہوا کہ عمل میں مستعد رہو اور اسی میں برابر لگے رہو، اب بعض اعمال تو اپنے کرنے کے ہیں جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ، ان کو دیانات کہا جاتا ہے ان پر جمنا تو صبر ہے، اور بعض اعمال میں دوسروں سے واسطہ ہے جیسے نکاح و بیع و جہاد وغیرہ یہ معاملات ہیں ان میں احکام شرعیہ پر جما رہنا مصابرت ہے، پھر دیانات میں تو صبر سہل ہے کیونکہ ان میں حظِ نفس بھی ہے، زکوٰۃ میں حظ یہ ہے کہ دوسروں پر احسان ہے، حج میں حظ یہ ہے کہ سیر و تفریح ہوتی ہے (نماز میں حظ یہ ہے کہ اس سے دل میں نور پیدا ہوتا ہے جو موجب راحت ہے، روزہ میں طبیعت ہلکی پھلکی رہتی ہے اس سے بھی راحت حاصل ہوتی ہے ۱۲) مگر معاملات میں صبر دشوار ہے اس لئے وہاں بھی صاف طور سے مصابرت کا امر کیا گیا کہ نفس کو معاملات میں بھی شریعت کے موافق عمل کرنے پر مجبور کرو اور یہ حکم صبر و مصابرت اعمال باطنیہ کو بھی شامل ہے کیونکہ وہ بھی اعمال کی ایک قسم ہیں، عمل کہتے ہیں فعل اختیاری کو اس لئے اعمال باطنیہ بھی عمل میں داخل ہیں چنانچہ ایمان کو نصوص میں عمل کہا گیا ہے پھر جس طرح نماز، روزہ کا شریعت میں امر ہے اسی طرح محبت و شکر وغیرہ کا امر ہے اور جیسے چوری

اد غیرہ سے منع کیا گیا ہے اسی طرح ریا وحسد وکبر سے ممانعت ہے، پھر جس طرح اعمال ظاہرہ
بعض اعمال اپنے متعلق ہیں بعض میں دوسروں سے واسطہ ہے، اسی طرح اعمال باطنہ بھی دو
م کے ہیں، بعض اپنے کرنے کے ہیں، بعض میں دوسروں سے واسطہ ہے، پس وہاں بھی صبر
مصابرت دونوں کا امر ہے بلکہ اعمال باطن میں صبر و مصابرت کی زیادہ ضرورت ہے کیونکہ
ن میں بعض دفعہ ایسے مصائب و مصاعب (مشکلات) پیش آتے ہیں جن کا تحمل اہل ظاہر ہرگز نہیں کرسکتے

شنامِ محبت | بعض دفعہ قبض میں سالک یوں سمجھتا ہے کہ فرعون مجھ سے افضل ہے گو وہ کافر تھا
گر اس کو تو ایک دفعہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنے سے نجات ہو جاتی ہے اور مجھے ہزار دفعہ بھی لَا اِلٰہَ
اِلَّا اللّٰہُ کہنے سے اس مصیبت سے نجات نہیں ہوتی چنانچہ بعض نے اس حالت میں خودکشی
ی کرلی ہے ان کو مستہلکین کہا جاتا ہے، مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا
حضرت کیا ان کو عذاب ہوگا؟ فرمایا، جا ظالم! وہ تو خدا کی محبت میں شمشیر عشق سے جان دے رہا ہے
ور تجھے فتوے کی سوجھی ہے اس شعر میں اسی کا فیصلہ ہے ؎

گر خطا گوید ورا خاطی مگو — ور شود پر خون شہید او را مشو
خون شہیداں را ز آب اولیٰ تر است — ایں خطا از صد صواب اولیٰ تر است

(عاشق سے) اگر خطا سرزد ہو جائے تو اسے خطا کار مت کہو۔ اور اگر شہید خون میں لت پت ہو جائے
و اسے مت دھوؤ۔ ۲ (اسلئے کہ) شہیدوں کا خون پانی سے کہیں اچھا ہے اور یہ اسکی خطا سیکڑوں
رست باتوں زیادہ بہتر ہے)

اس حالت میں جو شخص خودکشی سے مرجائے معذور ہے گو ماجور نہیں مگر مازور بھی نہیں
یہ تین لفظ بھی میں نے مقفیٰ اختیار کئے ہیں تین حالات کے اعتبار سے یعنی اگر کوئی شخص حدود
شرعیہ سے باختیار خود نکلے وہ تو مازور ہے (گنہگار ہے) اگر بلا اختیار نکلے معذور اگر حدود کے
اندر ہے ماجور ہے (اسکو ثواب ملے گا ترقی ہوگی) باطن کے مصاعب میں سے ایک یہ صورت
بھی ہے کہ ایک سالک کو اثنائے ذکر میں آواز آئی، جو چاہے کر تو تو کافر ہو کر مرے گا، اس
آواز سے وہ سہم گیا، شیخ کے پاس گیا اور سارا حال عرض کیا، سبحان اللہ! شیخ بھی کیسی
دولت ہے جس کو میسر ہو، فرمایا گھبراؤ نہیں یہ دشنامِ محبت ہے، محبوبوں کی عادت ہے کہ

عشاق کو یوں ہی تنگ کیا کرتے ہیں، اس پر سوال ہوتا ہے کہ کیا یہ بات جھوٹ تھی اگر ایسا ہے تو معاذ اللہ حضرت حق کی طرف کذب کی نسبت لازم آتی ہے، علمائے ظاہر تو امکان کذب ہی میں آج تک لڑ رہے ہیں اس میں تو وقوع کذب لازم آگیا، اس کا جواب یہ ہے کہ نہیں کذب نہیں کیونکہ کافر باصطلاح صوفیہ بمعنی فانی ہے، خسرو فرماتے ہیں ؎

کافر عشقم مسلمانی مرا درکار نیست ہر رگ من تار گشتہ حاجت زنار نیست

(عشق و محبت کا کافر (فانی) ہوں مجھے مسلمانی (ظاہر پرستی) درکار نہیں ہے میری ہر ہر رگ تار بن چکی ہے اسلئے زنار کی ضرورت نہیں)

کافر عشقم لے فانی عشقم تو اس غیبی آواز کا مطلب یہ ہوا کہ جو چاہے عمل کر تو فانی ہو کر مرے گا، اب یہ کلام ایسا ہو گیا جیسا حدیث میں آیا ہے لَعَلَّ اللّٰہَ اطَّلَعَ اِلٰی اَھْلِ بَدْرٍ فَقَالَ اعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَکُمْ اور صوفیہ نے یہ اصطلاح لغت سے لی ہے کیونکہ لغت میں کفر بمعنی ستر ہے اور فانی بھی اپنی ہستی کا ساتر ہے، صوفیہ کی اصطلاحات کہیں لغت سے ماخوذ ہیں کہیں عرف عام سے کہیں فلسفہ سے کہیں علم کلام سے کہیں کسی اور فن سے اور یہ خلط بحث انھوں نے اس لئے کیا ہے تاکہ اسرار پر پردہ پڑا رہے نا اہل تک نہ پہنچ جائیں کیونکہ ؎

با مدعی مگوئید اسرار عشق و مستی بگذار تا بمیرد در رنج خود پرستی

(مدعی کمال سے عشق و مستی کے اسرار مت بیان کرو اسے اسکے حال پر چھوڑ دو تاکہ وہ خود پرستی کی تکلیف میں گرفتار رہ کر مرجائے)

اسی لئے ان علوم و اسرار کو برسر منبر بیان کرنے کی ممانعت ہے یعنی بلا ضرورت بیان نہ کرے اور میں اس وقت ضرورت سے بیان کر رہا ہوں، غرض یہ غیبی صدا صوفیہ کی اصطلاح میں تھی عام اصطلاح میں نہ تھی اور یہ عنوان مزاح کے لئے اختیار کیا گیا تاکہ ذرا تھوڑی دیر کو عاشق پریشان ہو جائے

ن مزاح مزاح حدیث سے ثابت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بعض دفعہ فرمایا ہے چنانچہ ایک بڑھیا نے حضورؐ سے دعا کی درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ مجھے جنت میں پہنچا دے، حضورؐ نے فرمایا لَا تَدْخُلُ الْعَجُوْزُ الْجَنَّةَ کہ "بوڑھی عورت جنت میں نہ جائے گی" وہ لگی رونے، تب آپؐ نے یہ آیت پڑھی

یقیناً اللہ نے اہل بدر کی طرف نگاہ کرم کیا پھر فرمایا جو چاہو عمل کرو میں نے تمہاری مغفرت کر دی۔

نَّا اَنْشَاْنَا هُنَّ اِنْشَاءً فَجَعَلْنَا هُنَّ اَبْكَارًا عُرُبًا اَتْرَابًا لِّاَصْحَابِ الْيَمِيْنِ (ہم نے ان عورتوں
(خاص طور پر بنایا ہے یعنی ہم نے ان کو ایسا بنایا کہ وہ کنواریاں ہیں، محبوبہ ہیں، ہمعمر ہیں، یہ سب چیزیں
داہنے والوں کیلئے ہیں) مطلب یہ تھا کہ بوڑھی عورت بڑھیا ہو کر جنت میں نہ جائے گی۔

ایک بار حضرت ابوذر نے ایک مسئلہ کے متعلق بار بار سوال کیا آپؐ نے ہر دفعہ جواب دیا
پھر آخر میں فرمایا وَاِنْ رَغِمَ اَنْفُ اَبِیْ ذَرٍّ کہ ہاں یہی جواب ہے "اگرچہ ابوذر کی ناک رگڑ جائے"
یہ مزاح ہی تو تھا گو برنگ عتاب تھا، مگر عاشق کو اس میں ایسا لطف آتا ہے کہ حضرت ابوذر جب
اس حدیث کو بیان کرتے تو آخر میں یہ بھی کہتے وَاِنْ رَغِمَ اَنْفُ اَبِیْ ذَرٍّ وَاِنْ رَغِمَ اَنْفُ اَبِیْ ذَرٍّ
کیونکہ ان کو اس میں حظ آتا تھا،

حضرت شیخ ابو المعالیؒ کا ایک مرید حج کو گیا تو آپ نے اس کے ہاتھ روضۂ اقدسؐ پر سلام
کہلا بھیجا، جب مرید نے شیخ کا سلام پہنچایا تو روضۂ اقدسؐ سے آواز آئی اپنے بدعتی پیر کو ہمارا بھی
سلام کہدینا۔ شیخ کو یہ واقعہ مکشوف ہوگیا۔ جب مرید واپس آیا اس سے پوچھا کہو تم نے ہمارا
سلام پہنچایا تھا کہا ہاں حضور پہنچا دیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی آپ کو سلام فرمایا ہے۔
فرمایا انہی لفظوں سے کہو جو حضورؐ نے فرمائے ہیں، کہا جب آپ کو وہ الفاظ معلوم ہیں تو مجھے آپ کیوں
بے ادب بناتے ہیں، فرمایا اس میں بے ادبی کیسی؟ اس وقت تمہاری زبان سے وہ الفاظ ادا نہ ہونگے
بلکہ تمہاری زبان حضورؐ کی زبان ہوگی، تم تو محض سفیر ہو، غرض اس نے وہی الفاظ کہے کہ اپنے بدعتی پیر کو
ہمارا بھی سلام کہنا، یہ سنتے ہی شیخ پر وجد طاری ہوگیا اور یہ شعر پڑھا ؎

بدم گفتی و خورسندم عفاک اللہ نکو گفتی — جواب تلخ می زیبد لب لعل شکر خارا

(آپ نے مجھ کو برا بھلا کہا (اللہ آپ کو خوش رکھے) میں خوش ہوں آپ نے ٹھیک کہا، تلخ جواب سرخ لب
شیریں دہن معشوق کو زیب دیتا ہے)

یہی راز تھا حضرت ابوذرؓ کے بار بار رَغِمَ اَنْفُ اَبِیْ ذَرٍّ کہنے میں۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں اگر یکبار[1]
بگوید بندۂ من از عرش بگذرد خندۂ من (وہ اگر کہدے مجھے اپنا غلام، سب سے پیارا ہو میرا نام)
بلکہ حدیث سے حق تعالیٰ کا مزاح فرمانا بھی ثابت ہے کہ جہنم سے جو مسلمان نکالے جائیں گے ان کا
لقب جہنمین ہوگا کیونکہ ان کو اسی میں حظ ہوگا جس کی مثال اوپر گذر چکی ہے ان میں ایک شخص جو سب سے آخر

---

[1] اگر ایکبار مجھے اپنا غلام کہدیتے تو میری ہنسی عرش سے بھی آگے بڑھ جاتی۔

نکالا جائے گا حق تعالیٰ اس سے فرمائیں گے کہ مانگ کیا مانگتا ہے، وہ عرض کرے گا کہ میرا منہ
جہنم کی طرف سے پھیر دیا جائے حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ بس اس کے بعد تو کچھ نہ مانگے گا، وہ
ے گا نہیں اور کچھ نہ مانگوں گا، چنانچہ جہنم کی طرف سے اس کا منہ پھیر دیا جائے گا، اسوقت
کو جنت کا ایک درخت نظر آئیگا، عرض کریگا، اس درخت کے نیچے مجھ کو پہنچا دے، ارشاد ہوگا کہ تو
نے تو ابھی وعدہ کیا تھا کہ اور کچھ نہ مانگوں گا وہ معذرت کرنے لگا کہ بس یہ درخواست اور
ی کر دیجئے پھر کچھ نہ مانگوں گا، غرض اسی طرح رفتہ رفتہ وہ جنت میں پہنچ جائے گا، تو یہ بھی مزاح
ہے کہ مقصود تو اس کو جنت میں پہنچانا تھا، مگر اس طرح رگڑ کر پہنچایا جائے گا، لہٰذا اب اس حکایت
دنی بھی اشکال نہیں کیونکہ مزاح کا ثبوت احادیث میں بھی ہے۔
ن فہمی | دوسرے ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ کافر سے مراد صدائے غیبی میں کافر باللہ نہ تھا بلکہ کافر
طاغوت ہے اور یہ استعمال نص میں بھی وارد ہے فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ
اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى (سو جو شخص شیطان سے بداعتقاد ہو اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ خوش اعتقاد
ن نے بڑا مضبوط حلقہ تھام لیا)
غرض باطن میں ایسے ایسے مصائب و مصاعب پیش آتے ہیں کہ اگر امداد نہ ہو تو انسان تو انسان
ڑ بھی پاش پاش ہو جائے، وحی ربانی میں اس قدر ثقل تھا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں لَوْ اَنْزَلْنَا
هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ (اگر اس قرآن کو ہم
پہاڑ پر نازل کرتے تو تو اس کو دیکھتا کہ خدا کے خوف سے دب جاتا اور پھٹ جاتا) گو انبیاء
ساتھ حق تعالیٰ کی امداد ہوتی ہے وہ اس کے متحمل ہوتے ہیں، چنانچہ ارشاد ہے قُلْ مَنْ
كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (آپ یہ کہئے کہ جو شخص جبریل سے
وت رکھے (وہ جانے) انھوں نے یہ قرآن آپ کے قلب تک پہنچا دیا ہے خداوندی حکم سے)۔
ایک سوال ہے۔ وہ یہ کہ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ نزول قرآن حضورؐ کے قلب پر ہوا ہے اور
رہے کہ قلب معانی کا ادراک کرتا ہے اور الفاظ کا ادراک سمع کو ہوتا ہے، پس اس سے لازم
ہے کہ منزل من اللہ صرف معانی ہوں الفاظ منزل من اللہ نہ ہوں اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ اس
بہت سے بہت معانی کا منزل ہونا معلوم ہوا، الفاظ کا منزل نہ ہونا کیسے معلوم ہوا، کیونکہ عدم ذکر

دلیل ذکر عدم نہیں ہے ان کا منزل ہونا دوسری نصوص سے معلوم ہوتا ہے اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا (ہم نے اسکو اتارا ہے قرآن عربی زبان کا) اور عربی ہونا صفت الفاظ ہی کی ہے مگر اس جواب سے عوام کو شفا نہیں ہوتی، دوسرا جواب قاضی ثناء اللہ صاحبؒ نے دیا ہے اور یہ جواب ان کے سوا کسی کے کلام میں نہیں دیکھا گیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ قاعدہ یہ ہے کہ زبان داں کو اپنی مادری زبان میں گفتگو سنتے ہوئے اوّل التفات معانی کی طرف ہوتا ہے اور الفاظ کی طرف بعد میں التفات ہوتا ہے اور غیر مادری زبان میں اول التفات الفاظ کی طرف ہوتا ہے ثانیاً معانی کی طرف، جیسا آپ لوگ اس وقت میرا بیان سُن رہے ہیں، چونکہ میں آپ کی مادری زبان میں بول رہا ہوں اس لئے معانی کی طرف آپ کو اوّل التفات ہوتا ہے اور الفاظ کی طرف اگر ہوتا ہے تو ثانیاً، پس قرآن مجید چونکہ آپ کی زبان میں ہے اس لئے وحی کے اسماع کے وقت اوّل التفات آپ کو معانی کی طرف ہوتا پھر الفاظ کی طرف، اس لحاظ سے قرآن کو منزل علی القلب کہہ دیا گیا ہے، اس سے یہ لازم نہیں آیا کہ الفاظ منزل نہیں،

اب میں وہ جملہ پھر دہراتا ہوں کہ فقط ترجمہ پڑھنے سے قرآن فہمی حاصل نہیں ہوسکتی ذرا ترجمہ پڑھنے والے تو یہ علوم بیان کریں اور وہ تو ان اشکالات کو حل کریں یقیناً اقرار کریں گے کہ یہ علم ان کو حاصل نہیں ہوسکتے، اسی لئے میں یہ بھی کہا کرتا ہوں کہ بعض لوگوں کو ترجمۂ قرآن دیکھنا حرام ہے۔ کانپور میں ایک مؤذن میرے پاس قرآن کا ترجمہ لایا کہ آیت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وضو میں پیروں کا دھونا فرض نہیں بلکہ مسح کافی ہے کیونکہ ترجمہ میں وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ کا ترجمہ یوں لکھا تھا "دھوؤ اپنے مونہوں کو اور ہاتھوں کو کہنیوں تک اور ملو اپنے سروں کو اور پیروں کو ٹخنوں تک" تو اس کو یہ ترجمہ کہ ملو اپنے سروں کو اور پیروں کو دیکھ کر شبہ ہوا کہ پیروں کا بھی ملنا فرض ہے، دھونا فرض نہیں،

میں بڑا پریشان ہوا کہ اس کو کس طرح سمجھاؤں کہ اَرْجُلَكُمْ کا عطف رُءُوْسِكُمْ پر نہیں بلکہ وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ پر ہے، کیونکہ وہ عطف و معطوف کو کیا جانے تو میں نے اس کو دوسرے طرح سمجھایا کہ اس سے پوچھا تم کو قرآن کا کلام الٰہی ہونا کیسے معلوم ہوا، کہا علماء کے کہنے سے میں نے کہا کیا تیرے نزدیک علماء ایسے دیندار ہیں کہ جس کلام کو وہ اللہ کا کلام کہدیں تم اس

یقین کر لوگے، کہا جی ہاں علماء دیندار نہ ہوں گے تو اور کون ہوگا، میں نے کہا کہ پھر انہی علماء کا یہ قول بھی ہے کہ وضو میں پیروں کا دھونا فرض ہے، مسح جائز نہیں، تو کیا وہ اس فتوے میں بے ایمان ہیں، پس ان کی اس بات کو نہ ماننے کی کیا وجہ، اور خبردار جو تم نے آئندہ ترجمہ دیکھا اس طرح ایک اہل مدبوڑھے میاں مجھ سے پوچھنے لگے کہ کیا قرآن پڑھتے ہوئے رَاعِنَا نہ پڑھا کروں اس لفظ کو چھوڑ دیا کروں، میں نے پوچھا یہ کیوں؟ کہا ترجمہ میں لکھا ہے کہ اے ایمان والو رَاعِنَا مت کہو، وہ اس کا مطلب سمجھے کہ تلاوت کے وقت بھی نہ کہو، میں نے کہا کہ تلاوت کے وقت رَاعِنَا ضرور کہو اور تم کو ترجمہ دیکھنا حرام۔ بس تم اہل مدہو اپنی مدون کا حساب کیا کرو اور میں جو ایسے لوگوں کے لئے ترجمہ دیکھنا حرام کہتا ہوں تو اس میں ترجمۂ قرآن کی (معاذ اللہ) توہین نہیں، بلکہ مقصود ان لوگوں کی اہانت ہے کہ تم اس قابل نہیں ہو، یہ تو ایسا ہے جیسے کہا جائے کہ حسین عورت کا دیکھنا نامحرم کو حرام ہے، تو کیا اس سے حسین عورتوں کی توہین ہو گئی؟ جن میں حضرت عائشہؓ حضرت سارہؑ اور حضرت رابعہؒ بھی داخل ہیں، تو کیا کوئی اس جملہ سے ان بزرگ عورتوں کی توہین نکال سکتا ہے، ہرگز نہیں، بلکہ یہی کہا جائے گا کہ مقصود ان ناظرین کے دین کی حفاظت ہے، اسی طرح یہاں سمجھو۔ نیز اگر یوں کہا جائے کہ آشوب چشم والے کو آفتاب کی طرف دیکھنا حرام ہے کیونکہ اندھا ہونے کا اندیشہ ہے، تو کیا اس سے آفتاب کی توہین مفہوم ہو سکتی ہے ہرگز نہیں۔

ملکۂ تکفیر | اگر بریلوی اس جملہ کو سُن لیں تو شاید کفر کا فتویٰ فوراً لگا دیں کیونکہ ان کے یہاں تکفیر کے لئے اس کی بھی ضرورت نہیں کہ معنیٔ کفر کا قصد کیا جائے بلکہ یوں کہتے ہیں کہ اس سے کفر لازم آسکتا ہے اس لئے متکلم کافر ہے گو وہ معنیٰ جو انھوں نے سمجھے متکلم کے باپ دادوں نے بھی نہ سمجھے ہوں، بس انکی تکفیر کی ایسی مثال ہے جیسے کانے نے سامنے سے ایک شخص کو آتا ہوا دیکھ کر دور ہی سے کہنا شروع کیا تو حرامزادہ تیرا باپ حرامزادہ، اس نے کہا بھائی میں نے کیا قصور کیا جو مجھے حرامزادہ بناتا ہے مثل مشہور ہے کانا حرامزادہ تو تم نے مجھے دیکھ کر اپنے دل میں ضرور مجھے حرامزادہ کہا ہوگا اس لئے کانے بدلہ لے لیا، خواہ اس غریب نے کہا ہو یا نہ کہا ہو مگر ان کو بدلہ لینا ضرور تھا، یہی حال بریلی کی تکفیروں کا ہے کہ اپنی طرف سے کلام کے ایک معنی تراش کر متکلم کی تکفیر کرنے لگتے ہیں، گو اس کے وہم میں

بھی یہ معنیٰ نہ آئے ہوں، مگر یہ تکفیر کا محکمہ ہمارے یہاں نہیں ہے، یہ انہی کو مبارک ہو، ہمارے بزرگ تو ایسے تھے کہ میں نے مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے ایک صوفی کا مقولہ جو ایک رسالہ میں تازہ دیکھا تھا بیان کیا کہ شیخ نے اس سے پوچھا تو خدا کو جانتا ہے، کہا میں خدا کو کیا جانوں، میں تو آپ کو جانتا ہوں" یہ مقولہ بیان کرتے ہوئے، میں نے عرض کیا کہ حضرت یہ لوگ کیسے بیباک ہوتے ہیں کہ ایسا سخت کفر کا کلمہ کہدیا، مولانا ہنسنے لگے اور فرمایا اس میں کفر کی کیا بات ہے، اچھا تم بتلاؤ کیا تم خدا کو جانتے ہو؟ بتلاؤ اللہ میاں کیسے ہیں، بس یہ سوال کرنا تھا کہ میں حقیقت کو سمجھ گیا کہ صوفی کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت بلا واسطہ مجھ کو نہیں ہے بلکہ مجھے شیخ کے ذریعہ سے حاصل ہوئی اس سے زیادہ میں نہیں جانتا،

تو دیکھئے مولانا نے ایسے سخت کلمہ کو کتنا ہلکا کر دیا، یہ کلام ضمنی آگیا تھا، اصل میں اسکو بیان کر رہا تھا کہ باطن میں بھی صبر و مصابرت کی ضرورت ہے کیونکہ اس میں بڑے بڑے مصاعب واقع ہوتے ہیں اِصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا میں اسی کا حکم ہے۔

قصد اور عمل اب یہاں ایک سوال محتمل ہے وہ یہ کہ مقصود بیان تو ضرورت عمل ہے اور آیت میں ضرورت صبر کا ذکر ہے، تو یہ مقصود پر کیسے منطبق ہوگی، جواب یہ ہے کہ یہ مقصود کی تمہید ہے اور مقصود رَابِطُوْا ہے جس کی ایک تفسیر عمل ہے جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے، اب اس کے تمہید ہونے کو سمجھئے وہ یہ ہے کہ صبر ایک ایسا عمل ہے جس کے فوت ہونے سے ہمارے سب اعمال خراب ہو رہے ہیں چنانچہ نماز بھی اسی کے فوت ہونے سے گراں ہے ورنہ ظاہر میں نماز بالکل معمولی چیز معلوم ہوتی ہے، مگر پھر بھی مشاہدہ ہے کہ وہ گراں ہے اور ایسی گراں ہے کہ حق تعالیٰ بھی اس کو گراں بتلا رہے ہیں وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ (اور بیشک وہ نماز دشوار ہے) جس چیز کو اللہ تعالیٰ گراں فرمائیں خود سمجھ لو وہ کیسی گراں ہوگی، سو اس گرانی کی وجہ وہی عدم الصبر ہے جس کو قرآن مجید میں اس عنوان سے ارشاد فرمایا ہے کہ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ (مگر جن کے قلوب میں خشوع ہو) جس سے معلوم ہوا کہ نماز کی گرانی کا سبب ترک خشوع ہے مگر دلالت کے لئے خشوع کے معنیٰ معلوم ہونے کی ضرورت ہے اور اس سے قطع نظر اس لئے بھی معلوم ہونے کی ضرورت ہے کہ اس کے نہ معلوم ہونے سے بہت لوگ غلطی میں مبتلا ہیں کہ خشوع کو دشوار سمجھتے ہیں

حامل مضامین تصوف وعرفان • افادات وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیر سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین حضرت مصلح الامۃ

مدیر:- احمد مکین

شمارہ ۴ شوال المکرم ۱۴۱۲ھ مطابق اپریل ۹۲ء جلد ۱۵

قیمت فی پرچہ:- پانچ روپیہ سالانہ زرِ تعاون پچپن روپیہ ششماہی تیس روپیہ

سالانہ بدل اشتراک:- پاکستان سو روپیہ - غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ
مولوی احمد مکین - ۲۳/۲۵ - بخشی بازار
الٰہ آباد ۲۱۱۰۰۳ فون ۶۰۴۷۹۸

پرنٹر- پبلشر:- صغیر حسن - :- اسرار کریمی پریس- جانسین گنج الٰہ آباد

ترتیب

١	پیش لفظ	مدیر	٣
٢	مکتوبات اصلاحی	مصلح الامۃ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہٗ	۴
٣	مجالس مصلح الامۃ	〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃	٩
۴	نجات المسلمین	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ	١٧
۵	تنویر السالکین	مولانا محمد حنیف صاحب بستوی	٢۵
٦	المرابطہ	حکیم الامۃ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ	٣٣
٧	کمالات اشرفیہ	حضرت مولانا محمد عیسیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ	۴١

گذارش رسالہ ہر ماہ کی دس تاریخ کو سپرد ڈاک کیا جاتا ہے۔ اگر رسالہ آخر ماہ تک موصول نہ ہو تو ادارہ کو فوراً مطلع فرمائیں تاکہ دوبارہ بھیجا جاسکے، ورنہ بصورت دیگر ادارہ ذمہ دار نہ ہوگا۔ منی آرڈر کوپن پر اپنا پورا پتہ اور خریداری نمبر ضرور درج کریں!

انتباہ شمارہ جنوری ۹۲ء کے صفحہ ۲۰ پر حاشیہ میں ایک ضروری تصحیح فرمالیں وہ یہ کہ بایاں پیر کی جگہ بایاں ہاتھ لکھ لیں۔

پیش لفظ

ہمارے معاشرہ میں بعض برائیاں ایسی عام ہیں اور اس طور پر رچ بس گئی ہیں کہ وہ زندگی کا ایک حصہ بن گئی ہیں کہ اب انکی قباحت کا احساس بھی نہیں ہوتا، ان معائب میں مبتلا ہونے کے باوجود انسان خود کو اس کی آلودگی سے پاک تصور کرتا ہے۔ یہ چیز اسے توبہ واستغفار سے بھی محروم کردیتی ہے۔ انھیں رائج زمانہ معاصی اور معائب میں سے ایک چیز عُجُب، خود بینی اور خود پسندی ہے۔ جس کے نتیجہ میں اپنے مسلمان بھائی کی تحقیر و تذلیل، ہتک حرمت، غیبت و شکایت، عیب بینی و عیب جوئی، سب وشتم جیسے فواحش اعمال وجود میں آتے ہیں۔

مگر افسوس صد افسوس! کہ ان کبائر کے بار بار اور بطور معمول ارتکاب سے آج ہمارے زہد و اتقاء میں ذرا فرق پیدا ہوتا ہے اور نہ علم وفضل پر کوئی حرف آتا ہے، بلکہ ہم اپنے حصول مقاصد اور بلندئ مرتبہ کیلئے ان معائب کو بطور ہتھیار استعمال کرکے حریف پر سبقت حاصل کرنیکی کوشش کرتے ہیں، لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ فرمودات حسنہ ہمارے پیش نظر نہیں ہوتے ہیں، یا ہم فراموش کردیتے ہیں" ایمان والوں کو رسوا کرنا" حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھے اور آپ نے بلند آواز سے پکارا اور فرمایا، اے وہ لوگو! جو زبان سے اسلام لائے ہو اور ان کے دلوں میں ابھی ایمان پوری طرح اُترا نہیں ہے، مسلمان بندوں کو ستانے سے اور ان کو عار دلانے سے اور شرمندہ کرنے سے اور انکے چھپے ہوئے عیبوں کے پیچھے پڑنے سے باز رہو! کیونکہ اللہ کا قانون ہے کہ جو کوئی اپنے مسلمان بھائی کے چھپے ہوئے عیبوں کے پیچھے پڑیگا اور اسکو رسوا کرنا چاہیگا تو اللہ اسکے عیوب کے پیچھے پڑیگا اور جسکے عیوب کے پیچھے اللہ تعالےٰ پڑیگا وہ اسکو ضرور رسوا کریگا (وہ رسوا ہو کر رہیگا) اگرچہ اپنے گھر کے اندر ہی ہو" حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا سب سے بُرا سودا اور سب سے بدترین سودوں میں خبیث سودا یہ ہے کہ کسی مسلمان کی آبروریزی کی جائے اور ایک مسلمان کی حرمت کو ضائع کیا جائے،، (بیہقی) مسلمان کی ہر چیز دوسرے مسلمان کیلئے قابلِ احترام ہے، اسکا خون، اسکا مال اور اسکی آبرو، اسلئے ناحق اس کا خون گرانا، اس کا مال لینا اور اسکی آبروریزی کرنا، یہ سب حرام ہے۔ (بخاری ومسلم) (اسوۂ رسول اکرمؐ)

سچ ہے:- بدنہ بولے زیر گردوں گر کوئی میری سُنے ؛ ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہو ویسی سُنے

(مکتوب نمبر ۲۲)

حال :- حضرت والا کے حسب الحکم کہ تم بھی لکھ کر دو، کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا لکھوں سچ ہے کہ ہماری سمجھ ماری گئی ہے۔ حضرت والا کے الٰہ آباد آنے سے پہلے ہماری حالت بہت ہی ناگفتہ بہ تھی۔ میری ناقص سمجھ میں تو یہ بھی آتا ہے کہ پورا شہر ایک بہت بڑا دلدل بنا ہوا تھا۔ فساد۔ بدعت۔ کبر۔ غیبت۔ چغلخوری۔ حسد۔ ہوائے نفس۔ ریا۔ عجب اور اس دلدل کے چاروں طرف بدعت و ہوائے نفس کے طرح طرح کے بدنما پودوں اور پھولوں سے آراستہ تھا جو ہماری بدبختی ولادینی بدنظری کی وجہ سے اتنا خوشنما دکھائی دیتا تھا کہ اس کو دور ہی سے دیکھتے ہی والہانہ اپنی بدبختی سے اور خدا اور اس کے رسول کی صحیح تعلیم نہ ہونے کی وجہ سے اس دلدل میں جا پھنستے تھے اور ناعاقبت بینی کی وجہ سے ہلاکت کے سوا کچھ نہ ہوتا تھا۔

تحقیق : ٹھیک کہہ رہے ہو۔

حال :- خدا کا شکر ہے کہ جب سے حضرت والا کا قدم مبارک یہاں آیا ہے یہاں کی دنیا ہی بدل گئی ہے۔ **تحقیق** :- الحمد للہ

حال :- دلدل میں پھنسے ہوئے لوگوں کو روشن باغ سے ایک روشنی دکھائی دی۔

تحقیق :- الحمد للہ۔ **حال** :- اور دلدل میں پھنسے ہوئے لوگوں کو دلدل سے نکلنے اور خدا سے صحیح تعلق پیدا کرنیکا گر جو حضرت والا نے بتانا اور بڑی شفقت سے جو بتانا شروع کیا، دلدل کی دنیا پر ایک ہل چل سی پڑ گئی۔ اور دلدل کی دنیا میں بھونچال آ گیا۔ **تحقیق** :- بیشک۔

حال :- دلدل کی دنیا کے لوگ روشنی کی طرف بھاگے اور حضرت والا کی صحیح تعلیم جو قرآن و حدیث شریف کی روشنی کے سوا اخلاق و اخلاص کے سدھارنے اور اپنی روزمرہ کے تعلقات کو سدھارنے کے سوا جس کا کہ دلدل کی دنیا والوں نے کبھی نام بھی نہیں سنا تھا حیرت میں آ گئے اور ان کی سمجھ میں آیا کہ صحیح یہ ہے۔ **تحقیق** :- الحمد للہ۔

حال :- اور آج تک جو ہم سمجھتے تھے باطل تھا۔ دلدل کی دنیا میں ایک بھگدڑ مچ گئی دلدل کے ٹھیکہ داروں کے تمام امیدوں پر پانی پڑ گیا اور اوس پڑ گئی۔ وہ اچھی طرح سمجھ گئے

کہ حق تعالیٰ نے ہماری فرعونی دنیا میں اپنے ایک خاص بندے کو عصائے موسوی دے کر ہماری طلسمی دنیا میں بھیج دیا ہے۔ اس کے آگے اب ہمارا سب طلسم باطل بیکار ہے، اس لئے اب ہم کو بالکل خاموش ہو جانا چاہیئے۔ **تحقیق**:۔ ٹھیک لکھ رہے ہو۔

حال:۔ یہ سب حضرت والا کی مجلس ہی کی برکت ہے کہ لوگ دیوانہ وار اور تشنہ لب آتے ہیں اور جہاں ان کے دلوں پر قرآن و حدیث کی روشنی کا تازیانہ پڑا انکے قلب روشن ہو جاتے ہیں۔ اور ان کی تشنہ لبی جاتی رہتی ہے۔ حضرت دعا فرمائیے کہ

تحقیق: دعا کرتا ہوں

حال:۔ خداوند تعالیٰ سے میرا صحیح تعلق پیدا ہو جائے اور خدا مجھ کو مخلص دیندار بنا دے اور دین کی فہم عطا فرمائے۔ **تحقیق**:۔ آمین۔

حال:۔ اور غیبت، حسد، چغل خوری، ہوائے نفس، بدنظری سے مجھے بچائے۔ اور اس پروانہ کی طرح زندگی نصیب کرنے جو روشنی دیکھ کر اسکی تلاش میں گیا اور اسکے ساتھی کو روشنی کا پتہ لگا کر لوٹ آئے اور وہ روشنی میں گم ہو کر رہ گیا اور پھر لوٹ کر واپس نہیں آیا۔

تحقیق:۔ آمین۔ دعا کرتا ہوں آپ کی تحریر سے مسرت ہوئی کہ آپ ماشاءاللہ تعالیٰ سمجھ رہے ہیں۔

مکتوب نمبر (۲۸)

حال:۔ حضرت والا کی مفارقت کا صدمہ لیکر گھر واپس ہوا۔ راستہ بھر یہ شعر بار بار زبان پر آتا تھا ؎ حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد ؛ روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد گران چھ دنوں کی معیت میں جو سکون و طمانیت قلب حاصل ہوئی وہ اس سے پیشتر کبھی حاصل نہ ہوئی تھی۔ **تحقیق**:۔ مبارک ہو۔

حال:۔ سورہ معارج کی شروع کی آیتوں کی تفسیر حضرت والا سے سُنکر یہ امید بندھی ہے کہ شاید یہ ناکارہ بھی کبھی حضرت والا کے سہارے بارگاہِ ایزدی تک رسائی حاصل کر سکے آمین

حال :۔ حضرت والا کی توجہ چاہئے ۔ بحمداللہ معمولات جاری ہیں ۔ **تحقیق** :۔ الحمدللہ ۔
حال :۔ مگر یہ سلسلہ ادار قضاء عمری گذشتہ دو مہینوں میں پانچ یوم سے گھٹ کر جو تین یوم لگ گیا تھا وہی اب بھی جاری ہے ۔ **تحقیق** :۔ خیر
حال :۔ ابتک انتہائے گرمی و دیگر مصروفیات کی وجہ سے پُرانا نہ لوٹ سکا ، پھر بھی خدا کا شکر ہے کہ اُس نے حضرت والا کی رہنمائی کے سہارے مجھ جیسے کاہل سے یہ سلسلہ جاری کرایا
تحقیق :۔ الحمدللہ ۔
حال :۔ اس ایک سال کی مدت میں بفضلہ تعالیٰ چار سال اور دو ماہ کی پوری نمازیں ادا ہوئیں ۔ **تحقیق** :۔ الحمدللہ ۔
حال :۔ چونکہ یقینی طور پر تعداد معلوم نہیں ہے اس لئے خیال یہ ہے کہ یہ سلسلہ ابھی سال بھر اور جاری رہے ۔ **تحقیق** :۔ ہاں ہاں ۔
حال :۔ انشاء اللہ العزیز تمامی نمازیں ادا ہو جائیں گی ۔ آئندہ حضرت والا جیسی رہنمائی فرماویں ۔ **تحقیق** :۔ ابھی جاری رہنا چاہیئے ۔
حال :۔ اللہ تعالیٰ سے ان نمازوں کی قبولیت اور بقایا کی ادائیگی کی توفیق عطا فرمانیکی دعا فرمادیں ۔ **تحقیق** :۔ دعا کرتا ہوں ۔
حال :۔ حضرت والا کی مجلس میں دوسرے حضرات کو دیکھ دیکھ کر اپنا دل ڈوبنے لگتا تھا کہ میں تو کہیں بھی نہیں ہوں ؎

یارانِ تیز گام نے منزل کو جالیا ہم محوِ نالۂ جرسِ کارواں رہے

ابھی آگے بڑھنے کی کوئی صورت نہیں ، کیا کروں ۔ **تحقیق** :۔ کر تو رہے ہو ۔
حال :۔ حضرت والا میرے حق میں دعا فرمادیں ۔ **تحقیق** :۔ دعا کرتا ہوں ۔

(مکتوب نمبر ۲۹)

حال :۔ حضور والا ! ریا کی حقیقت سے مطلع فرمادیں ۔ **تحقیق** :۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں حَقِيْقَةُ الرِّيَاءِ طَلَبُ الْجَاهِ بِوَاسِطَةِ الْعِبَادَاتِ (ریاء کی حقیقت ہے عبادات کے واسطے جاہ کا طلب کرنا

حال :- اور خاص کر کہ وہ ریا کہ جسمیں دوسروں کی اصلاح مقصود ہو۔
تحقیق :- یہ بھی جائز نہیں نصوص کے خلاف ہے۔
حال :- کیونکہ بعض اوقات نماز میں اس طرح ادا کرتا ہوں کہ لوگ مجھے دیکھکر نماز سیکھیں، اس لئے حضور مجھے مطلع فرمادیں کہ اس طرح میں کروں یا نہیں۔
تحقیق :- نہیں نیت بدل دیجئے۔

(مکتوب نمبر ۲۳)

حال :- کل والا نامہ موصول ہوکر کاشف احوال ہوا، حضرت والا! اپنی کمی کا احساس تو ضرور ہوجاتا ہے لیکن احساس کے موافق عمل میں دوام مشکل ہوجاتا ہے۔
تحقیق :- عمل تو مشکل ہے ہی مگر طالب کیلئے نہیں، لہٰذا طلب پیدا کرنا چاہئے۔
حال :- حالانکہ اسی کی ضرورت ہے اور یہی بہت بڑی کمی ہے۔
تحقیق :- ہاں کمی ہے اس کی وجہ میں نے لکھدی۔
حال :- حضرت والا دعا فرمادیں۔ تحقیق :- دعا کرتا ہوں۔
حال :- کہ حضرت والا کی دعاؤں کی برکت سے اللہ تعالیٰ عمل صالح کی توفیق دے۔
تحقیق :- آمین۔ حال :- حضرت والا! صحیح یہ ہے کہ شخصیت پرستی کو پہلے میں زیادہ اہمیت نہیں دیتا تھا یہ ضرور سمجھتا تھا کہ بڑوں کے یہاں جانے میں کچھ اصلاح ضرور ہو جاتی ہے، لیکن یہ کہ اصلاح انھیں میں منحصر ہے اس کے قطعی خلاف تھا اور یہ سمجھتا تھا کہ اللہ تعالیٰ اور اُسکے رسول کے کلام میں سارے اعمال موجود ہیں اور بزرگان دین بھی انھیں کے نقش قدم پر چل کر خدا کے برگزیدہ بندے ہوئے ہیں، لہٰذا اگر ہم بھی صحیح معنوں میں ان اعمال کی اتباع کریں تو ہم بھی اس درجہ کو پہونچ سکتے ہیں، لیکن اب میں نے کچھ تھوڑا حضرت والا کی کتاب وصیۃ الاخلاص کا مطالعہ کیا تو معلوم یہ ہوا کہ صحیح معنوں میں اتباع ہی تو مشکل ہوتا ہے۔ تحقیق :- بیشک۔
حال :- اور واقعی یہ کتاب ایک عالم کیلئے ایک بار نہیں ستر بار مطالعہ کرنے کی اور اس پر

عبرت حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ **تحقیق:۔** صحیح لکھتے ہو۔

حال:۔ ہم نے الفاظ بخاری تو ضرور ختم کر لیا ہے لیکن امام بخاریؒ نے کتاب کس مقصد کیلئے لکھا، اس مقصد کی طرف نظر نہیں گئی، حضرت اس للّٰہیت کی طرف متوجہ کرانیکی دو شخصوں کی ضرورت ہے۔ **تحقیق:۔** ٹھیک لکھ رہے ہو۔

حال:۔ اوّل اوّل تو استاد ہی کا حق ہے کہ الفاظ کے ساتھ ساتھ معانی کی طرف توجہ دلائیں اس لئے کہ طالب علم بحیثیت طالب ہونے کے ذہن اس کا خالی ہوتا ہے، اگر یہ لوگ اسی وقت تنبیہ کرتے جائیں تو زیادہ اثر پڑے۔ **تحقیق:۔** بیشک۔

حال:۔ چنانچہ پہلے کے اساتذہ ایسے ہی ہوا کرتے تھے اسی لئے طالب علم جب نکلتا تھا تو بیک وقت وہ بیہقیؒ وقت اور غزالی وقت ہوا کرتا تھا۔ **تحقیق:۔** ٹھیک کہتے ہو۔

حال:۔ لیکن حضرت! آج کل ایسے اساتذہ کمیاب ہیں، بلکہ آج کل کے اساتذہ نے اس کو دو جگہ منقسم کر دیا، اور اپنے ذمہ الفاظ ہی الفاظ کر کے معانی کو بزرگوں کے حوالہ کر دیا جو بڑی غلطی ہے۔ **تحقیق:۔** صحیح ہے۔

حال:۔ لہٰذا منحصر ہوگیا کہ للّٰہیت پیدا کرنے کے لئے کسی خدا رسیدہ کا دامن ہاتھ میں مضبوط پکڑا جائے۔ **تحقیق:۔** بیشک۔

حال:۔ جو اعمال میں للّٰہیت پیدا کرا دے۔ اور خدا کی صحیح معرفت کا پتہ دے۔

تحقیق:۔ بیشک۔ **حال:۔** رہا یہ سوال کہ اس میں کسی ایک شخص کے شخصیت پرستی کی کیا ضرورت ہے بیک وقت کئی ایک بزرگ سے اصلاح ہو سکتی ہے، یہ سوال میرے ذہن میں بہت دنوں سے کھٹکتا رہا جو بحمداللہ حضرت کی دعاؤں کی برکت سے اس طرح حل ہوا کہ چونکہ ہر ایک بزرگ کے طریقۂ اصلاح میں فرق ہوتا ہے، لہٰذا مرید کے ذہن میں کبھی یکسوئی نہیں پیدا ہو سکتی۔

تحقیق:۔ الحمدللہ کہ خوب حل ہوا اور فرق بھی خوب سمجھ میں آیا۔

حال:۔ حالانکہ اس طریق میں یہی اصل اصول ہے۔ **تحقیق:۔** بیشک۔

حال:۔ گو ہر ایک بزرگ کا مرجع ایک ہی ذات ہے۔ **تحقیق:۔** بیشک۔

(باقی آئندہ)

مال کی شرط اصلاح

علماء کی ان سب تصریحات سے معلوم ہوا کہ مال خود بُرا نہیں ہوتا بلکہ اسکو انسان کا استعمال بُرا بنا دیتا ہے۔

اس لئے مال والے کے لئے صالح ہونا نہایت ضروری ہے وہ صالح ہوگا تو مال کو بھی صالح بنالے گا۔ اور مال کا صالح ہونا یہی ہے کہ وہ انسان کے تابع ہو یعنی محکوم ہو انسان پر حاکم نہ ہوجائے اور اسکو انسان اپنی حد پر رکھے۔ مال ہاتھ کا میل ہے۔ انسان کا مکسوب ہے۔ خادم ہے اس لئے آدمی اس سے وہی کام لے جو اس کے مناسب ہے۔ یہ تو ٹھیک ہے (کمایا ہوا)، باقی اسکو اپنی حد سے بڑھا کر یہ کردے کہ خود اسکا تابع اور محکوم ہوجائے۔ یہ قلب موضوع[۱] ہے اور اس کا مصداق ہے کہ ؎

كَانَ مَمْلُوكِي فَأَضْحَى مَالِكِي
إِنَّ هٰذَا مِنْ أَعَاجِيبِ الزَّمَنْ

(یعنی میرا غلام اور مملوک تھا مگر اب ہمارا آقا اور مالک ہوگیا ہے۔ یہ بھی اعجوبۂ روزگار میں سے ہے۔)

اسکا واقعہ یہ تھا کہ ایک آقا اپنے غلام پر عاشق ہوگیا۔ جب اسکو اس کا احساس ہوا تو وہ لگا ناز و انداز کرنے اور یہ آقا صاحب بالکل اس کے مطیع اور فرمانبردار ہوگئے۔ جو جو وہ کہتا تھا کرتے تھے اسی کو کہا کہ ؎

كَانَ مَمْلُوكِي فَأَضْحَى مَالِكِي
إِنَّ هٰذَا مِنْ أَعَاجِيبِ الزَّمَنْ

اسی طرح سے یہ کہتا ہوں کہ مال کی وضع تو اسلئے تھی کہ وہ آپ کا خادم ہوتا۔ اور آپ کے لئے زاد آخرت حاصل کرنے کا ذریعہ بنتا لیکن انسان ہی عبد الدینار[۲] اور عبد الدراہم ہوگیا ہے۔ یہی قلب موضوع ہے۔

مال کی جگہ[۱]

ایک دفعہ میں نے اسی بات کو اس عنوان سے بیان کیا تھا کہ بھائی مال کو جیب

---

[۱] ... [illegible]

میں رکھو۔ بکس میں رکھو جائز ہے۔ دل میں نہ رکھو اس لئے کہ دل میں رکھنے کی چیز اللہ تعالیٰ کی محبت ہے ؎

دل دیا ہے جس نے تخم عشق بونے کے لئے
آنکھ دی ہے اس نے ساری عمر رونے کے لئے

تو لوگوں نے اس کو بہت پسند کیا کہ خوب بات کہی کہ مال کی جگہ صندوق ہونا چاہیئے قلب نہیں۔ میں نے کہا کہ یہ بات میں ہی نہیں کہہ رہا ہوں یہ مضمون تو کتاب وسنت کا ہے اور علمائے امت نے اس کو بیان کیا ہے۔ حدیث شریف میں یہ جو آیا ہے کہ نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلرَّجُلِ الصَّالِحِ (پاکیزہ مال نیک آدمی کیلئے کیا ہی عمدہ چیز ہے) تو اس کے متعلق مولانا رومؒ مثنوی میں فرماتے ہیں کہ ؎

مال را گر بہر دین باشی حمول نعم مالٌ صالحٌ گفتا رسول

یعنی مال کو اگر دین کی خاطر اٹھاؤ اور جمع کرو تو کچھ حرج کی بات نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلرَّجُلِ الصَّالِحِ۔ آگے مولانا رومؒ نے اس کی ایک نہایت ہی عمدہ مثال بیان فرمائی ہے۔

فرماتے ہیں ؎

آب در کشتی ہلاک کشتی است آب اندر زیر کشتی پشتی است

یعنی (پانی کو دیکھو کہ اگر وہ) کشتی کے اندر آجائے تو اس کے لئے سامان ہلاکت ہے لیکن (یہی پانی اگر نہ ہو تو کشتی چل بھی نہیں سکتی۔ چنانچہ) کشتی کے نیچے پانی کا ہونا اس کے حق میں مدد اور اعانت ہے۔ دین وعزت کا محافظ۔

بس یہی مثال دنیا کی اور قلب مومن کی سمجھو کہ اگر مال اور دنیا مومن کی کشتی قلب سے باہر ہے (جس کو میں نے کہا کہ جیب میں رہے یا صندوق میں رہے) تو اسمیں شک نہیں کہ اس کے دین کا محافظ اور اس کی عزت وآبرو کا دفاع ہے جیسا کہ حدیث شریف میں بھی اسکو ترس المومن[1] فرمایا ہے۔ ہاں اگر اس کی محبت قلب کے اندر گھس گئی ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت پر غالب آگئی ہے تو بلاشبہ یہ مومن کے لئے

---

[1] مال مومن کے لئے ڈھال ہے۔

سیدالاولیاء حضرت سفیان ثوریؒ کا حکیمانہ کلام

دینی ہلاکت کا سبب بھی ہے۔

اور یہ جو میں نے کہا کہ مال مومن کے دین کا محافظ ہے تو یہ بھی اپنی جانب سے نہیں کہا بلکہ راس الاصفیاء حضرت سفیان ثوریؒ کا ارشاد ہے جسے صاحب مشکوٰۃ نے " باب استحباب المال والعمر للطاعۃ "کے تحت بیان کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ

كَانَ الْمَالُ فِيمَا مَضَىٰ يُكْرَهُ فَأَمَّا الْيَوْمَ فَهُوَ تُرْسُ الْمُؤْمِنِ وَقَالَ لَوْلَا هٰذِهِ الدَّنَانِيرُ لَتَمَنْدَلَ بِنَا هٰؤُلَاءِ الْمُلُوكُ وَقَالَ مَنْ كَانَ فِي يَدِهِ مِنْ هٰذِهِ شَيْءٌ فَلْيُصْلِحْهُ فَإِنَّهُ زَمَانٌ إِنِ احْتَاجَ كَانَ أَوَّلُ مَا يَبْذُلُهُ دِينَهُ وَقَالَ الْحَلَالُ لَا يَحْتَمِلُ السَّرَفَ۔

یہاں حضرت سفیان ثوریؒ نے چار باتیں بیان فرمائی ہیں:-

۱۔ ایک تو یہ فرمایا کہ پہلے زمانہ میں مال مکروہ سمجھا جاتا تھا لیکن آج کے دن تو وہ تو مومن کی ڈھال ہے۔ مطلب یہ کہ اگلے زمانہ میں لوگوں کے ایمان قوی تھے آخرت اُن پر غالب تھی اس لئے نہ دنیا کی جانب انکو التفات تھا اور نہ دنیا کی قلت ان کے دین میں قادح ہوتی تھی۔ لیکن اب زمانہ بدل چکا ہے آج اگر کوئی شخص اپنے دین کی حفاظت کر سکتا ہے تو مال ہی کے ذریعہ کر سکتا ہے۔ گویا یہ مال حفاظت دین کے لئے بمنزلہ سپر کے ہے۔ چنانچہ جس طریقہ سے دشمن کے حملے سے بذریعہ سپر بچا جاسکتا ہے اسی طرح سے اس زمانہ میں دین کا وقایہ اور عزت و آبرو کے لئے اگر کوئی چیز سپر بن سکتی ہے تو وہ مال ہے چنانچہ آپ نے دوسرے ارشاد میں اسی کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

۲۔ اگر آج ہمارے پاس یہ دراہم و دنانیر (روپئے پیسے) نہ ہوتے تو یہ امراء اور ملوک تو ہمیں رومال اور صافی ہی بنا لیتے یعنی ہمیں مبتذل اور حقیر سمجھتے اور جس طرح سے کہ صافی سے میل کچیل صاف کیا جاتا ہے اسی طرح یہ ہم کو

لہ خلل انداز

استعمال کرتے ہیں۔

۳۔ تیسری بات یہ فرمائی کہ جس کے پاس کچھ مال وغیرہ ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ اسکی اصلاح کرے یعنی اسکو تلف ہونے سے بچائے اور تجارت وغیرہ کے ذریعہ اسکو بڑھائے اسلئے کہ یہ ایسا زمانہ ہے کہ انسان اگر محتاج ہوا تو سب سے پہلی چیز جسے وہ اپنی حاجت روائی کے لئے استعمال کریگا وہ اسکا دین ہوگا۔

اہم نکتہ | مطلب یہ کہ وقت بدل چکا ہے، ایمان میں ضعف آگیا ہے تقوے میں کمی ہوگئی ہے دین کا احترام اور اسکا اہتمام لوگوں کے قلوب میں اب پہلا جیسا باقی نہیں رہا۔ اس لئے اب جہاں اس کی کوئی دنیوی ضرورت اٹکی اور اس کی تحصیل کے لئے اگر دین بھی استعمال کرنا پڑیگا تو اسکو اسمیں بھی دریغ نہ ہوگا اور دنیا حاصل کرنے کیلئے دین کو برباد کرے گا۔

۴۔ چوتھی بات یہ ارشاد فرمائی کہ حلال مال اسراف کو برداشت ہی نہیں کرتا۔ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اسکا ایک مطلب تو یہ ہے کہ حلال کمائی اتنی ہوتی ہی نہیں کہ آدمی اس میں اسراف روا رکھ سکے۔

اور دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ انسان کو اپنی حلال آمدنی احتیاط سے صرف کرنی چاہئے ایسا نہ ہو کہ اسمیں اسراف کرنے لگ جائے اور اسکی وجہ سے وہ ختم ہو اور اسکے رُخ کو حرام کی جانب پھیر دے۔ انتہی

حضرت مصلح الامتؒ کی تحقیق:

دیکھئے یہ حدیث مشکوٰۃ شریف میں موجود ہے اور حضرت سفیان ثوری کا اثر ہے جو بہت بڑے صوفی گذرے ہیں مگر مال کے بارے میں یہ ارشاد فرما رہے ہیں۔

بات یہ ہے کہ اپنے زمانہ میں لوگوں کا حال دیکھا ہوگا چنانچہ جو فرمایا وہ بالکل صحیح فرمایا ہم تو اپنے زمانہ میں کھلی آنکھوں اسکا مشاہدہ کر رہے ہیں کہ لوگ کس کس طریقہ سے دنیا کی معمولی معمولی چیزوں کی خاطر اپنے دین کو ختم کر دیتے ہیں! ایک مصلح کا یہی کام ہوتا ہے کہ وہ زمانہ اور حالات کا فرق دیکھ کر وقت کے مناسب

حکم شرعی بیان کرتا ہے۔

اہل علم اور مال:-

آج دیکھا جاتا ہے کہ مال کی تحصیل کی خاطر لوگ بلا تکلف جھوٹ بولتے ہیں جھوٹا حلف اٹھا لیتے ہیں اور بعضوں کا تو سارے دن کا یہی مشغلہ ہی رہتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کذب کی برائی ہی آہستہ آہستہ قلب سے نکل جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت سفیان ثوریؒ کا یہ ارشاد غایت تجربہ وحکمت پر مبنی ہے اس لئے کہ امارت کا یہ خاصہ ہی ہے کہ اس میں اپنی برتری اور دوسروں کی تحقیر پیش نظر ہوتی ہے۔ اب اگر کسی نیک اور دیندار شخص کے پاس مال نہ ہوا یا کوئی شخص عالم ہو کر امراء کا دست نگر رہا تو ظاہر ہے کہ اس شخص سے اور لوگوں کو دینی نفع نہیں پہونچے گا بالخصوص امراء کو تو قطعی فیض اس سے نہیں ہوگا اور یہ شخص انکا مقتدا اور پیشوا تو ہو ہی نہیں سکتا اسلئے کہ انکے قلوب اس کی عظمت سے خالی ہونگے اور کسی سے فیض حاصل کرنے کے لئے اس کی عظمت کا قلب میں ہونا نہایت ضروری ہے تو جو لوگ مال میں اسے ہی محتاج اور اپنے کو محتاج الیہ سمجھ رہے ہیں انکے قلوب میں اس کی کیا عظمت ہوگی۔

حضرت حکیم الامتؒ کی شان استغناء: اس پر آپ کو ایک اور واقعہ سناتا ہوں۔

نواب ڈھاکہ نے ایک مرتبہ حضرت تھانویؒ کو ڈھاکہ آنے کی دعوت دی حضرت نے بعض شرطیں پیش فرمائیں۔ طے ہونے کے بعد سفر فرمایا۔ کلکتہ میں نواب صاحب کے ایک عزیز ملے جو استقبال کے لئے آئے تھے۔ حضرت سے ملاقات کرتے ہی انھوں نے یہ کہدیا کہ حضرت آپ خوب تشریف لائے آپ کے آنے سے بڑی مسرت ہوئی ورنہ تو ہم لوگ نا امید ہوگئے تھے۔

حضرت نے فرمایا کیوں؟ نا امید کیوں ہوگئے تھے؟ انھوں نے عرض کیا کہ حضرت نے اپنے آنے کے متعلق ایسی شرطیں لگادی تھیں جن سے خیال ہوا کہ شاید تشریف نہ لائیں۔ حضرت نے فرمایا کہ کیا شرطیں لگادی تھیں؟ کہا مثلاً ایک شرط یہی آپ نے لگادی تھی کہ مجھے وہاں کچھ ہدیہ نہ دیا جائے؟ فرمایا کہ پھر یہ تو کوئی

مشکل بات نہ تھی۔ کہا آپ خود خیال فرمائیے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص اپنے محبوب کو کچھ نہ دے۔ حضرت نے فرمایا کہ اچھا تو محبوب کے دینے کے لئے یہ کیا ضروری ہے کہ اسکو اپنے گھر ہی بلا کر دے یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ جو کچھ دینا ہے اس کو محبوب کے گھر ہی بھیجدے۔ انھوں نے کہا کہ ہاں یہ صحیح فرمایا لیکن معاف فرمائیے گا پیاسا کنوئیں کے پاس جاتا ہے کنواں پیاسے کے پاس نہیں جاتا۔

حضرت نے یہ سُنکر فرمایا کہ اچھا تو اسکا مطلب یہ ہوا کہ ہم پیاسے ہیں اور آپ کنواں ہیں لیکن یہ غلط ہے اور اسلئے غلط ہے کہ دیکھئے دو چیزیں ہیں دین اور دنیا سو الحمدللہ دین ہمارے پاس کافی موجود ہے اور دنیا بھی بقدر ضرورت موجود ہی ہے اسمیں بھی ہم آپ کے محتاج نہیں ہیں۔ رہے آپ تو دنیا آپ کے پاس ضرور ہے لیکن دین آپ کے پاس بقدر ضرورت بھی نہیں ہے اور اس میں آپ ہمارے محتاج ہیں۔ تو اب آپ ہی بتلائیے کہ کنواں ہم ہوئے کہ آپ؟ یہ کہہ کر حضرت نے فرمایا کہ اب میں ڈھاکہ نہیں جاؤں گا۔ چنانچہ وہیں سے واپس چلے آئے۔

رستہ میں غالباً الہ آباد میں اکبر حسین جج ملے بہت خوش ہوئے کہا کہ بہت اچھا ہوا کہ آپ وہاں نہیں تشریف لے گئے۔ جی یہی چاہتا تھا کہ آپ وہاں نہ جائیں۔

دیکھی آپ نے مال کی ضرورت۔ عالم اگر مستغنی نہ ہوگا اور اہل دنیا کی جانب محتاج ہوگا تو اس کی ان کی نظروں میں کیا عزت رہ جائے گی۔

شہزادۂ ایران کی خودداری اسی احتیاج پر ایک اور واقعہ سنئے۔

ایران کا ایک نواب پر کچھ افتاد پڑی وطن سے نکل کر ہندوستان آیا۔ لکھنؤ میں سرائے میں قیام کیا۔ وہاں کے نوابوں کو معلوم ہوا کہ یہ ایران کا شہزادہ ہے تو وہ لوگ اس سے ملنے کے لئے آئے۔ ایک نواب صاحب جو اطراف و مضافات[1] کے تھے اس سے مل کر جب جانے لگے تو کہا کہ غریب خانہ کا یہ پتہ ہے اگر کبھی کلال

---

[1] اکناف ہٹ

ملال ہو تو بغرض تفریح و تنشیط تشریف لے آیئے گا کچھ لطف ہی رہیگا۔ آپ کا دل ہی بہل جائیگا۔ اس نے کہا بہت اچھا۔

کچھ دنوں کے بعد ایک دن اس شہزادے کو خیال آیا کہ میرا دوست مجھے دعوت دے گیا ہے چلوں ذرا اس سے ملاقات کرتا آؤں۔ کرایہ پر ٹٹو لیا اور اس پر سوار ہوکر اس پتہ پر پہونچا۔ نواب کو جب یہ معلوم ہوا کہ شاہزادہ ایران آرہا ہے تو بستی کے لوگوں کو ہمراہ لے کر بستی سے باہر استقبال کے لئے آیا لیکن معلوم نہیں کس ترنگ میں تھا کہ ملاقات ہوتے ہی اسکے منہ سے یہ شعر نکل گیا کہ ؎

آنکہ شیراں راکند روبہ مزاج　　احتیاج است احتیاج است احتیاج

(یعنی احتیاج ایسی چیز ہے کہ شیروں کو بھی لومڑی بنا دیتی ہے) اسکی بادشاہت کو شیری سے اور موجودہ غربت کو روبہ مزاجی سے تشبیہ دی۔ ایران کے شاہزادہ کو اس کی یہ بات لگ گئی اور برجستہ اسکو یہ جواب دیا کہ ؎

شیر نرکے می شود روبہ مزاج　　می زند برکفش خود صد احتیاج

(یعنی شیر نر بھلا روبہ مزاج کب ہوتا ہے۔ وہ تو ایسی ایسی سیکڑوں حوائج اپنی جوتی پر مارتا ہے) یہ کہا اور ٹٹو کی باگ پھیر دی اور واپس چلا آیا۔ اس کے بعد اس رئیس نے ہر چند معافی مانگی اور بہت خوشامد کی مگر اس نے کہا نہیں اب تمھارے یہاں نہیں جاؤنگا۔ جو شیر کہ روبہ مزاج ہوجاتے ہیں وہ لومڑی ہونے ہونگے مگر شیر نر اور شیر ببر جو ہوتا ہے وہ روبہ مزاج نہیں ہوتا بھوک سے مرجاتا ہے مگر لومڑی کا دیا ہوا شکار کھانا کبھی پسند نہیں کرتا۔

بلکہ یہ واقعہ میں نے اس پر سنایا کہ دیکھئے ریاست کا بھی ایک غرور ہوتا ہے اور مال کا طغیان ہوتا ہے جس طرح سے عبادت والے میں کبھی عجب آجاتا ہے اور وہ اسکی عبادت کا مار دیتا ہے تو اسکی وجہ سے عبادت کو برا نہیں کہا جاتا بلکہ اسکے عجب پر نکیر کیجاتی ہے اسی طرح مال والے میں سرکشی، ظلم، تکبر وغیرہ بہت سے رذائل پیدا ہوجاتے ہیں تو انکی وجہ سے مال کی برائی نہیں کیجائیگی بلکہ ان رذائل سے انسان کو نکالا جائیگا۔

(باقی آئندہ)

دنیا اولیاء اللہ کی نگاہ میں

از حکیم الامت قدس سرہ

فرمایا کہ اہل اللہ کی نظروں میں دنیا کا وجود کاہ سے زیادہ نہیں، چھوٹے چھوٹے بچے مٹی کے گھروندے کھلونے بناتے ہیں، عقلاء ان پر ہنستے ہوئے گذرتے ہیں اور بچوں کو بلاکر دکھلاتے ہیں کہ ان دیوان خانوں کو آؤ اور ان کو دیکھو۔ اسی طرح عرفاء اور اہل اللہ آپکے بلند قصروں اور محلوں کو دیکھ کر آپ کو دار آخرت کی ترغیب دیتے ہیں اور جب آپ کو ملتفت (متوجہ) نہیں پاتے تو وہ آپ پر ہنستے ہیں اور آپ کی حالت پر یہ کہتے ہوئے افسوس کرتے ہیں ؎ دلا تاکے دریں کاخ مجازی ÷ کنی مانند طفلاں خاک بازی

(اے دل! تو کب تک اس مجازی محل (دنیا) میں بچوں کی طرح خاک بازی کرتا رہے گا)

توئی آں دست پرورمرغ گستاخ ÷ کہ بودت آشیاں بیروں ازیں کاخ (تو ہی وہ ناز سے پالا ہو مرغ گستاخ ہے کہ تیرا آشیانہ اس محل (دنیا) سے باہر (جنت میں) تھا) ؎ چرا زاں آشیاں بیگانہ گشتو چو دوناں چغد ایں ویرانہ گشتی (توکس لئے اپنے اس آشیانہ سے انجان بنکر الو کی مانند اس دکا ہو رہا) پس اس دنیاوی سازوسامان کو قبلہ وکعبہ مت بناؤ میں یہ نہیں کہتا کہ دنیا چھوڑ دو اور تعلقات کو ترک کردو، بلکہ غرض یہ ہے کہ دنیا میں اس قدر منہمک نہ رہو کہ خدا تعالیٰ کو بھی بھول جاؤ دنیا کو نظر حقارت سے دیکھو اور خاصان خدا تعالیٰ کی عزت کرو۔ اہل اللہ سلطنتوں اور حکومتو کی پرواہ نہیں کرتے اور ان کو وبالِ جان خیال کرتے ہیں۔

قصہ مشہور ہے کہ حضرت غوث پاک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت مبارک میں سلطانؒ نے خط لکھا جس میں تحریر کیا کہ ایک حصہ ملک کا آپ کے خدام کے لئے آپ کو دیتا ہوں جواب میں لکھ بھیجا کہ ؎

چوں چتر سنجری رخ بختم سیاہ باد ۔۔۔ در دل اگر بود ہوس ملک سنجرم

(چتر سنجری کی طرح میری قسمت سیاہ ہو اگر میرے دل میں ملک سنجر کی خواہش ہوے)

زانگہ کہ یافتم خبر از ملک نیم شب ۔۔۔ من ملک نیمروز بیک جو نمی خرم

(جب سے کہ مجھ کو نیم شب کی سلطنت کی خبر ملی ہے میں نیمروز کی سلطنت ایک جو کے عوض بھی خریدنے کو تیار نہیں)

یہ روایت متعدد طرق اور مختلف الفاظ سے نقل ہوئی ہے۔ بعض میں حج یا عمرہ کے الفاظ ہیں بعض میں حج اور عمرہ مذکور ہے، بعض میں صرف عمرہ کا ذکر ہے، ابن ماجہ میں سند صحیح کے ساتھ یہ الفاظ مذکور ہیں "جس شخص نے بیت المقدس سے عمرہ کا احرام باندھا اس کے گناہ معاف کردیئے جائیں گے"۔ بخاری نے تاریخ کبیر میں بھی یہی الفاظ متعدد اسانید کے ساتھ روایت کئے ہیں (شفاء الاسقام)

خصلت یازدھم

حج کرنا | حدیث :- امام بخاری و مسلم وغیرہم نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس شخص نے حج کیا اور (زمانہ حج میں) فحش اور فسق سے بچا رہا، تو اپنے گناہوں سے ایسا پاک ہوکر لوٹے گا، جیسے آج ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے"۔ اور احمد ابن منیع اور ابویعلیٰ کی سند میں بروایت حضرت جابر بن عبداللہ یہ حدیث مذکور ہے کہ جس شخص نے اپنا حج پورا کیا اور مسلمانوں کو اپنی زبان اور ہاتھ سے کوئی ایذا نہ پہنچائی تو اسکے اگلے اور پچھلے گناہ بخش دیئے گئے"، حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا کہ اس کی سند میں موسیٰ ابن عبید راوی ضعیف ہیں (مگر ایسا ضعف فضائل اعمال میں مضر نہیں۔ محمد شفیع)

فائدہ :- اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ حج سے ہر قسم کے کبیرہ و صغیرہ سب گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے یا صرف صغائر کا، نیز یہ کہ حقوق العباد کے گناہ بھی حج سے معاف ہو جاتے ہیں یا نہیں؟ محققین کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ صغائر و کبائر سب کا کفارہ ہو جاتا ہے، اور حقوق العباد کے بھی گناہ معاف ہو جاتے ہیں مگر حقوق ساقط نہیں ہوتے مثلاً ایک شخص نے چوری یا غصب یا رشوت یا سود کے ذریعہ کسی کا مال لے لیا تو اس مال کی واپسی اس کے ذمہ بہر حال واجب رہے گی، البتہ حج کرنے سے چوری کرنے کا گناہ معاف ہو جائے گا۔ جیسے حقوق اللہ کا بھی یہی حال ہے کہ اگر کسی شخص نے نماز نہیں پڑھی روزے نہیں رکھے تو نماز نہ پڑھنے یا روزہ نہ رکھنے سے جو گناہ اس کے سر پر عائد ہوا تھا وہ گناہ حج کرنے سے معاف ہو جائے گا، مگر نماز اور روزہ کی قضا بہر حال اس کے ذمہ واجب رہے گی۔

الغرض احکام دنیویہ میں جو تدارک اس کے ذمہ عائد کیا گیا ہے وہ بہر حال کرنا پڑے گا خواہ حقوق اللہ سے متعلق ہو یا حقوق العباد سے، اسکے تدارک میں پھر کوتاہی کریگا تو از سر نو گنا ہگار ہو جائیگا واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم (شفاء الاسقام)

خصلت دوازدہم

مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت پڑھنا | حدیث :- قاضی عیاض نے شفار میں اور حافظ ابن حجرؒ نے خصال میں حسن بصریؒ سے یہ حدیث بھی نقل فرمائی ہے کہ جو شخص مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز ادا کرے اس کے اگلے پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ اور ملا علی قاری نے شرح شفار میں بحوالہ دیلمی وابن نجار حدیث کے یہ الفاظ روایت کئے ہیں " جس شخص نے بیت اللہ کا طواف سات مرتبہ کیا اور مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت پڑھی اور زمزم کا پانی پیا، اسکے سب گناہ بخش دیئے گئے، خواہ کتنے ہی ہوں۔

اس حدیث میں اگرچہ حضرات محدثین نے کلام کیا ہے لیکن ساقط الاعتبار نہیں، زیادہ سے زیادہ ضعیف کہا جا سکتا ہے، سو ضعیف روایات فضائل الاعمال کے باب میں مقبول ہیں، خصوصاً جبکہ تعدد طرق واسانید اور دوسری احادیث سے اسکی تائید بھی ہو رہی ہے۔

خصلت سیزدہم

وقوف عرفہ ومزدلفہ | حدیث :- ابن ماجہ اور بیہقی نے سنن میں اور ضیار مقدسی نے مختارہ میں حضرت عباس ابن مرداسؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ کی شام کو اپنی امت کیلئے مغفرت کی دعا مانگی تو حق تعالیٰ کا ارشاد ہوا کہ ہم نے سب کو بخش دیا، مگر ظالم سے مظلوم کا بدلہ ضرور لیا جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا، اے میرے پروردگار اگر آپ چاہیں تو یہ بھی کر سکتے ہیں کہ مظلوم کو جنت سے بدلہ دیدیں اور ظالم کو معاف فرمادیں، مگر یہ دعا اس وقت قبول نہ ہوئی، پھر جب مزدلفہ میں صبح ہوئی تو پھر وہی دعا مانگی، اسوقت یہ دعا بھی قبول ہو گئی اسکی خوشی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسی آگئی، حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما نے عرض کیا

"ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، اس وقت ہنسنے کا کیا سبب ہے؟ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ خنداں رکھے"؟ آپ نے فرمایا کہ "خدا کے دشمن ابلیس نے جب یہ دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے میری دعا قبول فرمالی اور میری امت کی مغفرت فرمادی تو دو ہتڑوں سے اپنے سر پر مٹی ڈالنے لگا اور واویلا کرنے لگا، اسکی یہ گھبراہٹ دیکھکر مجھے ہنسی آگئی۔

ف ۱ اس حدیث کی سند میں اگرچہ بعض محدثین نے کلام کیا ہے مگر محققین کے نزدیک اس کا درجہ حسن سے کم نہیں، اسی مضمون کی احادیث حضرت انس ابن مالک اور عبداللہ بن عمرو عبادہ بن الصامت اور ابوہریرہ وغیرہم رضی اللہ عنہم سے منقول ہیں، ان میں سے حضرت انسؓ کی حدیث جس کو ابن مبارک نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات میں قیام فرمایا، جب آفتاب غروب ہونے کے قریب ہوا تو حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ ذرا لوگوں کو خاموش کریں (تاکہ کچھ ارشاد فرمائیں) جب لوگ خاموش ہوگئے، آپ نے فرمایا "اے لوگو ابھی وقت میرے پاس جبرئیل امین آئے اور میرے پروردگار کی طرف سے مجھے سلام پہنچایا اور یہ خوشخبری دی، کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ عرفات اور اہلِ مزدلفہ کی مغفرت فرمادی اور جو مظالم انھوں نے دوسروں پر کئے ان کا بدلہ بھی اپنے ذمہ لے لیا" حضرت عمرؓ کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ہمارے لئے مخصوص ہے؟ آپؐ نے فرمایا "نہیں بلکہ تمہارے لئے بھی اور تمہارے بعد قیامت تک آنیوالوں کے لئے بھی" منذری نے ترغیب ترہیب میں اس روایت کو نقل فرمایا ہے۔

ف ۲ اس حدیث میں امت کیلئے دعائے مغفرت اور اسکی مقبولیت ممکن ہے کہ صرف ان لوگوں سے متعلق ہو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عرفہ اور مزدلفہ کے وقوف میں شریک تھے اور یہ بھی محتمل ہے کہ قیامت تک تمام ان مسلمانوں کیلئے ہو جو عرفہ اور مزدلفہ میں وقوف کریں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ مطلقاً پوری امت مراد ہو خواہ وقوف عرفہ و مزدلفہ سے مشرف ہوں یا نہ ہوں لیکن حضرت انسؓ کی حدیث مذکور سے احتمال ثانی یعنی ہر سال وقوف عرفہ اور مزدلفہ میں شریک ہونے والے مسلمانوں کا مراد ہونا متعین ہوتا ہے۔

خصلت چہاردھم ۱۴

سورہ حشر کی تلاوت | حدیث:- ثعلبی اور ابن مردویہ نے اپنی اپنی تفسیروں میں حضرت انسؓ سے

سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جس شخص نے سورۂ حشر کی آخری آیتیں پڑھیں، اس کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے گئے"۔

اس حدیث کی سند میں بھی محدثین نے کلام کیا ہے، مگر زائد سے زائد ضعیف السند ہے، اور فضائل اعمال میں ایسی روایات معتبر ہیں، واللہ اعلم۔

خصلت پانزدھم ۱۵

اپنی اولاد کو قرآن کی تعلیم دلانا | حدیث:- طبرانی نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "جس شخص نے اپنے بیٹے کو ناظرہ قرآن مجید پڑھایا، اس کے اگلے پچھلے گناہ بخشدیئے گئے اور جس نے حفظ کرایا تو جب کبھی بیٹا ایک آیت قرآن کی پڑھیگا تو اللہ تعالیٰ اس کے باپ کا ایک درجہ (جنت میں) بلند فرمادیں گے یہاں تک کہ جتنا قرآن اس بیٹے نے یاد کیا ہے اسی طرح ہر آیت پر ایک ایک درجہ بلند ہوتا رہے گا۔

خصلت شانزدھم ۱۶

سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر پڑھنا | حدیث:- امام احمدؒ نے مسند میں اور نسائی اور ابن ماجہ نے اور حاکم نے مستدرک میں اور بیہقی اور ابن ابی الدنیا وغیرہ نے حضرت ام ہانیؓ سے ایک حدیث روایت کی ہے جس میں امام احمدؒ کے الفاظ یہ ہیں:۔

"حضرت ام ہانی فرماتی ہیں کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، میں نے عرض کیا، یارسول اللہ! میں بوڑھی اور ضعیف ہوگئی مجھے کوئی ایسا عمل بتا دیجئے جس کو میں بیٹھے بیٹھے کرلوں، آپ نے فرمایا تم سومرتبہ سُبْحَانَ اللہِ! پڑھ لیا کرو کیونکہ اس کا ثواب اتنا بڑا ہے جیسے بنی اسمٰعیل میں کے سَو غلام آزاد کرنے کا ثواب ہو اور سَو مرتبہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ پڑھا کرو اس کا ثواب اتنا بڑا ہے جیسے تم نے سو گھوڑے زین کسے ہوئے لگام لگائے ہوئے (تیار) اللہ کے راستے میں جہاد کے لئے وقف کئے ہوں۔ اور سَو مرتبہ اَللہُ اَکْبَرُ پڑھا کرو، اس کا ثواب اتنا بڑا ہے جیسے تم نے سَو اونٹ قلادہ ڈالے ہوئے قربان کئے ہوں۔ اور سَو مرتبہ لَا اِلٰہَ

اِلَّا اللہُ پڑھا کرو کہ اس کا ثواب آسمان اور زمین کی فضا کو بھر دیگا اور اس دن کسی کا کوئی عمل اس سے افضل خدا کی بارگاہ میں نہ جائے گا بجز اس کے کہ وہ بھی اس پر عمل اختیار کرے"

تیسیر میں فرمایا کہ اس حدیث کی اسناد حسن ہے اور ابن ابی الدنیا کی روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ "یہ عمل کوئی گناہ باقی نہ چھوڑے گا" اور ابوالشیخ اصفہانی کی روایت میں ہے کہ اس کے اگلے پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے " ان آخری روایتوں کی سند اگرچہ ضعیف ہے۔ مگر ساقط الاعتبار نہیں۔

خصلت ہفتدہم ۱۷

مسلمان کی حاجت روائی | حدیث :- ابو احمد ناصح نے اپنے فوائد میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :-

" جو شخص اپنے بھائی مسلمان کی حاجت پوری کرنے میں سعی کرے خواہ وہ سعی کامیاب ہو یا ناکام رہے، اللہ تعالیٰ اس کے اگلے اور پچھلے گناہ معاف فرما دینگے اور اس کے لئے دو پروانے ایک جہنم کی آگ سے اور دوسرے آفات سے برأت کے لکھ دیئے جاویں گے "

حافظ ابن حجر نے فرمایا کہ اس حدیث کے راوی سب ثقہ ہیں۔ سوائے احمد بن بکر کے اسکو ابن عدی نے ضعیف کہا ہے اور ابن حبان نے ثقات میں شمار کیا ہے مگر یہ کہا کہ اس سے کبھی کبھی روایت میں خطا ہو جاتی ہے۔

خصلت ہشدہم ۱۸

راستہ سے کانٹے وغیرہ ہٹادینا | حدیث :- ابن حبان نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ " اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیئے گناہ اس شخص کے جس نے مسلمانوں کے راستے سے کانٹوں کو ہٹا دیا، اگلے اور پچھلے سب گناہ "

حافظ عبدالعظیم منذری نے بھی اس حدیث کو اپنے رسالہ میں ذکر کیا ہے اور اصل اس حدیث کی صحیحین اور تمام کتب حدیث میں موجود ہے مگر اسمیں اگلے اور پچھلے گناہوں کی تصریح نہیں، مطلقاً مغفرت کا ذکر ہے۔

خصلت نوزدھم ۱۹

سفر میں بیماری | حدیث :- دیلمی نے مختصر الفردوس میں اور سخاوی نے مقاصد حسنہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسافر جب بیمار پڑتا ہے اور اپنے دائیں بائیں اور آگے پیچھے نظر ڈالتا ہے اور اسکو کوئی اپنا جاننے پہنچاننے والا نظر نہیں پڑتا تو اللہ تعالیٰ اس کے اگلے پچھلے گناہ معاف فرما دیتے ہیں۔ اور کنز العمال میں یہ الفاظ ہیں کہ مسافر کی موت شہادت ہے۔ جب سفر میں کوئی مسلمان قریب الموت ہوتا ہے اور اپنے دائیں بائیں نظر ڈالتا ہے تو کسی اپنے خویش وعزیز کو نہیں پاتا اور اپنے اہل وعیال کو یاد کرکے ٹھنڈی سانس بھرتا ہے تو ہر سانس پر اللہ تعالیٰ اس کے دو کروڑ گناہ معاف کر دیتے ہیں اور دو کروڑ حسنات لکھی جاتی ہیں اور جب اسکی روح نکل جائے تو اس پر شہید کی مہر لگا دی جاتی ہے۔ یہ حدیث طبرانی نے معجم کبیر میں اور رافعی نے بھی بروایت وہب بن منبہ اور حضرت عبداللہ ابن عباس سے نقل کی ہے۔

خصلت بستم ۲۰

مسلمانوں کا اخلاص کے ساتھ باہمی مصافحہ | حدیث :- حسن بن سفیانؒ اور ابویعلیٰ نے اپنی اپنی مسندوں میں، اور ابن السنی نے عمل الیوم واللیلۃ میں حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "دو اللہ کے بندے آپسمیں جو محض اللہ کے واسطے محبت رکھتے ہوں وہ جب مصافحہ کریں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجیں تو ایک دوسرے سے علیٰحدہ ہونے سے پہلے ان کے اگلے اور پچھلے گناہ معاف کر دیئے جاویں گے۔

یہ حدیث اذکار ابن حجر میں اور منذری کے رسالہ میں بھی موجود ہے اور اصل اس حدیث کی مسند احمد، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، مختار مقدسی میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے جس کے الفاظ یہ ہیں" دو مسلمان آپسمیں ملیں اور مصافحہ کریں تو ان کے جدا ہونے سے پہلے ان کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

تنبیہ :- سبحان اللہ! اس مختصر سے عمل کا کتنا بڑا ثواب ہے مگر ضرورت اسکی ہے کہ

بعض رسم کے طور پر ہاتھ پر ہاتھ رکھنا نہ ہو، بلکہ اس ثواب کا اعتقاد کر کے سنت کے مطابق مصافحہ کرے۔

خصلت بست و یکم ۲۱

کھانے اور پہننے کے بعد ایک دعا | حدیث :۔ ابوداؤد نے کتاب اللباس میں سہل بن معاذ بن انسؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے کھانا کھایا اور یہ دعا پڑھی اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنِیْ ھٰذَا الطَّعَامَ وَرَزَقَنِیْہِ مِنْ غَیْرِ حَوْلٍ مِّنِّیْ وَلَا قُوَّۃٍ (سب تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے مجھے کھانا کھلایا اور مجھے یہ عطا فرمایا بغیر میری کوشش اور قوت کے) تو اس کے اگلے پچھلے گناہ بخشدیئے گئے۔ اسی طرح جس شخص نے کپڑا پہنا اور یہ دعا پڑھی اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ کَسَانِیْ ھٰذَا وَرَزَقَنِیْہِ مِنْ غَیْرِ حَوْلٍ مِّنِّیْ وَلَا قُوَّۃٍ (ساری تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے مجھے یہ کپڑا پہنایا اور یہ بغیر میری کوشش اور قوت کے نصیب کیا) تو اس کے اگلے پچھلے گناہ بخشدیئے گئے۔

حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا کہ اسناد اس حدیث کی حسن ہے، یہ روایت اذکار ابن حجر اور اذکار نووی میں بھی بحوالہ ابوداؤد و ترمذی و ابن ماجہ تھوڑے سے اختلاف الفاظ کے ساتھ موجود ہے۔

ف :۔ کپڑا پہننے کے وقت اس دعا کو پڑھنا اور اس کا ثواب عام روایات میں مطلقاً کپڑا پہننے پر مذکور ہے، مگر ابن سنی نے جو حدیث حضرت انسؓ سے روایت فرمائی اس میں ثوباً جدیداً یعنی نئے کپڑے کی تخصیص موجود ہے لیکن عام روایات حدیث کے اطلاق وعموم کی بنا پر ہر مرتبہ کپڑا پہننے کے ساتھ یہ دعا پڑھ لی جائے تو زیادہ بہتر ہے اور نیا کپڑا پہننے کے وقت تو خاص طور سے اہتمام کیا جائے۔

خصلت بست و دوم ۲۲

نابینا کی امداد | حدیث :۔ جامع صغیر میں بحوالہ ابویعلیٰ و طبرانی فی الکبیر و ابونعیم فی الحلیہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے اور بحوالہ کامل ابن عدی حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اور جابرؓ سے اور بحوالہ شعب بیہقی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے کسی نابینا کو چالیس قدم تک اس کا ہاتھ یا لاٹھی وغیرہ پکڑا کر پہنچا دیا، اس کے لئے جنت واجب ہوگئی اور بعض روایات میں ہے کہ اس کے سب سابقہ گناہ معاف ہوگئے۔

ان روایات میں اگرچہ محدثین نے کلام کیا ہے بعض نے ضعیف، بعض نے ناقابل اعتبار کہا

ہے لیکن مناوی نے جامع صغیر کی شرح میں فرمایا کہ اسانید سے اسکی تقویت ہوگی اھ علاوہ بریں ذا سے زیادہ روایت کو ضعیف کہا جا سکتا ہے مگر وہ فضائل اعمال میں مقبول ہے۔ واللہ اعلم

خصلت بست و سوم

نوّے سال کی عمر کو پہنچنا حدیث :۔ بیہقی نے کتاب الزہد میں حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اسلام میں چالیسؔ سال کی عمر کو پہنچ گیا تو اللہ تعالیٰ اس سے جنون اور جذام اور برص کو دفع کر دیتا ہے، پھر جب پچاسؔ سال کو پہنچتا ہے تو اللہ تعالےٰ اس کا حساب نرم فرما دیں گے، پھر جب ساٹھ سال کو پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے محبت فرماتے ہیں اور آسمان والے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر جب اسیؔ سال کو پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکے حسنات کو قبول فرما لیتے ہیں اور اسکی سیئات کو معاف فرما دیتے ہیں، پھر جب نوّے سال کو پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکے اگلے پچھلے گناہ بخش دیتے ہیں اور اس کا نام خدا کی قیدی ہو جاتا ہے اور اسکے اہل کے بارے میں اسکی شفاعت قبول کی جاتی ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا کہ اس حدیث کے رجال ثقات ہیں۔

ف ۱ یہ آخری خصلت اگرچہ کوئی فعل اختیاری نہیں تاہم چونکہ اس میں بھی وعدہ مغفرت ذنوب کا ہے، اس لئے یہاں درج کی گئی۔

ف ۲ یہاں تک جو خصائل ذکر کی گئیں اکثر وہ ہیں جن میں اگلے پچھلے گناہوں کی مغفرت کا وعدہ ہے، یہ خصائل بہت سے علماء نے مستقل رسالوں میں تحریر فرمائی ہیں اور مختلف اعداد لکھے ہیں، کسی نے کم کسی نے زیادہ، احقر نے زیادہ تر رسالہ "شِفَاءُ الْاَسْقَامِ بِالْکَفَّرِ مَا تَقَدَّمَ وَمَا تَاَخَّرَ مِنَ الذُّنُوْبِ وَالْاٰثَامِ" سے لیا ہے، اس میں کل تعداد ان خصائل کی چونتیس ۳۴ مذکور ہے، لیکن ان میں سے گیارہ وہ ہیں جن کے متعلقہ روایات کو خود انھوں نے سخت مجروح و ناقابلِ اعتبار قرار دیا ہے، اسلئے احقر نے ان کو ترک کر دینا مناسب سمجھا، اور اب کل تعداد تیئیس رہ گئی۔

دوبارہ اس نے مجھ سے کہا اے عبدالواحد! اللہ سے جنت کے بدلے بیع کر دوں پھر عاجز ہو جاؤں (ایسا نہیں ہو سکتا) میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے بیع کر لی ہے. عبدالواحد بن زیدؒ کہتے ہیں تب ہم نے اپنے کو اس کے مقابل کم ہمت پایا اور ہم نے کہا کہ یہ لڑکا ہو کر ایسا کر رہا ہے اور کمر بستہ ہے اور ہم نہیں کر رہے ہیں اور اس جیسی آمادگی اپنے اندر نہیں پا رہے ہیں، پھر وہ لڑکا اپنے تمام مال (و اسباب) سے دست بردار ہو گیا یعنی سوائے گھوڑے، ہتھیار اور ضروری اخراجات کے سارا مال راہ خدا میں صدقہ کر دیا، جب نکلنے کا دن آ گیا تو وہ پہلا شخص تھا جو ہمارے پاس آیا اور کہا السلام علیکم، میں نے کہا وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ خدا کرے تمہاری بیع نفع بخش ہے، پھر ہم سب غزوہ کے لئے روانہ ہو گئے. وہ بھی ہمارے ساتھ رہا دن کو روزہ رکھتا، راتوں کو نماز پڑھتا، ہماری خدمت کرتا، ہمارے جانوروں کو چراتا، جب ہم سو جاتے تو ہمارا پہرہ دیتا، یہانتک کہ ہم لوگ ملک روم تک پہونچ گئے

ہم اسی حال میں تھے کہ ایک دن اچانک آیا اور ندا دینے لگا، اے بڑی آنکھوں والی دل پسند عورت سے کب ملاقات ہو گی! یہ بات سنکر میرے ساتھیوں نے کہا شاید یہ لڑکا خرابی عقل کی وجہ سے بے تکی باتیں کر رہا ہے یا مخبوط الحواس ہو گیا ہے. یہانتک کہ وہ ہمارے قریب آ گیا اور بلند آواز سے کہنے لگا اے عبدالواحد! مجھے اب صبر نہیں، آخر بڑی آنکھوں والی دل پسند مرغوب عورت سے کب وصال ہوگا، میں نے اس سے کہا کہ اے دوست کسے کہہ رہے ہو بڑی آنکھوں والی اور مرغوب، تب اس نے جواب دیا کہ میں سونے کے لئے لیٹا ابھی جھپکی آئی تھی خواب میں گویا کوئی آنے والا میرے پاس آیا اور کہا چل میں تجھکو بڑی آنکھوں والی مرغوب عورت کی طرف لے چلتا ہوں، پھر وہ مجھے ایک باغ میں لے گیا وہ ایک نہر کے کنارے تھا جس کا پانی نہایت صاف تھا، اس نہر کے کنارے نوعمر دوشیزائیں تھیں جو اپنے زیورات اور کپڑوں سے آراستہ تھیں جو بیان سے باہر ہیں، انھوں نے جب مجھے دیکھا تو بہت خوش ہوئیں اور کہا یہ بڑی آنکھوں والی مرغوب و دل پسند کا شوہر آ گیا، میں نے کہا السلام علیکن کیا تمہارے اندر بڑی آنکھوں والی دل پسند ہے، انھوں نے جواب دیا نہیں ہم تو اسکی خدام اور اسکی باندیاں ہیں، آگے چلئے، میں آگے بڑھا تو دیکھا کہ ایک نہر ہے جس میں ایسا دودھ ہے جس کے مزہ میں ذرا تغیر نہیں ہوا ہے اور وہ ایسے باغ میں ہے جو ہر طرح کی زیب و زینت سے آراستہ ہے جس کے اندر بہت سی لڑکیاں ہیں. جب میں نے انہیں دیکھا تو ان کے حسن وجمال پر فریفتہ ہو گیا، انھوں نے جب مجھے دیکھا تو بہت خوش ہوئیں اور کہا بخدا یہی

عینا مرضیہ کا شوہر ہے یہ ہمارے پاس آگیا ہے، میں نے اَلسَّلامُ عَلَیْکُنَّ کہا اور پوچھا تم میں کون عینا مرضیہ ہے انھوں نے جواب دیا وعلیک السلام اے اللہ کے ولی! ہم تو اسکی خادمائیں اور باندیاں ہیں۔ آپ ذرا اور آگے چلیں، تو میں آگے چلا، دیکھا کہ ایک دوسری نہر ہے شراب کی ایک ایسے میدان کے کنارے جس میں ایسی دوشیزائیں ہیں جنھوں نے مذکورہ لڑکیوں کو مجھ سے فراموش کر دیا، میں نے کہا اَلسَّلامُ عَلَیْکُنَّ، کیا تم میں عینا مرضیہ ہے، انھوں نے جواباً کہا کہ نہیں جناب! ہم تو اسکی باندیاں اور غلام ہیں، آگے بڑھئے، میں آگے بڑھا تو دیکھا کہ ایک صاف شہد کی دوسری نہر ہے اور ایک باغ ہے جس میں لونڈیاں ہیں جن کے نور اور جمال نے ان سے پہلے باندیوں کو میرے دل سے بھلا دیا میں نے کہا اَلسَّلامُ عَلَیْکُنَّ، کیا تمھارے اندر عینا مرضیہ ہے، انھوں نے جواب دیا، اے رحمٰن کے ولی! ہم تو اسکی باندیاں ہیں، ذرا آگے چلئے، میں آگے بڑھا اور ایک جوفدار موتی کے خیمہ میں داخل ہوا، خیمہ کے دروازے پر ایک لونڈی ملی جو زیوروں اور کپڑوں سے ایسی آراستہ تھی جسے بیان نہیں کر سکتا، جب اس نے مجھے دیکھا تو مارے خوشی کے پھولے نہ سمائی اور خیمہ ہی سے آواز دی اے عینا مرضیہ! یہ تمھارا شوہر آگیا ہے، پھر میں خیمہ کے قریب پہونچا اور اس میں داخل ہوگیا، دیکھا تو وہ اپنے تخت پر بیٹھی ہوئی ہے، تخت سونے کا تھا اور اس پر موتی اور یاقوت جڑے ہوئے تھے، جب میں نے اسے دیکھا تو از خود رفتہ ہوگیا، وہ کہہ رہی تھی، مَرْحَبًا تجھے اے رحمٰن کے ولی! ہمارے پاس تمھارے آنے کا وقت قریب آگیا ہے، پھر میں معانقہ کرنے کیلئے بڑھا تو اس نے کہا صبر کر و تمھارے معانقہ کرنے کا وقت ابھی نہیں آیا ہے، کیونکہ تمھارے اندر روحِ حیات ہے، انشاء اللہ تم آج رات ہمارے پاس افطار کر وگے، اے عبد الواحد پھر میں جاگ گیا، اب مجھے اس سے صبر نہیں ہے۔

حضرت عبد الواحد بن زیدؒ نے کہا کہ ابھی ہم بات بھی پوری نہ کرسکے تھے کہ دشمن کی فوج کا ایک دستہ سامنے آگیا اور ہم نے ان پر حملہ کیا اور لڑکے نے بھی حملہ کیا، میں نے شمار کیا کہ دشمن کے نو آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار چکا تھا اور دسواں مقتول و شہید وہ خود تھا، تو میں اس کے پاس سے گزرا اور وہ اپنے خون میں لت پت تھا تو وہ خوب منہ بھر کر ہنسا، پھر اس دنیا سے کوچ کر گیا۔

جریج راہب کی حکایت | فقیہ ابو اللیث سمرقندیؒ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ یزید بن حوشب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیان

کرتے ہوئے سُنا کہ اگر جریج راہب فقیہ ہوتے تو یہ سمجھتے کہ ماں کا جواب دینا عبادتِ رب سے بہتر اور افضل ہے۔ فقیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جریج کے قصّہ کو میں نے اور لوگوں سے اس طرح سُنا ہے کہ جریج بنی اسرائیل میں ایک عبادت گذار تھے، اپنے عبادت خانہ میں اللہ کی عبادت کرتے تھے، ایک بار ان کی ماں ان کے پاس آئیں، اسوقت وہ نماز میں مشغول تھے، ماں نے ان کو پکارا اے جریج، اے جریج! انھوں نے کوئی جواب نہ دیا نماز ہی میں مشغول رہے، ماں نے ناراض ہوکر بد دعا کر دی کہ اللہ تجھے بدکار عورتوں کے ساتھ مبتلا کر دے۔

بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت تھی اس شہر میں وہ کسی اپنی ضرورت سے باہر نکلی، اسکو ایک چرواہے نے اپنی گرفت میں لے لیا اور جریج کے عبادت خانہ ہی کے پاس اس سے بدکاری کی۔ اسے حمل رہ گیا، اس شہر کے لوگ زنا کو نہایت ہی بُرا اور ناگوار سمجھتے تھے، رفتہ رفتہ سارے شہر میں اس بات کی شہرت ہوگئی۔ جب اس عورت نے بچہ جنا تو بادشاہ کو خبر دی گئی کہ اس عورت کے بدکاری سے لڑکا پیدا ہوا ہے۔ بادشاہ نے اس عورت کو بلایا اور پوچھا کہ یہ لڑکا کہاں سے پیدا ہوا آخر کس کا ہے، اس عورت نے کہا کہ جریج راہب کا ہے، اس نے مجھ سے بدکاری کی ہے، بادشاہ نے اپنے اعوان وخدام کو اس کے پاس بھیج دیا، جبکہ جریج راہب نماز میں مشغول تھے۔ ان لوگوں نے جریج کو پکارا، چونکہ وہ نماز میں مشغول تھے اس لئے کوئی جواب نہ دیا۔ چنانچہ ان لوگوں نے پھاوڑوں سے ان کے عبادت خانہ کو مسمار کر دیا اور ان کے گلے میں رسّی ڈال کر کھینچتے ہوئے بادشاہ کے پاس لائے۔ بادشاہ نے اس کو مخاطب کرکے کہا کہ تم نے اپنے کو عابد بنا رکھا ہے، لوگوں کی عزت لوٹتے ہو اور ایسے کام کرتے ہو جو تمھارے لئے جائز نہیں ہے۔ عابد نے کہا آخر میں نے کیا کیا ہے؟ بادشاہ نے کہا تم نے فلاں عورت سے بدکاری کی ہے، عابد نے کہا میں نے تو ایسا کام ہرگز نہیں کیا ہے، لیکن لوگوں نے عابد کی بات کو جھوٹ ہی جانا، تب عابد نے کہا کہ مجھے میری ماں کے پاس لے چلو، لوگ اسکو اسکی ماں کے پاس لے گئے، عابد نے اپنی ماں سے کہا اے ماں تم نے مجھے بد دعا دی تھی، اللہ نے تیری بد دعا کو قبول کیا، اب اللہ سے دعا کر کہ تیری دعا کی برکت سے میرا معاملہ منکشف اور میری برأت ظاہر ہو جائے، تو اسکی ماں نے اس طرح دعا کی کہ اے اللہ اگر تو نے میری بد دعا کی وجہ سے اسکو پکڑا ہے تو میری ہی دعا سے اُسے رسوائی سے بچا اور اسکی مصیبت دور فرما۔ اس کے بعد جریج بادشاہ کے پاس

لوٹ کر گئے اور کہا کہ عورت کہاں ہے؟ اور بچہ کہاں ہے؟ لوگ عورت اور بچہ کو لائے لوگوں نے اُس عورت سے پوچھا کہ بتا کیا صحیح معاملہ ہے۔ اس نے کہا ہاں بیشک اسی نے میرے ساتھ زنا کیا، تب جُریج نے بچہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ بتا بحق اس ذات کے جس نے تجھے پیدا کیا ہے کہ تیرا باپ کون ہے لڑکے نے باذن اللہ کلام کیا کہ میرا باپ فلاں چرواہا ہے، جب عورت نے اس بات کو سُنا تو حق بات کا اقرار کر لیا کہ تو نے سچ کہا میں ہی جھوٹی ہوں، بیشک میرے ساتھ فلاں راعی نے یہ حرکت کی تھی۔

ایک روایت میں ہے کہ عورت حاملہ ہوگئی، مگر ابھی بچہ نہ جنا تھا، جب اس سے عابد نے پوچھا کہ کہاں یہ بدکاری ہوئی تو اس نے کہا کہ تمہارے ہی درخت کے نیچے، وہ درخت عابد کے عبادتخانہ کے پاس ہی تھا۔ جریج نے کہا مجھے اس درخت کے پاس لے چلو، وہاں پہونچ کر عابد نے کہا کہ اے درخت میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس ذات کا واسطہ کا مجھکو دے کر جس نے تجھے پیدا کیا ہے بتا اس عورت کے ساتھ کس نے زنا کیا ہے تو درخت کی ہر ہر شاخ گویا ہوئی کہ بکریوں کے چرواہے نے۔ پھر عابد نے اپنی انگلی سے عورت کے پیٹ میں کونچا دیا اور کہا اے بچے بول تیرا باپ کون ہے اس نے پیٹ ہی میں سے جواب دیا کہ میرا باپ بکریوں کا چرواہا ہے، تب بادشاہ نے جریج راہب سے بڑی معذرت چاہی اور جریج سے کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو آپ کا عبادت خانہ سونے کا بنوا دوں، جریج نے کہا نہیں اسکی ضرورت نہیں، بادشاہ نے کہا چاندی کا بنوا دوں، اس نے کہا چاندی کا بھی نہیں، البتہ مٹی کا بنا دو جیسا کہ پہلے تھا، تو لوگوں نے مٹی ہی کا عبادت خانہ تعمیر کرا دیا۔

اور ابراہیم نے حجاج ابن مجاہد سے روایت کی ہے کہ چار لڑکوں کے سوا کسی لڑکے نے اپنی بچپنے میں کلام نہیں کیا۔ ایک عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے۔ دوسرے صاحب اخدود نے۔ تیسرے صاحب جریج راہب نے۔ اور چوتھے صاحب یوسف علیہ السلام نے، اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد ہے وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا (اس عورت کے گھر والوں میں سے ایک گواہ نے گواہی دی) وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَصَلٰوتُهٗ وَسَلَامُهٗ عَلٰى اَشْرَفِ الْمُرْسَلِيْنَ مُحَمَّدٍ خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ وَالْمُرْسَلِيْنَ وَ عَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَ اَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ اَجْمَعِيْنَ وَحَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ (ساری حمد اللہ رب العالمین کے لئے ہے اور اس کا درود وسلام ہو اشرف المرسلین سیدنا محمد خاتم النبیین والمرسلین پر اور ان کے سب آل واصحاب اور ان کی ازواج مطہرات اور ان کی اولاد پر۔ اللہ ہم کو

کافی ہے اور بہتر وکیل ہے) آمین

چند دعاؤں اور تسبیحات کا ذکر | حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انھوں نے فرمایا کہ میں ضمانت لیتا ہوں اس شخص کے لئے جو بیسؔ آیتیں پڑھ لیا کرے اس بات کی کہ سرکش شیطان سے اور ظالم بادشاہ سے اور حملہ آور چور سے اور خونخوار درندوں سے کہ ان میں سے کوئی بھی اسکو ضرر نہ پہونچا سکے گا وہ بیسؔ آیتیں یہ ہیں:۔ آیت الکرسی اور تین آیتیں سورہ اعراف اعراف کی اور دسؔ آیتیں سورہ وَالصّٰفّٰتِ کے شروع کی اور تین آیتیں آخر سورہ رحمٰن کی یَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ سے فَلَا تَنْتَصِرَانِ تک اور تین آیتیں آخر سورہ حشر کی وَهُوَ اللهُ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ

آیات مذکورہ کی تفصیل

۱؎ تیسرا پارہ۔ رکوع ۲ | بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَللهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَلَا يَئُوْدُهُ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ۔

۲؎ آٹھواں پارہ رکوع ۱۴ | بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ إِنَّ رَبَّكُمُ اللهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فِيْ سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيْثًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرَاتٍ بِأَمْرِهِ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ تَبَارَكَ اللهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا إِنَّ رَحْمَتَ اللهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ۔

۳؎ تئیسواں پارہ رکوع ۵ | بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَالصّٰفّٰتِ صَفًّا فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا إِنَّ إِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ إِنَّا زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ الْكَوَاكِبِ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ لَا يَسَّمَّعُوْنَ إِلَى الْمَلَإِ الْأَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ

وَّاصِبٌ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ۔

ستائیسواں پارہ رکوع ۱۲ (بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ) یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا لَا تَنْفُذُوْنَ بِسُلْطٰنٍ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۝ یُرْسَلُ عَلَیْکُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ۔

اٹھائیسواں پارہ رکوع ۷ (بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ) هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ هُوَ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى یُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ۔

ترجمہ آیات:۔ ۱۔ اللہ تعالیٰ اسکے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں، زندہ ہے سنبھالنے والا ہے نہ اسکو اونگھ دبا سکتی ہے نہ نیند اسی کے مملوک ہیں سب کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں، ایسا کون ہے جو اسکے پاس سفارش کرسکے بدون اسکی اجازت کے، وہ جانتا ہے ان کے تمام حاضر اور غائب حالات کو، اور وہ موجودات اس کے معلومات میں سے کسی چیز کو اپنے احاطۂ علمی میں نہیں لا سکتے، مگر جس قدر وہ چاہے۔ اسکی کرسی نے سب آسمانوں اور زمین کو اپنے اندر لے رکھا ہے، اور اللہ تعالیٰ کو ان دونوں کی حفاظت کچھ گراں نہیں گزرتی، اور وہ عالی شان عظیم الشان ہے۔

۲۔ بیشک تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے سب آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا کیا پھر عرش پر قائم ہوا، چھپا دیتا ہے شب سے دن کو ایسے طور پر کہ وہ شب دن کو جلدی سے آلیتی ہے اور سورج اور چاند اور دوسرے ستاروں کو پیدا کیا ایسے طور پر کہ سب اسی کے حکم کے تابع ہیں، یاد رکھو کہ اللہ ہی کے لئے خاص ہے خالق ہونا اور حاکم ہونا، بڑی خوبیوں کے بھرے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ جو تمام عالم کے پروردگار ہیں، تم لوگ اپنے پروردگار سے دعا کیا کرو تذلل ظاہر کرکے بھی اور چپکے چپکے بھی، واقعی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ناپسند کرتے ہیں جو حد سے نکل جاویں، اور دنیا میں بعد اس

اسکی درستی کر دی گئی ہے، فساد مت پھیلاؤ اور تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرو خدا سے ڈرتے ہوئے اور امیدوار رہتے ہوئے، بیشک اللہ تعالےٰ کی رحمت نزدیک ہے نیک کام کرنیوالوں سے۔

۳۔ قسم ہے ان فرشتوں کی جو صف باندھے کھڑے ہوتے ہیں، پھر ان فرشتوں کی جو بندش کرنے والے ہیں، پھر ان فرشتوں کی جو ذکر کی تلاوت کرنے والے ہیں کہ تمہارا معبود ایک ہے وہ پروردگار ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان دونوں کے بیچ ہے، اور پروردگار ہے طلوع کرنے کے مواقع کا، ہم ہی نے رونق دی ہے اس طرف والے آسمان کو ایک عجیب آرائش یعنی ستاروں کے ساتھ، اور حفاظت بھی کی ہے ہر شریر شیطان سے، وہ شیاطین عالم بالا کی طرف کان بھی نہیں لگا سکتے، وہ ہر طرف سے مار کر دھکے دیدیئے جاتے ہیں اور ان کے لئے دائمی عذاب ہوگا، مگر جو شیطان کچھ خبر لے ہی بھاگے تو ایک دہکتا ہوا شعلہ اسکے پیچھے لگ لیتا ہے، تو آپ اُن سے پوچھئے کہ یہ لوگ بناوٹ میں زیادہ سخت ہیں یا ہماری پیدا کی ہوئی یہ چیزیں، ہم نے ان کو چپکتی مٹی سے پیدا کیا ہے۔

۴۔ اے گروہ جن اور انسانوں کے! اگر تم کو یہ قدرت ہے کہ آسمانوں اور زمین کی حدود سے کہیں باہر نکل جاؤ تو نکلو، بدون زور کے نہیں نکل سکتے۔ سو اے جن وانس اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے، تم دونوں پر آگ کا شعلہ اور دھواں چھوڑا جائے گا پھر تم ہٹا نہ سکو گے۔

۵۔ وہ ایسا معبود ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ جاننے والا ہے پوشیدہ چیزوں کا اور ظاہر چیزوں کا، وہی بڑا مہربان اور رحم والا ہے، وہ ایسا معبود ہے کہ اسکے سوا کوئی اور معبود نہیں وہ بادشاہ ہے، پاک ہے، سالم ہے، امن دینے والا ہے، نگہبانی کرنے والا ہے، زبردست ہے، خرابی کا درست کرنے والا ہے، بڑی عظمت والا ہے، اللہ تعالیٰ لوگوں کے شرک سے پاک ہے، وہ معبود ہے، پیدا کرنے والا ہے، ٹھیک ٹھیک بنانے والا ہے، صورت بنانے والا ہے، اسکے اچھے اچھے نام ہیں، سب چیزیں اسکی تسبیح کرتی ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں، اور وہی زبردست حکمت والا ہے۔

(باقی آئندہ)

(ملفوظ حضرت مصلح الامۃ علیہ الرحمۃ)

فسادِ امت اور پابندیٔ سنت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، مَنْ تَمَسَّكَ بِسُنَّتِيْ عِنْدَ فَسَادِ اُمَّتِيْ فَلَهٗ اَجْرُ

مِائَةِ شَهِيدٍ (یعنی جس نے میری سنّت کے ساتھ تمسک کیا میری امت کے فساد کے زمانہ میں اس کو سو شہیدوں کے برابر ثواب ملے گا. یہ مشکوٰۃ شریف کی حدیث ہے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے تو جو لوگ تصدیق نبوی کرتے ہیں ان کیلئے اس کی تصدیق اور آپکے ارشاد کا سمجھنا ضروری ہے، لہٰذا تمسک کا مطلب بھی سمجھنا ہوگا، سنت کو بھی سمجھنا ہوگا اور فسادِ امت کو بھی سمجھنا ہوگا اور یہ معلوم کرنا ہوگا کہ علماء اس کا کیا مطلب بیان فرماتے ہیں

صاحب مرقاۃ نے تمسک کے معنیٰ تو صرف عمل کرنے کے فرمائے لیکن فسادِ امت کی تشریح بہت عمدہ کی ہے یعنی یہ کہ جس وقت اُمت میں بدعت، جہل و فسق کا شیوع ہوجائے اس وقت جو شخص میری سنت پر عامل ہوگا اور اسکو مضبوط پکڑے رہے گا اسکو سو شہیدوں کے برابر ثواب ملیگا.

میں کہتا ہوں کہ فسادِ امت کی تشریح میں صاحب مرقاۃ نے بدعت، جہل اور فسق تین الفاظ اختیار فرمائے، اس کے باوجود مضمون ابھی تشنہ ہے اسلئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فسادِ امتی فرمایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فساد سے یہاں ایسی چیزوں کا شیوع مراد ہے جس میں امت کو عام ابتلا ہوجائے اگرچہ بدعت، جہل اور فسق میں ابتلاء بھی فساد ہے اور فساد کی تشریح و تفصیل صحیح بھی ہے، مگر میں انہیں اکابر کی برکت سے کہتا ہوں کہ فساد کی شرح حبّ دنیا، عدم حبّ آخرت، غلبۂ نفس، غلبۂ ہویٰ وہوس بھی ہے، یہ ابتلاء ان سب بڑھ کر ہے جن کا ذکر علماء نے کیا ہے، کیونکہ اعلیٰ درجہ کا فساد یہی ہے کہ انسان آخرت ہی کو بھول جائے اور حق تعالیٰ کی محبت اور جنت کی محبت اور نار کا خوف اس کے دل سے نکلجائے اور اسکی جگہ دنیا کی محبت آجائے، کیونکہ آخرت کے بھولنے کیلئے دنیا کی محبت لازم ہے۔ اور جب دنیا دل میں آجاتی ہے تو اَلشَّيْءُ إِذَا ثَبَتَ، ثَبَتَ بِلَوَازِمِهِ (جب کوئی چیز آتی ہے تو اپنے لوازم بھی ساتھ لاتی ہے) کے قاعدے سے دنیاداروں کے سب اخلاق وصفات بھی آجاتے ہیں. آج ہم حبّ دنیا کے کیسے شکار ہو گئے ہیں، بس اسی سے عدم حبّ عقبیٰ بھی ہم میں آگئی ہے

صاحب مرقاۃ نے تو فساد کی شرح کرتے ہوئے سب سے پہلے بدعت کو لیا ہے، پھر جہل کو پھر فسق کو، لیکن میں اسی کو یوں کہتا ہوں کہ امت میں فساد پھیل جانے کا مطلب یہ ہے کہ جب ان میں جہل کا غلبہ ہوجائے یعنی شریعت کا علم اٹھ جائے اور اعتقادیات سب ختم ہوجائیں اور جب فسق کا غلبہ ہوجائے یعنی عمل اٹھ جائے اور جب بدعت کا غلبہ ہوجائے یعنی سنت متروک ہوجائے سنت وغیر سنت میں فرق ہی ختم ہوجائے بلکہ بدعت ہی سنت کی جگہ لے لے۔

پھر اس کے ساتھ یہ مقدمہ اور ملا لیا کہ نماز بدون خشوع کے بیکار ہے اور اسکی تائید میں شعر یاد کر لیا ؎

برزباں تسبیح و در دل گاؤ خر — ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر

(زبان پر تسبیح ہو اور دل میں بیل اور گدھے کا خیال، ایسا تسبیح پڑھنا کیا اثر رکھیگا) اس لیئے وہ نماز ہی چھوڑ بیٹھے مگر میں نے اس شعر کا رد کیا ہے کیونکہ یہ شعر مثنوی رومی کا نہیں ہے بلکہ نان وحلوا کا شعر ہے. میں نے اس کے جواب میں کہا ہے ؎ ایں چنیں تسبیح ہم دارد اثر (ایسی تسبیح بھی اثر رکھتی ہے) مگر اس کے ساتھ ایک شرط ہے وہ یہ کہ نماز پڑھتے ہوئے یہ ارادہ ہو کہ ہم نماز اسواسطے پڑھتے ہیں تاکہ عبدیت پیدا ہو، ذکر اللہ اس واسطے کرتے ہیں تاکہ محبت حق پیدا ہو، تو میں دعوے سے کہتا ہوں کہ قصد اثر سے جو عمل کیا جائے گا وہ ضرور مؤثر و نافع ہو گا خواہ اس میں یکسوئی حاصل ہو یا نہ ہو دل لگے یا نہ لگے وساوس آئیں یا نہ آئیں البتہ اگر اثر کا قصد بھی نہ ہو تو پھر نان وحلوا کا شعر صحیح ہے، افسوس یہ ہے کہ ہم لوگ عمل کرتے ہوئے اثر کا قصد بھی نہیں کرتے.

نماز کی نگرانی | بہر حال خشوع کی حقیقت یہ نہیں کہ وسوسہ بالکل نہ آئے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اپنے قصد سے نہ لائے. غرض آمدن مضر نہیں آوردن مضر ہے مگر آنا لانا ایسا نہ ہو کہ لانے کو آنا سمجھتا رہے جیسا ایک نیم شد واعظ کی حکایت ہے کہ اس کے گھر میں کسی کی مرغی آگئی بیوی نے نکالنا چاہا اس نے کہا نکالو نہیں بلکہ تین بار آواز دے کر پوچھ لو کس کی ہے مگر مرغی آہستہ کہنا "کس کی ہے" زور سے کہنا، جب تین بار اسطرح پکار دیا گیا تو کہا اس کو ذبح کر او لقطہ ہے، جب وہ پک کر تیار ہوئی تو بیوی سے کہا کہ بوٹیاں مت نکالنا کیونکہ وہ تو مشتبہ مال ہے شوربا نکال لینا کیونکہ اس میں تو پانی مصالحہ گھی وغیرہ سب ہمارا مال ہے (حالانکہ بوٹیوں کا ست بھی اسی میں تھا جو کہ مشتبہ کیا بلکہ حرام تھا ۱۲) بیوی نے چمچہ لیکر شوربا نکالنا چاہا، واعظ صاحب بولے یوں نہیں بلکہ دیگچی سے انڈیل کر نکال لو بیوی نے کہا اس طرح تو بوٹیاں بھی آئیں گی، کہا جو اپنی خوشی سے آئے اس کو آنے دو تم مت لاؤ، تو جس طرح اس جاہل نے لانے کو آنا سمجھا تھا ایسے ہی بعض لوگ نماز میں خود خیالات لاتے ہیں مگر اس دھوکہ میں رہتے ہیں کہ یہ تو خود آرہے ہیں. بس از خود خیالات نہ لاؤ تو خشوع حاصل ہو جائے گا اور یہ فعل اختیاری ہے مگر ہر ایک کو آسان نہیں بلکہ اسی کو آسان ہے جو خیالات کے مجتمع رکھنے کا عادی ہے ادا

اس کا یہ ہے کہ نماز کی گرانی کا سبب قید ہے تو جو شخص قید کا پہلے سے عادی ہو اس کو نماز گراں نہیں اور جو آزادی کا عادی ہے اس کو گراں ہے۔ اور یہی قید صبر ہے۔ پس نماز بھی صبر کے فوت ہونے ہی سے گراں ہوئی، اگر صبر کی عادت ہو جائے جس کی حقیقت حبس و قیدِ نفس ہے تو نماز پھولوں سے ہلکی ہے۔ اور یہاں سے معلوم ہوا کہ آزادی کا طالب ہونا الحاد و زندقہ ہے دین تو نام ہی قید کا ہے۔ چنانچہ نماز میں قیود ہیں، روزہ میں قیود ہیں، ہر کام میں قیود ہیں مگر عاشقین کے واسطے قیود ایسی ہیں ؎

اسیرت نخواہد رہائی زبند — شکارت نجوید خلاص از کمند

(تمہارا قیدی قید سے رہائی نہیں چاہتا — تمہارا شکار کمند سے چھٹکارا نہیں تلاش کرتا)

مولانا فرماتے ہیں ؎

گر دو صد زنجیر آری بگسلم — غیر زلف آں نگار مقبلم

(اگر دو سو زنجیروں میں بھی جکڑ دو گے انھیں توڑ ڈالونگا سوائے بااقبال محبوب کے زلف کی قید کے)

حضرات انبیاء علیہم السلام کے جو مراتب بلند ہیں اس کی یہی تو وجہ ہے کہ انھوں نے سب سے زیادہ قیود و حد کا حق ادا کیا ہے، ان پر وہ بلائیں گزری ہیں جن کو دوسرا برداشت ہی نہیں کرسکتا ہے ؎

زاں بلاہا کانبیا برداشتند — سر بہ چرخ ہفتمیں افراشتند

(ان بلاؤں اور مصیبتوں کی وجہ سے جنھیں انبیاء نے برداشت کیا، ساتویں آسمان تک سربلند ہوگئے)

اور جب دین نام ہی قید کا ہے تو یہ ضروری بات ہے کہ اوّل اوّل جی نہ لگے گا کیونکہ نفس ابھی قید کا عادی نہیں ہے۔

حقیقتِ صبر | اس جواب کا تو حاصل یہ تھا کہ صبر عمل کی تمہید ہے اور ترقی کرکے یہ کہنا بھی ممکن ہے کہ دین کا ہر عمل صبر ہی ہے کیونکہ ابھی معلوم ہوا کہ ہر عمل میں حدود و قیود ہیں اور صبر کی حقیقت بھی قید ہی ہے اس سے بھی وہ شبہ بالکل مرتفع ہوگیا کہ مقصود تو ضرورت عمل ہے اور آیت میں صبر کا امر ہے۔ جواب کا حاصل یہ ہوا کہ اعمال شرعیہ کو اللہ تعالیٰ نے صبر کے عنوان سے بیان فرمایا ہے تاکہ سنتے ہی مخاطب کو معلوم ہو جائے کہ اس میں ہمت کی ضرورت ہوگی۔ پس اب سالکین کو

جی نہ لگنے کی شکایت کرنا فضول ہے کیونکہ تم کو تو صبر ہی کا امر ہے اور ہر عمل کی حقیقت صبر ہی ہے اور صبر میں جی لگنا کیا؟ بلکہ جی نہ لگنے کی صورت میں زیادہ خوش ہونا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ تم کو ثواب دینا چاہتے ہیں، اس پر شاید کوئی یہ کہے کہ پھر تو کاملین سے ہم ہی اچھے ہیں کہ ہم کو ثواب زیادہ ملتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ نہیں اچھے وہی ہیں کیونکہ انھوں نے اس قدر محنت کی ہے کہ اب ان کو قید میں بھی حظ آنے لگا تو صبر بھی ان ہی کا بڑھا ہوا ہے اور تم اس میں بھی ان کے برابر نہیں، مگر جتنا صبر بھی تم سے ممکن ہے اختیار کرو کہ تمھارے اختیار میں یہی ہے لذّت کی طلب چھوڑ دو جس کو وصول سمجھا جاتا ہے کہ وہ تمھارے اختیار میں نہیں۔

مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کا ارشاد ہے کہ مقصود طلب ہے وصول مقصود نہیں کیونکہ وصول تمھارے اختیار میں نہیں بلکہ ان کے اختیار میں ہے، تم سے تو مطلوب صرف وہ کام ہے جو تمھارے اختیار میں ہے اور وہ طلب وسعی کے سوا کچھ نہیں۔ پس تم اپنا کام کرو اللہ میاں کے کام میں کیوں دخل دیتے ہو ؎

کارِ خود کن کارِ بیگانہ مکن

(اپنا کام کرو دوسروں کے کام کے پیچھے نہ پڑو)

ہاں اتنی اجازت ہے کہ وصول کی دعا کرلیا کرو مگر اس کے درپے نہ ہو، مولانا فرماتے ہیں ؎

آب کم جو تشنگی آور بدست   تا بجوشد آبت از بالا و پست

(پانی نہ تلاش کرو بلکہ پیاس پیدا کرو تاکہ پانی خود ہی تمھارے اوپر اور نیچے سے جوش ملے اور ابلنے لگے)
مولانا بڑے محقق ہیں فرماتے ہیں کہ پانی کی تلاش نہ کرو بلکہ پیاس پیدا کرو پانی خود بخود آجائیگا ؎

تشنگاں گر آب جویند از جہاں   آب ہم جوید بعالم تشنگاں

(پیاسے اگر دنیا میں پانی تلاش کرتے ہیں تو پانی کو بھی عالم پیاسوں کی جستجو رہتی ہے) ——————
جب پیاس ہوگی پانی بھی پاس آجائے گا یعنی تم طالب سے مطلوب ہو جاؤ گے۔ آگے اس مضمون کو ذرا وضاحت سے بیان فرماتے ہیں ؎

ہر کہ عاشق دیدیش معشوق داں   کو بہ نسبت ہست ہم ایں وہم آں

جس کو تم عاشق دیکھو اُسے معشوق بھی سمجھو، اسوجہ سے کہ وہ ایک اعتبار سے یہ ہے یعنی عاشق ہے اور دوسرے اعتبار سے وہ ہے یعنی معشوق ہے کیونکہ یہ تعلق عشق دوطرفہ ہوتا ہے) مگر اتنا فرق ہے کہ

عاشق کا عشق بانگ دُہل ہوتا ہے اور محبوب کا عشق مخفی ہوتا ہے ؎

عشق معشوقاں نہاں ست و ستیر　　عشق عاشق با دو صد طبل و نفیر

(فرق دونوں کے عشق میں یہ ہے کہ معشوقوں کا عشق پوشیدہ اور چھپا ہوتا ہے۔ اور عاشقوں کا عشق صدہا طبل اور ہزارہا نالۂ وشیون کے ساتھ ہوتا ہے)

وحدۃ الوجود | یہی حقیقت ہے تصوف کی کہ طلب پیدا کرے اور عمل کا اہتمام کرے تصوف کوئی دشوار چیز نہیں، متقدمین نے صوفی کی تفسیر عالم باعمل سے کی ہے، مگر آجکل لوگوں نے اسکو ہوّا بلکہ بدنام بنادیا ہے یہاں تک کہ ایک عیسائی انگریز بھی کہنے لگا کہ ہم تو تین ہی خدا کے قائل ہیں اور تمہارا ٹولی (صوفی) تو ہر چیز کو خدا کہتا ہے۔ یہ وحدۃ الوجود کے مسئلہ کو بگاڑا ہے اور غضب ہے کہ بہت سے جہلاء وحدۃ الوجود کے معنی یہی سمجھے ہوئے ہیں کہ ہر چیز خدا ہے حتیٰ کہ میں نے فرنگی محل میں ایک مولوی صاحب کو درس میں یہ کہتے ہوئے سُنا کہ نعوذ باللہ واجب الوجود کلی طبعی ہے جزئی نہیں ہے۔ اور ظاہر ہے کہ کلی طبعی کا وجود جُداگانہ نہیں ہوتا بلکہ افراد کے ضمن میں ہوتا ہے تو نعوذ باللہ خدا کا وجود مستقل کوئی نہیں بلکہ موجودات کے ضمن ہی میں ہے یہ وحدۃ الوجود نہیں بلکہ کفر صریح ہے۔ وحدۃ الوجود تو یہ ہے کہ اپنی ہستی کو مٹا کر خدا کی ہستی کا مشاہدہ کرے نہ یہ کہ خدا کی ہستی کو مٹا کر اپنی ہستی کا مشاہدہ کرے۔

ایک بزرگ نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا تھا کہ منصور نے بھی اَنَا الْحَقّ کہا اور فرعون نے بھی اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی کہا جس کا حاصل انا الحق ہی ہے پھر وہ مقبول ہوئے یہ مردود ہوا اسکی کیا وجہ۔ الہام ہوا کہ منصور نے اپنے کو مٹانے کیلئے انا الحق کہا تھا اور فرعون نے ہم کو مٹانے کیلئے انا الحق کہا تھا اسلئے وہ مقبول ہوا یہ مردود ہوا، مولانا اسی کو فرماتے ہیں ؎

گفت منصورے اَنَا الْحَق گشت مست　　گفت فرعونے انا الحق گشت پست

(منصور نے انا الحق کہا تو مئے وحدتِ الٰہی سے مست سرشار ہو گئے، فرعون نے انا ربکم الاعلیٰ کہا تو مردود مطرود ہوا)

رحمۃ اللہ آں انا را در وفا　　لعنۃ اللہ ایں انا را در قفا

(اُس انا کے کہنے سے وفاءِ حق کیوجہ سے صدہا رحمتیں وارد ہوئیں، اور اِس انا کہنے کے پیچھے اللہ کی لعنتوں کا طوق گردن میں پڑگیا)

احوال واعمال | غرض متقدمین نے صوفی کی تفسیر عالم باعمل سے کی ہے جس سے تصوف کی حقیقت علم باعمل

حاصل ہوئی، متقدمین کے علوم بڑے پختہ ہیں انہی سے تمسک کرنا چاہیئے کیونکہ وہ اہل صحو[1] تھے اور متأخرین میں اہل سکر[2] زیادہ ہیں، رہا یہ کہ جب تصوف کی حقیقت علم مع العمل ہے تو خشک عالم کیوں ہوئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ خشک عالم وہ ہے جو عمل کو ظاہر کے ساتھ خاص کرتا ہے اور عمل باطن کا اہتمام نہیں کرتا اور جس کو علم کے ساتھ عمل ظاہر و باطن دونوں کا اہتمام ہے وہ عالم تر ہے پھر جو عالم باعمل ہوگا اور اعمال ظاہرہ باطنہ کا جامع ہوگا اللہ تعالےٰ اس کو بعض خاص نعمتیں عطا فرماتے ہیں۔ پھر وہ نعمتیں دو قسم کی ہیں، ایک موعود، وہ تو رضائے حق اور جنت ہے بس۔ اور غیر موعود کیفیات باطنیہ ذوق شوق و احوال و مواجید اور اسرار وغیرہ ہیں۔ ان کی ایسی مثال ہے جیسے باغ میں پانی تو دیتے ہیں درختوں کی پرورش کیلئے مگر پانی دینے سے گھاس بھی نکل آتی ہے جو دیکھنے میں درختوں سے زیادہ خوشنما ہوتی ہے اور مالی کی تراش وخراش سے اس میں خوبصورتی زیادہ آجاتی ہے۔ اب جو لوگ احوال وکیفیات واسرار کے طالب ہیں، ان کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص باغ میں گھاس ہی گھاس چاہے اسی کی خدمت کرے حتیٰ کہ درختوں کی جڑوں میں سے بھی گھاس کو صاف نہ کرے، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہزاروں روپے کے قیمتی درخت برباد ہوجائیں گے، صرف گھاس رہ جائیگی جو ایک دو پیسے سے زیادہ کی نہ ہوگی

عاقل وہ ہے جو درختوں کی خدمت کرے ان کی نگہداشت کرے، گھاس کا کیا ہے وہ تو خود روئیدہ ہے اپنے آپ ہی پیدا ہوجائے گی۔ پس سمجھ لو کہ اعمال کی مثال درختوں جیسی ہے اور احوال واسرار کی مثال گھاس کی سی ہے ان کی طلب میں نہ پڑو اعمال کا اہتمام کرو یہ خود بخود بلا وعدہ کے اکثر عطا ہوجاتے ہیں۔

اور یہ جو میں نے کہا ہے کہ تصوف کی حقیقت علم مع العمل ہے اس میں علم سے مراد خاص مولویت نہیں بلکہ اس قدر علم جس کی عمل میں ضرورت ہے خواہ عربی پڑھ کر حاصل ہو یا اردو کے رسائل سے یا علماء سے پوچھ پاچھ کرکے بس بقدر ضرورت علم حاصل کرکے خلوت اختیار کرنا اور عمل کا اہتمام کرنا چاہیئے، مگر ایسی خلوت ہو کہ جب کوئی اشکال پیش آئے تو خلوت توڑ کر محقق کے پاس جائے اور اشکال کو رفع کرے ورنہ بعض حالتوں میں شیطان اس کا ایمان تک سلب کرلیگا۔

تلبیس وحی | محققین لکھتے ہیں کہ شیطان بعض دفعہ اپنی قوت خیالیہ سے سالک کی نظر میں آسمان اور انوار پیدا کر دیتا ہے اور اس وقت شیاطین بصورت ملائکہ اس سے کلام کرتے ہیں اور ایسے موقع

[1] ہوش [2] مستی

پر جاہل دھوکہ کھا جاتا ہے۔ اسی لئے محققین نے فرمایا ہے کہ اگر ملائکہ بھی اس سے ہمکلام ہوں تو اُس کو شریعت پر پیش کرے اگر شریعت کے موافق ہو تسلیم کرے ورنہ رد کردے۔ کیونکہ ملائکہ کا کلام بلا واسطہ نبی کے حجت نہیں بلکہ اگر اللہ تعالیٰ بھی اس سے کلام کریں تو کلام حق بھی بلا واسطہ نبی کے غیر نبی کے لئے حجت نہیں، کیونکہ (اس کا اوّلاً کلام حق ہونا یقینی نہیں دوسرے) اللہ تعالیٰ کبھی امتحان کرتے ہیں، تو ممکن ہے کہ اس سے جو کلام ہوا اُس سے امتحان مقصود ہو اور نبی امتحان نہیں کرتا اسلئے کلام حق وہی حجت ہے جو بواسطہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہو کہ اس میں امتحان وغیرہ کا احتمال نہیں، تو خلوت میں بعض دفعہ سخت عقبات[1] پیش آتے ہیں، جن کو محقق ہی حل کرسکتا ہے۔ اسی کو عارفؒ فرماتے ہیں ؎

در راہِ عشق وسوسۂ اہرمن بسے است ہشدار وگوش را بہ پیامِ سروش دار

(راہ عشق مولیٰ میں بہت شیطانی وسوسے پیش آتے ہیں۔ ہوشمند اور چوکنا رہو اور کان کو وحی ربانی کیطرف لگائے رکھو پیام سروش سے مراد وحی ہے کہ وحی کا اتباع ہر وقت لازم ہے ورنہ شیطان ایمان تک سلب کرلیتا ہے) اسی لئے جاہل کو خلوتِ محضہ جائز نہیں، ہاں عالم محقق کو جائز ہے کیونکہ وہ اسرار کو صحیح طور سے سمجھے گا مگر ایک وقت اس پر بھی ترک خلوت لازم ہے یعنی افادہ کیلئے کیونکہ شیخ کے ذمہ طالبین کا افادہ فرض ہے اس کے ذمہ ضروری ہے کہ ایک وقت افادہ کیلئے بھی مقرر کرے عارف اسی کو فرماتے ہیں ؎

بنمائے رخ کہ خلقے والہ شوند وحیراں بکشائے لب کہ فریاد از مرد وزن برآید

(اپنے رخ تاباں سے پردہ ہٹائیے کہ مخلوق دیکھکر شیدا اور حیران ہو۔ اور لب شیریں کھولئے کہ مرد وزن نالہ وفریاد بلند کریں)

روح عمل | غرض بے وحدت کو تو وحدت جائز نہیں، باوحدت کو جائز ہے (بے وحدت[2] نہ معلوم کیسا لفظ ہے اور اس کے کیا معنیٰ ہیں، اسی طرح بیہودہ بھی میری سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ لفظ مرکب ہے یا بسیط، مجھے لاادری (مجھے معلوم نہیں) کہنے میں کچھ تامل نہیں، بلکہ فخر ہے اور اپنے عدم علم کو اس لئے ظاہر کرتا ہوں کہ شاید کسی کو معلوم ہو تو ظاہر کردے) غرض تصوف کوئی نئی چیز نہیں بلکہ یہی نماز روزہ تصوف ہے اور یہی اعمال مقصود ہیں، رہا یہ کہ پھر مجاہدہ وغیرہ کی کیا ضرورت ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ نماز و روزہ کو نماز و روزہ بنانے کے لئے مجاہدہ کی ضرورت ہے، یہاں سے ان صوفیوں کی غلطی

---

[1] دشوار گذار گھاٹیاں [2] غالباً بدانتظام کو بے وحدت اسلئے کہتے ہیں کہ اسکے افعال میں شان اجتماع نہیں جو

داخل ہو گئی جو عمل کو بیکار سمجھتے ہیں صرف روحِ عمل کو کافی سمجھتے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ اگر صورتِ عمل بیکار ہے تو بہت اچھا آج سے اگر تم پونڈا گنا مانگو گے تو تم کو گنڈیا جائے گا، اسوقت مُنہ نہ بنانا کیونکہ روح تو موجود ہے، اسوقت یہ کیوں کہتے ہو کہ گنڈیریوں میں وہ بات کہاں جو پونڈے میں ہے، پھر ہم کو بھی یہ کہنے کا حق ہے کہ نری روح میں وہ بات کہاں جو نماز میں ہے، دوسرے اگر روحِ عمل ہی میں مقصود ہوتی تو وہ عالمِ ارواح میں بھی حاصل ہو سکتی تھی عالمِ اجسام میں ہم کو کیوں بھیجا گیا؟ یقیناً اس لئے کہ روحِ مجرد سے صورتِ اعمال کا تحقق نہ ہو سکتا تھا، یہ صاف دلیل ہے اسکی کہ صورت بھی مطلوب ہے مگر نہ ایسی صورت جو روح سے خالی ہو، بلکہ صورت اور روح دونوں کو جمع کرنا چاہئے،

خلاصہ یہ کہ آدمی نہ تو ایسا خشک ہو کہ اعمال کی جان سے تعلق ہی نہ ہو نہ ایسا روح میں تر ہو کہ ڈوب ہی مرے۔ آجکل بعض جاہل صوفی محقق علماء کو عارضی جوش و خروش سے خالی دیکھکر اسرارِ طریق سے بے خبر سمجھ کر یہ شعر پڑھ دیتے ہیں ؎

شب تاریک و بیم موج و گردابے چنیں ہائل کجا دانند حالِ ماسبکساران ساحلہا

(اندھیری رات اور موج کا ڈر اور ایسا خوفناک بھنور، بھلا ہمارا حال وہ لوگ کیسے جان سکتے ہیں جو ساحل پر بے فکر خراماں خراماں چل رہے ہوں) کہ یہ لوگ ہماری حالت کو کیا جانیں، ان کو خبر ہی نہیں کہ ہم پر کیا گذر رہی ہے۔

میں اس کا جواب دیا کرتا ہوں کہ ساحل دو ہیں ایک ادھر کا، ایک اُدھر کا تو کجا دانند حالِ ما کا مصداق وہ شخص ہے جو ادھر کے ساحل پر ہے جس نے دریا میں قدم ہی نہیں ڈالا۔ اور جو شخص اُدھر کے ساحل پر کھڑا ہے وہ ڈوبا بھی ہے پھر کامیاب اور پار ہو کر ہنس رہا ہے۔ جاہلوں کو ان کے تبسم سے یہ دھوکہ ہوتا ہے کہ ان پر کچھ گزرا ہی نہیں، ارے ان پر سب کچھ گزر چکا ہے، وہ تمہاری حالت سے بھی واقف ہیں اور اس سے آگے کی حالت سے بھی واقف ہیں، اور تم کو ان کے تبسم سے جو یہ دھوکہ ہو رہا ہے کہ انکے دل میں کچھ نہیں، یہ تمہاری حماقت ہے کہ دور ہی سے دیکھکر تم نے فیصلہ کر لیا، ان کے پاس جاؤ، پاس رہو تو معلوم ہوگا کہ ان کا ہنسنا ایسا ہے جیسا توا چولھے سے اتارنے کے بعد ہنسا کرتا ہے، ذرا اس پر ہاتھ رکھکر دیکھو کیسا جلا بھنتا ہے کہ تم کو بھی جلا پھونک دیگا، اسی کو نواب صاحب شیفتہ فرماتے ہیں، وہ خوب

بھی تھے اور صوفی عارف بھی تھے کیونکہ تصوف کیلئے لنگوٹہ باندھنا شرط نہیں، وہ فرماتے ہیں ؎

تو اے افسردہ دل زاہد یکے در بزم رنداں شو کہ بینی خندہ بر لبہا و آتش پارہ در دلہا

(اے امنگ و حوصلہ سے خالی زاہد ذرا ایکبار رندوں کی بزم میں چلا جا۔ وہاں دیکھنے پر معلوم ہوگا کہ لبوں پر ہنسی ہے اور آگ کا انگارہ دل میں دہک رہا ہے) ہاں یہ ضرور ہے کہ منتہی کو جوش و خروش نہیں یعنی اکثر نہیں ہوتا، مگر کبھی کبھی ہو ہی جاتا ہے۔

غلبۂ حال بلکہ میں ترقی کر کے کہتا ہوں کہ حضرات انبیاء پر بھی بعض دفعہ غلبۂ حال ہو جاتا ہے چنانچہ جنگ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے غلبہ کیلئے بہت دیر تک دعا کی، اخیر میں یہ بھی فرمایا اَللّٰهُمَّ اِنْ تُهْلِكْ هٰذِهِ الْعِصَابَةَ لَمْ تُعْبَدْ بَعْدَ الْيَوْمِ (اے اللہ اگر یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو دنیا میں پھر کوئی آپ کا نام نہ لے گا) بھلا اگر کوئی اللہ کا نام نہ لیتا تو خدا کا اسمیں کیا نقصان تھا، پس ظاہر میں یہ جملہ بہت سخت معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالے کو یہ سنا رہے ہیں کہ آپ کو کوئی نہ پوچھے گا اسکی تاویل قریب بجز اس کے کچھ نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس وقت خاص حالت کا غلبہ تھا اس لئے ناز میں یہ جملہ فرما دیا دوسرا واقعہ اسی غلبہ حال کا عبداللہ بن ابی منافق کی نماز پڑھنے کا ہے۔ یہ شخص بڑا سخت منافق تھا، مگر اس کے بیٹے مخلص مسلمان تھے انھوں نے حضورؐ کو اپنے باپ کے مرنے کی اطلاع دی اور دعا کی درخواست کی، چونکہ اسوقت تک منافقین کی نماز جنازہ سے صراحۃً ممانعت نازل نہ ہوئی تھی اس لئے حضورؐ نے وعدہ فرمالیا کہ میں دعا کروں گا اور نماز بھی پڑھوں گا۔

چنانچہ آپ نماز پڑھنے کو تیار ہوگئے، اسوقت حضرت عمرؓ نے آپ کو نماز سے روکنا چاہا اور اسکے کلمات اور واقعات شمار کرنا شروع کئے کہ یا رسول اللہؐ یہ تو منافق تھا اس نے فلاں دن یوں کہا تھا فلاں وقت یوں کہا تھا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے لئے استغفار و دعا سے منع فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد ہے اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ (آپ خواہ ان کیلئے استغفار کریں یا ان کیلئے استغفار نہ کریں، اگر آپ ان کے لئے ستر بار بھی استغفار کریں تب بھی اللہ تعالیٰ ان کو نہ بخشے گا) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اللہ تعالےٰ نے اختیار دیا ہے کہ خواہ استغفار کروں یا نہ کروں، اور اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ ستر دفعہ سے زیادہ استغفار کرنے پر اسکی مغفرت ہو جائیگی تو میں ستر بار سے زیادہ استغفار کرلوں گا۔

(باقی آئندہ)

(۲۵۹) فرمایا کہ جب منفذ سے کوئی چیز جوف میں پہونچے تو مفسد صوم ہے، اور مسام سے پہنچنا مفسد صوم نہیں، اس لئے سوئی وغیرہ لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اور جوف معدہ کے ساتھ خاص نہیں، دماغ اور معدہ دونوں کو شامل ہے۔

(۲۶۰) فرمایا کہ میں بغرض تربیت آنے والوں کیلئے قید لگا دیتا ہوں کہ بولا مت کرو، اس لئے کہ بدون ذوق کے بولنا مناظرہ کی صورت پیدا کرتا ہے اور یہ اس طریق میں سخت مضر ہے۔

(۲۶۱) فرمایا کہ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم ان کو اپنے رستے ضرور دکھائیں گے) میں جَاهَدُوْا سے مراد غور و فکر، دعا و التجا، سعی و کوشش، حق تعالیٰ کے سامنے الحاح و زاری، تواضع و خاکساری یہ چیزیں پیدا کرو، رونا و چلانا شروع کرو، نخوت و تکبر کو دماغ سے نکال کر پھینک دو، اس کے بعد وصول میں دیر نہیں ہوتی، بجز اس حالت کے پیدا کئے ہوئے کامیابی مشکل ہے ؎

فہم و خاطر تیز کردن نیست راہ جز شکستہ می نگیرد فضل شاہ

(عقل و ذہن تیز کرنے سے راہ ہدایت نہ ملے گی، بغیر شکستہ دلی کے فضل الٰہی شامل حال نہیں ہوتا)

(۲۶۲) فرمایا کہ کثرت رائے کو بعض حضرات سواد اعظم سے تعبیر کرتے ہیں اور اسی معنیٰ کو بنائے جمہوریت قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ سواد اعظم سے مراد بیاض اعظم ہے یعنی نور شریعت جس جماعت میں ہو، مگر لوگوں کو ایسی ہی باتوں میں سواد (مزہ) آتا ہے۔

(۲۶۳) فرمایا کہ بعض اوقات کسی سے اتنا انتقام لینا (جیسا کہ کسی سے کوئی رنج پہونچا ہو تو انتقاماً یہ کہہ دینا کہ ہاں تمہاری اس حرکت سے مجھے رنج ضرور ہے) اچھا ہے اس سے دل صاف ہو جاتا ہے، البتہ زیادہ پیچھے نہ پڑنا چاہیے۔

(۲۶۴) فرمایا کہ اصل یہ ہے کہ اوروں کی فکر میں کیوں پڑے، آدمی اپنا ایمان سنبھالے۔

(۲۶۵) فرمایا کہ میں اپنے شاگردوں کو بھی اگر خط لکھتا ہوں اپنے کام کے لئے تو جوابی خط لکھتا ہوں یہ سمجھ کر کہ اس بیچارہ پر تو ایک یہی بار بہت ہے کہ جواب لکھے گا چہ جائیکہ ٹکٹ کا بار مکتوب الیہ پر ڈالا جائے، اپنے کام کے واسطے خط اور ٹکٹ کا بار مکتوب الیہ پر ڈالنا خلاف عقل بھی ہے، بعض محبین مجھ سے اسکی شکایت بھی کرتے ہیں کہ ہم کو جوابی کارڈ کیوں بھیجا، میں کہتا ہوں بھائی یہی اچھا ہے مجھے ہلکا پھلکا ہی رہنے دو۔

(۲۶۶) فرمایا کہ میں کسی کو سفارش کے طور پر لکھتا لکھاتا کہتا کہلاتا نہیں، جیسا کہ زمانہ میں ہو رہا ہے کسی کی سفارش کیلئے مجبوراً کچھ لکھنا بھی پڑتا ہے تو اسی وقت ڈاک کے ذریعہ سے مکتوب الیہ کو لکھ دیتا ہوں کہ فلاں شخص سفارشی خط لاتا ہے کالعدم سمجھنا چاہئے۔

(۲۶۷) فرمایا کہ مرید کے لئے شیخ کے قلب میں اپنی طرف رغبت وانس پیدا کرنے کا طریق اتباع ہے نہ کہ اس سے اختلاف کرنا اور مریدی کے سر ہو جانا۔

(۲۶۸) فرمایا کہ معاصی سے جو قبض ہوتا ہے اس میں حزن طبعی اور خوف[1] طرد نہیں ہوتا جمود[2] محض ہوتا ہے یہی قساوت[3] ہے اور جو غیر معاصی سے ہوتا ہے اس میں یہ حزن اور خوف ہوتا ہے بجائے جمود کے بے چینی ہوتی ہے۔

(۲۶۹) فرمایا کہ ہم جیسوں کے لئے کہ ناقص ہیں نفس کی تحریج[4] ضروری ہے جس میں جمعیت زیادہ ہو اختیار کر لیا جائے۔

(۲۷۰) علت وجود میں متقدم ہوتی ہے اور حکمت متاخر، پس اپنے اپنے زمانہ میں دونوں موجود ہو سکتی ہیں مثلاً شدت سکرات موت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی علت قوت مزاج و شدت تعلق بالامۃ ہے (کہ قوت مزاج سے حرارت تیز ہوگئی اور شدت تعلق بالامۃ سے روح کے تعلق کا انفکاک شدید ہوگیا) اور حکمت مقام صبر کی تکمیل اور ترقی درجات[5]

(۲۷۱) فرمایا کہ شیوخ مجتہد ہوتے ہیں، بعض کی یہی رائے ہے کہ تخلیہ کاملہ سے تحلیہ بھی ہو جاتا ہے۔

لہ [illegible] ہونے کا اندیشہ ۲ہ [illegible] ۳ہ سختی [illegible] ۵ہ [illegible]

(۲۷۲) فرمایا کہ حیا کے غلبہ سے کبھی ایسا ہو جاتا ہے کہ پیر پھیلا کر سونا مشکل ہوتا ہے اور بیت الخلاء میں ستر کھولنا اور بھی زائد باعث شرم معلوم ہوتا ہے۔ یہ حالت رفیعہ ہے، پھر غلبہ کے بعد اعتدال ہو جاتا ہے جو اس سے ارفع ہے۔

(۲۷۳) فرمایا کہ مسجد میں وہ فعل مباح بھی جائز نہیں جس کیلئے مسجد نہیں بنائی گئی حتیٰ کہ اپنی گمشدہ چیز کے لئے اعلان کرنا، خرید و فروخت کرنا، دنیا کی باتیں کرنا۔ ان کے لئے جمع ہو کر بیٹھنا، بدبودار چیز کھا کر مسجد میں جانا جائز نہیں جس کی علت ملائکہ کی تاذی فرمائی گئی۔ اور ملائکہ کو معاصی سے جو ایذا ہوتی ہے وہ ایسی چیزوں کے کھانے سے بدرجہا زائد ہے۔ اس لئے کوئی معصیت کرنا جائز نہیں۔

(۲۷۴) فرمایا کہ مسجد حرام، مسجد اقصیٰ، مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نماز پڑھنے میں تضاعف ثواب موعود ہے سو اس تضاعف کی تحصیل اگر بدون سفر ممکن نہ ہو سفر کی بھی اجازت ہے، بخلاف دوسرے مشاہد کے (مثلاً کوہ طور، کربلا، اجمیر وغیرہ) وہاں کوئی دلیل ثواب کی نہیں اس لئے وہاں اس نیت سے سفر کرنا امر غیر ثابت کا اعتقاد ہے۔

(۲۷۵) فرمایا کہ تہذیب کی بات یہ ہے کہ جو کام خود کر سکے اسکی فرمائش دوسرے سے نہ کرے، بس اُس کام کو دوسرے سے کہے جو بغیر اس کے ممکن نہ ہو، وہ بھی بشرطا اپنی ضرورت اور اس کی سہولت کے۔

(۲۷۶) فرمایا کہ میں اس کا مخالف ہوں کہ ایک مقام کی خبر رویت ہلال دوسرے مواضع میں اس طرح اشاعت کی جاوے کہ اس میں غلو و مبالغہ ہو اور اس میں غلطیاں و پیچاں رہیں جس سے اکثر تشویش و مخالفت بڑھ جاتی ہے۔

(۲۷۷) فرمایا کہ دنیا کی حقیقت ہے حظوظ و لذات[لہ] نفسانیہ مضرۂ آخرت میں مشغول ہونا۔

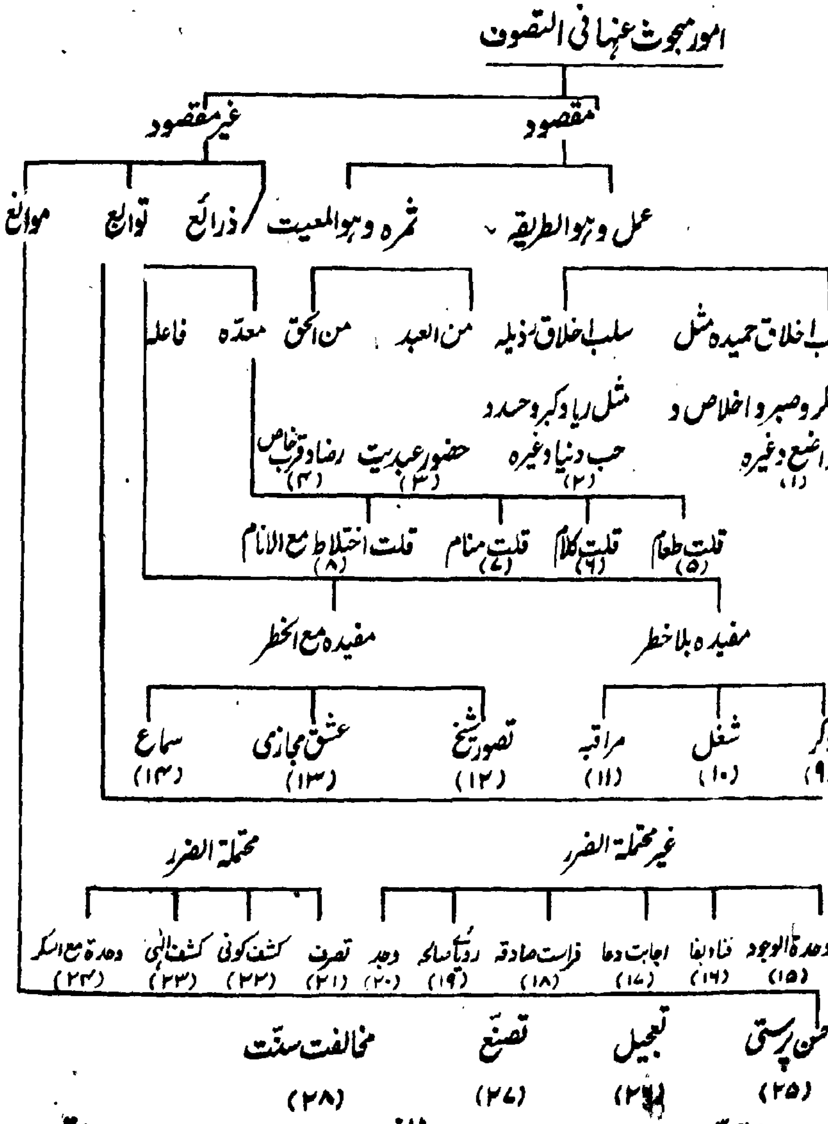
(۲۷۸) فرمایا کہ محافظتِ مجاہدین بھی جہاد ہے۔

(۲۷۹) فرمایا کہ اگر کسی سے امداد کی توقع ہو تو وہاں ظالم کی شکایت جائز ہے، اگر کسی سے اس کی بھی توقع نہ ہو وہاں بھی شفائے غیظ کے لئے ظالم کی برائی کرنا جائز ہے، مگر جہاں شفائے غیظ بھی نہ ہو نہ کسی نے تم پر ظلم کیا ہو وہاں محض بلا وجہ غیبت کرنا اور تاویل کرکے اپنے فعل کو مباح

لہ [illegible]

میں داخل کرنا سراسر تلبیس و خداع ہے۔

(۲۸۰) فرمایا کہ امور مبحوث عنہا[1] فی التصوف حسب ذیل ہیں جس کا نقشہ مرتب کردہ مولوی اسحاق علی صاحب کا ہے :-



[1] (یعنی وہ چیزیں جن سے تصوف میں بحث کی جاتی ہے)

(۲۸۱) فرمایا کہ میں بقسم کہتا ہوں کہ اگر کوئی شخص اپنے فضول کاموں میں غور کرے تو اسکو معلوم ہوگا کہ لغو اور فضول کاموں سے ضرور بطور افضا[1] کے گناہ تک وصول ہوگیا ہے، مثلاً مجھے خود یہ واقعہ پیش آتا ہے کہ بعض دفعہ کوئی شخص آکر بلاضرورت پوچھتا ہے کہ آپ فلاں جگہ کب جائینگے، اس سوال سے مجھ پر گرانی ہوتی ہے اور مسلمان کے قلب پر گرانی ڈالنا خود معصیت ہے اگر سوال کرنیوالا مخلص ہو جب بھی مجھے گرانی ہوتی ہے کہ اس کو ہمارے ذاتی افعال کی تفتیش کا کیا حق ہے، غرضیکہ کوئی لغو اور فضول کام ایسا نہیں جس کی سرحد معصیت سے نہ ملی ہو پس لغو اور فضول ابتداءً تو مباح ہے مگر انتہاءً معصیت ہے۔

(۲۸۲) فرمایا کہ سجدہ میں بندہ کو قرب بصورت نزول ہوتا ہے۔

(۲۸۳) فرمایا کہ حق تعالیٰ کو یہ بات پسند ہے کہ بندہ سر ہوکر ان سے مانگے، چنانچہ حدیث میں ہے اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُلِحِّیْنَ فِی الدُّعَاءِ (اللہ تعالیٰ دعا میں اصرار کرنیوالوں اور سر ہوکر مانگنے والوں کو پسند کرتا ہے)

(۲۸۴) فرمایا کہ کسی کے تعلق اور واسطہ سے کسی کو چاہنا حقیقت میں ذی واسطہ کو چاہنا ہے، پس خدا تعالےٰ کی وجہ سے مخلوق کے ساتھ محبت کرنا بھی محمود ہے۔

(۲۸۵) فرمایا کہ عارف کا کوئی کام اپنے واسطے (یعنی اپنی حظ نفس کے واسطے) نہیں ہوتا بلکہ خدا کے واسطے ہوتا ہے۔

(۲۸۶) فرمایا کہ سلف کے خدام کا یہ مذاق تھا کہ شیخ نے ذرا بھی شریعت سے تجاوز کیا فوراً گرفت کرتے تھے۔ اور یہ سبق صحابہؓ نے ہم کو پڑھایا ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے ایک دفعہ خطبہ میں صحابہؓ سے پوچھا لَوْمِلْتُ عَنِ الْحَقِّ شَیْئًا فَمَا تَفْعَلُوْنَ (اگر میں حق سے ذرا ہٹ جاؤں تو تم کیا کروگے) اسی وقت ایک صحابیؓ تلوار لے کر اٹھے اور سیدھی کرکے کہا لَنُقِیْمَنَّکَ بِهٰذَا السَّیْفِ (ہم تلوار سے آپ کو سیدھا بنادیں گے) حضرت عمرؓ نے فرمایا الحمدللہ خدا کا شکر ہے کہ میرے دوستوں میں ایسے لوگ موجود ہیں جو میری کجی کو درست کرسکتے ہیں۔ اب مجھے بے فکری ہے کہ ان شاءاللہ میں حق سے نہ ہٹوں گا۔

(۲۸۷) فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عذاب قبر کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس کو ثقلین[2] کے سوا

[1] سبب [2] جن وانس۔

سب سنتے رہیں تو یہ کشف قبور ہوا۔ اس سے کشف القبور کی حقیقت بھی معلوم ہو گئی کہ گدھوں اور کتوں کو بھی ہو جاتا ہے۔ پس انسان کیلئے یہ کچھ کمال مطلوب نہیں۔

(۲۸۸) فرمایا کہ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا (بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کئے، اللہ تعالیٰ ان کیلئے خلائق کے دل میں محبت پیدا کر دے گا) کا مطلب یہ ہے کہ ایمان و عمل صالح سے قبولیت و محبوبیت عامہ پیدا ہوتی ہے، یعنی جن لوگوں کو اس شخص سے کسی غرض کا تعلق نہ ہو نہ حصولاً نہ فوتاً ان کے دل میں محبت پڑ جاتی ہے بشرطیکہ سلیم الطبع ہوں، حتیٰ کہ غیر معاند کفار کے دلوں میں بھی ایسے لوگوں کی عظمت ہوتی ہے، انسان کیا معنیٰ جانور تک محبت کرنے لگتے ہیں۔

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام سفینہؓ ایک دفعہ قافلہ سے الگ ہو کر راستہ بھول گئے تھے، رات کو جنگل میں ایک شیر ملا تو آپ نے اس سے کہا اے شیر میں سفینہؓ غلام ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ یہ سنکر وہ دُم ہلا کر خوشامدیں کرنے لگا اور پھر آپ کے آگے آگے ہو لیا تھوڑی دیر میں آپ کو قافلہ کے قریب پہونچا کر دُم ہلاتا ہوا ایک طرف کو چل دیا۔ یہ تو محبت خلق کا ظہور اور محبت حق کا ظہور اس طرح ہوتا ہے کہ اس شخص کو بس آواز تو نہیں آتی مگر بقسم کہتا ہوں کہ محبت حق کا اثر اس کے دل میں موجود ہوتا ہے۔ ہر وقت واقعات میں اسکی امداد اور اعانت ہوتی ہے اور قلب پر علوم و واردات و کلام حق کا ایسا القا ہوتا ہے جیسے حق تعالیٰ اس سے باتیں کرتے ہوں، بس آواز تو نہیں ہوتی اور سب کچھ ہوتا ہے۔ یہ دل سے خوب جانتا ہے کہ حق تعالیٰ مجھے چاہتے ہیں، پھر اسکی لذت کا کیا پوچھنا، باقی کامل ظہور اس کا آخرت میں ہوگا۔

(۲۸۹) فرمایا کہ جیسے پیٹ کی غذا الگ ہے ماکولات و مشروبات۔ اور آنکھ کی غذا الگ ہے مبصرات۔ اور کان کی غذا الگ ہے مسموعات۔ اسی طرح دل کی بھی ایک غذا ہے، اور وہ محبت ہے دل کی غذا محبت کے سوا کچھ نہیں، دل کو اسی میں لذت آتی ہے، پھر جس کا محبوب ناقص ہوا اسکی لذت تو ناقص ہوگی۔ اور جس کا محبوب ایسا کامل ہو کہ اس سے زیادہ کوئی بھی محبوب نہ ہو اسکی لذت سب سے زیادہ ہوگی۔ ایمان و عمل صالح اختیار کرنے پر دنیا ہی میں غذائے روحانی (یعنی حق تعالیٰ کی محبت کامل) جیسا کہ ملفوظ بالا میں بیان ہوا عطا ہوگی جس سے زیادہ دل کی کوئی غذا نہیں۔ کیونکہ یقیناً

زائے جسمانی سے غذائے روحانی افضل و الذ[ہ] ہے، اس لئے کہ تمام اسبابِ تنعُّم سے اصل مقصود راحت ب ہے جو غذائے جسمانی سے بواسطہ حاصل ہوتی ہے اور غذائے روحانی سے بلا واسطہ۔ پھر کمال یہ اس دسترخوان پر مختلف غذائیں ہیں کبھی تم محب ہو اور حق تعالیٰ محبوب۔ اور پھر حق تعالیٰ مُحِب ہیں رتم محبوب، اس کی لذت اور ہی کچھ ہے۔ پھر خلق کو تم سے محبت ہو جاتی ہے، اس میں کچھ اور ہی حظ ہے مختلف اقسام سے لذت بہت ہی بڑھ جاتی ہے، پس ہم کو ایمان و عمل صالح کی تکمیل میں کوشش نا چاہیئے۔

(۲۹۰) فرمایا کہ مشاہدہ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک مشاہدۂ تام یعنی رؤیت، یہ تو جنت میں ہوگا نیا میں نہیں ہو سکتا۔ دوسرے مشاہدۂ ناقص یعنی استحضارِ تام، یہ دنیا میں بھی ہوتا ہے۔ گو مشاہدہ تام ے سامنے یہ دوسری قسم استتار ہی میں داخل ہے، مگر چونکہ دنیا میں سالک کو اس سے بھی بہت کچھ تسلی جاتی ہے اس لئے یہاں کے اعتبار سے استحضار تام ہی کو مشاہدہ کہا جاتا ہے۔ یہ مشاہدہ خواہ تام ہو یا قص، اس کا دوام بندہ کی مصلحت کے خلاف ہے نہ اس لئے کہ وہاں سے کچھ کمی ہے بلکہ اس وجہ سے بندکو دوام مشاہدہ کا تحمل نہیں۔ کیونکہ دنیا میں تجلیٔ دائمی سے بندہ مغلوب ہو جاتا ہے۔ اور وقت ایک استغراق کیفیت طاری رہتی ہے اور مغلوبیت میں اعمال کے اندر کمی آجاتی ہے ں سے قرب کم ہو جاتا ہے کیونکہ مدارِ قرب اعمال ہی پر ہے۔ اس لئے حق تعالیٰ نے یہ تو نہیں کیا حضور تام کے ہوتے ہوئے یا رؤیت کے ہوتے ہوئے حضور یا رؤیت سے منع کر دیا ہو کیونکہ یہ صورت لک کیلئے اشد ہے بلکہ یہ کیا کہ سالک کو مخلوق کی طرف متوجہ کر دیا اور جنت میں بعض اوقات ائذ نفس کی طرف متوجہ کر دیں گے۔ اسکی ایسی مثال ہے جیسے ایک محبوب نے عاشق کو دیکھا کہ یہ گھٹے رسے مجھے تک رہا ہے اس کو اندیشہ ہوا کہ کہیں زیادہ دیکھنے سے مر نہ جاوے تو اب ایک صورت تو ھی کہ عاشق کو اپنے سامنے رکھ کر دیدار سے منع کر دے کہ ہم کو مت دیکھو۔ یہ صورت بہت سخت ہے ں میں عاشق کو سخت بے چینی ہوتی ہے۔ اس لئے محبوب نے یہ تو نہیں کیا بلکہ اس نے تھوڑی دیر کے سطے عاشق کو بازار بھیجدیا کہ جاؤ آم لے آؤ۔ اس صورت میں گو محبوب سے فی الجملہ استتار ہو گیا مگر ں سے شوق معتدل ہو جاوے گا اور بازار جانے میں عاشق کی لذت بھی کم نہیں ہوتی کیونکہ تعمیل حکم دب کی بھی ایک خاص لذت ہے جو لذت دیدار ہی کے قریب ہے (عشاق اس کو خوب سمجھتے ہیں)

ھ زیادہ لذیذ

اسی طرح حق تعالیٰ نے بھی حضور تام تجلی باقی رکھ کر دیدار و مشاہدہ سے منع نہیں کیا۔ بلکہ تجلی کو مستتر (پوشیدہ) کر دیا اور عشاق کو دوسری طرف متوجہ کر دیا کہ ہر وقت حضور و مشاہدہ سے عشاق کے دل پھٹ نہ جاویں اور ان کا شوق معتدل رہے

(۲۹۱) فرمایا کہ یاد رکھو! بلا و مصیبت بحیثیت متنبہ اور متوجہ کرنے کے (حق تعالیٰ کی طرف) نعمت ہے اور نعمت بحیثیت ڈھیل اور دھوکا دینے کے مصیبت ہے۔

(۲۹۲) فرمایا کہ دعا کرتے وقت حُسن ظن اور قوت رجا کو اپنا نقد وقت رکھو پھر ثمرہ دیکھو کہ کامیابی ہی ہوگی۔

(۲۹۳) فرمایا کہ یہ غایت کرم کی دلیل ہے کہ نماز حقیقت میں ہمارا کام ہے اور اسکا نفع ہمارے ہی لئے ہے خدا تعالیٰ کو کوئی نفع نہیں، مگر پھر بھی ہمارے نہ کرنے پر ناراض ہوتے ہیں اور کرنے پر انعام دیتے ہیں۔

(۲۹۴) فرمایا کہ اصلی تدبیر امساک باراں کی اس کے سبب کا ازالہ ہے یعنی حق تعالیٰ کی ناراضی کا علاج کرنا۔ وہ علاج یہ ہے:۔ ماضی سے استغفار و توبہ اور آئندہ کیلئے اصلاح۔

(۲۹۵) فرمایا کہ شرط عادی عطا کی یہ ہے کہ جلدی نہ مچائے، مانگے جائے، خدا تعالیٰ کا تعلق تو ساری عمر کا ہے، چاہے ان کی طرف سے کچھ ظاہر نہ ہو تم اپنا انکسار و نیازمت چھوڑو، تاخیر میں بھی مصلحتیں ہوتی ہیں، رہا یہ سوال کہ پھر وہ مصلحتیں کیا ہیں تو آپ کوئی پارلیمنٹ کے ممبر نہیں کہ آپ کو وہ مصلحتیں بتلائی جاویں۔ کچھ دنوں دعا مانگ کر بیٹھ جانے میں زیادہ اندیشہ ہے حق تعالیٰ کے غصہ ہو جانے کا کیونکہ پہلے تو یہ لوگ سمجھتے تھے کہ ہماری کوتاہی ہے، اب اس طرف کی (یعنی حق تعالیٰ کی جانب سے) کوتاہی کا خیال ہو جاتا ہے، ظاہر ہے کہ یہ حالت بہت اندیشہ ناک ہے کیونکہ خدا تعالیٰ پر الزام ہے، جو عبودیت کے قطعاً خلاف ہے۔ اس لئے ضرور ہے کہ برابر دعا مانگتے رہو، وہ اگر چاہیں بالمعنی العرفی قبول کریں یا نہ کریں تم اپنا منصبی کام پورا کرتے رہو کیونکہ بندہ کیلئے مناسب یہی ہے کہ ہمیشہ عجز و انکسار ظاہر کرتا رہے۔

(۲۹۶) فرمایا کہ مناسبت شیخ (جو مدار ہے افاضہ و استفاضہ کا) اسکے معنیٰ یہ ہیں کہ شیخ سے مرید کو اس قدر موانست ہو جاوے کہ شیخ کے کسی قول و فعل سے مرید کے دل میں طبعی نکیر نہ پیدا ہو، گو عقلی ہو۔

حامل مضامین تصوف و عرفان • افادات وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیر سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین حضرت مصلح الامۃ

مدیر:- احمد مکین

شمارہ ۵ - ذیقعدہ ۱۴۱۲ھ مطابق مئی ۱۹۹۲ء - جلد ۱۵

قیمت فی پرچہ پانچ روپیہ سالانہ زرِ تعاون پچپن روپیہ ششماہی تیس روپیہ

سالانہ بدل اشتراک :- پاکستان سو روپیہ غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ
مولوی احمد مکین - ۲۳/۲۵ - بخشی بازار
الہ آباد ۲۱۱۰۰۳
فون ۶۰۴۷۹۸

پرنٹر - پبلشر :- صغیر حسن ۔ :- اسرار کریمی پریس - جانشین گنج الہ آباد

ترتیب

۱	قربانی کے متعلق ایک ضروری اطلاع	ادارہ	۳
۲	قربانی کی تاریخ اور اسکی حقیقت واہمیت	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ مفتی اعظم پاکستان	۴
۳	مسائل چرم قربانی	حضرت مولانا محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ	۲۸
۴	قربانی کی تاریخی اور شرعی حیثیت	مولوی عبدالغفار صاحب ارکانی	۳۳
۵	عشرۂ ذی الحجہ کی فضیلت	امام فقیہ ابو اللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ	۶۲
۶			
۷			

گذارش رسالہ ہر ماہ کی دس تاریخ کو سپرد ڈاک کیا جاتا ہے۔ اگر رسالہ آخر ماہ تک موصول نہ ہو تو ادارہ کو فوراً مطلع فرمائیں تاکہ دوبارہ بھیجا جاسکے، ورنہ بصورت دیگر ادارہ ذمہ دار نہ ہوگا۔ منی آرڈر کوپن پر اپنا پورا پتہ اور خریداری نمبر ضرور لکھیں!

انتباہ دفتر سے رسائل پورے اہتمام سے سپرد ڈاک کیے جارہے ہیں جن احباب کو رسالہ نہیں پہنچ رہا ہے وہ اپنا پتہ صاف صاف تحریر فرمائیں اور پن کوڈ ضرور لکھیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قربانی کے متعلق

ایک ضروری اطلاع

ہمارے مدرسہ وصیۃ العلوم الہ آباد میں عرصہ سے قربانی کا نظم ہے یعنی اہل شہر اور بعض دیگر بیرون شہر سے بڑی قربانی کے ایک حصہ کی مجوزہ قیمت لے لی جاتی ہے۔ اور جن حضرات کے نام وہ قربانی کرانا چاہتے ہیں ان کے نام قربانی کرکے گوشت طلبہ اور شہر کے غربا کو تقسیم کردیا جاتا ہے۔ باہر کے بعض لوگوں نے اس سلسلہ میں ناواقفیت کی شکایت کی کہ معلوم ہوتا تو ہم بھی حصہ لیتے۔

لہذا اطلاعاً عرض ہے کہ امسال ایک حصہ کی قیمت کم از کم ایکسو ساٹھ روپیہ رکھی گئی ہے، لہذا پورا جانور گیارہ سو بیس روپیہ میں ہوسکے گا۔ اگر رقم کچھ کم پڑ گئی تو قربانی کرکے اطلاع کردیجائیگی۔ اور اگر کچھ رقم قربانی سے بچ جائیگی اور اس باقی ماندہ رقم کے متعلق کوئی تصریح نہیں آئی تو وہ رقم مدرسہ میں داخل کردی جائیگی۔ یا حسب تصریح صرف کردی جائیگی۔ جو صاحب حصہ لینا چاہیں وہ رقم کے ساتھ یوم قربانی نام اور ولدیت سے مطلع فرمائیں تاکہ کسی قسم کی الجھن نہ ہو۔ عقیقہ کا حصہ بھی قربانی میں لیا جاسکتا ہے

نام اور رقم وغیرہ ۵ ذی الحجہ تک ہم کو مل جانی چاہیئے، اگر تاخیر ہوگی تو بہت ممکن ہے کہ ہم قربانی کرنے سے معذور ہوجائیں جس کے ذمہ دار ہم نہ ہونگے، اسلئے کہ شرکار کا ملنا، جانور کی خریداری اور پرمٹ ذبیحہ وغیرہ کا عین وقت پر ملنا مشکل ہوجاتا ہے

رقوم بذریعہ منی آرڈر (M.O) دفتر وصیۃ العرفان کے پتہ پر ارسال فرمائیں۔
اور اگر بذریعہ ڈرافٹ (Draft) ارسال کرنا ہے تو صرف احمد مکین حسب ذیل رسم الخط میں لکھیں:۔

(AHMED MAKIN)

برائے قربانی رقوم بذریعہ چک (Cheque) نہ بھیجیں۔

(ادارہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قربانی کی تاریخ
اور
اس کی حقیقت و اہمیت

اردو میں جس چیز کو قربانی کہتے ہیں یہ لفظ اصل میں "قربان" بروزن "فرقان" ہے۔ قربان ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ کے تقرب کا ذریعہ بنایا جائے خواہ جانور کا ذبیحہ ہو یا عام صدقہ و خیرات۔ اور امام ابوبکر جصاصؒ نے تو اس سے بھی زیادہ عام معنی یہ بیان فرمائے ہیں کہ ہر نیک عمل جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے قریب ہونے کا قصد کیا جائے اسکو قربان کہتے ہیں۔ لیکن عرف عام میں یہ لفظ اکثر جانور کے ذبیحہ کے لئے بولا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں چند جگہ یہ لفظ آیا ہے اکثر مواقع میں یہی جانور کا ذبیحہ مراد ہے۔

قربانی کی تاریخ کسی حلال جانور کو اللہ تعالیٰ کے تقرب کی نیت سے ذبح کرنا اسوقت سے مشروع ہے جب سے حضرت آدم علیہ السلام اس دنیا میں تشریف لائے اور دنیا آباد ہوئی سب سے پہلی قربانی حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں ہابیل اور قابیل نے دی اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا یعنی جبکہ دونوں بیٹوں نے ایک ایک قربانی پیش کی (سورۂ مائدہ)۔ ابن کثیرؒ نے بروایت ابن عباسؓ اس آیت کی تفسیر میں نقل فرمایا ہے کہ ہابیل نے ایک مینڈھے کی قربانی پیش کی اور قابیل نے اپنے کھیت کی پیداوار سے کچھ غلہ وغیرہ صدقہ کرکے قربانی پیش کی حسب دستور آسمان سے آگ نازل ہوئی اور ہابیل کے مینڈھے کو کھالیا اور قابیل کی قربانی کو چھوڑ دیا۔ قربانی کے قبول ہونے یا نہ ہونے کی پہچان انبیاء سابقین کے عہد میں یہ تھی کہ جس قربانی کو اللہ تعالیٰ قبول فرماتے تو ایک آگ آسمان سے آتی اور اسکو جلا

دی گئی تھی سورۂ آل عمران میں اسکا ذکر صراحۃً آیا ہے بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ (یعنی وہ قربانی جس کو آگ کھا جائے) اس زمانہ میں بذریعہ جہاد جو مال غنیمت کفار سے ہاتھ آتا تو اسکو بھی آگ نازل ہوکر کھا جاتی تھی اور یہ جہاد کے مقبول ہونے کی علامت سمجھی جاتی تھی۔ امتِ محمدیہ پر حق تعالیٰ کا یہ خصوصی انعام ہوا کہ قربانی کا گوشت اور مال غنیمت انکے لئے حلال کر دیئے گئے۔ حدیث شریف میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خصوصی فضائل اور انعامات الٰہیہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا وَاُحِلَّتْ لِیَ الْغَنَائِمُ یعنی میرے لئے مال غنیمت حلال کر دیا گیا یہی وجہ تھی کہ عہد نبوی کے بعض غیر مسلموں نے اپنے اسلام نہ قبول کرنے کا ایک عذر بھی پیش کیا تھا کہ پچھلے انبیاء علیہم السلام کی قربانیوں کو تو آگ کھا جایا کرتی تھی آپکے زمانہ میں ایسا نہیں ہوتا اسلئے ہم اسوقت تک آپ پر ایمان نہیں لائیں گے جبتک یہ صورت ظاہر نہ ہو۔ سورۂ مائدہ میں انکے عذر لنگ کو بیان کر کے یہ جواب دیا کہ جن انبیاء علیہم السلام کے زمانہ میں قربانیوں کو آگ نے کھایا تھا تم انھیں پر کونسا ایمان لائے ہو —— ؟ تم نے تو انکی بھی تکذیب ہی کی تھی بلکہ ان کے قتل تک سے دریغ نہ کیا تھا اس سے معلوم ہوا کہ تمھارا یہ قول کسی حق طلبی کے مد میں نہیں بلکہ حیلہ جوئی کے سوا کچھ نہیں۔ سورۂ آل عمران کی آیات ۱۸۳ حتّٰی یَاْتِیَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ سے آیت ۱۸۴ تک یہی مضمون مذکور ہے سورۂ مائدہ کی آیات مذکورہ سے ثابت ہوا کہ جانور کی قربانی سب سے پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے عبادت اور تقرب الٰہی کا ذریعہ قرار دی گئی ہے اور سورۂ آل عمران کی آیات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ قربانی قبولیت کا ایک خاص طریقہ کہ آسمانی آگ آکر اسکو جلا دے یہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے پہلے تمام انبیاء سابقین کے دور میں معروف رہا۔

قربانی کا ایک عظیم الشان واقعہ سنت ابراہیمؑ

قربانی کا بحیثیت عبادت کے مشروع ہونا اگرچہ آدم علیہ السلام کے زمانے سے ثابت ہے لیکن اسکی ایک خاص شان حضرتِ ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے

ایک واقعہ سے شروع ہوتی ہے اور اسی کی یادگار کی حیثیت سے شریعت محمدیہ میں قربانی کو واجب قرار دیا گیا ہے۔ یہ واقعہ تاریخ عالم کا ایک بے نظیر اور سبق آموز واقعہ ہے۔ قرآن کریم نے اسکو سورۂ صافات میں کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ اسلام میں مسئلہ قربانی کو سمجھنے کے لئے مرکزی نقطہ یہی واقعہ ہے اسلئے اسکا جتنا حصہ قرآن اور مستند روایات سے ثابت ہے اسکو نقل کیا جاتا ہے۔

دعوت حق

ابو الانبیاء حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام جب اپنے پیغمبرانہ فریضہ اور دعوت حق کو لیکر اٹھے تو سب سے پہلے اپنے والد آذر ہی سے سابقہ پڑا، آداب پدری کو محفوظ رکھتے ہوئے انکو بت پرستی چھوڑنے کی دعوت دی مگر وہ اس پر بھی خفا ہو گئے گھر سے نکالنے اور تکلیف پہونچانے کی دھمکیاں دینے لگے لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا (مریم ۴۶) (میں ضرور تمکو سنگسار کردونگا (پس تم دعوت سے باز آجاؤ) اور ہمیشہ ہمیش کے لئے مجھ (کو کہنے سننے) سے برکنار رہو)۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بت پرستی کی آبائی رسم چھوڑنے اور اسکی دعوت دینے کے سبب والد سمیت پوری قوم مخالف ہو گئی۔

قوم کی دشمنی اور آگ میں ڈالنا

ان ظالموں نے اس بزرگ ہستی کو آگ میں ڈالنے کا ایک جشن منایا وہ جس وقت آگ میں ڈالے جارہے تھے تو جبرئیل امین آئے اور کہا میری امداد کی ضرورت ہو تو حاضر ہوں، فرمایا کہ اگر امداد آپکی ہے تو ضرورت نہیں جس ذات کے لئے میرے ساتھ یہ معاملہ کیا جارہا ہے وہ خود علیم وخبیر ہے مجھے دیکھ رہا ہے وہ جو کچھ میرے لئے تجویز فرمائے میں اسی پر راضی ہوں ؎

بجرم عشق توام میکشند و غوغائیست — تو نیز بر سر بام آکہ خوش تماشائیست

(تیرے عشق کے جرم میں لوگ مجھے قتل کررہے ہیں اور ایک شور مچا ہوا ہے تو بھی ذرا لب بام آجا کہ ایک تماشا قابل دید ہے)

عراق سے ہجرت

اللہ تعالیٰ نے آگ کو بَرْدًا وَّ سَلَامًا یعنی ٹھنڈک اور سلامتی بن جانے کا حکم دیدیا اسکے آسمان بوس شعلے

انکے لئے گلزار بن گئے۔ ابراہیم علیہ السلام کا یہ کھلا ہوا معجزہ دیکھکر بجائے اسکے کہ ان پر ایمان لاتے ان لوگوں کی دشمنی اور تیز ہوگئی۔ ماں باپ، خاندان اور وطن کو اللہ سے بیگانہ پایا تو ان سب کو چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا ؎

ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد فدائے یک تنِ بیگانہ کا شنا باشد

(ہزار اپنے جو خدا سے بیگانہ ہوں وہ قربان ہوں اُس ایک بیگانہ پر جو خدا کا آشنا ہو)

اسوقت فرمایا اِنِّیْ ذَاھِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَھْدِیْنِ یعنی میں اپنے پروردگار کی رضا جوئی کیطرف جاتا ہوں وہی میری رہنمائی کسی ایسے مقام کیطرف فرمائیں گے جو ان کے نزدیک پسندیدہ ہو۔ پروردگار کیطرف جانے کا مطلب یہی تھا کہ کسی ایسی جگہ جاتا ہوں جہاں پروردگار کے حکم کی تعمیل آسان ہو۔ حضرت لوطؑ جو آپ پر ایمان لائے تھے انکو ساتھ لیکر آپ وطن عراق سے نکل کھڑے ہوئے اور علاقۂ فلسطین کنعان میں قیام فرمایا۔ چھیاسی سال کی عمر میں اپنے ماں باپ، اعزہ واحباب سب کو اللہ کے لیے چھوڑ کر دار غربت میں بے یار و مددگار بسر کرنے لگے۔

اولاد کے لئے دعاء

اسوقت اللہ تعالیٰ سے یہ دعاء فرمائی رَبِّ ھَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ یعنی اے میرے پروردگار مجھے اولاد صالحین میں سے عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے دعاء قبول فرمائی

اسماعیلؑ کے پیدا ہونے کی بشارت

اور خوشخبری ان الفاظ میں آئی فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ یعنی ہم نے ابراہیمؑ کو ایک حلیم لڑکا پیدا ہونے کی بشارت دیدی اشارات قرآن اور روایات حدیث اس پر شاہد ہیں کہ غُلٰمٍ حَلِیْمٍ سے مراد اس جگہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں جو حسب روایات اہلِ کتاب چھیاسی سال کی عمر میں پیدا ہوئے تھے کیونکہ وہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سب سے پہلے اور اکلوتے صاحبزادے تھے اور خود اہل کتاب کی روایات میں ذبح کئے جانے والے صاحبزادے کو وَحِیْد یعنی اکلوتا کہا گیا ہے وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ہوسکتے ہیں۔ اہل کتاب کی روایات کے مطابق

سکے بعد ۹۰ نوے سال کی عمر میں دوسرے صاحبزادے حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے ہیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شان میں اللہ تعالےٰ نے غُلام حلیم فرماکر ان کے اس خاص وصف کیطرف اشارہ فرمادیا جس کا ظہور بعد میں حکم قربانی کے وقت ہوا کیونکہ حلیم کے معنی ہیں بُردبار جو مشقت ومصیبت کے وقت گھبرائے نہیں۔

ابراہیم علیہ السلام کا سخت امتحان حجاز کی طرف دوسری ہجرت کا حکم

یہ اکلوتے صاحبزادے جو بڑھاپے کی عمر میں دعاؤں اور تمناؤں کے بعد حاصل ہوئے تھے یہ کس کو معلوم تھا کہ یہی خلیل اللہ علیہ السلام کے لئے سب سے بڑے امتحان کا سبب بنیں گے۔ پہلا امتحان یہ ہوا کہ حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم ہوا کہ صاحبزادے اور انکی والدہ ہاجرہؑ کو ساتھ لیکر پرفضا ملک شام سے ہجرت کر کے حجاز کے لق ودق گرم ریگستان جہاں دور دور نہ کسی آدمی کا نام ونشان ہے نہ جانور اور درخت کا وہاں انکا وطن بنادیں اللہ کے خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بغیر کسی جھجھک کے حکم کی تعمیل فرمائی شیرخوار حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام اور انکی والدہ حضرت ہاجرہ کو لیکر اس ہلاکت خیز میدان میں ٹھیر گئے جس کو کسی زمانہ میں انھیں کے ذریعہ مکہ معظمہ اور ام القریٰ بننا تھا پھر اسی پر بس نہیں ہوئی بلکہ اب حکم یہ ملا کہ ماں اور بچہ کو چھوڑ کر خود ملک شام واپس چلے جائیں۔ اللہ کے خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حکم ملتے ہی تعمیل کی اور جس جگہ حکم ملا تھا وہیں سے شام کیطرف چلنا شروع کردیا اتنی دیر بھی گوارا نہیں کی کہ حضرت ہاجرہ کے پاس جاکر انکی تسلی کردیتے اور بتلا دیتے کہ میں بحکم خداوندی جارہا ہوں۔ جب حضرت ہاجرہؓ نے دیکھا کہ دور چلے جارہے ہیں تو آوازیں دیں کہ جنگل میں ہمیں چھوڑ کر کہاں جارہے ہیں مگر اللہ کے خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مڑکر نہیں دیکھا پھر خود حضرت ہاجرہ کو خیال آیا کہ یہ مقدس بزرگ ایسا کام بدون حکم خداوندی کے نہیں کرسکتے تو پوچھا کیا آپ کو اللہ نے یہاں سے جانے کا حکم دیدیا اسوقت حضرت خلیل اللہؑ نے

ہوا بدیا کہ ہاں۔ حضرت ہاجرہ رضؓ نے یہ سنکر فرمایا اِذَنْ لَا یُضِیْعَنَا اگر حکم خداوندی ہے تو جائیے وہ ہمیں بھی ضائع نہ فرمائیں گے۔

اب یہ بے آب دگیاہ لق ودق گرم ریگستان ہے اور تنہا ایک خاتون اور انکا شیرخوار بچہ جنکو آئندہ مکہ معظمہ کی بستی بسانے کے لئے یہاں لایا گیا ہے آگے یہ قصہ طویل ہے کہ کس طرح یہاں اس ماں اور بچہ کی جان بچی اور کس طرح اس وحشت کدے میں اپنا وقت گذارا وہ خود قدرت خداوندی کا ایک عجیب مظہر اور سیکڑوں درس عبرت اپنے اندر لئے ہوئے ہے مگر یہ تفصیل واقعۂ قربانی کا جزو نہیں اسلئے اسکو یہیں چھوڑکر زیر بحث مسئلہ قربانی کو دیکھنا ہے

قرآنی ارشاد ہے فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَا بُنَيَّ إِنِّي أَرَىٰ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرَىٰ یعنی جب یہ بچہ اس قابل ہوگیا کہ باپ کے ساتھ چل پھرکر انکے کاموں میں مددگار بن سکے تو حضرت ابراھیم علیہ السلام نے اس سے کہاکہ میرے پیارے میں نے خواب میں یہ دیکھا ہے کہ میں تجھکو ذبح کر رہا ہوں بتلاؤ اس میں تمھاری کیا رائے ہے؟ مطلب یہ کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا خواب بھی بحکم وحی ہوتا ہے اسلئے خواب میں ذبح کرتے ہوئے دیکھنا حکم ذبح کا مرادف ہے اب تم بتلاؤ کہ کیا تم اس حکم خداوندی کی تعمیل کے لئے تیار ہو؟ حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم خداوندی کے بعد کسی سے مشورہ لینے کی ضرورت نہ تھی اور نہ انکے نزدیک تعمیل حکم اسپر موقوف تھی لیکن یہاں صاحبزادے سے مشورہ لینے میں حکمت یہ تھی کہ اول تو انکے عزم وہمت اور اطاعت خداوندی کے جذبہ کا امتحان ہوجائے دوسرے اگر وہ اطاعت اختیار کریں تو مستحق ثواب ہوجاویں کیونکہ ثواب کا مدار قصد ونیت پر ہے تیسرے ذبح کرنے کے وقت جو بتقاضائے بشریت وشفقت پدری طبعی اضطراب لغزش کا خطرہ تھا اس سے کسی درجہ میں اطمینان ہوجا سکے (روح البیان) آیت مذکورہ کے الفاظ خصوصیت سے قابل نظر ہیں فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ یعنی جب وہ باپ کے

ساتھ چلنے کے قابل ہو گئے اسمیں اشارہ ہے کہ یہ صاحبزادے سے بیٹے ذبح کرنے کا حکم دیا جارہا ہے یہی نہیں کہ بڑھاپے کے اکلوتے بیٹے ہیں اور تمناؤں اور دعاؤں کے بعد حاصل ہوئے ہیں بلکہ اب وہ پل کر جوان ہونے کے قریب ہیں اور اس قابل ہیں کہ باپکے ساتھ سعی وعمل میں انکی امداد کرسکیں۔ تاریخی روایات کے مطابق اسوقت حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر نوسال ہو چکی تھی (روح البیان) ان حالات نے حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قربانی کو کتنا صبر آزما کردیا تھا اسکا اندازہ لگانا بھی آسان نہیں۔

والد بزرگوار نے سعادت مند بیٹے سے مشورہ لیا تو وہ بھی خلیل اللہ کے صاحبزادے تھے والد بزرگوار کا خواب سنکر فرمایا یَآ اَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ ہ یعنی ابا جان آپ وہ کام کرگذریں جسکا آپ کو حکم دیا گیا ہے مجھے آپ انشاء اللہ تعالیٰ صابرین میں سے پائیں گے یہاں جس طرح حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے بڑھاپے میں اکلوتے اور ہونہار بیٹے کو قربان کرنے کا حکم ایک انتہائی سخت امتحان تھا اسی طرح صاحبزادے کیلئے اطاعت شعاری میں جان کی بازی لگا دینا بھی کوئی معمولی بات نہ تھی مگر اللہ تعالےٰ نے اس پورے خاندان ہی کو اپنے لئے بنایا تھا اسی کے آثار ظاہر ہوئے۔

یہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام کا جذبۂ اطاعت تو قابل دید ہے ہی یہ بات بھی سبق آموز ہے کہ انھوں نے اپنے ارادہ اور عزم وہمت پر بھروسہ نہیں کیا بلکہ اللہ کے سپرد کرکے انشاء اللہ فرمایا اور پھر یہ نہیں کہا کہ میں صبر کرونگا بلکہ فرمایا کہ مجھے صابرین میں سے پائینگے جو ایک تواضع کا عنوان ہے کہ صبر واستقلال تنہا میرا کمال نہیں اللہ کے ہزاروں بندے صابرین میں بھی ان میں داخل ہو جاؤں گا۔ اسی تفویض وتواضع کی برکت تھی کہ اس دشوار گزار منزل کے کسی مرحلے میں بھی ان کے قدم کو لغزش نہیں ہوئی اور یہ یگانۂ روزگار باپ اور بیٹے طبعی تقاضوں اور زندگی کی امنگوں کو کچلتے ہوئے اپنے آپ کو قربانی کرنے اور کرانے کے لئے قربان گاہ کیطرف چل پڑے۔ خلیل اللہ علیہ السلام کے لئے جو کٹھن منزل

سامنے تھی فرماں بردار صاحبزادہ کے اس جواب نے اسکو کسی قدر آسان کردیا۔ اب یہ یگانۂ روزگار باپ اور بیٹے حکم خداوندی کی تعمیل کیلئے گھر سے چل پڑے

شیطانی چالیں

اللہ تعالیٰ کی عبادت وطاعت کا یہ عظیم الشان مظاہرہ شیطان کسطرح دیکھ سکتا تھا یہ جانتے ہوئے کہ مقابلہ پر اللہ کے خلیل جیسے کوہ استقامت ہیں اپنی تدبیروں سے باز نہ آیا اول حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ کے پاس ایک مہربان ہمدرد کی شکل میں آیا اور پوچھا اسماعیل کہاں گئے ہیں انھوں نے جواب دیا کہ اپنے باپ کے ساتھ جنگل سے لکڑیاں چننے کیلئے گئے ہیں شیطان نے کہا بات یہ نہیں تم غفلت میں ہو انکے باپ انکو ذبح کرنے کیلئے لے گئے ہیں۔ حضرت ہاجرہؓ نے کہا کوئی باپ اپنے بیٹے کو ذبح کرسکتا ہے؟ شیطان نے کہا ہاں وہ کہتے ہیں مجھے اللہ تعالیٰ نے ایسا حکم دیا ہے یہ سنکر اکلوتے بیٹے کی ماں نے بھی وہی جواب دیا جو خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گھرانہ کے شایان شان تھا کہ اگر واقعہ یہی ہے کہ انکو اللہ تعالیٰ نے ذبح کرنیکا حکم دیا ہے تو پھر انکو اسکی تعمیل ہی کرنی چاہیئے شیطان یہاں سے مایوس ہوکر اب باپ بیٹے کے تعاقب میں لگ گیا جو شہر مکہ سے منیٰ کیطرف جارہے تھے اول ایک دوست کی صورت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے آکر انکو روکنا چاہا مگر حضرت خلیل علیہ السلام نے تاڑ لیا اس لئے آپ پر اثر انداز ہونے میں شیطان ناکام رہا اسکے بعد جمرۂ عقبہ کے قریب ایک بڑے جثہ کی صورت میں آپکا راستہ روک کر کھڑا ہوگیا ایک فرشتہ ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ تھا اس نے کہا کہ ابراہیمؑ اسکو پتھر سے مارو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سات کنکریاں ماریں اور ہر ایک کے ساتھ اللہ اکبر کہا تو شیطان دفع ہوگیا آگے بڑھکر پھر جمرۂ وسطیٰ کے قریب اسی طرح راستہ روک لیا تو پھر حضرت خلیل علیہ السلام نے تکبیر کہکر سات کنکریاں ماریں تو دفع ہوگیا اسی طرح تیسری مرتبہ جمرۂ اولیٰ کے پاس پہونچکر راستہ گھیر لیا حضرت خلیل علیہ السلام نے پھر وہی عمل کیا اور آگے بڑھ کر قربانی کی جگہ پر پہونچ گئے۔ یہ واقعہ روح المعانی میں بروایت قتادہؓ اور ابن کثیر میں اسکا اکثر حصہ بروایت ابن عباسؓ رضی اللہ عنہما بحوالہ مسند احمد منقول ہے۔

فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ یعنی جب باپ اور بیٹے اس عظیم قربانی کے لئے رہو گئے اور باپ نے بیٹے کو قربان کرنے کے لئے چہرہ کے بل کروٹ پر لٹادیا اس طرح سنے میں تواضع بھی تھی اور یہ حکمت بھی کہ اکلوتے بیٹے کا چہرہ سامنے آکر کہیں ہاتھ میں اختیاری لغزش نہ آجائے۔ بعض روایات میں ہے کہ خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پنے نزدیک ذبح کی تکمیل کے لئے پوری قوت سے چھری چلائی لیکن قدرت خداوندی ری کے عمل میں حائل ہوگئی اور بعض روایات میں ہے کہ اس حالت میں اسماعیل یہ السلام نے عرض کیا کہ ابا جان آپ کے پاس میرے کفن کے لیے کوئی کپڑا نہیں اسلئے لیف موگی بہتر یہ ہے کہ میرا کرتہ صاف و سفید ہے اسکو اتار لیجئے تاکہ کفن کے کام میں جائے مقدس باپ کرتا اتارنے لگے اسی حالت میں ایک غیبی آواز نے معاملہ کی یا پلٹ دی۔

حضرت اسماعیل کے فدیہ میں دنبہ کی قربانی

وَنَادَیْنٰهُ اَنْ یّٰۤاِبْرٰهِیْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا ہم نے آواز دی کہ اے ابراہیم آپ نے خواب سچا کر دکھایا اور اس کے ساتھ ہی ایک دنبہ حضرت اسماعیلؑ کے بجائے قربانی کیلئے نازل کردیا وَفَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ یعنی ہم نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کا فدیہ ایک عظیم قربانی بنا دیا اسکو عظیم اس لئے کہا گیا کہ اول تو یہ ایک عظیم الشان پیغمبر کا فدیہ تھی دوسرے اسلئے کہ اس طرح کی قربانی کو قیامت تک جاری رکھنے کا قانون الٰہی بن گیا (روح) اللہ تعالیٰ نے دنبہ کی قربانی کو اولاد کی قربانی کا بدل قرار دیدیا تو مقدس باپ اور بیٹے کی شکر گذاری اور خوشی کی حد نہ رہی۔

یہاں ایک سوال یہ ہوتا ہے کہ صاحبزادے کے ذبح کا حکم حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیداری کے بجائے خواب میں دیا گیا اس میں کیا حکمت ہے راز اسمیں یہ ہے کہ اصل مقصود حق بیٹے کو ذبح کرانا نہیں بلکہ باپ بیٹوں کا امتحان ہی مقصود تھا اسلئے صریح الفاظ میں ذبح کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ خواب میں یہ دکھلایا گیا کہ وہ ذبح کر رہے ہیں یہی وجہ ہے کہ جب انھوں نے وہ عمل مکمل کردیا تو ندائے غیبی نے انکو امتحان

ں کامیابی اور تعمیل حکم کی تکمیل کی خوشخبری سنادی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب
ں یہ نہیں دیکھا تھا کہ ذبح کرڈالا ہے بلکہ ذبح کی تیاری دکھلائی گئی تھی وہ پوری
لی۔ اور تفسیر روح البیان میں ہے کہ ایک احتمال یہ بھی ہے کہ خواب میں دنبہ کو
کل اسماعیل علیہ السلام دکھلایا گیا ہو جیسے علم کو دودھ کی شکل میں دکھلایا جاتا ہے
بہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام میں معنوی مناسبت یہ تھی کہ دنبہ ذبح کے لئے
لبیع وفرمانبردار ہوتا ہے اسکی تخلیق کا منشاء ہی ذبح کر کے استعمال کرنا ہے بخلاف
ے بیل اور اونٹ کے کہ انکی تخلیق کا اصل منشاء ان سے سواری لینا اور باربرداری
ہے کبھی ذبح کر کے گوشت بھی کھالیا جاتا ہے۔ بخلاف مینڈھے دنبہ وغیرہ کے کہ
نکے وجود کا اصل مقصود ہی ذبح کر کے کھانا ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ اصل مقصود دنبہ
، کا ذبح کرنا تھا مگر امتحان کے لئے اسکو اسماعیل علیہ السلام کی شکل میں دکھلایا گیا
ر خواب کی اصل تعبیر کیطرف اسی امتحان کی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذہن منتقل
دا یہاں تک کہ امتحان کی تکمیل ہو گئی۔ ابن کثیرؒ نے بروایت ابن عباس
ی اللہ تعالیٰ عنہما نقل کیا ہے کہ اس دنبہ کے سینگ اور سر ابتداء اسلام تک بیت اللہ
ے میزاب میں معلق تھے جس کو اولاد اسمعیل یعنی قریش مکہ نے بطور تبرک اور یادگار
ے بیت اللہ میں محفوظ کر رکھا تھا بعض حضرات کا بیان ہے کہ مینڈھے کا یہ سر
ر سینگ حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت تک موجود تھے فتنۂ حجاج
، جب بیت اللہ میں آگ لگی اسوقت جل گیا۔

یہاں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جب قربانی
ستور یہ تھا کہ آسمانی آگ اسکو جلا دیتی تھی تو اس مینڈھے کا یہ سر اور سینگ محفوظ کیسے
ہے؟ تفسیر روح البیان میں ہے کہ بنی اسرائیل کی عادت یہ تھی کہ جب کوئی قربانی
تے تو اسکا عمدہ گوشت الگ کر کے ایک جگہ رکھدیتے اور آسمانی آگ اسکو جلا دیتی
ں اس سے معلوم ہوا کہ قربانی کے جلا دینے کا مطلب یہی تھا کہ کھانے کے قابل عمدہ
شت آسمانی آگ جلا دیتی تھی سر، سینگ، سُم وغیرہ کا باقی رہ جانا مستبعد نہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ سب سے زیادہ سخت اور غالباً آخری امتحان تھا جس میں وہ کوہ استقلال ثابت ہوئے اس سے پہلے باپ کو اعزہ و احباب کو وطن اور مکان کو اور عظیم الشان مال اور دولت کو اللہ کے لئے قربان کرچکے تھے اور خود ہی اپنی جان کو قربانی کے لئے پیش کرچکے تھے اب لخت جگر اکلوتے صاحبزادے کی قربانی میں انتہائی ثابت قدمی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قول کو سچا کر دکھایا کہ میری موت اور حیات سب اللہ کے لئے ہے۔

سنتِ ابراہیمی کی یادگار اللہ تعالیٰ نے اپنے مقبول رسول اور خلیل اللہ کے ان اعمال اور افعال کو پسند فرماکر قیامت تک انکی یادگار کو زندہ رکھنے کے لئے ان افعال و اعمال کی نقل کرنے کو اپنی محبوب عبادت قرار دیکر اپنے بندوں پر لازم کردیا جس طرح واجبات حج میں تینوں جمرات پر کنکریاں مارنا اسی خلیل اللہی عمل کی یادگار ہے۔حجاج پر خصوصاً اور مسلمانوں پر عموماً جانور کی قربانی اسی یادگار کو زندہ رکھنے کے لئے لازم کی گئی جس طرح صفا و مروہ کے درمیان دوڑنا اور چکر لگانا حضرت ہاجرہؓ کے ایک عمل کی یادگار ہے اسکو بھی واجبات حج میں داخل کردیا گیا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ قربانی کی کیا اصلیت ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا تمہارے والد ابراہیم علیہ السلام کی سنت و یادگار ہے صحابہؓ نے عرض کیا کہ پھر ہمارے لئے اسمیں کیا ثواب ہے؟ فرمایا جانور کے ہر بال کے عوض ایک نیکی نامۂ اعمال میں لکھی جائیگی (مشکوٰۃ شریف)

اسلامی یادگاریں دنیا میں عظیم الشان کارناموں کی یادگاریں قائم کرنے کا دستور تو پرانا ہے مگر عام طور پر اسکے لئے مجسمے کھڑے کردینے یا کوئی تعمیر کردینے کو کافی سمجھا جاتا ہے جس سے کارنامہ کے انجام دینے والے کا اعزاز تو ہوتا ہے اور کچھ دیر تک باقی بھی رہتا ہے لیکن یادگار قائم کرنے کی اصلی روح اس سے زندہ نہیں رہتی اسلئے اسلام نے مجسمات و تعمیرات کی قدیم

رسم کو چھوڑ کر ان کے افعال کی نقل کرنے کو عبادت بنا دیا اور قیامت تک کے لئے لوگوں پر لازم کر دیا جس سے نہ صرف ان اعمال کے کرنے والوں کی یاد ہر وقت زندہ رہتی ہے بلکہ ان کے اس نیک عمل کا جذبہ بھی دلوں میں پیدا ہوتا ہے مجسمات و تعمیرات کتنے ہی مضبوط ہوں آخر کار حوادث کا شکار ہیں لیکن یہ یادگار جس کو عملی طور پر امت کے لئے لازم و واجب قرار دیدیا گیا ہے اور ان کے احکام قرآن و سنت میں محفوظ کر دیئے گئے رہتی دنیا تک جاری و باقی ہیں وہ ہر زمانہ اور ہر دور میں ہر انسان کو یہ خلیل اللّٰہی سبق دیتی رہتی ہیں کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دینا ہی انسانیت کی تکمیل ہے اور اسی پر بھی حق عبدیت سے سبکدوشی نہیں ؎

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

قربانی کی حقیقت جب یہ معلوم ہو گیا کہ جانوروں کی قربانی جو ہر سال مسلمانوں پر لازم کی گئی ہے وہ ابراہیمی یادگار کی حیثیت رکھتی ہے تو اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ جانوروں کی قیمت کا صدقہ کر دینا یا کسی دوسرے نیک کام میں لگا دینا اس فریضہ سے سبکدوش نہیں کر سکتا جیسے روزہ کی جگہ نماز یا نماز کے بدلے روزہ کافی نہیں زکوٰۃ کے بدلے میں حج اور حج کے بدلہ میں زکوٰۃ کافی نہیں۔ کوئی شخص اپنا سارا مال اللہ کی راہ میں صدقہ کر دے تو ایک نماز کا فریضہ اس سے ادا نہیں ہوتا اسی طرح صدقہ خیرات کتنا بھی کر دے وہ یادگار ابراہیم علیہ السلام کے قیام اور واجب قربانی کی ادائیگی نہیں ہوگی۔

قربانی کا حکم سب مسلمانوں کیلئے عام ہے حجاج کے لئے مخصوص نہیں خلیل اللّٰہی کارناموں میں سے جو چیزیں کسی خاص مقام کے ساتھ مخصوص تھیں وہ تو صرف حجاج پر لازم کی گئی ہیں جو اس مقام پر پہونچ کر انجام دیتے ہیں جیسے منیٰ میں تینوں جمرات پر کنکریاں مارنا اور صفا و مروہ کے درمیان دوڑنا اور سات چکر لگانا اور جو چیز اس خاص جگہ سے تعلق نہیں رکھتی ہر جگہ کیا جا سکتی ہے

جانور کی قربانی اسکو تمام امت کے لئے حکم عام کے ساتھ واجب ولازم قرار دیدیا
گیا اور خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین و تابعین
اور پوری امت ہر خطے ہر ملک اور ہر جگہ میں اس واجب کی تعمیل کرتے رہے اور اسکو
نہ صرف واجبات اسلامی میں سے ایک واجب قرار دیا گیا بلکہ شعائرِ اسلام میں داخل
سمجھا گیا وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ (سورۂ حج) یعنے
قربانی کے اونٹ اور گائے کو ہم نے اللہ کی یادگار بنایا ہے۔ اللہ کی یادگار سے
مراد اللہ کے دین کی یادگار ہے۔ ہاں یہ ظاہر ہے کہ جو قربانی اس خاص مقام میں کیجائے
جہاں سے اسکا آغاز ہوا ہے یعنی منیٰ میں وہ زیادہ افضل اور موجب ثواب و برکات
ہے اسی لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری حج میں سو اونٹوں کی قربانی
کی جنمیں سے تریسٹھ اونٹوں کا نحر بنفس نفیس اپنے دست مبارک سے کیا باقی کو
حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سپرد کیا۔ (صحیح مسلم) یہ اتنی بڑی تعداد اسی فضیلت کیوجہ
سے کیگئی ورنہ مدینہ طیبہ میں عام عادت دو دنبہ ذبح کرنے کی تھی حضرت عبداللہ ابن عمر
رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں دس سال قیام فرمایا
ہر سال قربانی کرتے تھے (ترمذی)۔ بلکہ بعض مرتبہ کسی سفر میں قربانی کے ایام آگئے
تو وہاں پر آپ نے قربانی ترک نہیں فرمائی۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ
فرماتے ہیں کہ ایک سفر میں ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ کے ساتھ تھے ہم نے سات آدمیوں
کیطرف سے ایک گائے کی قربانی کی (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) ایک حدیث میں
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قربانی کے دنوں میں اللہ کے نزدیک
انسان کا کوئی عمل قربانی سے زیادہ محبوب نہیں (ترمذی، ابن ماجہ)۔ صحابۂ کرام
رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کہتے ہیں کہ ہم مدینہ طیبہ میں اپنی قربانیوں کو فربہ کرنے کا
اہتمام کیا کرتے تھے اور سب مسلمانوں کی یہی عادت تھی (صحیح بخاری کتاب الاضحیہ)

مدینہ طیبہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ عید کی نماز کے بعد
عیدگاہ ہی میں قربانی کرتے تھے تاکہ سب مسلمانوں کو اس حکم شرعی کی اطلاع بھی ہوجائے

اور قربانی کے آداب بھی سیکھ لیں اور یہ بھی سب کو معلوم ہو جائے کہ نماز عید سے پہلے قربانی جائز نہیں۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَذْبَحُ وَیَنْحَرُ بِالْمُصَلّٰی (بخاری) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدگاہ ہی میں قربانی کیا کرتے تھے غالباً اسکی وجہ یہ بھی تھی کہ قرآن کریم میں جو قربانی کا حکم آیا ہے وہ اسی طرح آیا ہے پہلے نماز عید پھر قربانی کیجائے سورۂ کوثر میں ہے فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ یعنی آپ اپنے رب کیلئے نماز ادا کریں پھر قربانی کریں ابن کثیرؒ نے مفسرین صحابہ و تابعین حضرت عبداللہ ابن عباس، عطا، مجاہد، عکرمہ اور حسن رضی اللہ عنہم سے لفظ وَانْحَرْ کے معنی قربانی کرنیکے بیان کئے ہیں (ابن کثیر) اور حضرت عکرمہؓ عطا اور قتادہؓ نے فرمایا کہ فَصَلِّ لِرَبِّکَ سے مراد نماز عید ہے اور وَانْحَرْ سے مراد قربانی تفسیر مظہری، خلاصہ یہ کہ اس قرآنی حکم کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری امت پر نماز عید و قربانی کو لازم و واجب قرار دیا خواہ وہ مکہ میں ہوں یا مدینہ میں یا دنیا کے کسی اور مقام میں اور ارشاد قرآن کے ماتحت نماز عید کو مقدم اور قربانی کو اسکے بعد کرنے کا حکم جاری فرمایا حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ عیدالاضحیٰ کے روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو ساتھ لیکر مدینہ طیبہ کے قبرستان بقیع کیطرف تشریف لے گئے وہاں ایک میدان میں اول نماز عید ادا کی پھر سب لوگوں کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کہ آج کے دن ہمارا پہلا کام نماز عید ادا کرنا ہے اسکے بعد قربانی کرنا جس نے اسکے مطابق عمل کیا تو ہمارے طریقہ کے موافق کیا اور جس نے نماز سے پہلے ذبح کر دیا اسکی قربانی نہیں ہوئی بلکہ وہ محض ایک کھانے کا گوشت ہو گیا قربانی اور اسکے ثواب سے اسکا کوئی تعلق نہیں۔ یہ حدیث صحیح بخاری میں ہے اور اس واقعہ کا بقیع غرقد کے قریب ہونا احکام القرآن جصاص کی روایت میں مذکور ہے۔ قرآن مجید کی آیات مذکورہ اور روایت حدیث اور صحابہ کرام کے تعامل سے واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ قربانی کا عبادت ہونا عہد آدم علیہ السلام سے ثابت ہے مگر عیدالاضحیٰ میں اسکا ضروری اور واجب ہونا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادگار کے طور پر جاری ہوا اور قرآن و سنت کے نصوص میں اسکو اسلامی

[مل]حات میں ایک اہم واجب قرار دیا جو ہر ملک، ہر خطہ ہر زمانہ میں ضروری ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے ہمیشہ مدینہ طیبہ میں بھی قربانی کا فریضہ ادا کیا۔ اس زمانہ کے بعض لوگوں نے جو قربانی کو مکہ معظمہ کے ساتھ مخصوص اور وہ بھی کسی عبادت کے طور پر نہیں بلکہ حجاج کی مہمانی کے طور پر سمجھا ہے وہ نہ صرف قرآن و حدیث سے بلکہ تمام شرائع انبیاء اور انکی تاریخ سے بالکل ہی ناواقفیت پر مبنی ہے ان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اگر قربانی کا مقصد صرف اتنا ہی تھا کہ مکہ میں جمع ہونے والے حجاج کی مہمانی اس سے کیجائے تو پھر اس میں نماز عیدالاضحی سے پہلے اور بعد میں کیا فرق پڑتا ہے اور بارہ تاریخ کی شام کے بعد قربانی ممنوع ہو جانے کے کیا معنی ہوتے ہیں کیا تیرہ تاریخ کو حجاج مکہ میں نہیں رہتے اگر مہمانی اسکا مقصد تھا تو قربانی کے جانوروں کے لئے جو شرائط رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر وغیرہ کے لحاظ سے بیان فرمائی ہیں ان شرائط کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے۔ نیز کیا مہمان کو صرف گوشت کی ضرورت ہوتی ہے اور کسی چیز کی حاجت نہیں ہوتی اگر مہمانی مقصود ہوتی تو قربانی کے ذریعہ گوشت مہیا کرنے کی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ دوسری اشیاء خوردنی جمع کرنے کا فریضہ عائد کیا جاتا۔ خصوصاً جبکہ مدینہ طیبہ میں بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے ہر سال قربانی کرنا ثابت ہے تو پھر اسکے خلاف کوئی رائے قائم کرنا اور اسکو اسلام میں ٹھونسنا بہت ہی بڑی جرأت رندانہ ہے۔

اقتصادی سوال

جب انسان روحانیت سے غافل ہوکر صرف مادی خواہشات کی بھول بھلیاں میں پڑ جاتا ہے مادہ و صورت ہی اس کا اوڑھنا بچھونا اور علم و ہنر کا مقصد بن جاتا ہے اور اللہ جل شانہ کی قدرت کاملہ اور اسکا عجیب و غریب نظام اسکی نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے تو اسکو ساری ہی عبادات بے جان رسوم محسوس ہونے لگتی ہیں خصوصاً قربانی کا مسئلہ اسکو ایک اقتصادی مشکل بنکر سامنے آتا ہے وہ سمجھنے لگتا ہے کہ قوم کا اتنا روپیہ جو جانوروں کے ذبیحہ پر ہر سال خرچ ہوتا ہے اور تین دن

گوشت کھا لینے کے سوا اسکو کوئی مفاد نظر نہیں آتا اگر اس سے رفاہی اور قومی کام چلائے جائیں تو زیادہ بہتر ہوگا لیکن جب حقیقت شناس کے سامنے قوم کے اخلاق و اعمال کی اصلاح اسکا پیٹ پالنے اور اسکی نفسانی لذتوں کو پورا کرنے سے زیادہ مقدم ہے وہ بجا طور پر یہ بھی سمجھتا ہے کہ انسان کی روٹی اور پیٹ کا مسئلہ بھی امن و سکون کے ساتھ صحیح طور پر اسی وقت حل ہو سکتا ہے جبکہ انسان انسان بن جائے۔ انسان اخلاق سے آراستہ ہوں ورنہ لوٹ مار۔ دھوکہ، فریب، چوری و جیب تراشی کیوجہ سے کوئی شخص اپنی جگہ مامون و مطمئن نہیں رہے گا۔ چور بازاری کی وجہ سے سامان زندگی گراں ہو جائے گا۔ رشوت کی وجہ سے حقدار کو حق نہ ملے گا۔ وہ جس طرح قوم کی تعلیم پر خرچ کرنے کو اسکی دوسری ضروریات سے زیادہ اہمیت دے گا اس سے بھی زیادہ اس خرچ کو اہمیت دیگا جس کے ذریعہ انسان کے اخلاق درست ہوں اور مشاہدہ و تجربہ شاہد ہے کہ اخلاق و اعمال کی روشنی کے لئے خدا تعالے کے خوف اور اسکی رضا جوئی سے بڑھکر کوئی کامیاب نسخہ نہیں۔ اللہ تعالے کی اطاعت اور فرمانبرداری کا جذبہ وہ جذبہ ہے جو انسان کو اپنی خلوتوں میں بھی جرائم سے باز رکھتا ہے اور قربانی اس جذبہ کو قوی کرنے میں خاص اثر رکھتی ہے اسلئے قوم کی فلاح و بہبود اس میں نہیں کہ قربانی کو بند کرکے روپیہ بچانے اور جمع کرنے کی نفسانی خواہش کو بڑھایا جائے بلکہ اسکی حقیقی فلاح اسمیں ہے کہ قوم میں جذبۂ ایثار و قربانی پیدا کرنے کیلئے اس خرچ کو شوق و رغبت کے ساتھ قبول کیا جاوے۔ اس حقیقت کو سمجھ لینے سے یہ بات واضح ہوگئی کہ قربانی کا مقصد گوشت کھانا یا کھلانا ہرگز نہیں بلکہ ایک حکم شرعی کی تعمیل اور سنت ابراہیمی کی یادگار کو تازہ کرکے جذبۂ ایثار و قربانی کی تحصیل ہے۔

قرآن کریم نے خود اس حقیقت کو اس طرح واضح فرما دیا ہے لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ یعنی اللہ کے پاس ان قربانیوں کے گوشت یا خون نہیں پہونچتے ہاں تمہارا تقویٰ یعنی جذبۂ اطاعت پہونچتا ہے۔ مطلب یہ کہ قربانی کا گوشت و پوست کوئی مقصد نہیں یہی وجہ ہے کہ پچھلی امتوں کیلئے

تو یہ گوشت حلال بھی : تھا اس امت پر خصوصی طور سے حلال کردیا گیا ہے بلکہ اصل مقصد قربانی جذبۂ اطاعت پیدا کرنا ہے۔

قربانی پر دوسرا اشکال یہ ہوتا ہے کہ تین تاریخوں میں بیک وقت لاکھوں جانور ہلاک ہوجاتے ہیں اسکا مضر اثر قومی اقتصادیات پر پڑنا ناگزیر ہے گئے جانور کم ہوجائیں گے اور سال بھر لوگوں کو گوشت ملنے میں مشکلات پیدا ہوجائینگی لیکن یہ خیالات صرف اسوقت انسان کے ذہن پر مسلط ہوتے ہیں جب وہ خالق کائنات کی قدرت کاملہ اور اسکے نظام محکم کے مشاہدے سے بالکل غافل ہوجائے نظام قدرت پورے عالم میں ہمیشہ سے یہ ہے کہ جب دنیا میں کسی چیز کی ضرورت بڑھتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس چیز کی پیداوار کو بڑھادیتے ہیں اور جب ضرورت گھٹ جاتی ہے تو پیداوار بھی گھٹ جاتی ہے کوئی شخص کنوئیں کے پانی پر رحم کھاکر اس لئے نکالنا چھوڑ دے کہ کہیں ختم نہ ہوجائے تو اسکے سوتے بند ہوجائیں گے اور کنواں پانی نہ دے گا اور جتنا زیادہ نکالتا چلا جائیگا اتنا ہی کنوئیں سے پانی زیادہ ملے گا۔ اعداد و شمار کا حساب لگاکر دیکھیں تو پچھلے زمانہ میں جتنی قربانی کیجاتی تھی اتنی آج نہیں ہے جس طرح تمام احکام دین نماز روزہ میں سستی آگئی قربانی کے مسئلے میں اس سے زیادہ سستی برتی جاتی ہے اسلام کے قرون اولیٰ میں قربانی کا عالم یہ تھا کہ ایک ایک آدمی سوسو اونٹ کی قربانی کرتا تھا، خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ سو اونٹ کی قربانی کی اور تریسٹھ کی قربانی کا فریضہ خود اپنے دست مبارک سے انجام دیا، قربانی کی اس فراوانی اور زیادتی کے زمانہ میں کسی جگہ یہ شکایت نہیں سنی گئی کہ جانور نہیں ملتے یا گراں ملتے ہیں۔

اس زمانہ میں جبکہ نماز روزہ اور دوسری عبادات کی طرح قربانی میں بھی سخت غفلت برتی جارہی ہے لاکھوں انسان جن کے ذمہ شرعاً قربانی لازم ہے قربانی نہیں کرتے تو اسوقت جانوروں کی کمی کو قربانی کا نتیجہ کہنا واقعات کے سراسر خلاف ہوگا اس زمانہ میں بھی بہت سے ملک ہیں جہاں مسلمانوں کی آبادی برائے نام ہے

نہ وہاں قربانی ہوتی ہے اور نہ قربانی کی وجہ سے کوئی جانور کم ہوتا ہے مگر جانور اور گوشت کی گرانی وہاں ہمارے ملکوں سے زیادہ نظر آتی ہے۔ اگر کسی کا ایسا ہی دل چاہے تو ایک سال کسی شہر یا کسی ملک میں قربانی بند کرکے دیکھ لے کہ قوم کی اقتصادیات پر اس کا کیا خوشگوار اثر ہوتا ہے۔ اور جانور اور گوشت کی یا دودھ اور گھی کی کتنی ارزانی ہو جاتی ہے کوئی مسلم تو افسانہ ملک شاید اسکے تجربہ کرنے کے لیے بھی تیار نہ ہوگا ہمارا پڑوسی ملک موجود ہے جہاں صرف گائے کی حد تک نہ مدت سالانہ قربانی بلکہ روزانہ گوشت خوری بھی بند ہے لیکن کیا کسی نے دیکھا کہ وہاں گلی گلی گائے پھرتی ہے یا دودھ کی ندیاں بہتی ہیں یا گھی ارزاں ہو گیا ہے مشترکہ ہندوستان میں جبکہ دس کروڑ مسلمان اور انگریزی فوج روزانہ لاکھوں گائے ذبح کیا کرتے تھے اور سالانہ قربانی بھی ہوتی تھی گھی اور دودھ کا جو نرخ بھارت میں اُس وقت تھا آج شاید اس سے[1] کچھ گراں تو ہو مگر ارزانی کا کہیں نام نہیں۔

اور قدرت کے دستور کے مطابق ہمارا خیال یہ ہے کہ اگر وہاں گائے کا خرچ اسی طرح کم ہوتا چلا گیا تو کچھ عرصہ میں وہاں گائے کی پیداوار ختم ہونے کے قریب ہو جائیگی اور کیا یہ مثال سارے جہان کے سامنے نہیں کہ اب سے سو سال پہلے سارے سفر گھوڑوں پر طے کئے جاتے تھے اور ساری دنیا کی جنگیں صرف گھوڑوں کے ذریعہ سر کی جاتی تھیں فوج کے لیئے لاتعداد گھوڑے پالے جاتے تھے۔ عصر حاضر میں جب گھوڑوں کی جگہ موٹروں اور ہوائی جہازوں نے لے لی تو کیا دنیا میں گھوڑے زیادہ اور سستے ہو گئے یا انکی تعداد گھٹ گئی اور قیمت بڑھ گئی؟ یہ قدرت کا کارخانہ اور اسکا نظام انسانی فہم و ادراک اور انسانی تجویزوں سے بہت بلند ہے۔

کاش قربانی کی حقیقت سے ناآشنا مسلمان سوچیں اور غور کریں اور قربانی کو ایک رسم یا عید کی تفریح کی حیثیت سے نہیں بلکہ اسکی حقیقت کو سامنے رکھکر سنت ابراہیمی کے اتباع کے طور پر ادا کریں تو ایمان و عمل میں قوت اور اخلاص کی

---

[1] کچھ گراں نہیں بلکہ سو گنا گراں ہے، اس زمانہ میں گھی ایک روپیہ سیر تھا اور اس وقت سو روپیہ کلو ہے۔

...مشاہدہ ہونے لگے۔ ہر عبادت میں ثواب کے علاوہ کچھ مخصوص آثار بھی ودیعت کئے گئے ہیں جیسے نماز میں تواضع و انکساری، زکوٰۃ میں حُبِّ مال سے قلب کی صفائی روزہ اور حج میں اللہ جل شانہٗ کی محبت میں ترقی حاصل ہوتی ہے اسی طرح قربانی میں ایمان و اخلاص میں قوت، اعمال شاقہ کے لئے عزم و ہمت پیدا ہوتی ہے۔ واللہ المستعان۔

(احکام عید الاضحیٰ و قربانی)

عشرہ ذی الحجہ کے فضائل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ کی عبادت کے لئے عشرہ ذی الحجہ سے بہتر کوئی زمانہ نہیں ان میں ایک دن کا روزہ ایک سال کے روزوں کے برابر اور ایک رات میں عبادت کرنا شب قدر کی عبادت کے برابر ہے (ترمذی، ابن ماجہ) قرآن مجید سورۂ والفجر میں اللہ تعالےٰ نے دس راتوں کی قسم کھائی ہے وہ دس راتیں جمہور کے قول میں یہی ہیں خصوصًا نویں تاریخ یعنی عرفہ کا دن اور عرفہ اور عید کی درمیانی رات ان تمام ایام میں بھی خاص فضیلت رکھتے ہیں۔ عرفہ یعنی نویں ذی الحجہ کا روزہ رکھنا ایک سال گذشتہ اور ایک سال آئندہ کا کفارہ ہے اور عید کی رات میں بیدار رہ کر عبادت میں مشغول رہنا بہت بڑی فضیلت اور ثواب کا موجب ہے۔

تکبیر تشریق اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ عرفہ یعنی نویں تاریخ کی صبح سے تیرھویں تاریخ کی عصر تک ہر نمازِ فرض کے بعد بآواز بلند ایک مرتبہ تکبیر پڑھنا واجب ہے فتویٰ اسپر ہے کہ با جماعت نماز پڑھنے والے اور تنہا پڑھنے والے اس میں برابر ہیں اسی طرح مرد و عورت دونوں پر واجب ہے البتہ عورت بآواز بلند تکبیر نہ کہے آہستہ کہے (شامی)

تنبیہ: اس تکبیر کا متوسط بلند آواز سے کہنا ضروری ہے بہت سے لوگ اسمیں

غفلت کرتے ہیں پڑھتے ہی نہیں یا آہستہ پڑھ لیتے ہیں اسکی اصلاح ضروری ہے

نماز عید

عید الاضحیٰ کے روز یہ چیزیں مسنون ہیں۔ صبح کو سویرے اٹھنا غسل و مسواک کرنا۔ پاک صاف عمدہ کپڑے جو اپنے پاس ہوں پہننا۔ خوشبو لگانا۔ عید کی نماز سے پہلے کچھ نہ کھانا۔ عیدگاہ کو جاتے ہوئے تکبیر مذکورۃ الصدر بآواز بلند پڑھنا۔

نماز عید دو رکعت ہیں مثل دوسری نمازوں کے فرق صرف اتنا ہے کہ اسمیں ہر رکعت کے اندر تین تین تکبیریں زائد ہیں۔ پہلی رکعت میں سُبحَانَكَ اللّٰھُمَّ پڑھنے کے بعد قرأت سے پہلے اور دوسری رکعت میں قرأت کے بعد رکوع سے پہلے، ان زائد تکبیروں میں کانوں تک ہاتھ اٹھانا چاہیئے۔ پہلی رکعت میں دو تکبیروں کے بعد ہاتھ چھوڑ دیں تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ باندھ لیں۔ دوسری رکعت میں تینوں تکبیروں کے بعد ہاتھ چھوڑ دیئے جاویں، چوتھی کے بعد رکوع میں چلے جاویں، نماز عید کے بعد خطبہ سننا واجب ہے۔

قربانی

قربانی ایک اہم عبادت اور شعائر اسلام میں سے ہے۔ زمانہ جاہلیت میں بھی اسکو عبادت سمجھا جاتا تھا مگر بتوں کے نام پر قربانی کرتے تھے اسی طرح آج تک بھی دوسرے مذاہب میں قربانی مذہبی رسم کے طور پر ادا کیجاتی ہے بتوں کے نام پر یا مسیح کے نام پر قربانی کرتے ہیں سورہ اِنَّا اَعطَینٰكَ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ جس طرح نماز اللہ کے سوا کسی کی نہیں ہوسکتی قربانی بھی اسی کے نام پر ہونا چاہیئے فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ کا یہی مفہوم ہے۔ دوسری ایک اور آیت میں اسی مفہوم کو دوسرے عنوان سے اس طرح بیان فرمایا ہے اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ (بالیقین میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور مرنا سب اللہ ہی کے لئے ہے جو سارے جہان کا مالک ہے)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد ہجرت دس سال مدینہ طیبہ میں قیام فرمایا

ہر سال برابر قربانی کرتے تھے جس سے معلوم ہوا کہ قربانی صرف مکہ معظمہ کے لئے مخصوص نہیں ہر شخص پر ہر شہر میں بعد تحقیق شرائط واجب ہے (ترمذی) اور مسلمانوں کو اسکی تاکید فرماتے تھے اسی لئے جمہور اسلام کے نزدیک قربانی واجب ہے (شامی)

قربانی کس پر واجب ہوتی ہے قربانی ہر مسلمان عاقل بالغ مقیم پر واجب ہوتی ہے جسکی ملک میں ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی یا اسکی قیمت کا مال اسکے حاجات اصلیہ سے زائد موجود ہو یہ مال خواہ سونا یا چاندی یا اسکے زیورات ہوں یا مال تجارت یا ضرورت سے زائد گھریلو سامان یا مسکونہ مکان سے زائد کوئی مکان وغیرہ (شامی) قربانی کے معاملے میں اس مال پر سال بھر گذرنا بھی شرط نہیں۔ بچہ اور مجنون کی ملک میں اگر اتنا مال ہو تو بھی اسپر یا اسکی طرف سے اسکے ولی پر قربانی واجب نہیں اسی طرح جو شخص شرعی قاعدہ کے موافق مسافر ہو اس پر بھی قربانی لازم نہیں (شامی)

مسئلہ: جس شخص پر قربانی واجب نہ تھی اگر اس نے قربانی کی نیت سے کوئی جانور خرید لیا تو اسکی قربانی واجب ہو گئی۔ (شامی)

قربانی کے دن قربانی کی عبادت صرف تین دن کے ساتھ مخصوص ہے دوسرے دنوں میں قربانی کوئی عبادت نہیں، قربانی کے دن ذی الحجہ کی دسویں۔ گیارھویں۔ بارھویں تاریخیں ہیں ان میں جب چاہے قربانی کر سکتا ہے البتہ پہلے دن کرنا افضل ہے۔

قربانی کے بدلے میں صدقہ وخیرات اگر قربانی کے دن گذر گئے ناواقفیت یا غفلت یا کسی عذر سے قربانی نہیں کر سکا تو قربانی کی قیمت فقراء اور مساکین پر صدقہ کرنا واجب ہے لیکن قربانی کے تین دنوں میں جانور کی قیمت صدقہ کر دینے سے یہ واجب ادا نہ ہوگا ہمیشہ گناہ گار رہے گا کیونکہ قربانی ایک مستقل عبادت ہے جیسے نماز پڑھنے سے روزہ اور روزہ رکھنے سے نماز

ادا نہیں ہوتی زکوٰۃ ادا کرنے سے حج ادا نہیں ہوتا ایسے ہی صدقہ خیرات کرنے سے قربانی ادا نہیں ہوتی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور تعامل اور پھر تعامل صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اس پر شاہد ہیں۔

قربانی کا وقت جن بستیوں یا شہروں میں نماز عیدین و جمعہ جائز ہے وہاں نماز عید سے پہلے قربانی جائز نہیں اگر کسی نے نماز عید سے پہلے قربانی کر دی تو اسکو دوبارہ قربانی لازم ہے البتہ چھوٹے گاؤں میں جہاں جمعہ و عیدین کی نمازیں نہیں ہوتیں یہ لوگ دسویں تاریخ کی صبح صادق کے بعد قربانی کر سکتے ہیں۔ ایسے ہی اگر کسی عذر کیوجہ سے نماز عید پہلے دن نہ ہو سکے تو نماز عید کا وقت گذر جانے کے بعد قربانی درست ہے۔

مسئلہ: قربانی رات کو بھی جائز ہے مگر بہتر نہیں۔ (شامی)

قربانی کے جانور بکرا، دنبہ، بھیڑ کی ایک ہی شخص کیطرف سے قربانی کیجا سکتی ہے۔ گائے بیل، بھینس، اونٹ سات آدمیوں کی طرف سے ایک کافی ہے بشرطیکہ سب کی نیت ثواب کی ہو کسی کی نیت محض گوشت کھانے کی نہو

مسئلہ: بکرا بکری ایک سال کا پورا ہونا ضروری ہے۔ بھیڑ اور دنبہ اگر اتنا فربہ اور تیار ہو کہ دیکھنے میں سال بھر کا معلوم ہو تو وہ بھی جائز ہے۔ گائے بیل بھینس دو سال کی اونٹ پانچ سال کا ہونا ضروری ہے ان عمروں سے کم کے جانور قربانی کے لئے کافی نہیں۔

مسئلہ: اگر جانوروں کا فروخت کرنے والا عمر پوری بتاتا ہے اور ظاہری حالت اسکے بیان کی تکذیب نہیں کرتی تو اس پر اعتماد جائز ہے۔

مسئلہ: جس جانور کے سینگ پیدائشی طور پر نہ ہوں یا بیچ سے ٹوٹ گیا ہو اسکی قربانی درست ہے ہاں سینگ جڑ سے اکھڑ گیا ہو جسکا اثر دماغ پر ہونا لازم ہے تو اسکی قربانی درست نہیں (شامی)

مسئلہ: خصی (بدھیا) بکرے کی قربانی جائز بلکہ افضل ہے۔ (شامی)

مسئلہ: اندھے، کانے، لنگڑے جانور کی قربانی درست نہیں۔ اسی طرح بیمار لیش اور لاغر جانور جو قربانی کی جگہ اپنے پیروں نہ جا سکے اسکی قربانی بھی درست نہیں
مسئلہ: جس جانور کا تہائی سے زیادہ کان یا دُم وغیرہ کٹی ہوئی ہو اسکی قربانی جائز نہیں (شامی)
مسئلہ: جس جانور کے دانت بالکل نہ ہوں یا اکثر نہ ہوں اسکی قربانی جائز نہیں (شامی، درمختار) اسی طرح جس جانور کے کان پیدائشی طور پر بالکل نہوں اسکی قربانی درست نہیں۔
مسئلہ: اگر جانور صحیح سالم خریدا تھا پھر اسمیں کوئی عیب مانع قربانی پیدا ہوگیا تو اگر خریدنے والا غنی[1] صاحب نصاب نہیں ہے تو اسکے لئے اس عیب دار جانور کی قربانی جائز ہے اور اگر یہ شخص غنی صاحب نصاب ہے تو اس پر لازم ہے کہ اس جانور کے بدلے دوسرے جانور کی قربانی کرے (درمختار، شامی)

قربانی کا مسنون طریقہ اپنی قربانی کو خود اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا افضل ہے اگر خود ذبح کرنا نہیں جانتا تو دوسرے سے ذبح کرا سکتا ہے مگر ذبح کے وقت وہاں خود بھی حاضر رہنا افضل ہے
مسئلہ: قربانی کی نیت صرف دل سے کرنا کافی ہے زبان سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں البتہ ذبح کرنے کے وقت بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکْبَر کہنا ضروری ہے۔ سنت ہے کہ جب جانور کو ذبح کرنے کے لئے روبقبلہ لٹائے تو یہ دعا پڑھے:۔
اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۝ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَاشَرِیْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ اور ذبح کرنے کے بعد یہ دعا پڑھے اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْهُ مِنِّیْ[2] كَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ حَبِیْبِكَ مُحَمَّدٍ وَّخَلِیْلِكَ اِبْرَاهِیْمَ عَلَیْهِمَا السَّلَامُ ۔

---

[1] یعنی مالدار۔ [2] اگر دوسرے کیطرف سے قربانی کرنی ہو تو مِنِّیْ کیجگہ مِنْ فلاں ابن فلاں کہے یعنی اسکا نام لے

(ترجمہ: میں نے اپنے چہرے کو پھیرا اس ذات کیطرف جو آسمان و زمین کا خالق ہے اس حال میں کہ دین حق کیطرف مائل ہونیوالا ہوں اور میں شرک کرنیوالوں میں سے نہیں ہوں۔ بیشک میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور موت صرف اللہ رب العالمین کیلئے ہے اسکا کوئی شریک نہیں ہے اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے حال یہ ہے کہ میں مسلمان ہوں۔ اے اللہ! آپ کی دی ہوئی قربانی ہے آپ ہی کے نام پر ذبح کر رہا ہوں۔

اے اللہ اسکو میری جانب سے قبول فرمائیے جیسا کہ آپ نے قبول فرمایا ہے اپنے حبیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف سے اور اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کیطرف سے)

قربانی کا گوشت (۱) جس جانور میں کئی حصے دار ہوں تو گوشت وزن کر کے تقسیم کیا جاوے، اندازے سے تقسیم نہ کریں (۲) افضل یہ ہے کہ قربانی کا گوشت تین حصے کر کے ایک حصہ اپنے اہل وعیال کیلئے رکھے، ایک حصہ احباب و اعزہ میں تقسیم کرے، ایک حصہ فقراء اور مساکین میں تقسیم کرے۔ اور جس شخص کے عیال زیادہ ہوں وہ تمام گوشت خود بھی رکھ سکتا ہے۔ (۳) قربانی کا گوشت فروخت کرنا حرام ہے (۴) ذبح کرنیوالے کی اجرت میں کھال یا گوشت دینا جائز نہیں، اجرت علیحدہ دینی چاہیئے۔

قربانی کی کھال (۱) قربانی کی کھال کو اپنے استعمال میں لانا مثلاً مصلی بنا لیا جائے یا چمڑے کی کوئی چیز ڈول وغیرہ بنوا لیا جائے یہ جائز ہے لیکن اگر اسکو فروخت کیا تو اسکی قیمت اپنے خرچ میں لانا جائز نہیں بلکہ صدقہ کرنا اسکا واجب ہے۔ اور قربانی کی کھال کو فروخت کرنا بدون نیت صدقہ کے جائز بھی نہیں۔ (عالمگیری۔ (۲) قربانی کی کھال کسی کی خدمت کے معاوضہ میں دینا جائز نہیں اسی لئے مسجد کے موذن امام وغیرہ کے حق الخدمت کے طور پر ان کو کھال دینا درست نہیں (۳) مدارس اسلامیہ کے غریب و نادار طلباء ان کھالوں کا بہترین مصرف ہیں کہ اسمیں صدقہ کا ثواب بھی ہے اور احیاء علم دین کی خدمت بھی۔ مگر مدرسین و ملازمین کی تنخواہ اس سے دینا جائز نہیں۔ وَاللہُ الْمُوَفِّقُ وَالْمُعِیْنُ

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ کراچی

مسائل

چرم قربانی

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

قربانی کی کھال فروخت نہ کی جائے تو شریعت نے قربانی کرنے والے کو اس میں کئی طرح اختیار دیا ہے لیکن فروخت کرنے سے اکثر صورتوں میں قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہو جاتا ہے بعض صورتوں میں واجب نہیں ہوتا یہاں ان سب مسائل کی ضروری تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

کھال کے احکام | (۱) قربانی کی کھال اپنے اور اہل وعیال کے استعمال میں لانا جائز ہے، مثلاً جائے نماز، کتابوں کی جلد، مشکیزہ، ڈول، دسترخوان، جراب، جوتہ وغیرہ کوئی بھی چیز بنا کر استعمال کی جاسکتی ہے، بلاکراہت جائز ہے۔ (ہدایہ و درمختار)

لیکن ان چیزوں کو کرایہ پر دینا جائز نہیں، اگر دیدیں تو جو کرایہ ملے اس کا صدقہ کرنا واجب ہے۔ (شامی وعالمگیری)

(۲) یہ بھی جائز ہے کہ کھال یا اس سے بنائی ہوئی چیز کسی کو ہبہ میں (بلا معاوضہ) دیدی جائے، جس کو دی جائے خواہ وہ سید اور مالدار ہو یا اپنے ماں باپ اور اہل وعیال ہوں، اجنبی ہو یا رشتہ دار، کافر ہو یا مسلمان، بلامعاوضہ ہر ایک کو دینا جائز ہے۔
(ہدایہ، عالمگیری، امداد الفتاویٰ)

(۳) فقراء ومساکین کو خیرات میں بھی دی جاسکتی ہے۔ مگر یہ مستحب ہے، واجب نہیں۔ (بحر، عالمگیری)

(۴) قربانی کی کھال، گوشت، چربی، اُون، آنتیں وغیرہ، یعنی قربانی کے جانور کا کوئی جزو کسی خدمت کے معاوضہ میں دینا جائز نہیں، اگر دے دیا تو اس کی قیمت کا صدقہ واجب ہے۔
(ہدایہ، عالمگیری، امداد الفتاویٰ)

(۵) قربانی کے جانور کی جھول، رسی اور ہار جو گلے میں پڑا ہو، وہ بھی کسی کی خدمت کے معاوضے میں دینا جائز نہیں، ان چیزوں کو خیرات کر دینا مستحب ہے (شامی، عالمگیری، ہدایہ وعزیز الفتاویٰ)

قربانی کی کوئی چیز قصائی وغیرہ کو بھی اُسکی مزدوری میں دینا جائز نہیں۔ اسکی مزدوری الگ دینی چاہئے۔ (ہدایہ، درمختار)

امام و مؤذن کو بھی حق الخدمت کے طور پر دینا جائز نہیں، حق الخدمت اور معاوضے کے بغیر ہر ایک کو دے سکتے ہیں۔ ان کو بھی دے سکتے ہیں۔

کھال کی قیمت کے احکام | (۶) قربانی کی کھال یا اس سے بنائی ہوئی چیز کو فروخت کرنے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر وہ روپے کے بدلے فروخت کی تو اس رقم کا صدقہ کرنا واجب ہے۔ اسی طرح اگر ایسی کسی اور چیز کے بدلے میں فروخت کی جو باقی رہتے ہوئے استعمال میں نہیں آتی، یعنی اُسے خرچ کئے بغیر اُس سے فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا، مثلاً کھانے پینے کی چیزیں اور تیل، پٹرول رنگ و روغن وغیرہ، تو ان اشیاء کا بھی صدقہ واجب ہے، یہ فقراء و مساکین کا حق ہے، کسی اور مصرف میں لانا جائز نہیں۔ (ہدایہ، بدائع، امداد الفتاویٰ)

ان اشیاء کے بدلے قربانی کی کھال اس نیت سے فروخت کرنا کہ اپنے خرچ میں لے آئیں گے، مکروہ بھی ہے۔ صدقہ کرنے کی نیت سے فروخت کرنے میں مضائقہ نہیں، لیکن کسی بھی نیت سے فروخت کی ہو، بیع نافذ ہو جائیگی، اور ان اشیاء کا صدقہ بہرحال واجب ہوگا۔ (بحر، درمختار، عالمگیری)

اور اگر قربانی کی کھال یا اس سے بنائی ہوئی چیز کسی ایسی چیز کے بدلے میں فروخت کی جو باقی رہتے ہوئے استعمال میں آتی ہے، یعنی اسے خرچ کئے بغیر اُس سے فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے، مثلاً کپڑے، برتن، میز، کرسی، کتاب، قلم وغیرہ، تو ان اشیاء کا صدقہ واجب نہیں۔ بلکہ ان کا وہی حکم ہے جو پیچھے کھال کا بیان ہوا کہ خود اپنے کام میں لانا، دوسرے کو ہبہ میں (بلا معاوضہ) دیدینا، اور خیرات کرنا، سب جائز ہے۔ (ہدایہ، بدائع، درمختار، امداد الفتاویٰ)

پھر اگر ان اشیاء کو روپے یا کھانے پینے اور خرچ ہونے والی اشیاء کے بدلے فروخت کردیا تو حاصل ہونے والی قیمت کا صدقہ واجب ہوگا۔ (امداد الفتاویٰ ص۵۴۳، ج ۳)

مصرف | (۷) اوپر اور آگے جن جن مسائل میں صدقہ کا واجب ہونا بیان کیا گیا ہے، وہ صدقہ صرف انہی فقراء و مساکین کو دیا جاسکتا ہے جنہیں زکوٰۃ دینا درست ہے۔ جن لوگوں کو زکوٰۃ

دینا جائز نہیں، انہیں یہ صدقہ بھی نہیں دیا جاسکتا۔ تفصیل اگلے مسائل میں آرہی ہے (امداد الفتاوی ۵۲۶ و ۵۶۶ ج ۲)

(۸) جس کی ملکیت میں اتنا مال ہو کہ جس سے زکوٰۃ یا قربانی واجب ہو جاتی ہے، وہ شرعاً مالدار ہے، اُسے یہ صدقہ دینا جائز نہیں، اور جس کے پاس اس سے کم مال ہو وہ شرعاً غریب اور مستحق زکوٰۃ ہے، اُسے یہ صدقہ بھی دیا جاسکتا ہے۔ (درمختار ص ۹۹ ج ۲، بحر ص ۲۶۳ ج ۲)

نابالغ بچوں کا باپ اگر مالدار ہو تو ان کو بھی نہیں دے سکتے، لیکن اگر اولاد بالغ ہو اور مالدار نہ ہو تو ان کو دیا جاسکتا ہے اسی طرح مال دار کی بیوی اگر مال دار نہ ہو تو اُسے بھی دے سکتے ہیں۔ (ہدایہ)

اگر نابالغ بچوں کی ماں تو مال دار ہے، باپ مال دار نہیں، تو ان بچوں کو بھی دیا جاسکتا ہے (در مختار)

(۹) سید اور بنو ہاشم کو (یعنی جو لوگ حضرت علیؓ، حضرت عباسؓ، حضرت جعفرؓ، حضرت عقیلؓ یا حضرت حارثؓ بن عبد المطلب کی اولاد میں ہوں ان کو) یہ صدقہ دینا جائز نہیں۔ (شامی، ہدایہ، بحر، امداد الفتاوی)

(۱۰) اپنے ماں باپ، دادا، دادی، نانا، نانی، پردادا وغیرہ کو کہ جن کی اولاد میں یہ خود ہے یہ صدقہ دینا درست نہیں۔ (ہدایہ ج ۱)

اسی طرح اولاد، پوتے پوتی، نواسے نواسی وغیرہ کہ جو اس کی اولاد میں داخل ہیں، اُن کو دینے سے بھی یہ صدقہ ادا نہ ہوگا۔ شوہر اور بیوی بھی ایک دوسرے کو نہیں دے سکتے۔ (ہدایہ ج ۱)

باقی سب رشتہ داروں کو دینا جائز ہے بشرطیکہ وہ مستحق زکوٰۃ ہوں، بلکہ ان کو دینے میں دو گنا ثواب ہے، ایک خیرات کا، اور دوسرا اپنے عزیزوں کے ساتھ حُسنِ سلوک کا۔ (شامی ج ۲ ص ۳۴۶)

(۱۱) فتویٰ اس پر ہے کہ یہ صدقہ کافر کو نہ دیا جائے۔ (شامی ص ۹۹ ج ۲، درمختار ص ۱۰۱ ج ۲، امداد المفتین)

(۱۲) کسی کی مزدوری یا حق الخدمت کے طور پر یہ صدقہ بھی نہیں دیا جاسکتا۔

(۱۳) زکوٰۃ اور دوسرے صدقاتِ واجبہ کی طرح اس صدقہ کی ادائیگی کیلئے بھی یہ شرط ہے کہ یہ کسی فقیر مسکین کو مالکانہ طور پر دے دیا جائے جس میں اس کو ہر طرح کا اختیار ہو، اس کے مالکانہ قبضے کے

بغیر یہ صدقہ بھی ادا نہ ہوگا۔ (درمختار ص ۲۰ ج ۲، امداد الفتاویٰ)

چنانچہ اسے مسجد، مدرسہ، شفاخانہ، کنویں، پل، یا کسی اور رفاہی ادارے کی تعمیر میں خرچ کرنا جائز نہیں، اسی طرح کسی لاوارث کے کفن دفن، یا میت کی طرف سے قرض ادا کرنے میں بھی اسے خرچ نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ یہاں کسی فقیر کو مالک بنانا، اور اسکے قبضے میں دینا نہیں پایا گیا۔ (کنز، بحر، ہدایہ)

کسی ایسے مدرسے یا انجمن وغیرہ میں دینا بھی کہ جہاں وہ غریبوں کو مالکانہ طور پر نہ دیا جاتا ہو، بلکہ ملازمین کی تنخواہوں، یا تعمیر اور فرنیچر وغیرہ انتظامی مصارف میں خرچ کر دیا جاتا ہو، جائز نہیں۔ البتہ اگر کسی ادارے میں غریب طلبہ یا دوسرے مسکینوں کو کھانا وغیرہ مفت دیا جاتا ہو، تو وہاں یہ صدقہ دینا جائز ہے۔ لیکن یہ اس وقت ادا ہوگا جب وہ رقم بعینہٖ، یا اس سے خریدی ہوئی اشیاء، مثلاً کھانا، کتابیں، کپڑے، دوا وغیرہ اُن غریبوں کو مالکانہ طور پر مفت دیدی جائیں۔ (امداد الفتاویٰ)

حیلۂ تملیک | البتہ اگر کھال کسی غریب یا مالدار کو، یا کھال کی رقم کسی غریب کو مالکانہ طور پر قبضہ میں دیدی، اور صراحت کر دی کہ تم اس کے پوری طرح مالک ہو، ہمیں اس میں کوئی اختیار نہیں، پھر وہ اپنی خوشی سے اس کو زکوٰۃ مسجد، مدرسہ یا کسی بھی رفاہی ادارے کی تعمیر یا اس کے ملازمین کی تنخواہوں وغیرہ میں اپنی طرف سے لگا دے تو یہ جائز ہے۔ مگر یاد رہے کہ حیلۂ تملیک کے نام سے جو کھیل عام طور سے کھیلا جاتا ہے کس سے زکوٰۃ کی طرح یہ صدقہ بھی ادا نہیں ہوتا، کیونکہ عموماً جس کو یہ دیا جاتا ہے وہ یہ یقین رکھتا ہے کہ مجھے اس مال کا کوئی اختیار نہیں۔ اگر اپنے پاس رکھ لونگا تو لوگ ملامت کریں گے، اس خوف اور شرم سے بے چارہ یہ رقم چندہ میں دے دیتا ہے یہ محض زبانی جمع خرچ ہے، اس طرح نہ وہ مالک ہوتا ہے، نہ دینے والے کا صدقہ ادا ہوتا ہے، اس حیلے سے یہ رقم مسجد یا مدرسہ وغیرہ کی تعمیر و انتظامی ضروریات میں خرچ کرنا جائز نہیں۔

(امداد الفتاویٰ ص ۵۳۴ ج ۲)

متفرق مسائل | (۱۳) بعض لوگ جانور کی کھال اس طرح اُتارتے ہیں کہ اُس میں چھری لگ کر سوراخ ہو جاتے ہیں، یا کھال پر گوشت لگا رہ جاتا ہے، جس سے کھال کو نقصان پہنچتا ہے

بعض لوگ کھال اتارنے کے بعد اس کی حفاظت نہیں کرتے، سڑ کر بے کار یا بہت کم قیمت کی رہ جاتی ہے۔ یہ سب اُمور اسراف اور تبذیر (فضول خرچی) میں داخل ہیں، جن کی ممانعت قرآنِ کریم میں آئی ہے، اس لئے کھال احتیاط سے اتار کر ضائع ہونے سے بچانا شرعاً ضروری ہے۔

(۱۵) جس نے قربانی کی کھال خریدی، وہ اس کا مالک ہوگیا، اس میں ہر قسم کا تصرف کرسکتا ہے، خواہ اپنے پاس رکھے، یا فروخت کرکے قیمت اپنے خرچ میں لائے (امداد الفتاویٰ)

(۱۶) قربانی کی گائے میں جو لوگ شریک ہوں، وہ کھال میں بھی اپنے اپنے حصے کے برابر شریک ہوں گے، کسی ایک شریک کو یہ کھال باقی شرکار کی اجازت کے بغیر اپنے پاس رکھ لینا یا کسی کو دے دینا جائز نہیں۔

(۱۷) اگر ایک شریک باقی شرکار سے اُن کے حصے جو کھال میں ہیں خریدلے تو اب پوری کھال اپنے استعمال میں لانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ پھر اگر یہ شخص اس کھال کو روپے، یا کھانے پینے کی اشیاء کے بدلے فروخت کرے گا، تو قیمت کا ساتواں حصہ جو اس کا اپنا تھا، اس کا تو صدقہ واجب ہوگا، اور باقی چھ حصے جو شرکار سے خریدے تھے، ان کی قیمت کا صدقہ اس پر واجب نہیں، اُسے اپنے خرچ میں لاسکتا ہے۔ (امداد الفتاویٰ)

(۱۸) مذکورہ بالا سب مسائل میں جو احکام کھال کے ہیں، وہی جانور ذبح کرنے کے بعد اُس کی اُون اور بالوں کے ہیں۔ اور اگر اُون اور بال فروخت کر دیئے تو جو تفصیل کھال کی قیمت کے متعلق بیان کی گئی، وہی ان کی قیمت میں بھی ہوگی۔

مگر یاد رہے کہ قربانی کا جانور ذبح کرنے سے پہلے اس کی اُون یا بال کاٹنا جائز نہیں اگر کاٹ لئے تو ان کا یا ان کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہے، اپنے استعمال میں لانا جائز نہیں (ہدایہ، عالمگیری، بحر، شامی)

واللہ اعلم

قربانی

کی

تاریخی اور شرعی حیثیت

قربانی کا لفظ قُربان بر وزن سلطان سے نکلا ہے، عربی زبان میں قربان اس چیز کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جائے، چنانچہ ابو السعودؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں

اَلْقُرْبَانُ اِسْمٌ لِمَا يُتَقَرَّبُ بِهٖ اِلَى اللهِ تَعَالٰى مِنْ نُسُكٍ اَوْصَدَقَةٍ[1]

(قربان ہر اُس چیز کو کہا جاتا ہے جس کے ذریعہ اللہ کا قرب حاصل کیا جائے۔ خواہ وہ ذبیحہ ہو یا صدقہ وخیرات)

بعینہ یہی بات امام راغب اصفہانیؒ نے المفردات میں ص ۴۰۸ میں بھی لکھی ہے۔ اور امام ابوبکر جصاصؒ نے تو اس سے بھی عام معنیٰ مراد لئے ہیں۔ چنانچہ وہ احکام القرآن میں لکھتے ہیں[2]:-

وَالْقُرْبَانُ مَا يُقْصَدُ بِهِ الْقُرْبُ مِنْ رَحْمَةِ اللهِ تَعَالٰى مِنْ اَعْمَالِ الْبِرِّ

(یعنی قربان ہر اس نیک کام کو کہا جاتا ہے جس سے مقصد اللہ کی رحمت سے قرب حاصل کرنا ہو)

البتہ عرفِ عام میں جب یہ لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے عموماً جانور کا ذبیحہ مراد ہوتا ہے جیسا کہ امام راغبؒ نے تصریح کی ہے، انھوں نے المفردات میں معنیٰ لغوی بیان کرنے کے بعد لکھا ہے۔

وَصَارَ فِي التَّعَارُفِ اِسْمًا لِلنَّسِيْكَةِ الَّتِيْ هِيَ الذَّبِيْحَةُ[3] (یعنی عرف میں یہ ذبیحہ کے لئے استعمال ہوتا ہے)

لیکن شریعت کی اصطلاح میں اس کے معنیٰ لغوی کی رعایت کرتے ہوئے عام معنیٰ مراد لئے جاتے ہیں۔ چنانچہ فرید وجدی صاحب "دائرۃ معارف القرآن" میں رقمطراز ہیں:-

وَالْقُرْبَانُ فِي الْاِصْطِلَاحِ الدِّيْنِيِّ هُوَمَا يَبْذُلُهُ الْاِنْسَانُ مِنَ الْاَشْيَاءِ اَوِالْحَيَوَانَاتِ قَاصِدًا بِهِ التَّقَرُّبَ اِلَى اللهِ[4]

---

[1] تفسیر ابی السعود، ص ۲۰ ج ۲ المطبعۃ المصریہ ۱۳۴۷ھ۔ [2] احکام القرآن للجصاص الحنفی ص ۳۸۷ ج ۲ المطبعۃ البہیۃ المصریہ ۱۳۴۷ھ۔ [3] المفردات للامام الراغب ص ۴۰۸ اصح المطابع کراچی ۱۳۸۰ھ۔ [4] دائرۃ معارف القرآن لمحمد فرید وجدی ص ۷۳۶ ج ۷، مطبعۃ دائرۃ معارف القرآن العشرین بمصر ۱۳۴۵ھ

(اور قربان دین کی اصطلاح میں اس چیز کو کہا جاتا ہے جس کو انسان اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے خرچ کرتا ہے، خواہ وہ کوئی حیوان ہو یا کوئی اور چیز)

قرآن حکیم میں لفظ "قربان" کا استعمال تین مواقع پر ہوا ہے. سورۂ آل عمران میں ارشاد ہے:

(۱) اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ[1] (وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ اللہ نے ہم سے کہہ رکھا ہے کہ یقین نہ کریں کسی رسول کا جب تک نہ لاوے ہمارے پاس قربانی کہ کھا جائے اسکو آگ)

(۲) سورۂ مائدہ میں حضرت آدم علیہ السلام کے دونوں بیٹے ہابیل و قابیل کے واقعہ میں ارشاد ہے:۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ[2] (اور سُنا ان کو حال آدم کے بیٹوں کا جب نیاز کی دونوں نے کچھ نیاز اور مقبول ہوئی ایک کی اور نامقبول ہوئی دوسرے کی)

(۳) سورۂ احقاف میں ارشاد ہے:۔

فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً[3]۔

(سو خدا کے سوا جن جن چیزوں کو انھوں نے حق تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کو اپنا معبود بنا رکھا ہے انھوں نے ان کی مدد کیوں نہ کی)

پہلی دونوں آیتوں میں لفظ "قربان" اپنے معنیٰ اصطلاحی میں استعمال ہوا ہے اور تیسری آیت میں "قُرْبَانًا" سے مراد تقرب حاصل کرنا ہے.

عربی زبان میں قربانی کے لئے تین الفاظ اور مستعمل ہیں:۔

(۱) "اَلنُّسُكُ" یہ متعدد معانی کے لئے آتا ہے، سید مرتضیٰ زبیدی تاج العروس میں لکھتے ہیں:۔

اَلنُّسُكُ مُثَلَّثَةً وَبِضَمَّتَيْنِ، اَلْعِبَادَةُ وَالطَّاعَةُ وَكُلُّ مَا تُقُرِّبَ بِهٖ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى[4] (یعنی نُسُک کا اطلاق عبادت، طاعت اور ہر اس

[1] آل عمران، آیت ۱۸۳، [2] مائدہ، آیت ۲۷، [3] احقاف آیت ۲۸، [4] تاج العروس للسید مرتضیٰ زبیدی، ص ۱۸۶، ج ۷.

چیز پر ہوتا ہے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جائے)

منتہی الارب میں ہے: نُسُك، بضمتین و بالضم، قربانی [۱]

قرآن کریم میں لفظ "نسک" متعدد مقام پر مختلف معانی میں استعمال ہوا ہے کہیں اس سے قربانی مراد لی گئی ہے، کہیں عبادت، اور کہیں مطلق طاعت لیکن مندرجہ ذیل آیتوں میں اس سے عموماً قربانی مراد لی گئی ہے۔

(۱) سورہ بقرہ میں احکام حج بیان کرتے ہوئے ارشاد ہے:

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِّنْ رَّأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ [۲] (پھر جو کوئی تم میں سے بیمار ہو یا اس کو تکلیف ہو سر کی تو بدلہ دیوے روزے یا خیرات یا قربانی)

(۲) سورہ انعام میں ارشاد ہے:

قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ [۳]
(تو کہہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور مرنا اللہ ہی کے لئے ہے، جو پالنے والا سارے جہان کا ہے)

(۳) سورہ حج میں ارشاد ہے:

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ [۴] (اور ہر امت کے لئے ہم نے مقرر کردی ہے قربانی کہ یاد کریں اللہ کا نام ذبح پر چوپاؤں کے جو اُن کو اللہ نے دیئے ہیں)

(۴) دوسرا لفظ جو قربانی کے لئے استعمال ہوتا ہے وہ اَلنَّحْرُ ہے، اس کا استعمال صرف سورہ کوثر میں ہوا ہے، ارشاد ہے:-

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ (پس نماز پڑھ اپنے رب کے واسطے اور قربانی کر)
اس جگہ عام مفسرین کی تصریح کے مطابق "وَانْحَرْ" سے قربانی مراد ہے، مزید تفصیل انشاء اللہ آگے آئیگی۔

---

[۱] منتہی الارب، ص ۵۴۸، ج ۲، مطبع مصطفائی لاہور ۱۸۹۵ء۔ [۲] البقرہ آیت ۱۹۶۔ [۳] الانعام آیت ۱۶۲۔ [۴] الحج آیت ۳۴۔

(۳) تیسرا لفظ "اَلْاُضْحِيَّةُ یا اَلضَّحِيَّةُ" ہے، ملا علی قاری، علامہ طیبیؒ سے نقل کرتے ہیں :۔

قَالَ الطِّيبِيُّ اَلْاُضْحِيَّةُ مَا يُذْبَحُ يَوْمَ النَّحْرِ عَلٰى وَجْهِ الْقُرْبَةِ[1]

(اضحیہ اس جانور کو کہا جاتا ہے جو (ذی الحجہ کی) دسویں تاریخ کو عبادت کے طور پر ذبح کیا جاتا ہے)

جمال الدین بن منظور افریقی فرماتے ہیں :۔

اَلضَّحِيَّةُ اَلشَّاةُ الَّتِيْ تُذْبَحُ ضَحْوَةً[2] (ضحیہ اس بکری کو کہا جاتا ہے جو ضحیٰ (چاشت) کے وقت ذبح کی جاتی ہے)

منتہی الارب میں ہے :۔

ضَحِيَّةٌ كَسَفِيْنَةٍ گوسپند[3] قربانی. (ضحیہ بروزن سفیہ قربانی کی بکری)

البتہ اس لفظ کا استعمال قرآن میں کہیں نہیں ہوا، احادیث میں بکثرت اس کا استعمال ہوا ہے۔

امم سابقہ اور قربانی قربانی ان اسلامی شعائر میں سے ہے جن کا سلسلہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے سے رہا ہے۔ اور امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام تک تقریباً ہر ملت و مذہب اس پر عمل پیرا رہا ہے۔ اسکی تصریح خود قرآن کریم نے کر دی ہے چنانچہ سورۂ مائدہ میں ہابیل و قابیل کا مشہور واقعہ ذکر کر کے حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے اسکی مشروعیت کی طرف اشارہ کر دیا اور ہر ملت کے عمل پیرا رہنے کی تصریح سورۂ حج میں کر دی، چنانچہ ارشاد ہے :۔

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ[4]۔ (اور ہر امت کے واسطے ہم نے مقرر کر دی ہے قربانی کہ یاد کریں اللہ کے نام ذبح پر چوپایوں کے جو اُن کو اللہ نے دیئے)

---

[1] مرقات المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح لملا علی قاری ص ۳۰۲، ج ۳، مکتبہ امدادیہ ملتان۔ [2] لسان العرب لابن منظور الافریقی، ص ۲۱۱، ج ۱۹، المطبعۃ المنیریہ بولاق مصر ۱۳۰۲ھ، [3] منتہی الارب ص ۱۰۸۰، ج ۳

[4] الحج، آیت ۳۴،

عام مفسرین کی تصریح کے مطابق اس جگہ پر "منسک" سے قربانی مراد ہے، چنانچہ امام ابن کثیرؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں :-

يُخْبِرُ تَعَالَىٰ اَنَّهُ لَمْ يَزَلْ ذَبْحُ الْمَنَاسِكِ وَاِرَاقَةُ الدِّمَاءِ عَلَىٰ اسْمِ اللّٰهِ مَشْرُوْعًا فِیْ جَمِيْعِ الْمِلَلِ [۱] (اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اللہ کے نام پر قربانی کرنا اور خون بہانا تمام ملتوں میں مشروع رہا ہے)

علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں :-

لَمَّا ذَكَرَ تَعَالَى الذَّبَائِحَ بَيَّنَ اَنَّهُ لَمْ يَخْلُ مِنْهَا اُمَّةٌ [۲] (اللہ تعالیٰ نے جب (حج میں) قربانی کا ذکر کیا تو یہ بھی بیان کر دیا کہ کوئی امت اس سے محروم نہ رہی)

سید مرتضیٰ زبیدی لفظ "نسک" کے متعدد معانی بیان کرنے کے بعد امام زجاجؒ سے اس آیت کی تفسیر نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

وَقَالَ الزَّجَّاجُ فِیْ تَفْسِيْرِ قَوْلِهٖ تَعَالٰى جَعَلْنَا مَنْسَكًا، اَلنُّسُكُ فِیْ هٰذَا الْمَوْضِعِ يَدُلُّ عَلٰى مَعْنَى النَّحْرِ كَاَنَّهُ قَالَ جَعَلْنَا لِكُلِّ اُمَّةٍ اَنْ تَتَقَرَّبَ بِاَنْ تَذْبَحَ الذَّبَائِحَ لِلّٰهِ [۳] (امام زجاج اللہ تعالیٰ کے قول "جَعَلْنَا مَنْسَكًا" کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس مقام میں لفظ "نسک" قربانی پر دلالت کر رہا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے ہر امت کے لئے یہ فیصلہ کیا کہ وہ اللہ کے نام پر جانور ذبح کر کے اس کا تقرب حاصل کرے)۔

یہ تو قرآن کریم کی تصریح تھی، بعینہٖ یہی بات فرید وجدی ایک غیر مسلم سے نقل کرتے ہیں، فرماتے ہیں :-

قَالَ المسيو اريفيل اِنَّ اِهْدَاءَ الْمَاْكُوْلَاتِ اِلَى الْاٰلِهَةِ عَامٌّ فِیْ كُلِّ الْاَدْيَانِ وَهِیَ رُكْنٌ مِّنْ اَكْبَرِ اَرْكَانِهَا [۴]

---

[۱] تفسیر ابن کثیر ص ۲۲۱، ج ۳، دار احیاء الکتب العربیہ، [۲] الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ص ۱۲، مطبعۃ دار الکتب المصریہ القاہرہ سنہ ۱۳۶[illegible]ھ، [۳] تاج العروس، ص ۱۸۷، ج ۷، [۴] دائرۃ معارف القرآن ص ۳۷، ج ۷،

(موسیو اربلفیل کہتا ہے کہ معبودوں کے لئے ماکولات کے ہدیہ دینے کا سلسلہ تمام ادیان میں رائج رہا، اور ہر دین کا ایک اہم رکن سمجھا جاتا رہا)

اس کے علاوہ موجودہ بائبل میں تحریف شدہ ہونے کے باوجود جس کثرت سے قربانی کا تذکرہ ملتا ہے، اس سے اسکی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہاں نمونے کے طور پر چند اقتباسات درج ذیل ہیں

(۱) بائبل میں حضرت آدم علیہ السلام کے دونوں بیٹوں ہابیل وقابیل کی قربانی کا تذکرہ اس طرح ملتا ہے:۔

"چند روز بعد یوں ہوا کہ قائن (قابیل) اپنے کھیت کے پھل کا ہدیہ خداوند کے واسطے لایا، اور ہابیل بھی اپنی بھیڑ بکریوں کے کچھ پہلوٹھے بچوں کا اور کچھ ان کی چربی کا ہدیہ لایا اور خداوند نے ہابیل کو اور اس کے ہدیہ کو منظور کیا، پر قائن کو اور اسکے ہدیہ کو منظور نہ کیا اس لئے قائن نہایت غضبناک ہوا اور اس کا منہ بگڑا[۱]"

(۲) محمد فرید وجدی حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں قربانی کی مشروعیت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

وَبَنیٰ نُوحٌ مَذْبَحًا قَرَّبَ فِيهِ إِلَى اللّٰهِ تَعَالَى حَيَوَانَاتٍ كَثِيرَةً ثُمَّ كَانَ يَحْرِقُهَا عَلَى الْمَذْبَحِ[۲] (اور حضرت نوح علیہ السلام نے ایک مذبح بنایا تھا، اسمیں بہت سارے حیوانات کو اللہ کے نام پر پیش کرتے ہوئے پھر ان کو جلا دیتے تھے)

(۳) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں قربانی کا ذکر کرتے ہوئے فرید وجدی اسرائیلیات سے نقل کرتے ہیں:۔

وَرَوَى الْإِسْرَائِيلِيُّونَ أَنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ يَتَقَرَّبُ إِلَى اللّٰهِ بِالْخُبْزِ وَالْخَمْرِ وَلَمَّا أَمَرَهُ اللّٰهُ تَعَالَى أَنْ يَذْبَحَ لَهُ عِجْلَةً وَعَنْزًا وَكَبْشًا وَحَمَامَةً وَيَمَامَةً وَأَمَرَهُ أَيْضًا أَنْ يَفْتَدِيَ ابْنَهُ إِسْمَاعِيلَ أَوْ إِسْحٰقَ بِكَبْشٍ[۳]۔ (اسرائیلی روایات میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام

[۱] کتاب پیدائش، باب ۴، آیت ۳، ۴، ۵، پاکستان بائبل سوسائٹی، انار کلی، لاہور، ۱۹۶۴ء
[۲] دائرۃ معارف القرآن ۷۳۶، ج ۷۔ [۳] حوالہ بالا۔

اللہ کے نام پر روٹی اور شراب کی قربانی کرتے تھے۔ جب اللہ نے اُن کو ذبح کرنے کا حکم دیا تو انھوں نے اللہ کے نام پر ایک بچھڑا، ایک بھیڑ، ایک دنبہ ایک کبوتر ایک فاختہ ذبح کیا اور اللہ نے ان کو اس کا حکم دیا کہ اپنے بیٹے اسمٰعیل یا اسحٰق کے بدلہ میں ایک دُنبہ کا فدیہ دیں)

اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اسمٰعیل علیہ السلام کا واقعہ پیش آنے سے پہلے بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام قربانی کیا کرتے تھے اسکی تائید موجودہ بائبل[1] کی متعدد روایات سے ہوتی ہے جن میں اس بات کی تصریح موجود ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جس جگہ قیام فرمایا وہاں ضرور قربان گاہ بنائی۔

(۴) بائبل میں حضرت ابراہیمؑ کا اپنے بیٹے کی قربانی دینے کا واقعہ اس طرح ملتا ہے:۔

"وہاں ابراہام (ابراہیم) نے قربان گاہ بنائی اور اس پر لکڑیاں چُنیں اور اپنے بیٹے اضحاق (اسحٰاق) کو باندھا اور اسے قربان گاہ پر لکڑیوں پر رکھا"[3]

(۵) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں قربانی کو کیا اہمیت حاصل رہی اور اس پر امت موسویہ کا کیا عمل رہا؟ اس کا اندازہ بائبل کی کتاب خروج اور احبار کے مطالعہ سے ہوتا ہے ان دونوں کتابوں میں قربانی کا تذکرہ جس کثرت سے ملتا ہے اس سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ شاید شریعت موسویہ میں کسی اور عبادت کو وہ اہمیت حاصل نہیں جو قربانی کو حاصل ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ مدینہ میں مقیم یہودیوں کو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی دعوت دیجاتی تو وہ یوں کہتے:۔

---

[1] اس کے لئے سفر پیدائش کی مندرجہ ذیل آیات ملاحظہ ہوں باب ۱۲ آیت ۷، آیت ۸، باب ۱۳، آیت ۱۴، اس کے علاوہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے تذکرہ میں مندرجہ ذیل آیات میں قربانی کرنے اور قربان گاہ بنانے کا تذکرہ ملتا ہے، باب ۳۱، آیت ۵۴، باب ۳۵، آیت ۱ و ۷، باب ۴۶، آیت ۱۔ [2] اسرائیلیوں کا کہنا ہے کہ ذبیح حضرت اسحٰق علیہ السلام ہیں، بعض علماء اسلام بھی اسی کے قائلؒ رہے ہیں، لیکن جمہور اہل اسلام کی رائے یہی ہے کہ ذبیح حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہیں نہ کہ حضرت اسحٰق علیہ السلام، اور یہی بات قرین تحقیق بھی ہے، ان مقامات پر بائبل کی عبارتوں میں تحریف کے متعدد شواہد موجود ہیں۔ [3] سفر پیدائش، باب ۲۲، آیت ۹۔

اِنَّ اللّٰہَ عَہِدَ اِلَیْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰی یَاْتِیَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْکُلُہُ النَّارُ [1] (یعنی اللہ تعالیٰ نے ہم سے یہ کہہ رکھا ہے کہ ہم کسی رسول پر اسوقت تک ایمان نہ لائیں جب تک وہ ہمارے پاس ایسی قربانی نہ لاوے جس کو آگ کھا جائے)

یعنی ہمارے ایمان لانے کا مدار اس معجزہ کے ظہور پر ہے۔ گو یہ بات ان کی فی نفسہ سفید جھوٹ تھی، اور قرآن نے اسکی تردید بھی کر دی، تاہم اس سے اس عبادت کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے، بہرکیف اہم یہاں مثال کے طور پر خروج کی دو آیتیں پیش کرتے ہیں:

"اور تو ہر روز سدا ایک ایک برس کے دو بکرے قربان گاہ پر چڑھایا کرنا"[2]

"ایسی ہی سوختنی قربانی تمہارے پُشت در پُشت خیمۂ اجتماع کے دروازے پر خداوند کے آگے ہمیشہ ہوا کرے، وہاں میں تم سے ملوں گا اور تجھ سے باتیں کروں گا"[3]

ان دونوں آیتوں میں "ہمیشہ قربانی کرنے" کی تلقین کی گئی ہے، یہی نہیں حتیٰ کہ اگر کوئی شخص خطا یا جرم کا مرتکب ہو تو اس کو اس جرم کی تلافی کرنے کے لئے قربانی کرنے کا حکم ہے۔ چنانچہ کتاب احبار میں ہے:-

"اور جُرم کی قربانی کے بارے میں شرع یہ ہے کہ وہ نہایت مقدس ہے"[4]

"اور بنی اسرائیل سے کہہ کہ تم خطا کی قربانی کے لئے ایک بکرا اور سوختنی قربانی کے لئے ایک بچھڑا اور ایک برّہ جو یک سالہ اور بے عیب ہو"[5]

آسمانی شریعتوں کے علاوہ دوسرے مذاہب میں بھی قربانی کو عبادت قرار دیا گیا ہے، البتہ اسکی صورتیں عموماً بگڑ گئی ہیں، یہاں تک کہ بعض اقوام میں انسانوں کی قربانی کا دستور بھی رہا ہے، فرید وجدی صاحب لکھتے ہیں:-

وَقَدْ بَالَغَ کَثِیْرٌ مِّنَ الْاُمَمِ فِیْ اَمْرِ الْقُرْبَانِ فَاَخَذُوْا یُقَرِّبُوْنَ الذَّبَائِحَ

---

[1] آل عمران، آیت ۱۸۳۔ [2] خروج باب ۲۹، آیت ۳۸۔ [3] خروج باب ۲۹، آیت ۴۲۔
[4] احبار، باب ۷، آیت ۱۔ [5] احبار، باب ۹، آیت ۳۔

البشرية كالفرس والرومانيين والمصريين والفنيقيين والكنعانيين وغيرهم ومازالت هذه العادة في اوروبا الى القرن السابع للميلاد حيث صدر امرمن مجلس الشيوخ الروماني بابطالها۔[1]

(امم سابقہ کی ایک بڑی تعداد نے قربانی کے معاملہ میں بہت مبالغہ سے کام لیا۔ حتی کہ وہ انسانی ذبیحوں کی قربانی بھی دینے لگی۔ جیسا کہ اہل فارس، اہل روما، اہل مصر، فنیقیوں اور کنعانیوں وغیرہم کا یہی طریقہ رہا ہے۔ اور یہ سلسلہ یورپ میں ساتویں صدی عیسوی تک جاری رہا۔ یہاں تک کہ رومانی شیوخ کی کمیٹی کی طرف سے اس کے ابطال کا حکم صادر کرنا پڑا۔)

ائمہ اربعہ کے مذاہب میں قربانی کی حیثیت

امت محمدیہ علی صاحبہا السلام میں بھی قربانی کو ایک جلیل القدر عبادت قرار دیا گیا ہے۔ اس کا وجوب قرآن وسنت کے جن دلائل سے ہوا ہے ان کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ پہلے اس سلسلہ میں مسلمانوں کے بڑے بڑے فقہی مکاتب فکر کی آراء سن لیجئے کہ ان کے نزدیک یہ عبادت کس درجہ کی ہے؟

قربانی کی مشروعیت پر تو پوری امت کا اتفاق رہا ہے۔ البتہ اسکے واجب یا سنت ہونے میں ائمہ کا اختلاف ہوا ہے، ہم ذیل میں ائمہ اربعہ کے مذاہب کو اُن کی معتبر کتابوں سے نقل کرتے ہیں

حنفیہ کا مذہب: قدوری میں ہے:-

اَلْاُضْحِيَةُ وَاجِبَةٌ عَلٰى كُلِّ حُرٍّ مُسْلِمٍ مُقِيْمٍ مُوْسِرٍ فِيْ يَوْمِ الْاَضْحٰى عَنْ نَفْسِهٖ وَعَنْ وُلْدِهِ الصِّغَارِ (قربانی واجب ہے[2] ہر مسلمان، آزاد، مقیم، مالدار پر قربانی کے دن اپنی طرف سے بھی دے اور اپنی نابالغ اولاد کی طرف سے بھی)

اس کے تحت صاحب ہدایہ لکھتے ہیں:-

---

[1] دائرۃ المعارف، ص ۲۳۶، ج ۷۔

[2] ظاہر روایت کے مطابق قربانی صرف اپنی طرف سے واجب ہے۔ نابالغ اولاد کی طرف سے قربانی کرنا واجب نہیں (ع)

اماّ الوجوب فقول ابی حنیفۃؒ ومحمدؒ وزفرؒ والحسنؒ واحد الروایتین عن ابی یوسفؒ رحمہم اللہ وعنہ انہا سنۃ ذکرہ فی الجوامع وھو قول الشافعی وذکر الطحاوی ان علیٰ قول ابی حنیفۃ واجبۃ وعلی قول ابی یوسف ومحمد سنۃ مؤکدۃ وھٰکذا ذکر بعض المشائخ الاختلاف۔[1] (وجوب کا قول امام ابوحنیفہؒ، امام محمدؒ، زفرؒ اور حسنؒ کا ہے، اور امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت بھی یہی ہے، ان کی دوسری روایت سنّت ہونے کی ہے، جس کو جوامع میں ذکر کیا گیا ہے۔ اور امام شافعیؒ کا قول بھی یہی ہے لیکن امام طحاویؒ نے نقل کیا ہے، کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک واجب ہے، اور امام ابو یوسفؒ و محمدؒ کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے")

امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے بارے میں اگرچہ مختلف روایتیں ہیں، لیکن امام ابوحنیفہؒ سے صرف وجوب ہی کی روایت ہے۔ اسی کو اکثر فقہائے احناف نے اختیار کیا ہے، اور اسی پر فتویٰ ہے۔ اسلئے کہ قرآن و حدیث کی رو سے بھی اس کا وجوب ثابت ہوتا ہے۔

شافعیہ کا مذہب:- امام شافعیؒ کتاب الأم میں فرماتے ہیں:-

اَلضَّحَایَا سُنَّۃٌ لَا اُحِبُّ تَرْکَھَا[2] (قربانی سنّت ہے اسکے چھوڑنے کو میں پسند نہیں کرتا)

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:-

وھی عند الشافعیۃ والجمہور سنۃ مؤکدۃ علی الکفایۃ وفیہ وجہ للشافعیۃ من فروض الکفایۃ وعن ابی حنیفۃ تجب علی المقیم الموسر وعن مالک مثلہ فی روایۃ لکن لم یقید بالمقیم ونقل عن الاوزاعی وربیعۃ واللیث مثلہ وقال احمد یکرہ ترکھا مع القدرۃ وعنہ واجبۃ[3] (قربانی امام شافعیؒ اور جمہور کے نزدیک سنت مؤکدہ

[1] ہدایہ، ص ۴۴۳، ج ۴، قرآن محل، کراچی۔ [2] کتاب الأم للامام الشافعی ص ۲۲۱ ج ۲، مکتبہ الکلیات الازہریہ

[3] فتح الباری لابن حجر العسقلانی ص ۲، ج ۱۰، المطبعۃ البہیۃ المصریۃ ...

علی الکفایہ ہے، شافعیہ کی ایک روایت فرض کفایہ ہونے کی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ سے مروی ہے کہ مقیم اور مال دار پر واجب ہے۔ یہی ایک روایت ہے امام مالکؒ کی۔ البتہ انھوں نے مقیم کے ساتھ مقید نہیں کی، اور امام اوزاعی، ربیعہ اور لیث سے بھی اسی طرح (وجوب) منقول ہے۔ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ قدرت ہوتے ہوئے چھوڑنا مکروہ ہے، اور ان سے ایک روایت وجوب کی بھی ہے)

مالکیہ کا مذہب: المدوّنۃ الکبریٰ میں ہے:۔

قَالَ مَالِكٌ لَا اُحِبُّ لِمَنْ كَانَ يَقْدِرُ اَنْ يُضَحِّيَ اَنْ يَتْرُكَ ذٰلكَ [1]

(امام مالکؒ نے فرمایا کہ مجھے یہ بات پسند نہیں کہ کوئی قربانی کی قدرت رکھتے ہوئے اسے چھوڑ دے یعنی قربانی نہ کرے)

ابن رشد مالکیؒ فرماتے ہیں:۔

اِخْتَلَفَ الْعُلَمَاءُ فِي الْاُضْحِيَّةِ هَلْ هِيَ وَاجِبَةٌ اَمْ هِيَ سُنَّةٌ؟ فَذَهَبَ مَالِكٌ وَالشَّافِعِيُّ اِلَى اَنَّهَا مِنَ السُّنَنِ الْمُؤَكَّدَةِ وَرَخَّصَ مالك للحاج في تركها بمنىٰ ولم يفرق الشافعي في ذلك بين الحاج وغيره [2]

(قربانی کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ واجب ہے یا سنت، امام مالکؒ اور شافعیؒ کے نزدیک یہ سنن مؤکدہ میں سے ہے، البتہ امام مالکؒ نے حاجیوں کیلئے منیٰ میں نہ کرنے کی بھی اجازت دی ہے۔ اور امام شافعیؒ نے اس میں حاجی اور غیر حاجی کوئی فرق نہیں کیا)

امام مالکؒ قربانی کے سنت ہونے میں تو جمہور کے ساتھ ہیں، البتہ آگے جمہور سے ایک مسئلہ میں اختلاف کیا ہے۔ وہ مسئلہ یہ ہے کہ جمہور کے نزدیک ایک بکری صرف ایک شخص کی طرف سے ہو سکتی ہے۔ اور امام مالکؒ کے نزدیک سب گھر والوں کی طرف سے ایک بکری کافی ہوتی ہے، البتہ ہر ایک کی طرف سے ایک ایک بکری اولیٰ ہے۔

---

[1] المدوّنۃ الکبریٰ للفقہ المالکی بروایت سحنون بن سعید عن عبدالرحمٰن بن القاسم عن الامام مالک ص ۱۰، ج ۲

[2] بدایۃ المجتہد لابن رشد القرطبی المالکی، ص ۴۲۹، ج ۱، مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی بمصر ۱۹۶۹ء

قَالَ مَالِكٌ وَلَكِنْ إِنْ كَانَ يَقْدِرُ فَأَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ يَذْبَحَ عَنْ كُلِّ نَفْسٍ شَاةً وَإِنْ ذَبَحَ شَاةً وَاحِدَةً عَنْ جَمِيعِهِمْ أَجْزَأَهُ[۱]

(امام مالکؒ نے فرمایا کہ اگر قدرت ہو تو بہتر یہ ہے کہ ہر نفس کی جانب سے ایک ایک بکری ہو، اور اگر سب کی طرف سے ایک ہی بکری ذبح کی تو یہ بھی کافی ہے)

حنابلہ کا مسلک : ابن قدامہؒ لکھتے ہیں :-

اَكْثَرُ أَهْلِ الْعِلْمِ يَرَوْنَ الْأُضْحِيَةَ سُنَّةً مُؤَكَّدَةً غَيْرَ وَاجِبَةٍ وَقَالَ رَبِيعَةُ وَمَالِكٌ وَالثَّوْرِيُّ وَالْأَوْزَاعِيُّ وَاللَّيْثُ وَأَبُو حَنِيفَةَ هِيَ وَاجِبَةٌ[۲]۔ (اکثر اہل علم کے نزدیک قربانی سنت مؤکدہ ہے واجب نہیں ہے۔ اور امام ربیعہؒ، مالکؒ، ثوریؒ، اوزاعیؒ، لیثؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ واجب ہے)

آگے لکھتے ہیں۔

وَالْأُضْحِيَةُ أَفْضَلُ مِنَ الصَّدَقَةِ بِقِيمَتِهَا نَصَّ عَلَيْهِ أَحْمَدُ وَبِهٰذَا قَالَ رَبِيعَةُ وَأَبُو الزِّنَادِ[۳]۔ (قربانی کا پیسہ صدقہ کرنے سے قربانی کرنا افضل ہے جیسا کہ امام احمدؒ نے تصریح کی ہے، اور یہی قول ہے ربیعہ اور ابوالزناد کا)

قرآن حکیم اور قربانی:

عہد رسالت سے لیکر چودھویں صدی ہجری تک قربانی کی مشروعیت اور اسکے ایک مستقل عبادت ہونے پر پوری امت کا اجماع رہا ہے نیز اس پر بھی اتفاق رہا ہے کہ اسکی مشروعیت کتاب اللہ، سنت رسول اللہؐ اور اجماع سے ثابت ہے، یہی وجہ ہے کہ ہر دور میں اس پر بغیر کسی نکیر اور کسی اختلاف کے پوری امت کا عمل رہا ہے۔ لیکن چودھویں صدی کے بعد اسلام کی بیخ کنی کے لئے جو فتنے پیدا ہوئے، انھوں نے اسلام کے بہت سے ایسے اجماعی مسلمات کو مشکوک بنانے کی کوشش کی ہے، جو ابتدائے اسلام سے متفق علیہ چلے آرہے تھے، انہی میں سے ایک قربانی کا مسئلہ

---

[۱] المدونۃ الکبریٰ للفقہ المالکی بروایۃ سحنون بن سعید عن عبدالرحمٰن بن القاسم عن الامام مالکؒ ص۲، ج۲

[۲] المغنی لابن قدامۃ الحنبلی ص۶۱۷، ج۸، دار المنار مصر ۱۳۶۷ھ۔ [۳] ایضاً ص۶۱۸

بھی ہے۔ چنانچہ ہمارے زمانے میں منکرین حجیتِ حدیث کے سرگروہ پرویز صاحب نے اسلام
ں اس عبادت کو غیر ضروری، مُضر بلکہ اضاعتِ مال قرار دینے کے لئے پروپیگنڈے کا ایک دفتر
مول رکھا ہے، اس لئے یہاں ہمارا مقصد قربانی کے بارے میں قرآنی آیات کی صحیح تفسیر اور صحیح
طلب بیان کرنا اور ان تاریخی حقائق کو اجاگر کرنا ہے، جنھیں نظر انداز کر کے پرویز صاحب نے لوگوں
و غلط تأثر دینے کی کوشش کی ہے جو حضرات حقائق کے طالب ہیں اور مسئلہ کی حقیقت سے واقف
ونا چاہتے ہیں، ہماری ان سے گذارش ہے کہ ٹھنڈے دل سے اس پر غور کریں۔ اور پرویز صاحب
ں بات کے وزن کو دیکھیں، انشاء اللہ حقیقت کھل کر سامنے آجائیگی۔

قربانی کے سلسلے میں اپنا نظریہ بیان کرتے ہوئے پرویز صاحب لکھتے ہیں :-

"قرآن میں جانور ذبح کرنے کا ذکر حج کے ضمن میں آیا ہے[1]، سارے قرآن میں
ایک جگہ بھی نہیں لکھا کہ مکہ کے علاوہ کسی اور جگہ بھی قربانی دیجائے گی[2]، واضح رہے
کہ ہم صرف یہ کہتے ہیں کہ قربانی کا مقام بیت العتیق (کعبہ) ہے، اور اس کے سوا
کہیں نہیں، یہ جو ہم ہر قریہ اور ہر بستی میں عید کے موقع پر جانور ذبح کرتے ہیں، اسکے
لئے خدا نے کہیں حکم نہیں دیا[3]"

ان سب کا خلاصہ دو باتیں ہیں۔ ایک یہ کہ قرآن میں جانور ذبح کرنے کا ذکر صرف حج کے ضمن
بں آیا ہے۔ دوسری یہ کہ مکہ کے علاوہ کسی اور جگہ قربانی کرنے کا حکم قرآن میں نہیں ہے لیکن
یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ پہلی بات تو اس لئے غلط ہے کہ قرآن حکیم میں کئی آیتیں ایسی ہیں،
جن میں جانور ذبح کرنے کا ذکر تو ہے لیکن حج کا کوئی ذکر نہیں، مثلاً :-

(۱) سورہ مائدہ میں ہابیل و قابیل کا واقعہ اس طرح مذکور ہے کہ :-

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ
أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ۔ (اور سنا اُن کو حال واقعی آدم کے
بیٹوں کا، جب نیاز کی دونوں نے کچھ نیاز تو مقبول ہوئی ایک کی اور نہ مقبول

[1] قرآنی فیصلے ص ۵۵۔ [2] ایضاً، ص ۴۳
[3] قرآنی فیصلے ص ۴۷۔

ہوئی دوسرے کی "

(۲) سورۂ انعام میں ارشاد ہے :-

قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ
(تو کہہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور مرنا اللہ ہی کے لئے ہے جو پالنے والا سارے جہان کا ہے)

(۳) سورۂ کوثر میں ارشاد ہے :-

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ، (اور نماز پڑھ اپنے رب کے واسطے اور قربانی کر)

مذکورہ بالا تینوں آیتوں میں کہیں قربانی کرنیکا واقعہ مذکور ہے، اور کہیں قربانی کا حکم لیکن یہ حج کے ضمن میں تو کیا ہوتے، اُن کے آس پاس بھی کہیں حج کا ذکر نہیں، پھر

(۴) خود سورۂ صافات میں حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کا جو واقعہ مذکور ہے جس میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے بدلے میں جانور ذبح کرنے کا ذکر ہے، اس سے تو بات اور صاف ہو جاتی ہے، اس لئے کہ یہ واقعہ بنارِ کعبہ اور فرضیت حج کے اعلان سے پہلے کا ہے اس لئے اس کا حج کے ضمن میں ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اتنی ساری آیتوں کے ہوتے ہوئے پھر یہ کہنا کہ جانور ذبح کرنے کا ذکر صرف حج کے ضمن میں آیا ہے، کیونکر درست ہو سکتا ہے؟

حج کے موقع کے علاوہ قربانی کا حکم قرآن میں

اب دوسری بات یہ رہ جاتی ہے کہ قرآن میں مکہ کے علاوہ کہیں اور قربانی کرنے کا حکم نہیں، سو یہ بات بھی باطل اور مردود ہے، قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیتوں سے مکہ کے علاوہ بھی مطلق قربانی کا وجوب ثابت ہوتا ہے، مثلاً

(۱) سورۂ انعام کی مذکورہ بالا آیت : قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ (تو کہہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور مرنا سب اللہ ہی کے لئے ہے جو پالنے والا سارے جہان کا ہے۔)

یہاں لفظ "نُسُک" عام ہے، اسمیں نہ مکہ کا ذکر ہے اور نہ حج کا اگرچہ اس لفظ کے متعدد معنی آتے ہیں، لیکن محققین کے قول کے مطابق یہاں ذبیحہ ہی مراد ہے۔ چنانچہ ابن جریرؒ نے اپنی تفسیر

میں سعید بن جبیرؓ قتادہؓ اور ضحاکؒ وغیرہ سے یہاں نسک کے یہی معنی نقل کئے ہیں[1]۔

دوسری طرف امام رازیؒ ... تفسیر کبیر میں اس آیت کے تحت نسک کے متعدد معانی نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:۔

الّا انّ الغالبَ علیہِ فی العُرفِ الذبح[2]۔ (یعنی لفظ "نسک" عرف میں عموماً ذبح کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے)

بعینہٖ یہی بات امام ابوبکر جصاصؒ نے احکام القرآن جلد ۳ صفحہ ۳۰۵ میں لکھی ہے، جس سے یہاں "نسک" کے معنی قربانی کے متعین ہوجاتے ہیں، وجہ اسکی یہ ہے کہ عربی لغت کے قاعدہ کے مطابق جب کوئی لفظ مطلق بولا جاتا ہے تو خواہ لغت میں اس لفظ کے متعدد معانی ہوں، لیکن ان میں سے صرف وہی معنی مراد لئے جاتے ہیں جو کثیر الاستعمال اور متبادر الی الذہن ہوں بشرطیکہ اس کے خلاف کوئی قرینہ موجود نہ ہو، یہاں بھی لفظ "نسک" مطلق ہے، اور اسکے معنی متبادر الی الذہن قربانی کرنا ہے، اور یہ معنی مراد لینے میں کوئی رکاوٹ اور اسکے خلاف کوئی قرینہ نہیں ہے، اس لئے یہاں بھی یہی معنی مراد ہوں گے۔ اگر ہم حدیث کو تاریخی حیثیت سے بھی دیکھیں گے۔ تو اس سے بات بالکل صاف ہوجاتی ہے۔ اس لئے کہ حدیث سے یہ ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کا جانور ذبح کرتے وقت یہ آیت پڑھی ہے، ظاہر ہے کہ اگر اس آیت کا تعلق قربانی سے نہیں ہے تو آپؐ نے کیوں پڑھا؟ اور حضرت فاطمہؓ کو پڑھنے کا حکم کیوں فرمایا؟

بہرکیف اس بحث سے مطلق قربانی کی مشروعیت اس آیت سے ثابت ہو ہی جاتی ہے۔ بلکہ امام ابوبکر جصاصؒ نے تو اس آیت سے قربانی کے وجوب پر بھی استدلال کیا ہے، چنانچہ وہ احکام القرآن میں اس آیت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"وَاما قَرنُ النُّسُکِ اِلَی الصَّلٰوۃِ دَلَّ عَلٰی اَنَّ المُرَادَ صَلٰوۃُ العِیدِ وَالاُضحِیَۃِ وَھٰذَا یَدُلُّ عَلٰی وَجُوبِ الاُضحِیَۃِ لِقَولِہٖ تَعَالٰی (وَبِذٰلِکَ اُمِرتُ) وَالاَمرُ یَقتَضِی الوُجُوبَ[3] (یعنی جب اللہ تعالیٰ

---

[1] تفسیر ابن جریر، ص ۷۷، ج ۸، المطبعۃ المیمنیۃ بمصر۔ [2] تفسیر کبیر للامام الرازی، ص ۱۷۰، ج ۴، المطبعۃ العامرۃ الشرفیۃ

[3] احکام القرآن ص ۴۴، ج ۳۔

نے "نسک" کو "صلوٰۃ" کے ساتھ ملا کر بیان کیا، تو اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ یہاں صلوٰۃ عید اور قربانی مراد ہے، اور اس سے قربانی کا وجوب بھی ثابت ہوا، کیونکہ آگے (وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ) موجود ہے اور امر سے وجوب ثابت ہوتا ہے۔

اگر یہاں صلوٰۃ سے صلوٰۃِ عید مراد نہ ہو بلکہ مطلق صلوٰۃ مراد ہو تب بھی استدلال درست ہے اس لئے کہ اس صورت میں مطلق صلوٰۃ اور مطلق قربانی مراد ہوگی، اور آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ مجھے مطلق صلوٰۃ اور مطلق قربانی کا حکم دیا گیا کہ میں ان کو اللہ کے واسطے ادا کروں۔ دونوں صورتوں میں استدلال کا مدار اس پر ہے کہ بِذٰلِكَ کا مشارٌ الیہ "نسک" اور "صلوٰۃ" ہے۔ بعض حضرات نے اس کا مشار الیہ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کے مفہوم یعنی اخلاص کو قرار دیا ہے، احتمال دونوں کا موجود ہے اس لئے قرائن سے کسی ایک احتمال کو ترجیح دے کر اسکے وجوب پر استدلال کرنیکی پوری گنجائش موجود ہے

(۲) سورۂ حج میں ارشاد ہے :۔

لِكُلِّ اُمَّةٍ[1] جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ[2] (ہم نے ہر امت کے واسطے ذبح کرنے کا

---

[1] اسکی ایک مشابہ آیت پہلے گذری ہے، اسکے الفاظ یہ ہیں وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ اور دونوں آیتیں سورۂ حج کی ہیں، بعض حضرات مفسرین نے دونوں آیتوں سے ایک ہی مفہوم مراد لیا ہے۔ اور بعض حضرات نے دونوں میں فرق کیا ہے، اگر ہم دونوں آیتوں کا مقصد جدا تسلیم کرلیں پھر بھی اس آیت میں آگے جو الفاظ ہیں یعنی لیذکروا اسم اللہ علی ما رزقہم من بہیمۃ الانعام ان الفاظ سے اس آیت کا مصداق قربانی ہی قرار پاتی ہے، اس لئے اس آیت سے مطلق قربانی کی مشروعیت پر بھی استدلال کیا جاسکتا ہے، وہ اس طرح کہ اس آیت کی تصریح کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر امت محمدیہ علی صاحبہا السلام تک ہر امت کے لئے قربانی کا حکم تھا اور حج کی فرضیت عامۃ قرآن کے اعلان کے مطابق حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ سے ہوئی۔ لہذا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلی امتوں میں قربانی کا حکم حج کے ضمن میں نہ تھا، بلکہ عام حکم تھا، لہذا پرویز صاحب کا یہ کہنا کہ "قرآن میں اس کا ذکر صرف حج کے ضمن میں آیا ہے" اس آیت سے بھی مردود قرار پاتا ہے۔ [2] الحج آیت ۶۷،

طریقہ مقرر کیا ہے، کہ وہ اسی طریقہ پر ذبح کرتے تھے، تو لوگوں کو چاہیے کہ اس امر میں آپ سے جھگڑا نہ کریں، آپ اپنے رب کی طرف بلاتے رہیے، آپ یقیناً صحیح راستہ پر ہیں)

امام ابوبکر جصاصؒ نے اس آیت سے بھی وجوب قربانی پر استدلال کیا ہے۔ چنانچہ وہ اس آیت کے تحت لفظ نُسُک کے متعدد معانی نقل کرنے کے بعد رقمطراز ہیں:۔

إِلَّا أَنَّ الْأَظْهَرَ الْأَغْلَبَ فِي الْعَادَةِ عِنْدَ الْإِطْلَاقِ الذَّبْحُ عَلَى وَجْهِ الْقُرْبَةِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالَىٰ (فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ) وَلَيْسَ يَمْتَنِعُ أَنْ تَكُوْنَ الْمُرَادُ جَمِيْعَ الْعِبَادَاتِ وَيَكُوْنَ الذَّبْحُ أَحَدَ مَا أُرِيْدَ بِالْآيَةِ فَيُوْجِبُ ذٰلِكَ أَنْ يَكُوْنُوْا مَأْمُوْرِيْنَ بِالذَّبْحِ بِقَوْلِهٖ تَعَالٰى (فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ) وَإِذْ كُنَّا مَأْمُوْرِيْنَ بِالذَّبْحِ سَاغَ الْاِحْتِجَاجُ بِهٖ فِيْ إِيْجَابِ الْأُضْحِيَةِ لِوُقُوْعِهَا عَامَّةً فِي الْمُوْسِرِيْنَ كَالزَّكوٰةِ[1]

(لفظ نسک جب مطلق بولا جاتا ہے تو عادۃً اظہر اور اغلب یہ ہے کہ اس سے اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لئے ذبح کرنا مراد ہوتا ہے جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے (فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ) یہاں نسک سے باتفاق ذبح مراد ہے) اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے تمام عبادات مراد ہوں، اس صورت میں ذبح بھی آیت کا ایک مصداق ہوگا جس سے امت کا مامور بالذبح ہونا ثابت ہو جائے گا، اس لئے کہ آگے ارشاد ہے (فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ جس میں مخالفت سے منع کیا گیا) جب ہم مامور بالذبح ہوگئے تو اس سے وجوب اضحیہ پر استدلال کی بھی گنجائش ہوگئی، کیونکہ یہ عام طور پر مالکِ نصاب پر واجب ہوتی ہے، جیسا کہ زکوٰۃ)

(۳) سورۂ کوثر میں ارشاد ہے:۔

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ٥ (پس نماز پڑھ اپنے رب کے واسطے اور قربانی کر)

اس آیت میں نحر سے کیا مراد ہے؟ اس میں علماء کے مختلف اقوال ہیں، لیکن اکثر مفسرین اور محققین کے نزدیک اس سے یہاں قربانی مراد ہے، چنانچہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر کبیر میں اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:۔

---

[1] احکام القرآن، ص ۲۰۵، ج ۳۔

وفی قولہ وَانْحَرْ قولان الاول وھو قول عامۃ المفسرین ان المراد ھو نحر البدن[1] (وَانْحَرْ میں دو قول ہیں، پہلا قول جسے عام مفسرین نے اختیار کیا ہے، یہ ہے کہ مراد اس سے قربانی ہے)

امام ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

ویحتج لہ (ای لمن یوجب الاضحیۃ) بقولہ تعالیٰ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ وقد روی انہ اراد صلوٰۃ العید و بالنحر الاضحیۃ[2] (جو حضرات قربانی کو واجب کہتے ہیں ان کی ایک دلیل فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ہے، جیسا کہ مروی ہے کہ صَلِّ سے صلوٰۃ عید اور وَانْحَرْ سے قربانی مراد ہے)

امام ابن کثیرؒ اس آیت کے تحت لفظ نحر کے مختلف معانی نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:۔

والصحیح القول الاول ان المراد بالنحر ذبح المناسك ولھذا كان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی العید ثم ینحر نسکہ[3] (یعنی پہلا قول زیادہ صحیح ہے کہ نحر سے مراد قربانی کرنا ہے، یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلے عید کی نماز پڑھتے پھر قربانی کرتے)

علامہ ابن قدامہؒ المغنی میں لکھتے ہیں :۔

الاصل فی مشروعیۃ الاضحیۃ الکتاب والسنۃ والاجماع اما الکتاب فقول اللہ سبحانہ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ قال بعض اھل التفسیر المراد بہ الاضحیۃ بعد صلوٰۃ العید[4] (قربانی کی مشروعیت کتاب اللہ، سنت رسول اللہؐ اور اجماع امت سے ہے۔ کتاب اللہ میں اس کی دلیل فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ہے، جیسا کہ بعض مفسرین نے کہا کہ اس آیت سے مراد صلوٰۃ عید کے بعد قربانی ہے)

ابن جریر نے اپنی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت انسؓ، حضرت حسن بصریؒ، عکرمہ

---

[1] تفسیر کبیر، ص ۵۰۲، ج ۸، [2] احکام القرآن، ص ۳۰۶، ج ۳، [3] تفسیر ابن کثیر، ص ۵۵۹، ج ۴
[4] المغنی لابن قدامۃ، ص ۶۱۷، ج ۸، دار المنار لاصحابہا ۱۳۶۷ھ۔

—— عکرمہؒ، عطاءؒ، قتادہؒ اور سعید بن جبیرؒ وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ اس آیت میں نحر سے قربانی مراد ہے۔[۵۱]

جمہور کی مذکورہ بالا تصریحات اور آیت کے ظاہر سے قربانی کا ثبوت بالکل واضح اور صریح ہے، لیکن جب پرویز صاحب کا نظریہ اس سے جوڑ نہیں کھاتا تو جمہور صحابہ و تابعین لاکھ کسی بات پر متفق ہوں، ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتے، چنانچہ یہاں بھی انھوں نے اپنی عادت کے مطابق اس غیر مشتبہ استدلال کو رکیک اعتراضات کے ذریعہ مشکوک بنانے کی ناکام سعی کی، اور اس میں ایڑی چوٹی کا روز لگایا، اس لئے ہم یہاں ان اعتراضات کا مختصراً جائزہ لیتے ہیں۔ پہلے وہ سورۂ کوثر کے وقت نزول پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"عام روایات کے مطابق سورۂ کوثر مکہ میں نازل ہوئی تھی، اور اس وقت نہ عید اور بقر عید کی نماز تھی (حتیٰ کہ جمعہ کی نماز بھی نہیں) اور نہ ہی قربانی کا کوئی سوال تھا"[۵۲]۔

اس سورہ کے مکی اور مدنی ہونے میں علماء کا اختلاف رہا ہے، جمہور کے نزدیک یہ مکی ہے، اور قتادہؒ، مجاہدؒ، عکرمہؒ اور حسن بصریؒ کے نزدیک مدنی ہے (تفسیر حقانی)

ان دونوں اقوال میں سے جس قول کو بھی اختیار کیا جائے، بہرصورت قربانی کی مشروعیت اس سورۃ سے ثابت ہے۔ اسکی تفصیل یہ ہے کہ اگر ہم اس کو مدنی مان لیں جیسا کہ حسن بصریؒ وغیرہ کا قول ہے، تو اس صورت میں تو اس اعتراض کی کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی، بلکہ اس قول کی بنا پر صلّ سے عید کی نماز اور وانحر سے قربانی مراد لینے کی نہ صرف یہ کہ پوری گنجائش موجود ہے بلکہ حضرت انسؓ کے ایک قول سے اسکی یہ تفسیر تقریباً متعین ہو جاتی ہے۔ ابن جریرؒ نے حضرت انسؓ سے نقل کیا ہے:-

عن انس بن مالک قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ینحر قبل ان یصلی فامر ان یصلی ثم ینحر۔[۵۳] (حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے پہلے جانور ذبح کرتے تھے، پھر آپ کو حکم ہوا کہ پہلے نماز پڑھیں

---

۵۱ تفسیر ابن جریر، ص ۸۴ و ۱۸۳، ج ۳۰، ۵۲ قرآنی فیصلے، ص ۷۷۵، ۵۳ تفسیر ابن جریر ص ۲۸۴، ۱۸۳ ج

پھر ذبح کریں)

بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ یہ سورۃ پوری تو مدنی نہیں ہے، البتہ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ والی آیت مدنی ہے، جیسا کہ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی ؒ نے سیرۃ المصطفیٰ[1] میں دوسری ہجری نبوی کے واقعات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:-

"اور اسی سال بقرعید کی نماز اور قربانی کا حکم ہوا، اور یہ آیت نازل ہوئی فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ"

اس تاریخی روایت اور حضرت انس ؓ کے مذکورہ اثر سے یہ بات بالکل صاف ہے کہ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ سے صلوٰۃ عید اور قربانی کی مشروعیت کو بیان کرنا مقصود ہے، اسی لئے امام ابوبکر جصاص ؒ نے اس آیت سے قربانی کے وجوب پر استدلال کیا ہے، اور اُن کا یہ استدلال مذکورہ بالا دونوں روایتوں کی رُو سے بالکل درست اور بجا ہے۔

اور اگر جمہور کے قول کے مطابق اس سورۃ کو ہم مکی تسلیم کرلیں تب بھی اس سورۃ سے قربانی کی مشروعیت پر استدلال میں کوئی فرق نہیں پڑتا، اس لئے کہ اس قول کی بنا پر آیت کا مقصد مطلق نماز اور مطلق قربانی کا حکم اور ان میں اخلاص کی تاکید بیان کرنا ہے، نہ صلوٰۃ عید کی مشروعیت بیان کرنا۔ صَلِّ سے صلوٰۃ عید وہی حضرات مراد لیتے ہیں جو اس سورۃ کو یا آیت فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ کو مدنی کہتے ہیں اور جو حضرات اُسے مکی مانتے ہیں وہ اس کو اپنے اطلاق پر چھوڑتے ہیں، اور یہی جمہور کا قول ہے جیسا کہ ابوحیان نے بحر محیط میں نقل کیا ہے:-

الظاهر ان فصل امر بالصلوٰة يدخل فيها المكتوبات والنوافل والنحر نحر الهدى والنسك والضحايا قاله الجمهور[2]۔ (ظاہر یہی ہے کہ فَصَلِّ میں مطلق نماز کا حکم ہے جس میں فرائض و نوافل سب داخل ہیں۔ اور نحر سے مراد قربانی اور ہدی کے جانور ذبح کرنا ہے، یہی جمہور کا قول ہے)

اس کی تائید محمد بن کعب قرظی ؒ کے ایک اثر سے ہوتی ہے، جس کی تخریج ابن جریر نے کی ہے:-

عن محمد بن كعب القرظى انه كان يقول فى هذه الآية إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ ٥ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ٥ يقول ان ناسا كانوا يصلون لغير

---

[1] سیرۃ المصطفیٰ مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی ... مطبع انشاء پریس لاہور ...۔ [2] البحر المحیط لابی حیان الاندلسی ...

اللہ ویخرون لغیر اللہ فاذا اَعۡطَیۡنَاکَ الۡکَوۡثَرَ یا محمد فلا تکن صَلوٰتك ونحرك إلا لي، (محمد بن کعب قرظیؒ اس آیت اِنَّا اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانۡحَرۡ کے متعلق فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ غیر اللہ کے لئے نماز پڑھتے تھے اور غیر اللہ کے نام پر ذبح کرتے تھے (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ) اے محمدؐ! جب ہم نے آپ کو کوثر عطا کی ہے، تو آپ کی نماز اور قربانی صرف میرے لئے ہونی چاہیے)[1]

جمہور کے اس قول کو ابن جریر نے بھی ترجیح دی ہے، اور انھوں نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے[2]۔

بہرحال چاہے ہم اس سورۃ کو مکی کہیں یا مدنی، دونوں صورتوں میں قربانی کی مشروعیت اس سے بالکل واضح ہے، رہی یہ بات کہ جمہور کے قول کے مطابق جب قربانی کی مشروعیت مکہ میں ہوئی تو آپؐ نے مکہ میں قربانی کیوں نہیں کی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اس کا حکم مکہ میں نازل ہوا ہو تو یہ ضروری نہیں کہ اس پر عمل بھی مکہ میں ہو، اس لئے کہ بعض دفعہ کوئی حکم تو نازل ہوتا ہے، لیکن اسکی تفصیل بعد میں آتی ہے، اسکی مثال زکوٰۃ ہے، کہ محققین کے قول کے مطابق اس کا حکم مکہ میں نازل ہوا، لیکن اس کے تفصیلی احکام مدینے میں نازل ہوئے، ممکن ہے کہ قربانی میں بھی یہی طریقہ رہا ہو،

سورۂ کوثر کے شانِ نزول پر لمبی چوڑی تقریر کرتے ہوئے پرویز صاحب لکھتے ہیں:۔

"مکہ سے ہجرت کے بعد مدینہ جانا تھا وہاں یہود کا بڑا زور تھا، دنیاوی ڈپلومیسی پر نگاہ رکھنے والوں کو خیال آسکتا تھا کہ قریشِ مکہ سے انتقام کی خاطر یہودِ مدینہ سے سمجھوتہ کیا جائیگا قرآن نے اسکی نفی ایک لفظ میں فرمادی، یہود کے ہاں اونٹ حرام تھا، ان کے ساتھ سمجھوتہ کی صورت میں اُن کے جذبات کا احترام ضروری تھا، لیکن قرآن نے پہلے ہی کہہ دیا کہ اُن سے دَب کر سمجھوتہ نہیں کیا جائیگا، اُن کے علی الرغم اونٹوں کو ذبح کیا جائے گا، یعنی وہاں بھی غلبہ تمھارا ہی ہوگا"[3]

پرویز صاحب کی اس دماغی اُپج کی داد دیجئے کہ کسی آیت کی تفسیر میں جو شانِ نزول مستند روایات واحادیث سے ثابت ہو، جس سے حدیث اور تفسیر کی کتابیں بھری ہوئی ہوں، اور جس پر امت کا اجماع منعقد ہو چکا ہو۔ اگر وہ اُن کے مزاج کے مطابق نہ ہو تو بیک جنبش قلم عجمی سازش قرار پاجاتی ہے، لیکن جب

---

[1] تفسیر ابن جریر، ص ۱۸۳، ج ۳۰۔ [2] ایضاً، ص ۱۸۵، ج ۳۰، [3] قرآنی فیصلے، ص ۷۳،

قرآنی آیات میں اپنی مرضی کی کھینچ تان کی خاطر خود اُن کا ذہن کوئی قیاس تراشتا ہے، تو اسے ایسے یقین کے ساتھ ذکر فرماتے ہیں جیسے یہ وحی منزل من اللہ ہے، سورۂ کوثر کا یہ پسِ منظر بھی اسی تکنیک کا شاخسانہ ہے، مندرجہ ذیل نکات سے اسکی وضاحت ہو سکے گی،

(۱) کتب تفسیر سے لیکر کتب تاریخ تک کسی کتاب میں بھی کوئی ایسی دلیل موجود نہیں ہے جس سے پرویز صاحب کے اس خود ساختہ شانِ نزول کی تائید ہو سکتی ہو۔

(۲) کسی سے سمجھوتہ کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جبکہ اسکی عداوت و دشمنی کھل کر سامنے آجائے اور اس کا معاندانہ رویہ اپنے مقصد کی تکمیل میں رکاوٹ ہو، اس کے برخلاف یہودیوں کی ظلم دشمنی اور سازش اب تک کھل کر سامنے نہیں آئی، ان سے اب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو بھی نہ ہوئی تھی۔ ایسی صورت میں سمجھوتہ کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔

(۳) اگر یہ سورۃ اس سمجھوتہ کی شان میں نازل ہوئی تو پھر اِنْحَرْ کا فَصَلِّ سے کیا جوڑ ہے، کیا نماز کے متعلق بھی مسلمانوں کو یہودیوں سے خطرہ تھا۔

(۴) بقول پرویز صاحب جب قربانی مکہ کے علاوہ اور کسی جگہ کرنے کا حکم نہیں تو پھر مکہ میں اونٹ ذبح کرنے سے یہودیوں کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا کہ مسلمانوں کو ان سے سمجھوتہ کے وقت ان کے جذبات کے احترام کا خیال پیدا ہو

آخر اس مقام پر پرویز صاحب کے قلم کی نوک سے نادانستہ طور پر حق بات نکل گئی، اس لئے کہ یہودیوں کا اعتراض اور ان کے جذبات کے احترام کا سوال اسوقت پیدا ہوگا، جب اونٹ ان کے سامنے مدینہ میں ذبح کیا جائے جس کا لازمی نتیجہ قربانی کے عموم کو تسلیم کرنا ہے۔

لفظ نحر کے متعدد معانی نقل کرنے کے بعد پرویز صاحب لکھتے ہیں :-

"اب ان تمام مختلف معانی میں سے اگر نحر کے معنی اونٹ ذبح کرنا ہی لے لئے جائیں تو بھی اس سے قربانی کرنا وہ بھی ہر گلی کوچہ میں قربانی کرنا کس طرح ثابت ہو سکتا ہے؟ نحر کے معنی متعدد ہیں، اونٹ ذبح کرنا، اسکے مرادی معنی ہیں[۲]"

یہ درست ہے کہ لفظ نحر کے مختلف معانی ہیں، لیکن ظاہر ہے کہ وہ سب معانی یہاں مراد نہیں ہو سکتے، لامحالہ کسی ایک معنی کو ترجیح دینا پڑے گا۔

---

[۱] قرآنی فیصلے، ص ۳۷۔ [۲] ایضاً ص ۵۷۔

ندرجہ ذیل وجوہ کی بنا پر یہاں اسکے معنیٰ قربانی کے متعین ہیں :۔

(۱) جمہور امت نے اس معنیٰ کو اختیار کیا، اسکی تفصیل پیچھے گزر گئی۔

(۲) قرآن عرب کے محاورہ پر نازل ہوا، اس محاورہ کا لحاظ ضرور رکھنا ہوگا۔ اور اس محاورہ میں نحر سے قربانی مراد ہوتی ہے، چنانچہ مولانا عبدالحق حقانی تفسیر فتح المنان میں لکھتے ہیں "النحر کا لفظ عرب کے محاورہ میں قربانی کے لئے مستعمل ہے اور معنیٰ پیدا کرنا لغت تراشی ہے۔[1]

(۳) عربی قواعد کے اعتبار سے جب ایک لفظ کے متعدد معانی ہوں تو جب تک اس کو اسکے معنیٰ متبادر پر حمل کیا جاسکتا ہو اس پر حمل کیا جائے گا۔ دوسرے معانی کا اعتبار نہ ہوگا یہاں لفظ نحر کے معنیٰ متبادر جانور ذبح کرنا ہے۔ چنانچہ امام ابوبکر جصاصؒ اسکے مختلف معانی پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

وتاويل من تأوله على حقيقة نحر البدن اولى لانه .. حقيقة اللفظ ولانه لا يعقل باطلاق اللفظ غيره[2] (جن لوگوں نے اسکے معنیٰ جانور ذبح کرنا بیان کئے وہ زیادہ مناسب ہے، اس لئے کہ وہ اسکے حقیقی معنیٰ ہیں، اور اطلاق کی صورت میں وہی معنیٰ سمجھ میں آتے ہیں)

مذکورہ بالا دلائل سے معلوم ہوا کہ اونٹ ذبح کرنا صرف اسکے مرادی معنیٰ نہیں بلکہ اسکے حقیقی معنیٰ ہیں، جب پرویز صاحب نے نحر کے معنیٰ اونٹ ذبح کرنا تسلیم کرلئے (خواہ یہ اسکے مرادی معنیٰ ہیں، یا حقیقی معنیٰ، پھر اُن کا یہ کہنا کہ "تو بھی اس سے قربانی کرنا اور وہ بھی ہر گلی کوچہ میں قربانی کرنا کس طرح ثابت ہوسکتا ہے ؟" کس قدر مضحکہ خیز ہے، اس لئے کہ نفس اونٹ ذبح کرنا کوئی عبادت نہیں، جب شریعت نے اونٹ ذبح کرنے کا حکم دیا تو یہ حکم عبادت کی حیثیت سے دیا گیا، اور عبادت کی حیثیت سے اونٹ ذبح کرنا قربانی میں ہوتا ہے، نیز بقول پرویز صاحب جب قرآن میں جانور ذبح کرنے کا حکم صرف حج کے ضمن میں آیا ہے تو یہاں اُن کے قول کے مطابق بھی قربانی مراد لینا ضروری ہوجاتا ہے،

آگے لفظ نحر پر بحث کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں :۔

"اگر وانحر سے مراد قربانی ہے تو اس حکم کے مطابق قربانی صرف اونٹ کی دی جانی چاہئے

---

[1] تفسیر حقانی مولانا عبدالحق حقانی ص ۲۵۵، پارہ عم، کتب خانہ نعیمیہ دیوبند۔ [2] احکام القرآن ج ۳ ص

نہ کہ بھیڑ، بکری اور گائے، بیل کی، نحر کا لفظ اونٹ ذبح کرنے کے لئے خاص ہے اور جانوروں کے ذبح کرنے کے لئے یہ لفظ نہیں بولا جاتا"[1]

یہ اعتراض وہی شخص کر سکتا ہے جو عربی قواعد اور عربی زبان کے محاورہ سے بالکل نابلد ہو، بلکہ اپنی زبان سے بھی پوری طرح باخبر نہ ہو، اس لئے کہ یہ قاعدہ ہر زبان میں مسلّم ہے کہ بعض الفاظ کے لغوی معنیٰ کچھ اور ہوتے ہیں اور عرف میں اس کا استعمال کسی اور معنیٰ میں ہوتا ہے، عربی زبان میں اسکی بیسیوں مثالیں ہیں:۔

مثلاً لفظ صلوٰۃ ہے، اس کے معنیٰ دعاء کے ہیں، لیکن عرف اور محاورہ میں اس سے نماز مراد ہوتی ہے، اسی طرح لفظ نحر کے معنیٰ بھی اگرچہ لغوی اعتبار سے اونٹ ذبح کرنے کے ہیں، لیکن محاورہ میں اُن سے مراد قربانی ہوتی ہے، بقول مُلّا جیونؒ کے "نحر کا لفظ اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ اونٹ اہلِ عرب کے یہاں اشرف الاموال شمار ہوتا ہے، ورنہ مراد مطلق قربانی ہے، خواہ وہ اونٹ کی ہو یا بھیڑ، بکری کی اور گائے بیل وغیرہ کی، اسی لئے حضرت ابن عباسؓ سے اِنْحَرْ کے معنیٰ یہ منقول ہے کہ "اَلنَّحْرُ والنُّسُکُ وَالذَّبْحُ یَوْمَ الْاَضْحٰی" (نحر کے معنیٰ عید الاضحیٰ کے دن قربانی اور ذبح کرنا ہیں) حضرت حسن بصریؒ سے منقول ہے "اِنْحَرْ قَالَ اِذْبَحْ (انحر کے معنیٰ اِذْبَحْ ہیں یعنی ذبح کرو) عکرمہؒ فرماتے ہیں" اَلنَّحْرُ اَلنُّسُکُ (نحر قربانی کو کہتے ہیں)

یہ سب اقوال ابن جریرؒ نے اپنی تفسیر[2] میں نقل کئے ہیں، اور اوپر ہم صاحب تفسیر حقانی سے نقل کر آئے ہیں کہ نحر کا لفظ عرب کے محاورہ میں قربانی کے لئے مستعمل ہے۔

پرویز صاحب آگے مزید لکھتے ہیں:۔

"آخر میں یہ کہ اگر تمام بحث کو چھوڑ کر اسے فرض بھی کر لیا جائے کہ وَانْحَرْ سے مراد قربانی ہے تو جب قرآن نے قربانی کا مقام متعین کر دیا (یعنی مکہ) تو وَانْحَرْ کے معنیٰ بھی انہی اونٹوں کی قربانی ہوگی جو حج میں ذبح کئے جاتے ہیں"[3]

بوالعجبی ملاحظہ کیجئے، ایک طرف تو پرویز صاحب یہ کہتے ہیں کہ سورۂ کوثر ہجرت سے پہلے نازل ہوئی، دوسری طرف اس کے معترف ہیں کہ حج ۹ھ میں فرض ہوا، تیسری طرف اس پر مُصر ہیں کہ قربانی کا حکم حج کے ضمن میں آیا ہے، اور مکہ کے علاوہ کسی اور جگہ اس کا حکم نہیں۔ اب یہاں یہ کہہ رہے ہیں کہ اِنْحَرْ سے مراد حج کے موسم میں قربانی کرنا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ حج فرض ہونے سے

---

[1] قرآنی فیصلے ص ۷۵۔ [2] احکام القرآن ص ۱۸۴ ج ۳۔ [3] قرآنی فیصلے ص ۷۶۔

دس سال پہلے قربانی کا حکم نازل ہو چکا تھا، کیا کوئی ہوشمند اس بات کو تسلیم کر سکتا ہے کہ حج فرض ہونے سے دس سال پہلے اس کی ایک ضمنی چیز کا حکم نازل ہو چکا ہو؟ اگر پرویز صاحب اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ وَانْحَرْ سے مراد قربانی ہے تو اس کو بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس سے مطلق قربانی مراد ہے نہ کہ حج کے ضمن میں ہونے والی قربانی، اس لئے کہ اس میں حج کی طرف کوئی معمولی اشارہ تک نہیں۔

آگے قربانی کو ایک غیر شرعی رسم قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:-

(۳) قرآن میں اس کے متعلق کوئی حکم نہیں، یہ ایک رسم ہے جو ہم میں متوارث چلی آرہی ہے[1] "یہ کچھ ہزار برس سے ہوتا چلا آرہا ہے، اور کوئی اللہ کا بندہ اتنا نہیں سوچتا کہ یہ کیا ہو رہا ہے[2]؟"

جہاں تک قرآن میں قربانی کا تعلق ہے اس کا تفصیلی جواب ہم پیچھے دے چکے ہیں اور ہم یہ بھی نقل کر آئے ہیں کہ عہدِ رسالت سے لیکر چودھویں صدی تک بغیر کسی اختلاف کے اس پر عمل ہوتا آیا ہے، اس لئے یہ کہنا کہ "یہ کچھ ہزار برس سے ہوتا آرہا ہے" بالکل خلاف حقیقت ہے، تاریخ سے اسکی بیسیوں مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں، اسکی تفصیل آگے آئے گی، رہا یہ کہنا کہ "یہ ایک رسم ہے جو ہم میں متوارث چلی آرہی ہے،" حقائق پوشی کی بدترین مثال ہے، ہم ماقبل میں اس کا مستقل عبادت ہونا اور شرعی حکم ہونا ثابت کر آئے ہیں۔

پھر سوچنے کی بات یہ ہے کہ چودھویں صدی تک پوری اُمّت قرآن سے اس کو مشروع مانتی آئی ہو اور آج ایک شخص یہ کہتا ہے کہ قرآن میں اس کا حکم نہیں، آخر ہم کس کی بات مانیں؟ پوری اُمّت کی یا اِس ایک شخص کی؟ کیا ایک شخص کے قول پر پوری اُمّت کے قول کو قربان کیا جا سکتا ہے؟ اس سلسلہ میں قرآن کا کیا فیصلہ ہے، اس کو سنئے، سورۂ نسآء میں ارشاد ہے:

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۖ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا[3] ○

(اور جو کوئی مخالفت کرے رسولؐ کی جبکہ کھل چکی اس پر سیدھی راہ، اور چلے سب مسلمانوں کے راستے کے خلاف، تو ہم حوالہ کریں گے اس کو وہی طرف جو

---

[1] قرآنی فیصلے ص ۵۰، [2] ص ۶۳ [3] النساء، آیت ۱۱۵

اُس نے اختیار کی، اور ڈالیں گے ہم اس کو دوزخ میں، اور وہ بہت بُری جگہ پہنچا۔"

دیکھئے قرآن نے کس طرح صراحت کر دی ہے کہ جو مؤمنین کی راہ کے علاوہ دوسری راہ اختیار کرے گا وہی جہنمی ہوگا، اس آیت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے پرویز صاحب کے متبعین فیصلہ کریں کہ ہم کس کی بات مانیں: پرویز صاحب کی، یا پوری اُمت کی؟ آخر وہ کونسی عقل ہے جو اس بات کا فیصلہ دے کہ ہم پوری اُمت کی مدلّل بات کو چھوڑ کر پرویز صاحب کی اس بے بنیاد بات پر ایمان لائیں، جس کی کوئی حقیقت نہیں، اور جس کے دلائل تارِ عنکبوت سے بھی کمزور ہیں

اب تک ہم پرویز صاحب کے دوسرے اعتراض کا جواب دے رہے تھے جس میں انھوں نے قربانی کے بارے میں اپنا نظریہ پیش کیا تھا، اسکے ضمن میں سورۂ کوثر کی آیت فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ سے قربانی کی مشروعیت پر استدلال کے سلسلہ میں انھوں نے جو اعتراضات کئے تھے اُن کے جوابات بھی آگئے، اب آگے مزید سنئے:۔

(۳) حجۃ الوداع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"لہٰذا ہر جگہ قربانی دینا نہ حکمِ خداوندی ہے، نہ سنّتِ ابراہیمی اور نہ سنّتِ محمّدی۔"[1]

ہر جگہ قربانی کا حکم خداوندی ہونا تو ہم قرآن حکیم کی متعدد آیات سے ثابت کر چکے ہیں، سنّتِ محمّدی ہونے سے انکار در اصل انکارِ حدیث پر مبنی ہے، حالانکہ اگر پرویز صاحب کو احادیث سے بیر ہے، تب بھی جب قرآن سے ہر جگہ قربانی کرنے کا حکم ثابت ہو گیا، خصوصاً جب سورۂ کوثر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے اس کا حکم دیا گیا تو اس سے اس کا سنّتِ محمّدی ہونا بھی ثابت ہو گیا، پھر حدیث اور تاریخ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ میں ہر سال قربانی کرنا بھی ثابت ہے، جس کی تفصیل عنقریب آئیگی۔

رہی سنّتِ ابراہیمی ہونے کی نفی، سو اُس کا جواب سمجھنے سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ سنّتِ ابراہیمی کا کیا مطلب ہے؟ لفظ سنّت کے معنی طریقہ کے ہیں، کسی فعل کو کسی شخص کی طرف منسوب کر کے یہ کہنا کہ یہ فلاں شخص کی سنّت ہے، اس کے دو مطلب ہوتے ہیں، ایک یہ کہ

---

[1] قرآنی فیصلے، ص ۶۵۔

وہ فعل صرف اسی شخص نے کیا ہے، اس سے پہلے کسی سے اس فعل کا صدور نہیں ہوا، دوسرے یہ کہ وہ فعل صرف اس نے تو نہیں کیا بلکہ اس سے پہلے لوگوں سے بھی اسکا صدور ہوا ہے، لیکن اس نے اس فعل کو ایک خاص وقت میں ایک خاص کیفیت وشان سے ادا کیا ہے جس کی وجہ سے اس فعل کو اس شخص کی سنت قرار دیا گیا، لہٰذا اگر کوئی دوسرا شخص اس فعل کو اسی خاص وقت میں اسی خاص کیفیت وشان سے ادا کرتا ہے تو یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص کی سنت (طریقہ) اپنایا ہے، اب دوسرے معنیٰ کو مدِ نظر رکھتے ہوئے غور کیجئے کہ ہم جس مہینہ اور جس دن جس شان وشوکت سے قربانی کرتے ہیں، کیا وہ وہی مہینہ اور وہی دن نہیں ہے جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی شان وشوکت سے قربانی کی تھی؟ اگر ہے اور بیشک ہے تو پھر اسے سنتِ ابراہیمی کہنے پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟ اور قربانی کو سنتِ ابراہیمی اس دوسرے معنیٰ کے اعتبار سے کہا جاتا ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دامت برکاتہم نے اپنے رسالہ "تاریخ قربانی" میں اس کو دوسرے انداز میں بیان فرمایا ہے، انھوں نے قربانی کے سنتِ ابراہیمی ہونے پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

"اللہ تعالیٰ نے اپنے اس مقبول رسول اور خلیل اللہ کے ان اعمال وافعال کو پسند فرما کر قیامت تک اُن کی یادگار کو زندہ رکھنے کیلئے ان افعال واعمال کی نقل کرنے کو اپنی محبوب عبادت قرار دیکر اسے اپنے بندوں پر لازم کر دیا جس طرح واجباتِ حج میں تینوں جمرات پر کنکریاں مارنا اسی خلیل الٰہی عمل کی یادگار ہے، حجاج پر خصوصاً اور عام مسلمانوں پر عموماً جانوروں کی قربانی اس یادگار کو زندہ رکھنے کیلئے لازم کیگئی ہے جس طرح صفا ومروہ کے درمیان دوڑنا اور سات چکر لگانا حضرت ہاجرہؓ کے عمل کی ایک یادگار ہے، اسکو بھی واجباتِ حج میں داخل کر دیا گیا"[1]

حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کی اس بات کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ خلیل الٰہی کارناموں میں سے صرف قربانی ہی ایک ایسا کارنامہ ہے جسے قرآن حکیم نے شعائر اللہ میں سے ہونیکا اعلان کیا جیسا کہ سورۂ حج میں ارشاد ہے:- "وَالْبُدْنَ جَعَلْنَاهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَائِرِ اللَّهِ" باقی کارناموں کو شعائر اللہ میں شمار نہیں کیا، وجہ اسکی یہ ہے قربانی کے علاوہ باقی کارنامے زمان ومکان دونوں کے ساتھ مخصوص ہیں، ہر مکان میں اسکو انجام نہیں دیا جا سکتا، اسکے برخلاف قربانی صرف زمان کے ساتھ مخصوص ہے، مکان کے ساتھ نہیں، اس لئے اسکو صرف اس مخصوص زمان میں ہر مکان میں انجام دیا جا سکتا ہے، اسی لئے اسکو

---

[1] تاریخ قربانی مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم، مطبع ادارۃ المعارف دار العلوم کراچی ص۱۴

شعائر اللہ میں سے شمار کیا، لہٰذا قربانی کو جو شعائر اللہ میں سے ہے اور جو درحقیقت خلیل اللہ کی کارنامہ کی یادگار ہے، سنّتِ ابراہیمی نہیں تو اور کیا کہا جاسکتا ہے؟

(۵) اب تک تو پرویز صاحب نے قرآنی حقائق کو جھٹلانے کی کوشش کی تھی، لیکن اس پر بس نہیں کیا، بلکہ آگے تاریخی حقائق کو بھی جھٹلانے کی ناکام کوشش کی، اس سلسلہ میں اُنکی عبارت ملاحظہ کیجئے:۔

"تاریخ سے بھی پتہ چلتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مدینہ میں قربانی نہیں کی، بلکہ جب حج کے لئے تشریف لے گئے تو وہاں جاکر قربانی کی"[1]

اس مقام پر پرویز صاحب نے حقائق پوشی کی، وہ مثال قائم کر دی جس کی نظیر پیش کرنے سے تاریخ بھی عاجز ہے، تاریخ کی جن کتابوں میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا حج کے لئے تشریف لے جانے اور وہاں جاکر قربانی کرنے کا ذکر ہے، اُن کتابوں میں اس کا بھی ذکر ہے کہ آپؐ نے مدینہ میں بھی قربانی کی،[2] ذیل میں ہم اسکی صرف چند مثالیں پیش کرتے ہیں:۔

(۱) ابن اثیر، تاریخ الکامل میں دوسری ہجری کے واقعات میں سے غزوۂ بنی قینقاع کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

ثم انصرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحضر الاضحیٰ وخرج الی المصلیٰ فصلّی بالمسلمین وھو اوّل صلوٰۃ عید صلّاھا وضحّیٰ فیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشاتین وقیل بشاۃ وکان اوّل اضحی راٰہ المسلمون وضحی معہ ذو الیسار[3] (پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (غزوۂ بنی قینقاع سے) واپس ہوئے، اور قربانی کا زمانہ بھی آپہنچا، آپؐ عیدگاہ کی طرف نکلے اور مسلمانوں کو (عید کی) نماز پڑھائی، اور یہ عید کی پہلی نماز تھی، جو پڑھی گئی، اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک روایت کیمطابق) دو بکریوں کی، اور دوسری روایت کے مطابق ایک کی قربانی دی، اور یہ سب پہلی قربانی تھی، جسے مسلمانوں نے دیکھا، اور آپؐ کے ساتھ مالدار لوگوں نے بھی قربانی کی،

---

[1] قرآنی فیصلے ص ۵۵، [2] البدایہ والنہایہ لابن کثیر ص ۲۵۶ ج ۳ مطبعۃ السعادۃ بجوار محافظۃ مصر
[3] الکامل لابن الاثیر الجزری ص ۵۲ ج ۲،

(۲) الطبقات ابن سعد میں اس کی بھی صراحت ہے کہ آپ نے اس موقع پر لوگوں کو قربانی کرنے کا حکم دیا، وَصَلَّى الْعِيْدَ يَوْمَ الْاَضْحٰى وَاَمَرَ بِالْاُضْحِيَةِ وَاَقَامَ بِالْمَدِيْنَةِ عَشْرَ سِنِيْنَ يُضَحِّيْ كُلَّ عَامٍ[1] (اور یوم الاضحیٰ کے دن عید کی نماز پڑھی اور لوگوں کو قربانی کا حکم دیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم دس سال مدینہ میں رہے، اور ہر سال قربانی بھی کرتے رہے)

ان کے علاوہ ابن خلدون نے اپنی تاریخ[2] میں اور علامہ نور الدین سمہودی نے اپنی کتاب "وفاء[3] الوفاء باخبار دار المصطفیٰ" اور ملا علی قاری نے مرقات[4] شرح مشکوٰۃ میں بھی یہی تصریح کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲ھ میں عید کی نماز پڑھی اور قربانی بھی کی۔

ہم نے یہاں صرف چند کتابوں کا حوالہ دیا ہے، ورنہ تاریخ کی چھوٹی بڑی کوئی کتاب اس سے خالی نہیں، تاریخ کی اس طرح بے غبار اور واضح تصریحات کی موجودگی میں پرویز صاحب کا یہ دعویٰ کہ تاریخ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ میں قربانی کرنے کا ذکر نہیں ملتا، یا تو ۔۔۔ پر مبنی ہے کہ انھوں نے یہ بات تاریخ کا مطالعہ کئے بغیر کہی ہے یا ان کا مقصد تاریخی حقائق کو چھپانے کی ناپاک کوشش ہے

---

[1] الطبقات الکبریٰ لابن سعد، ص ۱۳، ج ۲، مطبعۃ لجنۃ نشر الثقافۃ الاسلامیۃ بالقاہرہ ۱۳۵۸ھ

[2] تاریخ ابن خلدون، ص ۹۵۷، ج ۲، دار الکتاب اللبنانی ۱۹۵۶ء۔

[3] وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ لنور الدین السمہودی، ص ۲۷۹، ج ۱، المکتبۃ العلمیہ بالمدینۃ المنورۃ ۱۳۲۶ھ، [4] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، ملا علی القاری، ص ۲۸۴، ج ۳، مکتبہ امدادیہ ملتان

عشرۂ ذی الحجہ کی فضیلت

فقیہ ابواللیث سمرقندیؒ اپنی سند کیساتھ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سال بھر میں کوئی دن ایسا نہیں ہے جسمیں نیک عمل اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہو جتنا ان دس دنوں میں پسند ہے، صحابہ نے عرض کیا، کیا جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں؟ آپ نے فرمایا جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں، مگر یہ کہ کوئی شخص جہاد کیلئے اپنا مال وجان لیکر نکلا اور کچھ بھی واپس لیکر نہ آیا (جان و مال اللہ کے راستہ میں نثار کر دیا) ــــ حضرت جابر ابن عبداللہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ کوئی دن اللہ کے نزدیک ان دس دنوں سے زیادہ افضل ومحبوب نہیں ہے۔ عرض کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کا دن بھی نہیں؟ آپ نے فرمایا، ہاں جہاد کا دن بھی نہیں، مگر وہ شخص جس کی سواری کی کوچیں کاٹ ڈالی گئی ہوں اور جس کا چہرہ گرد وغبار سے آلودہ ہو۔

ایک روایت میں ہے کہ جس کے گھوڑے کی کوچیں کاٹ ڈالی گئی ہوں اور جس کا خون بہا دیا گیا ہو اور اسے شہید کر دیا گیا ہو ــــ ام المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک جوان تھا جو راگ، گانا سنا کرتا تھا، لیکن جب ذی الحجہ کا چاند ہو جاتا تو روزہ رکھنا شروع کر دیتا، یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی۔ آپ نے اُسے بُلا بھیجا اور اس سے دریافت کیا کہ تم ان دنوں میں (اپنے عام مشغلہ کے خلاف) کیوں روزہ رکھتے ہو۔ اس نے عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، اے اللہ کے رسول، یہ حج کا مہینہ ہے۔ حجاج دور دور سے آکر عرفات میں جمع ہوتے اور دعائیں کرتے ہیں، تو شاید اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان کی دعاؤں میں شریک کر دیں (اور ان کے ساتھ میری بھی دعا قبول ہو جائے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنکر فرمایا کہ تمھارے لیے ہر دن روزہ رکھنے کے عوض سو غلام آزاد کرنے اور سو اونٹ ذبح کرنے اور جہاد میں سو شریک ہونے والوں کی گھوڑوں سے امداد کرنے کے برابر ثواب ہوگا۔ اور جب یوم ترویہ یعنی ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ ہوتی ہے تو اس دن کے روزہ کا ثواب ہزار غلام آزاد کرنے اور ہزار اونٹ قربانی کرنے اور مجاہدین میں سے ہزار کو گھوڑے پر سوار کرنے کے برابر ملیگا، پھر جب ذی الحجہ کی نویں تاریخ ہوتی ہے یعنی عرفہ کا دن تو اس دن روزہ رکھنے کا اجر دو ہزار غلام آزاد کرنے اور دو ہزار اونٹ قربانی کرنے اور دو ہزار انسانوں کو جہاد کرنے کیلئے گھوڑا دینے کے برابر ہوگا، اس روزہ کا ثواب ایسا ہے جیسے دو سال کا روزہ ایک سال گذشتہ کا اور ایک سال آئندہ کا

ایک دوسری روایت میں ہے کہ عرفہ کے دن کا روزہ (یعنی ۹ ذی الحجہ کا) اجروثواب میں دو سال کے روزہ کے برابر ہے اور عاشورہ کے روزے کا یعنی دسویں محرم کا ثواب ایک سال کے روزے کے برابر ہے۔

حضرت ابو الدرداؓ سے مروی ہے، فرمایا کہ لوگو! اپنے اوپر ان دس دنوں کے روزوں کو لازم کرلو۔ اور ان ایام میں دعا و استغفار اور صدقہ کثرت سے کیا کرو، میں نے تمہارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے فرماتے تھے، ویل اور افسوس ہے اسپر جو ان دنوں میں خیر سے محروم رہا، اور اپنے اوپر نویں ذی الحجہ کا روزہ تو لازم ہی کرلو اسلئے کہ اسمیں بے حد خیرات (نیکیاں) ہیں جو شمار سے باہر ہیں۔

ابو اللیث سمرقندیؒ اپنی سند کیساتھ ابن عبید ابن عمر لیثیؒ سے نقل کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں:۔ کہ ہمیں یہ بات پہونچی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عشرۂ ذی الحجہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام کے واسطے سے پانچ دعائیں ہدیہ کے طور پر بھیجی تھیں، ایک یہ تھی:۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ حَيٌّ لَا يَمُوْتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (نہیں ہے کوئی معبود سوا اللہ کے جو اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں ملک اسی کا ہے وہی لائق ستائش ہے وہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے وہ زندہ ہے اسے موت نہیں، اسی کے ہاتھ بھلائی ہے اور وہ ہر شے پر قادر ہے) دوسری دعا یہ تھی:۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ اِلٰهًا وَّاحِدًا اَحَدًا صَمَدًا لَمْ يَتَّخِذْ لَهٗ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا (میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں تنہا معبود ہے یکتا ہے نہ اس نے بیوی بنائی نہ لڑکا) تیسری دعا یہ تھی:۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ اَحَدٌ صَمَدٌ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ (میں گواہی دیتا ہوں کہ نہیں کوئی معبود سوا اللہ کے جو تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں یکتا ہے بے نیاز ہے نہ اس نے جنا اور نہ جنا گیا اور نہ اس کا کوئی مثل اور برابر ہے) چوتھی دعا یہ تھی:۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ حَيٌّ لَا يَمُوْتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (میں گواہی دیتا ہوں کہ نہیں کوئی معبود سوا اللہ کے جو تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں ملک اسی کا ہے وہی لائق ستائش ہے۔ جلاتا ہے اور مارتا ہے وہ زندہ ہے اسے موت نہیں اسی کے ہاتھ میں بھلائی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اور پانچویں دعا یہ تھی :۔

حَسْبِیَ اللّٰہُ وَکَفٰی سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ دَعَا وَلَیْسَ وَرَاءَ اللّٰہِ الْمُنْتَھٰی (اللہ مجھے بس ہے، اور کافی ہے، سُن لیا اللہ نے اس کی جس نے اسے بلایا اور نہیں ہے اللہ کے ورے کوئی حد اور انتہا)

اور ذکر کیا گیا ہے کہ یہ سب کلمات انجیل میں نازل کئے گئے تھے، حواریین نے حضرت عیسیٰؑ سے ان کی فضیلت کے بارے میں دریافت کیا تھا، بس ان سے ان کا یہ اجر و ثواب بتایا گیا کہ جو شخص ان کلمات کو ذی الحجہ کے دس دنوں میں پڑھے تو اس کو اتنا اجر ملے گا کہ انسان اسکی مقدار اور اس کا وصف بیان کرنے سے قاصر ہے۔

حضرت ابو النضرؒ ہاشم ابن قاسم جو اس حدیث کے ایک راوی ہیں، کہتے ہیں کہ مجھ سے ایک شخص نے اپنا واقعہ بیان کیا کہ اس نے ایام عشر میں ان کلمات کو پڑھا تھا اور دعا کی تھی تو شب کو خواب میں دیکھا کہ گھر میں پانچ طباق نور سے پُر ایک کے اوپر ایک کرکے رکھے ہوئے ہیں۔

حضرت مجاہد حضرت عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان دس دنوں سے بڑھ کر نہ تو کوئی دن ہے نہ کسی دن میں عمل کرنا اللہ تعالےٰ کے نزدیک ان دنوں سے زیادہ محبوب ہے۔

لہٰذا اے لوگو! ان ایام میں زیادہ سے زیادہ خدا کی بڑائی بیان کیا کرو (تکبیر کہا کرو) اور اللہ تعالیٰ کی حمد کیا کرو اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ پڑھا کرو۔

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ آپ اس عشرہ کے سب دنوں میں بہت تکبیر کہا کرتے تھے اپنے بستر پر بھی اور اپنی مجلس میں بھی اور حضرت عطاء بن ابی رباح کا معمول یہ تھا کہ وہ اس عشرہ میں راستے میں تکبیر کہتے چلتے تھے اور بازاروں میں کہتے ہوئے گذرتے تھے۔

اور جریر بن یزید روایت کرتے ہیں کہ حضرت سعید بن جبیرؒ اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰؒ جب جس کو بھی ہم نے بقرعید کے دن اور ایام تشریق میں دیکھا تو یہی دیکھا کہ وہ تکبیر پڑھ رہے اور کہہ رہے ہیں کہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ

حامل مضامین تصوف و عرفان • افادات وصی اللٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیر سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین حضرت مصلح الامۃ

مدیر:۔ احمد مکین

شمارہ ۶ ذی الحجہ ۱۴۱۲ھ مطابق جون ۹۲ء ۔ جلد ۱۵

قیمت فی پرچہ:۔ پانچ روپیہ سالانہ زر تعاون پچپن روپیہ ششماہی تیس روپیہ

سالانہ بدل اشتراک:۔ پاکستان سو روپیہ ۔ غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ

مولوی احمد مکین ۔ ۲۵/۲۳۔ بخشی بازار

الہ آباد ۲۱۱۰۰۳

فون ۶۰۴۷۹۸

پرنٹر۔ پبلشر:۔ صغیر حسن۔ :۔ اسرار کریمی پریس۔ حسین گنج الہ آباد

ترتیب

۱	مسلمانوں کی معاشرتی زبوں حالی کا سبب (ادارہ) تنویر السالکین	مولانا محمد حنیف صاحب	۳-۴
۲	نجات المسلمین	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ	۶
۳	مجالس مصلح الامۃ (مال کی شرعی حیثیت) محی السنۃ	حضرت مولانا الشاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ	۹
۴	اخلاص اور اسکے ثمرات	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ	۲۰
۵	مکتوبات اصلاحی	مصلح الامۃ حضرت مولانا الشاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ	۲۵
۶	المرابط	حکیم الامۃ حضرت مولانا الشاہ اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ	۳۳
۷	کمالات اشرفیہ	حضرت مولانا محمد عیسیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ	۴۱

گذارش

رسالہ ہر ماہ کی دس تاریخ کو سپرد ڈاک کیا جاتا ہے۔ اگر رسالہ آخر ماہ تک موصول نہ ہو تو ادارہ کو فوراً مطلع فرمائیں تاکہ دوبارہ بھیجا جاسکے، ورنہ بصورت دیگر ادارہ ذمہ دار نہ ہوگا۔ منی آرڈر کوپن پر اپنا پورا پتہ اور خریداری نمبر ضرور لکھیں!

انتباہ

دفتر سے رسائل پورے اہتمام سے سپرد ڈاک کئے جا رہے ہیں جن احباب کو رسالہ نہیں پہنچ رہا ہے وہ اپنا پتہ صاف صاف تحریر فرمائیں اور پن کوڈ ضرور لکھیں۔

مسلمانوں کی معاشرتی زبوں حالی کا سبب

سیدنا حضرت مصلح الامتؒ نے ارشاد فرمایا کہ مشائخ محققین فرماتے ہیں کہ علم شریعت حاصل کرنا لازم ہے چنانچہ حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ :-

علم شریعت کو لازم پکڑو کیونکہ شریعت ہی تمھاری وہ کشتی ہے کہ جب اس میں رخنہ پڑ جائے تو تم بھی ہلاک ہوگے اور جتنے بھی اسمیں سوار ہیں وہ سب ہلاک ہونگے اور تم سے اپنی رعیت میں حدود الٰہیہ کے قائم کرنے کے متعلق باز پرس ہونے والی ہے۔

اب دیکھتا ہوں کہ اسی شریعت کے چھوڑنے کی وجہ سے تمام گھر تباہ ہیں، اگر یہ بزرگان دین شریعت کے تحفظ میں اسقدر زوردار کلام نہ فرماتے تو لوگ راستہ ہی چھوڑ دیتے کیونکہ جب کسی بات کو کہا ہی نہ جائیگا تو عمل کے ساتھ ساتھ لوگوں سے اس کا علم بھی رخصت ہو جائے گا، بزرگان دین نے اس سلسلہ میں بڑی محنت اور بڑا تعب اٹھایا ہے اور آپکے رستہ سے ہٹنے نہیں دیا ہے، دین کے تحفظ اور بقاء کا ذریعہ اتباع شریعت ہے، اگر شریعت کی اتباع نہ کیجائیگی تو دین ہی بدل جائے گا، جو شخص جس چیز کو چاہے گا دین میں داخل کرے گا۔

میں نے ایک مصری عالم کو حرم شریف میں وعظ کہتے ہوئے سنا، ان کا وعظ مجھے بہت پسند ہوا، چنانچہ میں نے اس کو یاد کرلیا، انھوں نے کہا کہ سنو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسلئے تشریف لائے تھے کہ تمھارے دین اور دنیا کو درست فرمائیں، چنانچہ آپنے دونوں زندگیوں کی صلاح و فلاح کیلئے اصول تعلیم فرمائے، پس جس نے دونوں جہاں سے متعلق آپکے ارشادات کی تصدیق کی، وہ دونوں جہاں میں کامیاب ہوا۔ اور جس نے صرف آخرت کے متعلق یا صرف دنیا کے متعلق آپکی تصدیق کی وہ اسی قدر کامیاب رہا۔ تم نے بھی آخرت سے متعلق امور میں تو آپ کی تصدیق کی، لہذا آخرت میں اس کا فائدہ بھی دیکھ لوگے۔ لیکن دنیاوی زندگی کے متعلق تم نے آپ کی تصدیق نہیں کی، جس کا نتیجہ بھی تم آج اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو۔ ہر ایک دوسرے کی طرف سے گال پھلائے ہوئے ہے، باپ کو بیٹے سے شکایت ہے، ماں بیٹی میں جنگ ہے، دوست دوست میں اختلاف ہے، غرض کوئی کسی سے خوش نہیں، دنیا کی زندگی دوزخ کا نمونہ ہو گئی ہے، اسکے بعد انھوں نے کہا کہ اور یہ تو وہ عذاب ہے جو تم یہاں دیکھ رہے ہو باقی اس سے قیاس کرلو کہ آخرت میں کیسا عذاب بھگتنا پڑے گا، اس کے لئے تیار رہو۔

(ادارہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ شام میں ایک یہودی رہتا تھا، وہ سنیچر کو توریت
...ھا کرتا تھا، جب اس نے اسے کھولا اور دیکھا تو اس میں چار جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی
...ت اور صفت اور حلیہ لکھا ہوا پایا، چنانچہ اس نے ان کو کاٹ کر جلا دیا۔ پھر جب دوسرا سنیچر
...ا تو اسے آٹھ جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت وصفت ملی، اس نے ان جگہوں کو بھی کا
...یا اور جلا دیا۔ اور جب تیسرے سنیچر کو اس نے توریت کھولا تو اس کو بارہ جگہ رسول اللہ صلی اللہ
...یہ وسلم کی نعت وصفت ملی۔ اب یہ فکر و تردد میں پڑ گیا کہ اگر اسی طرح میں نعت وصفت
...سول کو توریت سے کاٹتا اور جلاتا رہا تو ساری توریت ہی اُن کی نعت ہو جائیگی۔ چنانچہ اس نے اپنے
...دوستوں سے دریافت کیا کہ محمد کون ہیں، لوگوں نے بتایا کہ وہ ایک جھوٹے آدمی ہیں، تمھارے لئے یہی
...بہتر ہے کہ نہ تم انھیں دیکھو اور نہ وہ تم کو دیکھیں، تب اس نے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام کے توریت
...کی قسم تم مجھے ان کی زیارت سے مت روکو، تب اس قسم کے بعد ان لوگوں نے اسے سفر کی اجازت
...دیدی اور وہ اپنی سواری پر سوار ہوا اور منزل بہ منزل رات اور دن چلتا رہا۔ جب مدینہ کے قریب
...پہونچا تو سب سے پہلے حضرت سلمانؓ کا سامنا ہوا، یہ خوبصورت آدمی تھے، یہودی نے خیال کیا کہ یہی
محمد ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) حالانکہ آپ تین ہی دن پہلے دنیا سے رحلت فرما چکے تھے (تو اس نے حضرت
سلمانؓ سے کہا، کیا آپ ہی محمدؐ ہیں) اس سے حضرت سلمانؓ پر گریہ طاری ہو گیا اور فرمایا میں تو ان کا
غلام ہوں، یہودی نے کہا کہ وہ کہاں ہیں، حضرت سلمانؓ سوچ میں پڑ گئے اور دل میں کہا اگر کہتا ہوں
...کہ آپؐ کا وصال ہو گیا تو لوٹ جائیگا، اور اگر کہتا ہوں کہ زندہ ہیں تو یہ بات جھوٹ ہوگی، بالآخر حضرت سلمانؓ
نے فرمایا کہ میرے ساتھ چلو تاکہ آپؐ کے اصحاب سے ملاقات کریں، حضرت سلمانؓ مسجد میں داخل ہو گئے، وہاں سبھی
اصحاب غم میں ڈوبے ہوئے تھے، مجمع دیکھکر یہودی نے کہا السلام علیک یا محمد یہ خیال کر کے کہ انھیں میں آپؐ ہونگے۔
یہ سنکر صحابہ پھوٹ پھوٹ کر روئے اور پوچھا کہ تم کون ہو، تم نے تو ہمارے زخم کو تازہ کر دیا
تم اجنبی اور پردیسی معلوم ہوتے ہو، تمھیں حالات کا علم نہیں، ان کو دنیا سے رحلت فرمائے ہوئے
تین دن ہو گئے، یہ سنکر وہ یہودی چلا اٹھا، ہائے غم، میرا سفر اکارت گیا، کاشکہ میری ماں مجھے
نہ جنتی اور اس نے جنا ہی تھا تو میں توریت نہ پڑھتا، اور جب پڑھا تھا تو نعت اور صفت رسول
نہ دیکھی ہوتی، اور جب نعت دیکھی تو کاش انھیں بھی دیکھ لیا ہوتا۔ پھر اس نے پوچھا، کیا علی یہاں پر

ہیں جو مجھ سے نعت اور حلیہ بیان کریں۔ حضرت علیؓ نے کہا کہ ہاں موجود ہوں۔ اس نے پوچھا کہ تمہارا نام کیا ہے، حضرت نے فرمایا کہ (میرا نام) علی ہے، تو اس نے کہا کہ میں نے ان کا نام توریت میں لکھا ہوا پایا ہے۔ اس کے بعد حضرت علیؓ نے بیان کرنا شروع کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ بہت دراز قد تھے نہ پستہ قد، سرمبارک گول تھا، پیشانی کشادہ اور آنکھیں نہایت سیاہ تھیں، بھویں دراز و باریک تھیں۔ جب آپ ہنستے تھے تو ریخوں سے چھن چھن کر نور نکلتا تھا۔ سینے سے لیکر ناف تک بالوں کی ایک باریک لکیر تھی ہتھیلیاں پُرگوشت اور نرم تھیں، پیروں کے تلوے ذرا گہرے تھے، دونوں مونڈھوں کے درمیان مہر نبوت تھی۔

یہ سنکر وہ یہودی بولا، آپ نے ٹھیک بیان کیا، اے علی! ایسی ہی نعت میں نے توریت میں دیکھی ہے۔ کیا کوئی لباس آپ کا موجود ہے، جسے میں سونگھوں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا، اے سلمانؓ فاطمہؓ کے پاس جائیے اور ان سے کہیے کہ اپنے والد ماجد رسول اللہؐ کا جبۂ مبارک میرے پاس بھیج دیں۔ سلمانؓ حضرت فاطمہؓ کے دروازہ پر آئے اور عرض کیا، اے باب فخر انبیار، اے باب زینت انبیار! اس وقت حضرت حسنؓ وحسینؓ رو رہے تھے اسی حال میں حضرت سلمانؓ نے دروازہ کھٹکھٹایا، تو حضرت فاطمہؓ نے فرمایا کون ہے جو یتامیٰ کے دروازے کو کھٹکھٹاتا ہے۔ حضرت سلمانؓ نے فرمایا، میں سلمان ہوں حضرت علی نے جو کچھ فرمایا تھا اسکو بیان کیا، تب حضرت فاطمہ رو پڑیں اور فرمایا، کون ہے جو میرے والد کے جبہ کو زیب تن کرے گا، پھر جب پورا قصہ سُن لیا تو جبہ نکال کر دیدیا، دیکھا گیا تو وہ سات جگہ کھجور کی پتیوں سے سلا ہوا تھا، حضرت علیؓ نے اسے لیا اور سونگھا، پھر صحابہ نے لیا اور سونگھا، پھر اسے یہودی نے لیا اور سونگھا اور کہا یہ کتنی عمدہ اور پاکیزہ خوشبو ہے! پھر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر پر گیا اور اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا اور کہا اے میرے رب میں گواہی دیتا ہوں کہ تو ایک اکیلا بےمثل رب بے نیاز ہے، اور گواہی دیتا ہوں کہ یہ صاحب قبر تیرے رسول اور تیرے حبیب ہیں۔ اور جو کچھ انھوں نے فرمایا میں اسکی تصدیق کرتا ہوں، اے اللہ اگر تو نے میرا اسلام قبول کر لیا تو ابھی میری روح قبض کر لے، پھر وہ زمین پر گرا اور جان جاں آفریں کے سپرد کر دی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اسے غسل دیا اور مقام بقیع میں دفن کر دیا۔ اللہ ان پر رحم فرمائے اور ہمو صالحین میں شامل فرمائے۔ آمین۔

خاتمہ در فدیۂ نار جہنم

یعنی وہ اعمال جن کے متعلق روایات حدیث یا مشائخ سلف کے کشف و تجربے سے ثابت ہے کہ جو شخص یہ عمل کرے یا جس کے لئے کیا جائے اس کے واسطے جہنم کی آگ سے فدیہ بن جائیگا ان میں اکثر اعمال کے متعلق روایات حدیث بھی ذکر کی گئی ہیں، مگر اُن میں سے بعض موضوع ناقابل اعتبار ہیں، اور بعض شدید الضعف اور بعض ضعیف، لیکن مشائخ ارباب کشف وولایت نے ان اعمال کو نہایت مجرب وصحیح بتلایا اور اپنے دوستوں کو اسکی تاکید فرمائی کہ اپنے لئے اور اپنے مرنے والے اعزا واقربا کیلئے ان کو پڑھا کریں اور صلحائے امت نے ان کو اختیار کیا ہے، اسلئے بحیثیت حدیث ہونے کے نہ سہی ان مشائخ کرام کا معمول ومجرب ہونے کی حیثیت سے ان اعمال و وظائف کو غنیمت کبریٰ سمجھنا چاہیئے۔ مختصراً ان کا بیان یہ ہے:-

اوّل۔ کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ستر ہزار مرتبہ پڑھنا بہتر یہ ہے کہ ایک ہی وقت اور ایک ہی مجلس میں ہو اور مختلف ایام اور مختلف مجالس میں پڑھ لینا بھی اس مقصد کیلئے کافی اسکے ساتھ ہر سو مرتبہ کے بعد مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ اور شروع میں اس کے ساتھ دو چار مرتبہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بھی ملایا جائے۔ یہ وظیفہ جو شخص پڑھے اور جس کے لئے پڑھوایا جائے، انشاء اللہ تعالیٰ عذاب آخرت سے نجات پائے گا (شفاء الاسقام)

دوم۔ سورۂ اخلاص ایک ہزار مرتبہ پڑھنا اور ہر مرتبہ یا کم از کم شروع میں اس کے ساتھ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط پڑھنا (شفاء الاسقام)

سوم۔ ایک ہزار مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ پڑھنا اور اس کے لئے بہتر وقت صبح کا ہے (شفاء الاسقام)

چہارم۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ چالیس مرتبہ پڑھنا (شفاء الاسقام)

پنجم۔ چار مرتبہ صبح یا شام کو یہ دعا پڑھنا اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَصْبَحْتُ اُشْھِدُکَ وَ

أُشْهِدُ حَمَلَةَ عَرْشِكَ وَمَلٰئِكَتَكَ وَجَمِيْعَ خَلْقِكَ إِنَّكَ أَنْتَ اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ وَحْدَكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ وَ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَرَسُوْلُكَ (اے اللہ میں نے صبح کی آپ کو گواہ بناتا ہوں اور آپ کے عرش کو اٹھانے والوں کو اور آپ کے ملائکہ کو اور آپ کی تمام مخلوق کو اس بات کا کہ آپ اللہ ہیں، کوئی معبود نہیں ہے مگر آپ تنہا، آپ کا کوئی شریک نہیں اور بیشک محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے بندے اور آپ کے رسول ہیں)

اس دعا کے فدیۂ نارِ جہنم ہونے کے متعلق روایت حدیث کی بحثہ ہے، ابوداؤد نے سند جید کے ساتھ روایت کی ہے۔

ششم۔ ایک ہزار مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنا، درود شریف کے الفاظ احادیث میں متعدد و مختلف وارد ہوئے ہیں، اُن میں سے جس کو بھی اختیار کرے کافی ہے، اور سب سے افضل وہ الفاظ درود ہیں جو نماز میں پڑھے جاتے ہیں۔[1]

ہفتم۔ صبح کی نماز کے بعد ایک ہزار مرتبہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ پڑھنا۔

ہشتم۔ سولہ ہزار چھ سو اکتالیس (۱۶۶۴۱) مرتبہ یَا لَطِیْفُ پڑھنا۔ یہ وظیفہ بھی فدیۂ عذاب جہنم ہونے کے علاوہ اور بھی بہت سے مقاصدِ دینی و دنیوی کیلئے مفید و مجرب ہے۔ وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَیْہِ التُّکْلَانُ۔

فائدہ مہمہ در اعمال مجربہ برائے دفع بلاء و مصائب — آج کل چونکہ مسلمان عام طور پر حوادث و مصائب کے طوفان سے گزر رہے ہیں ہر طرف خوف و ہراس پھیلا ہوا ہے، مناسب معلوم ہوا کہ اس جگہ بعض وہ اعمال بھی لکھ دیئے جائیں جو تجربہ سے ایسی بلاؤں کے دفع کرنے اور مسلمانوں کا قلب مضبوط کرنے اور دشمنوں کے شر سے محفوظ رہنے کے لئے علماء و مشائخ کے مجرب معمولات ہیں۔

اوّل۔ سورۂ لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ کسی نماز کے بعد اکتالیس (۴۱) مرتبہ پڑھنا۔

---

[1] میرے عزیز محترم مولوی سید حسن صاحب مدرس دارالعلوم دیوبند نے اپنے رسالہ "مہب النسیم علی نفحات الصلوٰۃ والتسلیم" میں یہ تمام الفاظ مع فضائل و احکام درود شریف نہایت عمدہ ترتیب سے جمع کر دیئے ہیں، اس رسالہ کا مطالعہ بھی نہایت مفید ہے ۱۲ محمد شفیع عفی عنہ۔

دوم ۔ بعد نماز صبح و مغرب سات مرتبہ یہ دعا پڑھنا حَسْبِیَ اللّٰہُ لَآ إِلٰہَ إِلَّا هُوَ عَلَیْهِ تَوَکَّلْتُ وَ هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ (اللہ مجھ کو کافی ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اسی پر میں نے بھروسہ کیا، وہ عرش عظیم کا مالک ہے)

سوم ۔ ایک ہزار مرتبہ حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ وَ لَاحَوْلَ وَ لَا قُوَّۃَ إِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ (اللہ ہم کو کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے اور حالات کو بدلنے والی ہر قسم کی طاقت و قوت صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے جو بلندیوں اور عظمتوں کا مالک ہے) پڑھ کر اپنے مقصد کیلئے دعا مانگنا۔

چهارم ۔ کتاب حصن حصین مصنفہ امام جزریؒ ختم کرکے دعا مانگنا۔

پنجم ۔ صحیح بخاری ختم کرکے دعا مانگنا۔

ششم ۔ اسمائے بدریین پڑھکر دعا مانگنا

هفتم ۔ حزب البحر روزانہ پڑھنا۔ نیز ان حالات میں کثرت استغفار و صدقہ و خیرات بہت زیادہ نافع و مجرب ہے۔ حق تعالیٰ ہمارے گناہوں سے درگذر اور ہمارے اعمال کی اصلاح فرمادیں، آمین! اور ہر جگہ مسلمان کو امن و عافیت اور عزت و قوت ثبات قدم عطا فرمادیں —— حسبی اللہ ونعم الوکیل وما توفیقی إلّا باللہ العلی العظیم

الحمد للہ علی احسانہ رسالہ "نجات المسلمین ضمیمہ حیات المسلمین" آج ۔ محرم ۱۳۶۷ھ شب پنجشنبہ بمقام سہارنپور تمام ہوا۔ والحمد للہ الذی بعزتہ وجلالہ تتم الصالحات.

بندہ محمد شفیع دیوبندی عفا اللہ عنہ

(یعنی جس طرح ذکر اللہ، نوافل تہجد وغیرہ طاعات فاضلہ سے عجب، خود پسندی، دوسروں کی تحقیر جیسے رذائل پیدا ہونے لگیں تو ان عبادات فاضلہ کی مذمت نہیں کیجاتی، بلکہ ان رذائل کی مذمت کیجاتی ہے، اور ان کے دور کرنے کا حکم کیا جاتا ہے اور بذات خود وہ عبادات محمود اور باعث اجر ہی قرار دیجاتی ہیں)

اسی طرح یہاں بھی نفس مال کی مذمت نہیں کیجانی چاہئے بلکہ اس سے پیدا ہونیوالے مفاسد اور اثرات بد کے ازالہ کا اہتمام کیا جانا چاہئے)

اور اسکا مسنون طریقہ یہی ہے کہ آدمی اپنے اندر اللہ تعالیٰ کا تقویٰ پیدا کرے کیونکہ اسی کی وجہ سے آدمی کے اندر اعتدال پیدا ہوتا ہے مال کا نشہ ختم ہوجاتا ہے اور وہ اسکو توشۂ آخرت بنالیتا ہے۔

پس جس طرح سے دنیا اپنے آثار سیٔہ (برے اثرات) کی بنا پر مذموم ہوجاتی ہے مثلاً انسان اسمیں منہمک ہوکر تکالیف شرعیہ اور احکام الٰہیہ ہی کو ترک کردے۔ اسی طرح سے کبھی وہ ذریعہ بھی بنتی ہے ماموربہ پر عمل کرنے کا۔ لہذا اس جہت سے وہ بھی مطلوب و ماموربہ ہوجاتی ہے۔ اس مسئلہ کو صاحب موافقات نے عمدہ بیان کیا ہے۔

فرماتے ہیں کہ:-

انا اذا نظرنا الى كونه وسيلة فليس تركه افضل بالاطلاق بل هو ثلاثة اقسام۔

قسم يكون ذريعة الى منهى عنه فيكون من تلك الجهة مطلوب الترك۔

وقسم يكون ذريعة الى مامور به كالمستعان به على امر اخروى فى الحديث نعم المال الصالح للرجل الصالح وفيه ذهب اهل الدثور بالاجور والدرجات العلى والنعيم المقيم۔ الى ان قال ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء بل قد جاء ان فى مجامعة الاهل

اجزأ وان کان قاضیا لشهوته لانه یکف به عن الحرام و ذلك فی الشریعة کثیر لانها لما کانت وسائل الی المامور به کانت لها حکم ما توسل بها الیه۔

وقسمٌ لایکون ذریعة الی شیءٍ فهو المباح المطلق وعلی الجملة فاذا فرض ذریعة الی غیره فحکمه حکم ذلك الغیر۔

یعنی ہم جب کسی مباح چیز کو (مثلاً مال ہی کو) اس حیثیت سے دیکھیں کہ ذریعہ اور وسیلہ ہے تو اس کا مطلقاً ترک کرنا افضل نہیں ہوگا بلکہ اس کی [illegible] قسمیں ہیں:۔

(۱) ایک قسم یہ کہ وہ کسی مَنْهِیٌّ عَنْهُ یعنی فعل حرام کا ذریعہ بنے تو اس جہت سے اس کا ترک مطلوب ہوگا۔

(۲) اور ایک قسم یہ ہے کہ وہ کسی مامور بہ کا ذریعہ بنے۔ مثلاً یہ کہ اس کو کسی امر اُخروی کا معین اور مددگار بنا لیا جاوے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ صالح مال صالح انسان کے لئے کیا ہی اچھی چیز ہے۔ اور حدیث شریف میں یہ بھی آتا ہے کہ اہل اموال اجر میں بازی لے گئے اور بلند درجات حاصل کرنے میں سبقت لے گئے اور نعیم مقیم کے حاصل کرنے میں آگے نکل گئے۔ حدیث طویل ہے آخر میں ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ بلکہ حدیث میں تو یہاں تک آتا ہے کہ اپنے اہل کے پاس آنے میں بھی اجر ہے اگرچہ مقصود قضاءِ شہوت ہو (شہوت پوری کرنی) اسلئے کہ کم سے کم اس سے یہ تو ہوگا کہ آدمی فعل حرام سے بچ جائیگا۔

غرض اس قسم کی چیزیں شریعت میں بہت ہیں اور یہ اس لئے کہ جب وہ کسی مامور بہ کا وسیلہ بنتی ہیں تو انکا حکم بھی وہی ہوجاتا ہے جو اس اصل چیز کا ہے جس کے لئے یہ وسیلہ بنتی ہیں۔

(۳) اور ایک قسم یہ ہے کہ اس مباح کو کسی شئے کا ذریعہ ہی نہ بنایا جائے نہ کسی مامور بہ کا نہ منہی عنہ کا۔ یہ مباح مطلق ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ جب مباح کسی غیر کا ذریعہ بنے گا تو اسی کا حکم وہ بھی لے لے گا۔ (وہ واجب تو وہ بھی واجب وہ حرام تو وہ بھی حرام) (الموافقات صفحہ ۱۱۴۔ ج۱)

رسالت کا طرز عمل:-

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے نفرت نہیں فرمائی اور نہ اس کے زوال کے لئے دعا کی بلکہ یہ دعا فرمائی کہ

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنِ امْرَاَۃٍ تُشَیِّبُنِیْ قَبْلَ الْمَشِیْبِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ وَّلَدٍ یَّکُوْنُ عَلَیَّ وَبَالًا وَّ اَعُوْذُبِکَ مِنْ مَّالٍ یَّکُوْنُ عَلَیَّ عَذَابًا۔

یعنی اے اللہ میں پناہ چاہتا ہوں تیری ایسی عورت سے جو بوڑھا کر دے مجھے بڑھاپے سے پہلے اور پناہ چاہتا ہوں تیری ایسی اولاد سے کہ ہو مجھ پر وبال اور پناہ چاہتا ہوں تیری ایسے مال سے کہ ہو مجھ پر عذاب۔

دیکھئے یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال سے پناہ نہیں مانگی بلکہ مال کے عذاب (یعنی سبب عذاب) بننے پر پناہ مانگی ہے جیسا کہ ایک اور دعا میں آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ

اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی دِیْنِیْ بِالدُّنْیَا وَعَلٰی آخِرَتِیْ بِالتَّقْوٰی۔

یعنی اے اللہ مدد کر میری میرے دین پر دنیا کے ساتھ اور میری آخرت پر تقویٰ کے ساتھ۔

دیکھئے اپنی اس دعا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے اُس ضرر اور زہر کو دور فرمانے کی درخواست فرما رہے ہیں جو تقویٰ نہ ہونے کے سبب اکثر اہل دنیا کی دنیا میں شامل ہو جاتا ہے اور یہ اس لئے کہ یہ دونوں چیزیں یعنی دین اور دنیا بمنزلہ سوکن کے ہیں جن میں باہم عداوت رہتی ہے اور ہر ایک دوسرے پر غالب آنا چاہتی ہے۔ یہی حال دین اور دنیا کا ہے کہ آدمی میں اگر دین کا غلبہ ہوا تو وہ دنیا کے زہر کو مار دیتا ہے اور دنیا اگر غالب آگئی تو وہ آدمی کے دین ہی کو کھا لیتی ہے۔ باقی اس کی احتیاج بھی چونکہ سب ہی کو ہوتی ہے اس لئے آپ نے نفس دنیا

دہ نفس مال سے پناہ نہیں مانگی اور نہ مال کے ختم اور زائل ہونے کی تمنا فرمائی بلکہ یہ فرمایا کہ اے اللہ مجھے دین بھی دے اور دنیا بھی دے مگر اس طرح سے کہ میری دنیا کو میرے دین کا خادم اور معین بنادے۔ بس اب اسکے بعد تو سارا قصہ ہی ختم ہوگیا مطلب یہ کہ جس طرح سے کہ دین اصل ہے اور مقصود ہے اور دنیا اسکی خادم اور اسکے تابع ہے تو میری دنیا کو بھی آپ اسکے درجہ پہ رکھئے ایسا نہ ہو کہ میں اسکو اس کے درجہ سے بڑھا کر اصل اور مقصود بنالوں۔

فرقِ مراتب کا لحاظ ضروری ہے:۔

میں بھی آپ لوگوں کو یہی سمجھانا چاہتا ہوں کہ دنیا خوب کماؤ مال حاصل کرو اس میں کچھ حرج نہیں ہے لیکن تقویٰ کو نہ چھوڑو جسکی ظاہری علامت یہ ہے کہ دنیا کو مخدوم نہ بناؤ بلکہ دین کا خادم ہی رہنے دو۔

حاصل یہ کہ ہر چیز کا ایک درجہ ہوتا ہے جب اس کو اپنے درجہ پر رکھوگے تو وہ محمود رہے گی اور اس کے درجہ سے بڑھادوگے تو وہی چیز مذموم ہوجائے گی۔

دین کے ساتھ ساتھ اگر دنیا بھی آدمی کے پاس ہو تو سبحان اللہ کیا کہنا ؎

مَا اَحْسَنَ الدِّیْنَ وَالدُّنْیَا اِذَا اجْتَمَعَا
وَاَقْبَحَ الْکُفْرَ وَالْاِفْلَاسَ بِالرَّجُلِ

(دین اور دنیا دونوں ہی کسی شخص میں جمع ہوجائیں تو کیا کہنا۔ اور کسقدر بُرا ہے کہ انسان مفلس بھی ہو اور کافر بھی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کے اصلاح کی دعا مانگی ہے۔ فرماتے ہیں:۔

اَللّٰھُمَّ اَصْلِحْ لِیْ دِیْنِیَ الَّذِیْ ھُوَ عِصْمَۃُ اَمْرِیْ وَاَصْلِحْ لِیْ دُنْیَایَ الَّتِیْ فِیْھَا مَعَاشِیْ وَاَصْلِحْ لِیْ آخِرَتِیَ الَّتِیْ فِیْھَا مَعَادِیْ وَاجْعَلِ الْحَیٰوۃَ زِیَادَۃً لِّیْ فِیْ کُلِّ خَیْرٍ وَّاجْعَلِ الْمَوْتَ رَاحَۃً لِّیْ مِنْ کُلِّ شَرٍّ۔

یعنی یا اللہ درست رکھ میرا دین جو میرے حق میں بچاؤ ہے اور درست رکھ میری

دنیا جس میں میری معاش ہے اور درست رکھ میری آخرت جہاں مجھے لوٹ کر جانا ہے اور کردے زندگی کو میرے لئے ترقی ہر بھلائی میں۔ اور کردے موت کو میرے لئے چین ہر برائی سے۔

سبحان اللہ سبحان اللہ کتنی جامع دعا ہے۔ دین۔ دنیا۔ آخرت حیات اور موت کی درستگی کے بعد اب باقی ہی کیا چیز رہی؟

مال کے متعلق یہ تفصیل بزرگوں سے سنا تھا اور اب تو حدیث ہی سے اس کی سند مل گئی کہ آپ نے فرمایا کہ لَا بَاْسَ بِالْغِنٰى لِمَنِ اتَّقَى اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ[1] اور حضرت سفیان ثوریؒ نے اسکو تُرْسُ الْمُؤْمِنِ (مومن کی ڈھال) فرمایا ہے جب حدیث میں یہ آیا ہے تو اب تو اس کے خلاف کچھ کہہ ہی نہیں سکتے۔ ھدایات شرعیہ سے صرف نظر کا خمیازہ

البتہ یہ ضرور ہے کہ جس طرح سے آپ نماز و روزہ کا اہتمام کرتے ہیں۔ اسی طرح سے آپ کو مال کا انتظام اور اہتمام کرنا ہوگا اور اس کے حقوق کو سمجھنا پڑیگا۔ ورنہ نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کی وجہ سے آپس میں خوب گتھم گتھا رہیگی اور میں یہ بات یونہی نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ دیکھا ہے کہ کہیں زمین کا مسئلہ باعث نزاع بنا ہوا ہے اور کہیں جائداد کا مسئلہ سبب مخالفت ہو رہا ہے اور کہیں روٹی کا مسئلہ ذریعۂ شقاق بنا ہوا ہے جس کی وجہ سے لوگوں میں باہم خوب کشمکش ہے۔

آپ سے کہتا ہوں کہ یہ بھی اس زمانہ کا ایک مسئلہ ہے اور زبردست مسئلہ ہے اسکا حل جب سیکھو گے تب آئیگا۔ اور بجز شریعت کے کہیں اس کا حل بھی بھی نہیں ہے اسی کو کہتا ہوں کہ مال کا کمانا مشکل۔ اور اس کی حفاظت اس سے زیادہ مشکل اور اس کا خرچ کرنا اور تقسیم کرنا سب سے زیادہ مشکل ہے۔ زندگی میں اولاد کو دینا چاہوگے تو لڑکے لڑکی سب کو برابر برابر دینا ہوگا۔ اور اگر دینا چاہو تو بیوی کو بھی دے سکتے ہو یا جس کو چاہو دے سکتے ہو لیکن علماء نے فرمایا ہے کہ اپنی کل ملکیت بیوی کے حوالہ مت کردو۔

---

[1] اس شخص کیلئے مالداری کچھ مضر نہیں جو تقویٰ اختیار کرے۔

إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ

امام غزالیؒ لکھتے ہیں کہ مال کو اپنے ہی قبضہ میں رکھو۔ بیوی کو سب مت دیدو بلکہ اس سے اپنے سب مال کی مقدار بتاؤ بھی نہیں اور اس کی حکمت کیا عمدہ بیان فرماتے ہیں (اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات حکمائے اسلام تھے ہیں) فرماتے ہیں کہ اس سے کل مقدار اس لئے نہ بتاؤ کہ اگر مال کم ہوگا تو تم کو نظروں سے گرا دیگی اور تم اس کے نزدیک ذلیل ہو جاؤ گے۔ اور اگر مال زیادہ ہوا تو وہ تم سے ہمیشہ ناراض ہی رہے گی کیونکہ آج ایک فرمائش کل کو دوسری پرسوں کو تیسری غرض کر فرمائشوں کی بھر مار کر دیگی جن کو ظاہر ہے کہ تم پورا نہ کر سکوگے تو یہی کہے گی کہ روپے رکھے ہوئے ہیں اور ہم کو دیتے نہیں۔ غرض ایک حالت میں تو تم اس کو خوش نہ رکھ سکوگے اور ایک صورت میں اس کی نظروں ہی سے گر جاؤ گے۔

اس لئے کہتا ہوں کہ مال ہونے پر اگر تقویٰ نہ اختیار کروگے تو پریشان ہوجاؤگے اور تقویٰ آئے گا علم کے ذریعہ جس کی وجہ سے یہ ہوگا کہ — انسان خدا سے ڈرے گا صلہ رحمی کریگا اور اہل حقوق کے حقوق ادا کرے گا (خواہ وہ حقوق اللہ ہوں حقوق العباد) اور یہی وہ درجہ ہے جسکو حدیث شریف میں افضل المنازل فرمایا گیا

کتاب وسنت میں مذمت دنیا:-

یوں مال کی اور دنیا کی مذمت بھی نصوص میں وارد ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ[1] مال اور اولاد کو فتنہ فرمایا اور فتنہ کتنی سخت چیز ہے۔ یا ارشاد فرمایا کہ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ[2] یعنی حیات دنیا کا تمتع آخرت کے مقابلہ میں بہت ہی قلیل ہے۔ اس سے بھی دنیا کی بے ثباتی کا پتہ چلتا ہے۔

اسی طرح سے صاحب روح المعانی نے اسی آیت کے تحت ایک روایت نقل فرمائی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ ذوالحلیفہ سے گذرے آپ نے ایک بکری کو دیکھا کہ پیر پٹک پٹک کر دم توڑ رہی ہے۔ آپ نے صحابہ سے فرمایا

[1] تمہارے مال اور تمہاری اولاد تو بس آزمائش کی چیزیں ہیں۔ [2] سو دنیا کی زندگی کا سامان تو آخرت کے مقابلہ میں

لوگ تو جانتے ہو کہ اب اس بکری کی اس کے مالک کے نزدیک کوئی قدر
نہیں رہی ؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ بیشک یا رسول اللہ! اس پر
آپ نے فرمایا کہ
وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَلدُّنْیَا اَھْوَنُ عَلَی اللّٰہِ تَعَالٰی مِنْ ھٰذِہٖ عَلٰی
صَاحِبِھَا وَلَوْ کَانَتْ تَعْدِلُ عِنْدَ اللّٰہِ جَنَاحَ بَعُوْضَۃٍ مَا سَقٰی
کَافِرًا مِّنْھَا شَرْبَۃَ مَاءٍ۔
یعنی قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ بلاشبہہ دنیا
اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ بیقدری ہے جیسی کہ بیقدر یہ بکری اپنے
مالک کے نزدیک ہے۔ اور پھر (یہ فرمایا کہ) اگر دنیا کی وقعت اللہ تعالیٰ کے نزدیک
مچھر کے پَر کے برابر بھی ہوتی تو کافر کو اس دنیا سے ایک گھونٹ پانی بھی نہ دیتا۔

غلط فہمی کا ازالہ

صاحب روح المعانی نے آیت کی تائید میں روایت دنیا کے اثبات کے لئے
روایت نقل کر کے اس کے بعد اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے جس میں ہر زمانہ میں (خرابی)
مبتلا رہا ہے اور آج بھی لوگ مبتلا ہیں یہ فرمایا کہ
وَلَا اَرَی الْاِسْتِدْلَالَ عَلٰی رَدَاءَۃِ الْاِسْتِدْلَالِ لَا فِیْ مَقَامِ
الضَّرُوْرَۃِ۔ نَعَمْ ھِیَ نِعْمَتِ الدَّارُ لِمَنْ تَزَوَّدَ مِنْھَا لِاٰخِرَتِہٖ۔
(روح ص۵۵ ج ۱۰)
یعنی، ردائت دنیا اور اس کی مذمت پر ان نصوص سے جو استدلال کیا جاتا
ہے وہ بر بنائے ضرورت ہی کے ہے ورنہ تو یہی دنیا ایک بہترین مقام بھی
ہے ہر اس شخص کے لئے جو اس میں رہ کر توشہ تیار کر لے اپنی آخرت
کے لئے۔

اور یہ جو میں نے کہا کہ ہر زمانہ میں لوگوں کو انھیں نصوص کے ظاہر کی وجہ سے
غلط فہمی ہوتی رہی ہے لیکن جب اصل اور حقیقت پر غور کیا ہے تو غلط فہمی زائل ہو گئی ہے

مولانا جامیؒ اور خواجہ عبیداللہ احرارؒ کا واقعہ اس پر پہلے زمانہ کا ایک واقعہ سناتا ہوا،
ایک عالم ایک بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جاکر دیکھا تو نہایت ہی شاہانہ ٹھاٹھ۔ عالیشان محل۔ چوکی پہرہ ہے۔ یہ سب دیکھ کر افسوس کیا کہ میرا یہ سفر ضائع ہوا۔ یہ تو کوئی دنیا دار شخص معلوم ہوتے ہیں اور میں انکو بزرگ سمجھ کر آیا تھا۔ یہ خیال کر کے محل کے نیچے دور سے یہ مصرع پڑھا "نہ مرد است آنکہ دنیا دوست دارد"
(وہ مرد نہیں ہے جو دنیا کو عزیز اور دوست رکھے)

اور وہاں سے واپس چلے آئے اور پاس کی کسی مسجد میں جاکر قیام کیا اور سوچا کہ اب واپس تو چلنا ہی ہے کچھ دیر آرام کرلیں تو چلیں۔ وہیں لیٹ گئے تھکے تو تھے ہی نیند آگئی۔ خواب میں دیکھا کہ میدان حشر قائم ہے اور انکا ہی نام پکارا جارہا ہے کہ فلاں حاضر ہے۔ ایک شخص نے ان پر اپنے کسی حق کا دعوی کیا ہے اور انکا ہاتھ پکڑے ہوئے کہہ رہا ہے کہ لاؤ میرا حق دو۔ ان کے پاس کچھ نہیں ہے جس سے اسکا حق ادا کریں اتنے میں وہی بزرگ سواری پر سے گذرے انکو گرفتار دیکھ کر سواری روک دی اور پوچھا کہ کیا بات ہے انکو کیوں پکڑ رکھا ہے لوگوں نے وجہ بتلائی انھوں نے جیب سے روپئے نکالے اور ان کے حق کو ادا کردیا۔ ان لوگوں نے انکو چھوڑ دیا۔ یہ بزرگ آگے چلے گئے اتنے میں انکی آنکھ کھل گئی۔

سمجھ گئے کہ یہ غیبی اشارہ ہے اور واقعی یہ بزرگ ہیں اور میرا حصہ انھیں کے یہاں ہے قیامت میں مجھے ان سے نفع پہونچے گا۔ خود ہی خواب کی یہ تعبیر دیکھ کر ان بزرگ کے مکان پر پھر حاضر ہوئے۔ انھوں نے دور ہی سے دیکھ کر فرمایا کہ ارے بھائی خواب وخیال کی باتوں کا کیا اعتبار؟ انھوں نے دست بستہ معافی مانگی اور عرض کیا کہ حضرت مجھ سے بڑی بے ادبی ہوئی معاف فرمادیجئے۔ فرمایا کہ خیر معاف تو ہے ہی لیکن یہ تو بتاؤ کہ تم نے اسوقت کہا کیا تھا؟

انھوں نے عرض کیا کہ حضرت وہی تو گستاخی تھی اب اسکو نہ دھروائیے۔ فرمایا کہ نہیں پھر کہو میں دوبارہ تم سے سننا ہی چاہتا ہوں۔ جب اصرار دیکھا تو کہا کہ میں نے

یہ کہا تھا کہ ع

نہ مرد است آنکہ دنیا دوست دارد

فرمایا کہ تم نے بات تو ٹھیک ہی کہی مگر نامکمل کہی اس میں دوسرا مصرع یہ لگا لو کہ ع۔ اگر دارد برائے دوست دارد

(اور اگر دنیا کو دوست رکھے بھی تو اسکو دوست (اللہ تعالیٰ) ہی کیلئے رکھے)

سبحان اللہ بہت ہی عمدہ بات فرمائی۔ اور دنیا کو حق تعالیٰ کے لئے دوست رکھنے کا مطلب وہی ہے کہ انسان اسکا حق ادا کرے خدا کے راستہ میں اسکو خرچ کرے۔ اپنی اولاد پر اس کو صرف کرے۔ اپنی ازواج پر اس کو صرف کرے۔ اپنے احباب پر اسکو صرف کرے۔ یہ سب برائے دوست ہی میں داخل ہیں اسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مختصر اور جامع لفظ تقویٰ کے ساتھ تعبیر فرمادیا ہے لِمَنِ اتَّقَی اللّٰہَ۔ اہل وعیال پر مال صرف کرنیکی تحسین وترغیب

سنئے۔ انسان اپنا کمایا ہوا مال اپنے بال بچوں پر صرف کرے۔ ان کے لئے اثاثہ اور میراث چھوڑ جائے شرعاً یہ بھی مطلوب اور محمود ہے ورنہ تو عام طور سے دیکھا جاتا ہے کہ لوگ فقراء پر تصدق کرنے کو تو کچھ سمجھتے بھی ہیں لیکن اپنے بال بچوں اور آل اولاد پر اپنے مال کو صرف کرنا ثواب نہیں سمجھتے حالانکہ کتاب وسنت سے اس کے خلاف کا ثبوت ہوتا ہے۔

سنئے۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ میری عیادت کے لئے تشریف لائے۔ ان دنوں میں مکہ میں تھا اور جس سرزمین سے ہجرت کر چکا تھا اب وہاں مرنا مجھے پسند نہ تھا۔ (اسی لئے اللہ والوں کی یہ تمنا ہوتی ہے کہ موت مدینہ میں آوے) آپ تشریف لائے تو آتے ہی یہ دعا دی کہ اے اللہ ابن عفراءؔ پر رحم فرما۔ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرے پاس کچھ مال ہے اجازت ہو تو میں ان سب کے لئے وصیت کر جاؤں۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں ایسا ہرگز نہ کرنا۔ میں نے پھر عرض کیا کہ اچھا تو پھر

ؔ حضرت سعدؓ کی کنیت

کیا نصف کی وصیت کر جاؤں آپ نے فرمایا کہ نہیں ۔ عرض کیا کہ اچھا تو پھر کیا ثلث کی وصیت کر جاؤں آپ نے فرمایا کہ ہاں خیر ثلث کی کر سکتے ہو. لیکن ثلث بھی بہت ہے ۔ اسکے بعد آپ نے جو ارشاد فرمایا وہی مجھے اسوقت بیان کرنا تھا وہ یہ کہ فرمایا کہ ۔

إِنَّكَ أَنْ تَدَعَ وَرَثَتَكَ أَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِّنْ أَنْ تَدَعَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُونَ النَّاسَ فِي أَيْدِيهِمْ وَإِنَّكَ مَهْمَا أَنْفَقْتَ مِنْ نَفَقَةٍ فَإِنَّهَا صَدَقَةٌ حَتَّى اللُّقْمَةَ تَرْفَعُهَا إِلَى فِي امْرَأَتِكَ وَعَسَى اللهُ أَنْ يَرْفَعَكَ فَيَنْتَفِعُ بِكَ نَاسٌ وَيُضَرُّ بِكَ آخَرُونَ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ يَوْمَئِذٍ إِلَّا ابْنَةٌ ؕ

(یعنی تم اپنے بعد اپنے ورثہ کو مالدار چھوڑ جاؤ یہ اس سے کہیں بہتر ہے کہ تم انکو ایسا محتاج چھوڑ جاؤ کہ وہ تمہارے بعد دوسروں کے دست نگر ہو جائیں ۔ اور بیشک تم نے جو بھی نفقہ اپنے زوجہ اور اولاد پر صرف کیا وہ سب کا سب صدقہ ہی ہے یہانتک کہ وہ لقمہ بھی جو تم نے اپنی بیوی کے منہ میں ڈالا وہ بھی صدقہ ہے اور شاید کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس بیماری سے کھڑا کر دیں اور کچھ لوگوں کا نفع اور کچھ کا ضرر تم سے متعلق ہو جس وقت آپ نے یہ فرمایا اُن دنوں ان صحابی کی صرف ایک ہی لڑکی تھی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی صادق آئی اور حضرت سعدؓ اس بیماری سے اچھے ہو گئے اور اس کے بعد ان کے بہت سی اولاد ہوئیں یعنی چار لڑکے ہوئے اور بارہ لڑکیاں ۔

تو دیکھئے اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال کو مذموم نہیں بتایا بلکہ آپ نے یہ فرمایا کہ تم اپنے ورثاء کو مالدار چھوڑ جاؤ یہ انکو نادار چھوڑ جانے سے بہتر ہے ۔

اس سے معلوم ہوا کہ اپنی اولاد کے لئے بھی مال جمع کر جانا ۔ اور مال اپنے بعد

چھوڑ جانا اللہ و رسول کے منشاء کے خلاف نہیں ہے۔
ایک شخص بہت مالدار تھے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے انکا تعلق تھا۔ ہر چھٹی میں تھانہ بھون جاتے تھے۔ خانقاہ میں بھی بہت روپیہ خرچ کرتے تھے وہاں کے لوگوں کی دعوت کرتے تھے۔ انھوں نے اپنی بیوی سے کہا کہ دیکھو میرا یہ مکان جو ایک لاکھ روپیہ کی مالیت کا ہے اسکو میں تمہارے مہر میں دیتا ہوں۔ انکے اس معاملہ کا لوگوں میں بڑا چرچا ہوا لوگ کہتے تھے کہ دیکھئے اس زمانہ میں بیوی کا مہر کون دیتا ہے کون دلاتا ہے مگر انھوں نے اتنا بڑا مکان مہر میں دیدیا تو بات کیا تھی۔ بات یہی تھی کہ حضرت مولانا کے یہاں پہونچ گئے تھے اسلئے تقویٰ اور دیانت سے انکو حصہ مل گیا تھا جس کی وجہ سے مال کے حقوق خواہ وہ خالق کے ہوں یا مخلوق کے سب کو سمجھتے تھے اور اُن کو ادا کرتے تھے اور اس کی وجہ سے دُنیا کی ایسی محبت قلب میں باقی نہ رہ گئی تھی جو ان حقوق کی ادائیگی میں مانع بنتی۔

باہمی نزاعات کا سبب:۔

اب لوگ ان تعلیمات کو پیش نظر نہیں رکھتے جس کی وجہ سے آپس میں خوب نزاعات اور اختلافات پیدا ہوتے ہیں۔ اتفاق کا ذریعہ تو تعلیمات شرعیہ پر عمل کرنا ہی ہے۔
ہماری طرف ایک شخص تھا اُس نے بہت مال کمایا تھا جب اُسکا آخری وقت ہوا تو اپنے لڑکے سے پوچھا کہ مال کی وصیت کردوں لڑکے کو اُسکا یہ کہنا ناگوار ہوا۔ اُس نے جل کر کہا کہ ہاں خوب مال کمائیے اور زندگی بھر خوب کھائیے اور مزے اُڑائیے اور جب مرنے کا وقت آئے یعنی مال ہم لوگوں کو ملنے لگے تو دوسروں کے لئے وصیت کر جائیے۔
یہ سن کر وہ سمجھ گئے کہ لڑکے کو ہماری بات ناگوار گذری۔ میں نے جب سنا تو اُس سے کہا کہ ایسا کیوں کرتے ہو اور یہی حدیث (حضرت سعدؓ والی) اُسکو سنادی کہ دیکھو بھائی تم یہ کرنا چاہتے ہو اور حدیث شریف میں تو ایسا آتا ہے۔ (جس سے معلوم ہوا کہ محض غریبوں پر صدقہ وخیرات کرنا ہی کار ثواب نہیں، بلکہ اپنے بال بچوں پر بھی مال کا خرچ کرنا باعث اجر وثواب ہے اور انکے لئے مال واسباب چھوڑ جانا شرعاً محمود ہے)

(باقی آئندہ)

اخلاص اور اس کے ثمرات

خطبۂ مسنونہ کے بعد فرمایا کہ مجھے آج کے اجلاس میں جو موضوع خطاب دیا گیا ہے اس کا عنوان ہے "اخلاص اور اسکے ثمرات"۔

واقعہ یہ ہے کہ اس موضوع پر کچھ معروضات پیش کرنا بڑا ہمت طلب مسئلہ ہے، کیونکہ اس دور میں اخلاص کا ہی فقدان ہے، ہماری روزمرہ کی معروضات جو بظاہر عبادات نظر آتی ہیں، ان کا اگر جائزہ لیا جائے تو ان میں سے اکثر کاموں میں مقصود نظر یا جلب منفعت ہے، یا شہرت وناموری اور نام ونمود کی خواہش۔ اپنے علم وفضل کا اظہار اور دوسرے لوگوں سے اپنی برتری کا لوہا منوانا۔

اگر میں اپنا جائزہ لیکر دیکھوں کہ مجھ میں کس قدر اخلاص ہے تو شاید بولنے کی ہمت نہ ہو، لیکن قرآن حکیم نے جو لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ فرمایا ہے۔ اس کے نتیجے میں بعض حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم کوئی نیک عمل نہیں کرتے تو اس نیک عمل کی ترغیب کسی دوسرے کو بھی دینا صحیح نہیں ہوگا، اس شبہ کو دور کرنے کے لئے اس کا صحیح مفہوم بیان کرنا چاہتا ہوں۔

میرے شیخ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہٗ نے اس آیت کی تفسیر میں ایک جامع جملہ ارشاد فرمایا تھا کہ یہ آیت دعویٰ کے متعلق ہے دعوت کے متعلق نہیں مثلاً نماز ہم صحیح نہ پڑھتے ہوں اور دعویٰ یہ کرتے ہوں کہ نماز بالکل صحیح پڑھتے ہیں۔ روزہ نماز زکوٰۃ وغیرہ کو ان کے آداب کے مطابق ادا نہ کریں اور دعویٰ یہ کریں کہ ہم ان کو پورے طور پر صحیح ادا کرتے ہیں، اس قسم کے کام کی اس آیت میں ممانعت فرمائی گئی ہے۔ لیکن اگر ہم کوئی نیک عمل اپنے کسل یا غفلت

سے ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو۔

در کمزوری کے باعث نہیں کر سکے تو یہ بات اس عمل کی دعوت دوسرے لوگوں کو دینے میں رکاوٹ نہیں ہونی
چاہئے۔ دعوت دیتے وقت اپنے نفس کو بھی مخاطب کرنا چاہئے اور دوسرے لوگوں کو بھی، کیونکہ دعوت کا
خاصہ یہ ہے کہ وہ داعی پر بھی اثر انداز ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص نماز باجماعت کے معاملے میں خود کوتاہ
ہے اور نماز باجماعت کے فضائل و اہمیت پر وعظ کہتا ہے تو قدرتی طور پر اس کا نفس خود بھی ندامت محسوس
کریگا۔ اور بالآخر انشاء اللہ اس کو بھی پابند بنا دے گا۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جس رذیلہ کا اپنی ذات میں احساس کرتے تھے تو اسپر وعظ کہتے تھے اور
اس طرح اپنے نفس کا علاج کر لیتے تھے ۔۔۔ چونکہ بحمد اللہ اس مجلس میں دعویٰ کی کوئی بات نہیں ہے صرف دعوت
ہی کیلئے منعقد کیگئی ہے، اس لئے اخلاص پر چند باتیں کہنے کی ہمت کر رہا ہوں۔

قرآن حکیم نے ارشاد فرمایا ہے وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ[1] یعنی ہم جو عبادت
بھی کریں اسمیں ہمارا تمامتر مقصود و مطلوب اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا ہو۔ اسکے علاوہ اور کسی قسم کا داعیہ
نام و نمود یا مالی منفعت، عزت و شہرت وغیرہ نہ ہو، اگر ان میں سے کوئی چیز بھی دل میں پیدا ہوگئی تو دعوت خالص نہیں رہیگی
اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ[2]۔ ایک حدیث میں سرور دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب بندہ کسی عمل میں دو نیتیں کر لیتا ہے، تو
اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب تم نے اس عمل میں میرے ساتھ غیر کو شریک کر لیا تو میں یہ غیر کو ہی دیدیتا ہوں اور منطق کا مشہور مقولہ ہے
نتیجہ ہمیشہ اَرذَل کے تابع ہوتا ہے"۔ یاد رکھئے! ہر عمل کا ایک ڈھانچہ ہوتا ہے اور ایک اسکی روح ہوتی ہے ۔۔۔ قرآن حکیم نے
انسانی تخلیق کے متعلق پہلے تو تدریجی تخلیق کا ذکر کیا، ہم نے نطفہ کو علقہ[3] بنایا پھر علقہ کو مضغہ[4] بنایا پھر مضغہ سے ہڈیاں پیدا
کیں پھران ہڈیوں پر گوشت چڑھایا ۔۔۔ تدریجی تخلیق کا بیان فرما کر ارشاد ہوا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ[5] اور وہ روح کی
تخلیق ہے۔ روح تمام افعال کا صدور کرانے والی ہے اور جسم اسکے کہنے کے مطابق کام کرتا ہے۔ انسانی روح تو پہلے سے موجود تھی
لیکن جسم میں آنے سے پہلے نہ وہ مومن تھی نہ کافر اور نہ اسکا کوئی عمل تھا۔ جب اس کا تعلق بدن کیساتھ قائم کر دیا گیا تو کام شروع
ہوا نہ صرف روح سے کام چل سکتا ہے اور نہ صرف جسم سے تمام دنیا کے کارخانوں کا دارومدار اسی پر ہے ۔۔۔ بجلی حاصل کرنے
کے لئے پہلے بجلی کے تار وں کی فٹنگ وغیرہ کی جاتی ہے اسکے بعد بلب لگایا جاتا ہے، یہانتک تو بجلی کا ڈھانچہ تھا۔ اب اسکے
بعد پاور ہاؤس سے کرنٹ آتا ہے جو بجلی کی روح ہے تب روشنی حاصل ہوتی ہے

---

[1] انھیں یہی حکم ہوا تھا کہ اللہ کی عبادت اس طرح کریں کہ عبادت کو اسی کیلئے خالص رکھیں۔ [2] یاد رکھو عبادت
جو کہ خالص ہو اللہ ہی کیلئے سزاوار ہے۔ [3] خون کا لوتھڑا۔ [4] گوشت کا ٹکڑا۔ [5] پھر ہم نے اسکو ایک دوسری ہی
مخلوق بنادیا

اسی طرح ہر عمل کا ایک ڈھانچہ ہوتا ہے اور ایک اسکی روح ہوتی ہے۔ نماز میں ہاتھ اٹھا کر تکبیر کہنا قیام و قعود اور رکوع و سجود وغیرہ یہ سب نماز کا ڈھانچہ ہے اور اسکی روح اخلاص ہے کہ دورانِ نماز غیر اللہ کا خیال نہ آنے پائے۔ اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ باندھنے کا عمل ایک دعویٰ ہے کہ ہم نے ماسوا اللہ سے ہاتھ اٹھا لیا ہے، اسی کو احسانِ صلوٰۃ کہا جاتا ہے، تمام اعمالِ صالحہ کی روح اخلاص ہے اس لئے ہمیں ہر عمل کے وقت اس کا خیال رکھنا ہوگا کہ اس عمل کا ڈھانچہ بھی درست ہو اور اسمیں روح بھی موجود ہو۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں اعمال کے اعداد کا شمار نہیں ہوتا کہ کتنی نمازیں پڑھیں، کس قدر روزے رکھے، کتنے حج کئے، بلکہ وہاں بندوں کے اعمال کا وزن کیا جائیگا تعداد نہیں گنی جائیگی۔ قرآن و حدیث میں آپ نے کہیں نہیں پڑھا ہوگا کہ یومِ حساب میں اعمال کی گنتی کی جائے گی۔

قرآن کریم میں "اَحْسَنُ عَمَلاً" فرمایا گیا ہے "اَکْثَرُ عَمَلاً" نہیں فرمایا، ہر عمل میں حُسنِ عمل کو دیکھا جائیگا، کثرتِ عمل کو نہیں دیکھا جائیگا، اللہ تعالیٰ کے یہاں عمل کے وزن کے اعتبار سے جزا ملیگی، اعمال میں جس قدر اخلاص ہوگا اسی قدر وہ اعمال وزنی ہونگے، کسی کا عمل دیکھنے میں معمولی ہوگا، لیکن اخلاص کی بدولت اسکی جزا بہت بڑی ہوگی۔ اور کسی کے اعمال دیکھنے میں بہت عظیم ہونگے، لیکن اخلاص نہ ہونے کی وجہ سے انکی جزا بہت معمولی ہوگی۔ احادیث میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ "کسی صحابی کا ایک مُد مال خرچ کرنا (جو ہمارے ایک سیر کے قریب ہوتا ہے) غیر صحابی کے جبلِ احد کی برابر خرچ کرنے سے بھی زیادہ باعثِ اجر ہوگا۔" آخر اس کا سبب کیا ہے۔ بظاہر تو یہ بے انصافی معلوم ہوتی ہے کہ ایک شخص احد کے برابر مال خرچ کرکے بھی صحابی کے ایک سیر مال کے برابر اجر حاصل نہ کرسکے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ صحابی کو رسولِ اکرمؐ کے شرفِ صحبت سے جو اخلاصِ عمل حاصل ہوگیا وہ غیر صحابی کو حاصل ہو ہی نہیں سکتا، اسی اخلاصِ عمل کی وجہ سے صحابی کے معمولی اعمال کا وزن بڑھا ہوا ہے۔ اور غیر صحابی میں اخلاصِ عمل کی کمی کی وجہ سے اسکے عمل کا درجہ گھٹا ہوا ہے، یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عبداللہؒ ابن مبارک سے کسی نے سوال کیا کہ حضرت عمر ابن عبدالعزیز (جو عمرِ ثانی کہلاتے ہیں) اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میں سے کون افضل ہے تو حضرت عبداللہؒ ابن مبارک نے فرمایا کہ:

"میں بقسم کہتا ہوں کہ حضرت معاویہؓ کا مقام تو بہت بلند ہے، حضرت معاویہؓ کے گھوڑے کی ناک کا وہ غبار جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں جہاد کے وقت اسکی ناک میں پہنچا، سیکڑوں عمر ابن

[illegible]

عبدالعزیز سے بہتر ہے۔ حضرت عمر ابن عبدالعزیز کے فضائل و کمالات اپنی جگہ سب مسلّم ہیں لیکن وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت کی دولت کہاں سے لاسکیں گے "۔

اخلاص کے دو اثر ہوتے ہیں۔ ایک آخرت میں وزن بڑھنے کا۔ دوسرے نقد ثمرہ دنیا میں مخاطب پر اثر انداز ہونے کا۔ تجربہ شاہد ہے کہ اخلاص کے ساتھ جو بات کہی جاتی ہے وہ موثر و مفید ہوتی ہے۔ اور تلخ بھی ہوتی ہے تو ناگوار نہیں ہوتی، اختلاف کی صورت میں جنگ و جدال اور معرکہ آرائیوں کا بڑا سبب اخلاص کی کمی یا اس کا فقدان ہے۔ اگر بات اخلاص کیساتھ کہی جاتی ہے تو اس کا انداز محبت، ہمدردی اور دلسوزی کا ہوتا ہے اور اخلاص نہ ہو تو بات وہی ہوتی ہے لیکن انداز توہین آمیز ہو جاتا ہے جس کا نتیجہ افتراق و انتشار اور جنگ و جدل کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔

موطا امام مالکؒ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک قول مذکور ہے: اَلنَّاسُ مُبْتَلیً وَّمُعَافیً فَارْحَمُوْا الْمُبْتَلیٰ وَسَلُوا اللّٰہَ الْعَافِیَۃَ۔[1] یہ حکیمانہ ہدایت نامہ ہے کہ اگر کسی کو بیمار دیکھو بُرے اعمال میں مبتلا پاؤ تو اس کو اس بیماری اور اعمالِ بد سے بچانے کی کوشش پوری ہمدردی، دلسوزی اور لگن کے ساتھ کرو اور ایسے ایسے طریقے سے کرو کہ مریض تنگدل پریشان اور بیزار نہ ہو، اس کو بیمار اور خود کو صحت مند دیکھ کر اپنے آپ کو افضل نہ سمجھو، اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ اس نے محض اپنے فضل سے تمھیں اِس بُری عادت میں مبتلا نہیں کیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر دعوت میں اخلاص ہوگا تو خود بخود داعی غور و فکر کرکے اپنی بات ایسے انداز میں پہنچانے کی سعی کرے گا جو مخاطب کے قلب پر اثر انداز ہو۔ انبیائے مرسلین کا طریق اخلاص اور ہمدردی کے ساتھ اصلاح کرنا ہے اور اصلاح اس طریق کے سوا ممکن ہی نہیں ہے۔

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ میرے استاد اور میرے پھوپھی زاد بھائی تھے وہ فرمایا کرتے تھے کہ حق بات، حق نیت سے، حق طریق سے کہی جائے تو ضرور مؤثر ہوتی ہے۔ جہاں بات مؤثر نہیں ہوتی، وہاں ان تینوں باتوں میں سے کسی بات کی کمی ہوتی ہے۔ اگر ان رعایتوں کے ساتھ اصلاح کی کوشش کی جائے گی، تو انشاء اللہ موثر ہوگی، مخاطب اثر قبول کرکے صحیح عمل کرے گا، اور اگر مخاطب عمل نہ بھی کرسکا تو کم از کم یہ فائدہ لازمی ہے کہ اس کو صحیح علم ہو جاتا ہے ـــــ بڑے بڑے مقررین اور جادو بیان خطیب تقریریں کرتے ہیں۔ وقتی طور پر بڑے بڑے اجتماع ان کی تقریروں کو سنتے بھی ہیں، لیکن اکثر تقریریں ختم ہونے کے ساتھ ہی فضا میں تحلیل ہو جاتی ہیں۔ اور بعض اللہ کے نیک بندے نہ تقریر کرنا جانتے ہیں نہ ان کو خطابت کے انداز آتے

---

[1] کچھ لوگ بیمار ہیں اور کچھ عافیت میں ہیں پس بیمار پر رحم کھاؤ اور اللہ تعالیٰ سے عافیت طلب کرو۔

ہیں۔ سیدھی سادی مختصر بات کہتے ہیں اور وہ دلوں میں اتر کر ہزاروں انسانوں کی زندگی میں انقلاب برپا کر دیتی ہے، اخلاص عمل کے راستے میں نام و نمود، جذبۂ شہرت، اظہار علم، مالی منفعت وغیرہ رکاوٹ بنتی ہیں، لیکن اگر انسان ان چیزوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے نظر انداز کر دے تو یہ فوائد مع زوائد کے اللہ تعالیٰ بخود حاصل کرا دیتے ہیں، جو لوگ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کیلئے دنیا کو ٹھوکر مار دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ دنیا کو ان کے قدموں میں تابع بنا کر ڈال دیتے ہیں، بس اسی پر ختم کرتا ہوں، دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اخلاص کی دولت عطا فرمائے اور ہم سے اپنے دین کی خدمت اخلاص کے ساتھ لے۔ آمین

اصلاح کا آسان نسخہ

مجملہ ارشادات عالیہ حکیم الامت مجدد الملت حضرت شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

دو رکعت نفل نماز توبہ کی نیت سے پڑھ کر یہ دعا مانگو

کہ اے اللہ میں آپ کا سخت نافرمان بندہ ہوں، میں فرمانبرداری کا ارادہ کرتا ہوں مگر میرے ارادے سے کچھ نہیں ہوتا۔ اور آپ کے ارادہ سے سب کچھ ہو سکتا ہے، میں چاہتا ہوں کہ میری اصلاح ہو مگر ہمت نہیں ہوتی، آپ ہی کے اختیار میں ہے میری اصلاح۔ اے اللہ میں سخت نالائق ہوں، سخت خبیث ہوں، سخت گندہ ہوں، میں تو عاجز ہو رہا ہوں، آپ ہی میری مدد فرمائیے، میرا قلب ضعیف ہے، گناہوں سے بچنے کی قوت نہیں، آپ ہی قوت دیجئے، میرے پاس کوئی سامانِ نجات نہیں، آپ ہی غیب سے میری نجات کا سامان پیدا کر دیجئے۔ اے اللہ جو گناہ میں نے اب تک کئے ہوں، انھیں اپنی رحمت سے معاف فرمائیے، گو میں یہ نہیں کہتا کہ آئندہ ان گناہوں کو نہ کروں گا، میں جانتا ہوں کہ آئندہ پھر کروں گا، لیکن پھر معاف کرا لوں گا۔ غرض اسی طرح روزانہ اپنے گناہوں کی معافی اور عجز کا اقرار اور اپنی اصلاح کی دعا اور اپنی نالائقی کو خوب اپنی زبان سے کہہ لیا کرو، صرف دس منٹ روزانہ یہ کام کر لیا کرو۔ لو بھائی دوا بھی مت پیو، بد پرہیزی بھی مت چھوڑو، صرف اس تھوڑے سے نمک کا استعمال ہر وقت کر لیا کرو۔ آپ دیکھیں گے کہ کچھ دن بعد غیب سے ایسا سامان ہوگا کہ ہمت بھی قوی ہو جائیگی، شان میں بٹہ نہ لگے گا، دشواریاں بھی پیش نہ آئیں گی۔ غرض غیب سے ایسا سامان ہو جاوے گا کہ آپ کے ذہن میں بھی نہیں ہے۔

حال :۔ لیکن وہاں تک پہونچانے کے لئے چونکہ سب کے طریقے مختلف ہیں، لہٰذا مرید کو سب کے طرق پر چلنا مشکل بلکہ ناممکن ہو جائے گا۔ اسکی مثال ٹھیک اس طرح ہے کہ جیسے ائمہ اربعہ کہ سب کے سب حق پر ہیں، اور سب کا مرجع بھی ایک ہی ہے لیکن ہر ایک کے طریقہ میں بون بعید کا فرق ہے۔ تحقیق :۔ بیشک۔

حال :۔ سو اگر کوئی چاہے کہ بیک وقت وہ حنفی بھی ہو شافعی ہو تو یہ ناممکن ہے بلکہ ایسا شخص اہل سنت والجماعت کے طریقہ سے خارج ہے۔ تحقیق :۔ بیشک۔

حال :۔ لہٰذا اسکے لئے ضروری ہوگیا کہ کسی ایک امام کی اتباع کرے، اسی کے بتائے ہوئے مسائل پر عمل کرے۔ تحقیق :۔ بیشک۔

حال :۔ لہٰذا اس سے ثابت ہوگیا کہ جس طریقہ سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت میں کوئی دوسرا شریک نہیں، رسول کی رسالت میں شرکت نہیں، اور اپنے حنفیت اور شافعیت میں کوئی دوسرا شریک نہیں، ایک شیخ کی شیخت میں بھی کوئی دوسرا ہرگز ہرگز شریک نہیں ہو سکتا۔ تحقیق :۔ بیشک۔

حال :۔ بلکہ ایک مرید کیلئے ضروری ہوگیا کہ اپنا شیخ واحد تسلیم کرے اور اسکے ہر ایک اشارہ کو اپنے لئے فلاح دارین کا سبب جانے۔ تحقیق :۔ بیشک۔

حال :۔ اور اسکے کردار گفتار کو سمجھنے کے لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ شیخ کی صحبت اور معیت اختیار کرے۔ تحقیق :۔ بیشک۔

حال :۔ حضرت! یہ نعمت غیر مترقبہ جب اپنے بغل میں تھی تو کچھ قدر نہیں تھی، اور جب دور ہوگئی، تو کچھ سمجھ میں آیا۔ تحقیق :۔ غنیمت ہے کہ آیا۔

حال :۔ لیکن صحبت دور، لیکن حضرت بڑی چیز عظمتِ شیخ ہے۔ تحقیق :۔ بیشک۔

حال :۔ اگر یہ دل میں ہے تو حضرت بھی دل سے قریب ہیں، ورنہ جسد کے اعتبار سے قرب کوئی قرب نہیں۔ تحقیق :۔ بیشک۔

حال :۔ حضرت! آپ کے عتاب سے کچھ سمجھ میں آیا۔ تحقیق :۔ الحمد للہ۔

حال :۔ اور اگر اچھی نیت سے آپ سے قرب حاصل کیا جائے تو کیا کچھ حاصل ہوگا۔

تحقیق :۔ بیشک ۔ حال :۔ حضرت! میری چھٹی گو قریب الختم ہے لیکن حضرت اگر اجازت فرمائیں تو جاتے وقت حضرت کی خدمت میں کچھ قیام کروں شاید اور کچھ مرض میری سمجھ میں آجائے اور اس کا ازالہ ہو جائے۔

تحقیق :۔ اجازت ہے ۔ حال :۔ حضرت دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کی تعلیمات کو سمجھنے کی اور عمل کرنے کی توفیق دے ۔ تحقیق :۔ دعا کرتا ہوں ۔

حال :۔ حضرت! یہ اشکالات بہت دنوں سے پل رہے تھے جن کو میں نے مع جواب کے ظاہر کر دیا۔ اگر کوئی غلطی ہو تو متنبہ فرمائیں تاکہ آئندہ احتیاط ہو جائے۔

تحقیق :۔ صحیح لکھا ہے۔

مکتوب نمبر ۱۳۱

حال :۔ حضرت والا کی تعلیم و تربیت سے سب ظلماتی پردے اٹھ گئے، اور ظاہری عبادت بھی رسمی معلوم ہونے لگی اور کوئی فعل و عمل رذائل نفس اور اخلاق ردیہ سے خالی نہیں ہمارا حال بالکل کفار و مشرکین اور منافقین کا سا ہے ۔ تحقیق :۔ بیشک ۔

حال :۔ پھر اس پر اللہ کی نصرت کی تمنا کرنا عبث ہے ۔ تحقیق :۔ بیشک ۔

حال :۔ حضرت والا نے ہر چیز کو واضح طور پر قرآن و حدیث اور بزرگان دین کے اقوال سے سمجھا دیا کہ بغیر رذائل نفس اور اخلاق ردیہ کو ترک کئے فلاح دارین نصیب نہیں ہو سکتی ہے ۔ تحقیق :۔ بیشک ۔

حال :۔ ان کو چھوڑنا پڑے گا، ورنہ یہ اعمال ظاہری بھی جسد بے روح رہیں گے۔

تحقیق :۔ بیشک ۔ حال :۔ چونکہ ہم لوگ عرصہ دراز سے حسد، کینہ، عجب ریا، غیبت، بہتان، نمیمہ، تجسس وغیرہ میں مبتلا تھے یہ طبیعت ثانیہ بن چکے تھے اس لئے جتنا فائدہ اٹھانے کا حق تھا بد فہمی اور عقل کی کمی کی وجہ سے نہ اٹھا سکے۔

تحقیق :۔ بیشک ۔

حال :۔ تاہم حضرت والا کی شفقت اور محبت اور برکت سے ہر چیز بے کم و کاست سمجھ میں آگئی اور اللہ کا خوف اور دین کا جذبہ پیدا ہو چلا ہے۔ **تحقیق** :۔ الحمدللہ

حال :۔ حضرت والا کی غایت شفقت اور محبت اور اخلاق کریمانہ کے ہمیشہ متمنی رہے کہ **تحقیق** : بیشک۔

حال :۔ کم از کم ہمارے پاس آنے جانے والے با اخلاق اور دیندار ہو جائیں۔ حضرت والا سختی اور شفقت سے ہم لوگوں کو ہمیشہ غار ضلالت سے نکالنے کیلئے فکرمند رہتے ہیں۔ **تحقیق** :۔ بیشک۔

حال :۔ اور ہمیشہ یہی چاہتے ہیں کہ کسی طرح سے ہم لوگوں کی اصلاح ہو جائے اور ہمارا ہر فعل و عمل اللہ و رسول کے حکم مطابق ہو، جو دلوں پر جمود طاری ہے وہ ہٹ جائے اور دین کا شعور اور جذبہ پیدا ہو جائے، اللہ تعالیٰ سے ہم لوگوں کا صحیح تعلق و رشتہ قائم ہو جائے۔ **تحقیق** :۔ بیشک۔

حال :۔ جب سے حضرت والا کی قربت نصیب ہوئی ہے گنہ گار ہر رذائل میں کمی محسوس کرتا ہے
تحقیق :۔ الحمدللہ۔ حال :۔ اور ہر وقت یہی ڈر لگا رہتا ہے کہ کوئی کام دین کے خلاف تو نہیں کر رہا ہوں، قلب میں ایک گونہ سکون محسوس کرتا ہوں اور ہر وقت اللہ کو راضی کرنے کی فکر دامن گیر رہتی ہے۔ **تحقیق** :۔ الحمدللہ

حال :۔ اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو حضرت والا کی سچی عقیدت اور محبت اور پہچاننے کا شعور اور عقل عطا فرمائیں اور ہم لوگوں کی مکمل اصلاح فرمائیں۔ **تحقیق** :۔ آمین۔

حال :۔ حضرت والا کی تعلیم و تربیت کو اپنانے کی صلاحیت اور جذبہ عطا فرمائیں۔
تحقیق :۔ آمین ۔ حال :۔ حضرت والا دعا فرمائیں کہ ہم لوگوں کی عقل و فہم کو اللہ تعالیٰ کھول دیں تاکہ ہر چیز کے سمجھنے اور عمل کرنے کا جذبہ پیدا ہو جائے۔
تحقیق :۔ دعا کرتا ہوں۔

مکتوب نمبر ۳۳

حال :۔ حضرت والا کی توجہ خاص و دعا کی برکت سے یہ امر بخوبی سمجھ میں آچکا ہے **تحقیق** :۔ الحمدللہ

حال :- اور جس کی طرف حضرت والا بھی ازراہِ شفقت و محبت تاکیداً تعلیم فرماتے رہتے ہیں کہ صحیح واصل دین نماز اور روزہ، اوراد و وظائف ہی نہیں بلکہ ان تمام بداخلاقیوں کو دور کرنا بھی ہے۔ **تحقیق** :- بیشک

حال :- جنکی وجہ سے ظاہری طاعات متعینہ کو پابندی سے ادا کرنے پر بھی قلب میں اسکے اثرات مثل نورانیت وغیرہ پیدا نہیں ہوتے۔ اور قلب منجمد رہتا ہے اور جلا نہیں پاتی جس کی وجہ سے تعلق مع اللہ میں اضافہ نہیں ہو پاتا، مثلاً غیظ، غیبت، چغلی، حسد، تجسس، بدگمانی وغیرہ جن کو صحیح معنوں میں معیوب بھی نہیں سمجھتے اور نہ اس کے زائل کرنے کی فکر ہی کرتے ہیں، اور رات دن اسی میں ملوث رہتے ہیں، جس کی وجہ سے مخلوق سے بھی معاملہ درست نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے بھی تعلق درست نہیں ہو پاتا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نہ اِدھر کا رہتا ہے نہ اُدھر کا رہتا ہے، اس لئے بہت ضروری ہے کہ پہلے قلب کو ان تمام رذائل سے پاک وصاف کیا جائے، جو کہ اختیاری بھی ہے تاکہ ان کی جگہ اخلاقِ حسنہ پیدا ہو سکیں

تحقیق :- بیشک۔ حال :- اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک ؐ کے طفیل اس ناچیز کو ان رذائل سے پاک فرمادیں۔ **تحقیق** :- آمین۔

حال :- اور عمل کی توفیق عطا فرمائیں، اور اخلاق حسنہ پیدا فرما دیں۔ **تحقیق** :- آمین

حال :- حضرت والا سے بھی اس کے حصول کی دعا کی درخواست کرتا ہوں۔

تحقیق :- دعا کرتا ہوں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ تحریر مجلس میں سنائی گئی

میں یہ سن رہا ہوں کہ آپ لوگ چرچا کرتے ہیں کہ میں نے مجلس بند کر دی ہے، میں نے تو کوئی لفظ بند کرنے کے متعلق کہا ہی نہیں۔ بڑے تعجب کی بات ہے کہ جو لوگ یہاں آرہے ہیں

وہ اتنی معمولی سی بات نہیں سمجھ سکے اور نہ اس کے متعلق کوئی صحیح رائے قائم کرسکے، بات یہ ہے کہ اس قسم کی چیزوں کے سمجھنے کا ارادہ ہی نہیں کیا جاتا، ہر جگہ کام اصول وطریقے سے ہورہا ہے اور ایسی جگہوں کا کوئی اصول نہیں، ہم لوگ کوئی بات کہتے یا کرتے ہیں تو اسکے سمجھنے کی کوشش نہیں کی جاتی بلکہ اس کو بداخلاقی پر محمول کرلیا جاتا ہے اور اسکے خلاف شور اور غوغا کیا جاتا ہے۔

میں نے اپنے تجربے کی بنا پہ کام کرتا ہوں، جیسا جیسا تجربہ ہوتا جاتا ہے اسی کے مطابق کام کرتا ہوں، اور کبھی کبھی آپ لوگوں کو اسکی اطلاع بھی کردیتا ہوں۔ چنانچہ مخلوق کی طرف سے نہایت تلخ تجربے ہورہے ہیں جو مقتضی ہیں کہ خوب سمجھ کر یہاں کام کیا جائے اور لوگوں کے ضرر سے اپنے کو محفوظ رکھا جائے، مخلص اور غیر مخلص میں امتیاز کیا جائے اور دوست و دشمن کو پہچانا جائے۔

میں کتابوں میں دکھا سکتا ہوں کہ ہر زمانہ میں بزرگوں نے مخلص اور غیر مخلص میں تمیز کی ہے اور طالب اور غیر طالب میں فرق کیا ہے، اس نظریہ کے ماتحت جس کا ذکر کررہا ہوں، میں نے کام میں کچھ ترمیم کردی ہے، یعنی اب اس وقت قرآن شریف کی تفسیر پڑھاتا ہوں، اس لئے کہ تفسیر بہت دنوں سے ہورہی ہے اور ختم نہیں ہورہی ہے، اسلئے زیادہ محنت کررہا ہوں اور علماء اور طلباء کو توجہ دلا رہا ہوں، شاید یہی لوگ میری بات سمجھ لیں، باقی عوام الناس تو میری معمولی سی بات بھی نہیں سمجھتے ــــ بایں ہمہ طالبین کی خدمت سے اعراض نہیں۔ اور یہ میں نے اُن سے کہہ بھی دیا ہے اُن کو وقت بھی دیدیا ہے، سہولتیں بہم پہونچادی ہیں، اور جو کچھ کہا گیا جاتا ہے وہ محض دین و دیانت سے کیا اور کہا جاتا ہے، کسی بداخلاقی سے نہیں، مگر یہ بھی ہے کہ ایسے لوگ پھر آتے کیوں ہیں اور جب کسی پر اطمینان نہیں تو ایسی جگہ جاتے کیوں ہیں۔

میں سمجھدار لوگوں کو مخاطب کرنا چاہتا ہوں اور ان سے کہتا ہوں کہ میری اس تحریر کا جواب دیں اور بتائیں کہ کام کی کیا شکل اختیار کی جائے، کیا طالب اور غیر طالب اور مخلص اور غیر مخلص میں تمیز نہ کی جائے۔ خاصکر ایسے حالات میں جبکہ مجھے مخلوق سے تلخ تجربے ہورہے ہیں، کئی احتمالات ہیں اور کام کی مختلف صورتیں ہیں۔ میں نے سب پر غور کرلیا، اب آپ لوگ کوئی صورت اسمیں تجویز کیجئے، اور اسکے متعلق کہئے۔

مکتوب نمبر ۳۴۳

حال :- احقر کو ایسے لوگوں سے بدگمانی ہوا کرتی ہے کہ جن کے طور طریقے و عادتیں احقر کو پسند نہیں ہیں، مثلاً بے نمازیوں سے یا مثلاً بظاہر نماز کے پابند نظر آتے ہیں مگر شکل و صورت و لباس مطابق شرع نہیں ہیں یا مثلاً قرآن خوانی کرانے کے عادی ہیں اور لوگوں کو مدعو کر کے اکٹھا کرتے ہیں یا مثلاً محرم۔ گیارہویں شریف، عرس حلقہ بندی میں شریک ہوتے ہیں، اور مثلاً حاجی لوگ جب حج سے لوٹے تو ان کی دعوتیں کرتے اور ان دعوتوں میں مسجد کے اماموں و مؤذنوں کو بھی شریک کراتے ہیں وغیرہ۔
کیا ایسے لوگوں سے سوءظنی رکھنا اس آیت کے منافی ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ نے تجسس، سوءظنی و غیبت تینوں باتوں کی برائی ایک ساتھ نازل فرمائی ہے اور جسکو اس مرتبہ حضور نے بیان فرمایا تھا، مگر احقر اپنی کند ذہنی کی وجہ سے اسکو مکمل سمجھ نہ سکا۔

تحقیق : ہاں۔ **حال :-** احقر نے آج شب کو خواب میں دیکھا کہ احقر اپنے وطن میں ہے اور رخصت ختم ہو گئی ہے، سفر کی تیاری کر کے گھر سے باہر نکلا تو معلوم ہوا کہ موٹر چھوٹ گئی اور ڈیوٹی پر نہ جا سکا، اور پھر فوراً آنکھ کھل گئی۔
چونکہ احقر اس قسم کے خواب کئی مرتبہ اس سے پیشتر بھی دیکھ چکا ہے۔ کہیں ریل چھوٹ جاتی ہے، کہیں موٹر چھوٹ جاتی ہے اور سفر ترک ہو جاتا ہے جس سے شبہ ہوتا ہے کہ کہیں احقر کے کوچ کا وقت قریب تو نہیں ہے۔ اگر کوئی تعبیر حضور کے خیال شریف میں آتی ہو تو احقر کو اس سے آگاہ فرمائیں تاکہ احقر اللہ تعالیٰ سے اپنی مغفرت و نجات کے لئے اور زیادہ گڑگڑائے۔

تحقیق :- آپ نے سوءظنی کے بارے میں جو لکھا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعی آپ کچھ نہیں سمجھے ہیں، جب یہاں مفصل گفتگو سے نہیں سمجھے تو مختصر تحریر سے بھلا کیا سمجھیں گے، تاہم کچھ لکھا جاتا ہے شاید سمجھ میں آجائے۔
سنئے! جو لوگ بے نمازی ہیں یا ان کی صورت شکل شریعت مطہرہ کے خلاف ہے

یا علانیہ بدعات میں مبتلا ہیں تو ان کا فسق ظاہر اور ان کی بدعات متیقن اور مشاہد ہیں۔ تو ظاہر ہے کہ آپ ان کو ویسا ہی سمجھیں گے جیسے ان کے اعمال کو دیکھیں گے، اسکے خلاف رائے رکھنے پر آپ قادر ہی نہیں ہیں، مثلاً یہ کہ کوئی شخص بے نمازی ہے، کسی کو شراب پیتے دیکھا ہے تو آپ اس کو یقیناً بے نمازی اور شرابخور سمجھیں گے، یہاں بدگمانی کا کوئی سوال ہی نہیں ہے۔ ہاں بدگمانی کا یہ موقع ہے کہ کسی شخص سے کوئی بری بات نہ دیکھی اور نہ سُنی پھر بھی اسکی طرف سے دل میں بُرا خیال ہوتا ہے، تو یہ بدگمانی ہے اس سے بچنا چاہیئے، اور اس پر ہرگز ہرگز عمل نہ کرنا چاہیئے، اس لئے کہ یہ شیطانی وسوسہ ہے اور اگر کسی مسلمان سے ایسی بات ظاہر ہو جس میں اچھائی بُرائی دونوں کا احتمال ہو، تو حتی الوسع اسکو اچھائی ہی پر محمول کرنا چاہیئے، برائی کے خیال سے اپنے کو بچانا چاہیئے۔

یہ تو بدگمانی کی تحقیق تھی۔ ایک بات اور سنیئے:۔ وہ یہ کہ اس زمانہ میں دغابازی چالبازی عام ہوگئی ہے، کسی کے قول و فعل پر (تجربات کی بناپر) اعتبار نہیں، اس لئے اس بات کو بھی مدنظر رکھنا ہے۔ اور اسی بات کے ملحوظ نہ رکھنے وجہ سے بہت سے سادہ لوح دھوکہ کھا جاتے ہیں اور طرح طرح کے نقصان میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ وہ بات یہ ہے کہ قبل تجربہ کسی شخص سے دل میں بدگمانی اور کوئی حتمی رائے تو نہیں رکھنی چاہیئے، تاہم معاملہ زمانۂ حال کے تمام فریبوں اور مکاریوں کو سمجھتے ہوئے اور بچتے ہوئے کرنا چاہیئے، جبھی آدمی نقصانات سے بچ سکتا ہے، اسی کو مصلح الدین حضرت شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں ؎

نگہ دارد آں شوخ در کیسہ در　　که داند ہمہ خلق را کیسہ بر

(وہی شوخ جیب میں اپنا موتی اور مال محفوظ رکھ سکتا ہے جو سب کو گرہ کٹ سمجھتا ہے

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

آپ نے لکھا ہے کہ "اگر خواب سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ احقر کے کوچ کا وقت قریب ہے تو پھر اپنی مغفرت کیلئے، اور نجات کیلئے گڑگڑائیے" تو کیا آپ کا رونا گڑگڑانا خواب کی تعبیر پر موقوف ہے، موت سے تو ہر وقت ہی ڈرنا چاہیئے اور آخرت کی ہر وقت ہی فکر رکھنی چاہیئے۔ صحابہؓ ایک نماز کے بعد دوسری نماز تک زندہ رہنے کی امید نہیں رکھتے تھے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَمَاتَدْرِیْ نَفْسٌۢ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ (اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کس زمین میں مرے گا)

مکتوب نمبر ۳۴۷

حال:۔ اکثر خواب دیکھتا رہتا ہوں، خوابوں کی طرف زیادہ اہتمام و توجہ نہیں ہے کبھی کبھی حضرت والا کو بھی خواب میں اپنے آپ کو حضرت کی خدمت میں دیکھتا ہوں۔

تحقیق:۔ الحمدللہ

حال:۔ دو چار دن کے قبل ایک خواب کچھ عجیب سا دیکھا تھا، صبح میں حافظ سلمہٗ کو بھی سُنایا، پھر ظہر کے بعد اسکی تعبیر ذہن میں آئی، معلوم نہیں صحیح ہے یا نہیں حضرت والا کی خدمت میں پیش کرنے کا خیال ہوا، پیش کرتا ہوں دیکھا کہ حضرت والا یہاں تشریف لائے ہیں اور آبادی سے ہٹ کر کہیں غیر آباد مقام جہاں مقبرہ ہے، رہتے ہیں وہاں تشریف فرما ہیں، یوں معلوم ہوتا ہے کہ آبادی میں لوگ زیادہ ہجوم کرتے ہیں اس لئے وہاں نہیں ٹھہرے ہیں، پھر حضرت والا کی مجلس میں مجھے یوں معلوم ہوا کہ ہمارے تمام اکابر کنویں میں الٹا سر نیچے قدم اوپر رہنے کی حالت میں ذکر اللہ کئے ہیں، تب کہیں مقصد تک رسائی ہوئی حتیٰ کہ حضرت تھانوی بھی چھ ماہ اس طرح سے ذکر و اشغال فرماتے رہے۔ خواب ہی میں میں خیال کرتا ہوں یا کہتا ہوں کہ ہمارے حضرت اس قسم کی ریاضت نہیں کرتے تو مجھ سے کہا گیا کہ ضرور کرتے ہیں گو کسی کو اسکی خبر نہیں ہوتی، پھر میں حضرت والا سے عرض کرتا ہوں کہ حضرت ایسی ریاضت مجھ سے کس طرح ہو سکتی ہے؟ حسرت کے ساتھ کہتا ہوں تو حضرت والا فرماتے ہیں کہ یہ کیا کم ہے جو تو عصر سے رات گیارہ بارہ تک برابر میرے پاس بیٹھا ہے۔

خواب تمام ہوا تعبیر میری سمجھ میں یہ آئی کہ اس الٹا لٹک کر ریاضت سے مراد شیخ کی خدمت میں رہنا ہے کہ یہی کلید کامیابی ہے۔ **تحقیق:۔** بیشک یہی ہے۔

غرض آپؐ نے نماز پڑھا دی۔ نماز سے فارغ ہوئے تھے کہ آیت نازل ہوئی وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّ لَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ (اور ان میں کوئی مر جائے تو اس پر کبھی نماز نہ پڑھئے۔ اور ان کی قبر پر کھڑے ہوجیئے، انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے۔ اور وہ حالت کفر ہی میں مرے ہیں) جس میں آئندہ کیلئے صاف طور سے منافقین کے جنازہ کی نماز سے اور ان کی قبر پر جانے سے منع کر دیا گیا۔ جب حضرت عمرؓ کو یہ معلوم ہوا کہ آیت میری رائے کے موافق نازل ہوگئی تو ان پر بے انتہا خجلت کا غلبہ ہوا کہ یہ کیا ہوا کہ میری رائے کے موافق وحی نازل ہوئی۔ اب ان کو حضورؐ کے سامنے آتے ہوئے شرم آتی تھی۔ سبحان اللہ! یہ ہے محبت اور ادب۔ اس مقام پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا حضورؐ کی رائے سے حضرت عمرؓ کی رائے افضل ہوگئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کی رائے بھی حضورؐ ہی کی رائے تھی۔ وہ بھی حضورؐ ہی کا فیض تھا۔ کیونکہ کفار و منافقین پر غیظ اور ان سے نفرت حضرت عمرؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی برکت سے نصیب ہوئی، ورنہ آپ کی صحبت سے پہلے تو وہ خود ہی خالی تھے اور قتل رسولؐ کا منصوبہ باندھ کر آئے تھے۔ حضورؐ پر ایمان لانے کے بعد حق تعالیٰ نے ان کو کفار و منافقین سے نفرت اور غیظ عطا فرمایا، مگر حضرت عمرؓ صرف عمر ہی تھے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم رسولؐ بھی تھے اور عمر بھی تھے، بلکہ یوں کہو کہ آپ آدم بھی تھے، نوح بھی تھے، ابراہیم بھی تھے، موسیٰ بھی تھے، عیسیٰ بھی تھے سے

حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضا داری ‍ ‍ ‍ ‍ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

(آپ یوسف علیہ السلام کا حسن اور عیسیٰ علیہ السلام کا دم یعنی پھونک اور موسیٰ کا ید بیضا وغیرہ سارے معجزات) رکھتے ہیں۔ جو خوبیاں سب (انبیاء) الگ الگ رکھتے تھے آپ تنہا رکھتے ہیں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں تمام شانیں جمع تھیں غیظ و غضب علی الکفار بھی آپ کے اندر تھا اور رحمت و رافت بھی اعلیٰ درجہ کی آپ میں تھی۔

غلبۂ رحمت | مگر آپ میں غلبۂ رحمت تھا، اس لئے جب تک کوئی بہانہ بھی رحمت کا ساتھ آپ رحمت ہی کا برتاؤ کرتے تھے، جب رحمت کا کوئی بہانہ نہ ہوتا اسوقت غضب فرماتے

عبداللہ بن ابی گو منافق تھا مگر کھلم کھلا کافر نہ تھا اور منافقوں کے احکام کفار معلنین (اعلان کرنیوالے) کے احکام سے جدا تھے، ان کے ساتھ احکام حیات میں وہی برتاؤ ہوتا جو مسلمانوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اور موت کے احکام ہنوز نازل نہ ہوئے تھے، اس لئے بوجہ غلبۂ رحمت کے آپؐ نے احکام حیات پر قیاس کرکے اس کے ساتھ اموات مسلین (مسلمان مُردوں) جیسا برتاؤ کیا۔ اور حضرت عمرؓ نے بوجہ غلبۂ غیظ وشدت کے احکام حیات کو ضرورت ومصلحت پر مبنی سمجھ کر احکام ممات (موت) میں منافقین کو کفار معلنین پر قیاس کیا۔ اور یہ بھی حضور ہی کا فیض تھا، اور یہ قیاس بھی آپ سے مخفی نہ تھا، مگر حضورؐ نے غلبۂ رحمت کی وجہ سے پہلے قیاس کو ترجیح دی، کیونکہ جب تک آپ کو موقع ملتا تھا آپ رحمت ہی کے پہلو کو اختیار فرماتے تھے، اور حضور کی یہ شان ہم مسلمانوں کے لئے بہت کچھ موجب تسلی ہے، کیونکہ ؎

دوستاں[1] را کجا کنی محروم ۔۔۔ تو کہ با دشمناں نظر داری

اور ؎

چہ غم دیوار امت را کہ باشد چوں تو پشتیباں
چہ باک از موج بحر آں را کہ دارد نوح کشتیباں ۱۲ جامع

(امت کی دیوار کو (گرنے کا) کیا غم ہوسکتا ہے) جب آپ جیسا پشتہ لگا کر مضبوط کرنیوالا ہو۔ اور جو نوح علیہ السلام جیسا کشتیباں رکھتا ہو اسے دریا کی موج کا کیا ڈر)

اب اس مقام پر میں ایک سوال علماء ظاہر سے کرتا ہوں، وہ یہ کہ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ (آپ ان کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں) سے حضور نے تخییر کس طرح سمجھی، یہ تردید تو تسویہ کیلئے ہے کہ ان کے واسطے استغفار کرنا اور نہ کرنا برابر ہے، ان کو دعاء استغفار سے کوئی نفع نہ ہوگا، چنانچہ اہل عربیت پر یہ بات مخفی نہیں، اسی طرح اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً میں عدد کا ذکر تحدید کیلئے تھوڑا ہی ہے کہ اگر ستر دفعہ استغفار کروگے تو مغفرت نہ ہوگی اس سے زیادہ کرو تو ہوجاوے گی؟ بلکہ یہاں عدد کا ذکر ایسا ہے جیسا محاورہ میں کہا جاتا ہے کہ سو دفعہ بھی کہے گا جب بھی نہ مانونگا ہزار دفعہ کہے گا جب بھی نہ مانوں گا، اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ ہزار دفعہ سے زیادہ کہا جائے تو مان لیں گے، بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ بات ہرگز نہ مانی جائے گی اور عدد کا ذکر صرف بیان کثرت کیلئے ہوتا ہے نہ تحدید کیلئے۔ پھر حضور نے خُيِّرْتُ[2] فَاخْتَرْتُ وَسَاَزِيْدُ عَلَى

---

[1] آپ اپنے دوستوں (محبین) کو کیسے محروم اور نظر انداز کرینگے جبکہ دشمنوں اور نافرمانوں کی طرف بھی کرم کی نگاہ رکھتے ہیں۔
[2] مجھے استغفار کے معاملہ میں اختیار دیا گیا تو اسے میں نے اختیار کیا اور میں تو ستر مرتبہ سے بھی زیادہ استغفار کروں گا۔

سَبْعِیْنَ کیسے فرمایا، علماء ظاہر اس کا شافی جواب نہیں دے سکتے، اور جو لوگ محض ترجمۂ قرآن پڑھ کر اجتہاد کے مدعی ہیں وہ تو کیا جواب دیں گے، لیجئے اب میں علماء باطن کا جواب عرض کرتا ہوں۔ مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ حالت رحمت کے غلبہ کی وجہ سے اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معانی کی طرف التفات نہیں فرمایا بلکہ محض نفس الفاظ سے تمسک فرمانے لگے اور نفس الفاظ میں تخییر وحصر کی گنجائش ضرور ہے گو محاورہ کے اعتبار سے گنجائش نہ ہو، اس سے معلوم ہوا کہ غلبۂ حال کاملین پر بھی کبھی ہو جاتا ہے اب میں پھر مقصود کی طرف عود کرتا ہوں کہ مقصود بیان تو اتنا طویل نہ تھا جتنا وقت گذر گیا مگر بات میں بات نکلتی آئی اس لئے زیادہ دیر ہو گئی اور یہ بلا ارادہ ہوا میرا ارادہ اتنی دیر بیان کرنے کا بھی نہ تھا مگر انشاء اللہ یہ تطویل بھی نافع ہی ہو گی کہ بہت سی کام کی باتیں کان میں پڑ گئیں

علم باعمل مقصود بیان یہ ہے کہ میں عمل کی ترغیب دے رہا ہوں، اور میں نے بتلا دیا ہے تصوف کا خلاصہ صرف علم مع العمل ہے اور علم بھی صرف عمل کیلئے مطلوب ہے تو یوں کہئے اصل مقصود عمل ہے اور اس میں آجکل بہت کوتاہی ہو رہی ہے کہ لوگ عمل کا اہتمام نہیں کرتے احوال و مقامات کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں، حالانکہ اصل چیز نماز، روزہ اور معاملات و معاشرات میں احکام شرعیہ کا اتباع ہے۔ اسی کا ذکر اس آیت میں ہے اِصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا (خود صبر کرو اور مقابلہ میں صبر کرو) جو عمل کی تمہید ہے یا یہ بھی عمل کی تعبیر ہے آگے ارشاد ہے وَرَابِطُوْا جسکے معنی وَاظِبُوْا وَدَاوِمُوْا عَلَى الْاَعْمَالِ (اعمال پر مداومت اور پابندی کرو) یعنی صرف ایک دفعہ صبر و مصابرت کافی نہیں ہے بلکہ اسکے مقصود یا مدلول پر کہ عمل ہے مواظبت کی ضرورت ہے۔

اقسام نفس اب سمجھئے کہ مرابطہ کی انواع بہت ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ نفس کی اقسام مختلف ہیں، کسی کا نفس امارہ ہے کسی کا لوامہ کسی کا مطمئنہ۔ مگر صوفیہ نے مرابطہ کی تفصیل زیادہ تر نفس امارہ کے متعلق بیان کی ہے۔ میں نے نفس مطمئنہ اور نفس لوامہ کے اعتبار سے اس میں زیادات کی ہیں جن سے صوفیہ نے تعرض نہیں کیا۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ مرابطہ کی صورت کبھی

بہلانے پھسلانے کی شکل میں ہوتی ہے کبھی ڈانٹ ڈپٹ کی شکل میں۔ تو جو نفس مطمئنہ ہے اسکے ساتھ ڈانٹ ڈپٹ کا برتاؤ نہیں کیا جاتا بلکہ اس کے ساتھ اجر و فضائل یاد دلاکر بہلانے پھسلانے کا معاملہ ہوتا ہے جس کا نام مواعدہ ہے۔ کیونکہ نفس مطمئنہ تو خود ہی عمل کا طالب ہے اور مجاہدات سے اسکے اندر عمل کا شوق پیدا ہوگیا ہے مگر کبھی بشریت کی وجہ سے سستی کرنے لگتا ہے تو اس وقت اسکو ترغیب اور مواعدہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور نفس کو مطمئنہ جو کہا جاتا ہے اسکے یہ معنی نہیں کہ وہ آتش محبت سے خالی ہے بلکہ ان کی حالت یہ ہوتی ہے کہ اندر اندر جلتے بھنتے رہتے ہیں، گو ظاہر میں ہنستے پھرتے ہیں۔ نواب شیفتہ نے ان کی حالت کو خوب بیان کیا ہے ؎

تو اے افسردہ دل زاہد یکے در بزم رنداں شو کہ بینی خندہ بر لبہا و آتش پارہ در دلہا

(اے افسردہ دل زاہد تو ذرا ایک بار رندوں کی مجلس میں چلا جا، وہاں تجھے معلوم ہوگا کہ ان کے لبوں پر تو ہنسی ہے، مگر ان کے دل آتش عشق سے کباب ہو رہے ہوں گے) اور ایک نفس لوامہ ہے جو کبھی بُرے کام بھی کرتا ہے مگر پچھتاتا بھی ہے، اس کے ساتھ مسامحت کا معاملہ کیا جاتا ہے، یعنی اس کو نرمی سے تنبیہ کی جاتی ہے، کیونکہ وہ تو خود ہی حرکات پر نادم ہے اور توبہ کرکے عمل کر رہا ہے۔ اور ایک نفس ہے امارہ جو گناہوں سے رکتا ہی نہیں، اسکے ساتھ سختی کا معاملہ کیا جاتا ہے۔ صوفیہ نے اسی کے معاملہ کو زیادہ بیان کیا ہے۔ پس امارہ کو دوام عمل اور مواظبت کا عادی بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ اوّل تو اس سے ہر دن صبح ہی کو شرطیں کر لو کہ تجھکو آج اس طرح عمل کرنا پڑیگا اس کا نام ہے مشارطہ۔ پھر دن بھر اسکی نگہداشت رکھو کہ شرط کے موافق عمل کر رہا ہے یا نہیں، اس کا نام ہے مراقبہ۔ پھر رات کو دن بھر کے اعمال کا حساب لو کہ آج کیا کیا کام کئے اور شرط پوری کی یا نہیں، اس کا نام ہے محاسبہ۔ اب حساب کرنے سے اگر یہ معلوم ہوا کہ شرط کی خلاف ورزی ہوئی ہے اسکو کسی ایسی مشقت کی سزا دو جس سے اسکی اصلاح ہو۔ اس کا نام ہے معاقبہ۔

اصلاحِ نفس پھر جو اپنی سستی سے اُس نے کوتاہی کی ہے اس کے تدارک کیلئے اس پر کچھ جرمانہ مقرر کردو کبھی نفلیں زیادہ بڑھادو، کبھی روزہ لازم کردو کبھی صدقہ خیرات بڑھادو، اس کا نام ہے مجاہدہ اسکے بعد اسکی نافرمانی پر اس پر ملامت کرو اور تدارک پر آمادہ کرو، اس کا نام ہے معاتبہ، اور اگر

محاسبہ کے وقت یہ معلوم ہو کہ نفس نے بد پرہیزی اور خلاف ورزی نہیں کی بلکہ شرائط کو پوری طرح ادا کر دیا تو اب اسکو شاباشی دو۔ اس کا صوفیہ نے ذکر نہیں کیا، نہ اس کا نام تجویز کیا، سو میں انشاء اللہ اس کا نام بھی وعظ کے صاف ہونے کے وقت تجویز کر لوں گا۔

خلاصہ یہ کہ ہمیشہ نفس کو بد پرہیزی سے بچانا چاہئے کہ احکام الٰہیہ کی مخالفت نہ کرے اور صوفیہ نے یہ سب طریقے حدیثوں سے معلوم کر کے مقرر کئے ہیں، مثلاً حدیث میں ہے حَاسِبُوْا قَبْلَ اَنْ تُحَاسَبُوْا (اپنا حساب کر لو اس سے پہلے کہ تم سے حساب لیا جائے) اسمیں محاسبہ کا ذکر ہے اور ایک حدیث میں ہے مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَاِنَّهٗ لَهٗ وِجَاءٌ (جو تم میں طاقت رکھے شادی کرنیکی وہ شادی کر لے، اور جو طاقت نہ رکھتا ہو اس پر روزہ رکھنا لازم ہے کیونکہ روزہ اسکی شہوت کو ختم کر دیگا)

اصلاح نفس بواسطہ روزہ | یعنی جو شادی کر سکے وہ نکاح کرے اور جس کو اسکی وسعت نہ ہو، وہ روزہ رکھے کیونکہ روزہ اسکی رگ شہوت کو مَل دیگا، یہ مجاہدہ ہے اور ترک جمع پر تصدّق دینا[1] کا امر ہے یہ معاقبہ ہے۔ اسی طرح نصوص میں غور کرنے سے سب کی اصل مل سکتی ہے، پس یہ باتیں گھڑی ہوئی نہیں ہیں، مگر اہل ظاہر کی نظر یہاں تک نہیں پہونچتی، اس لئے انکو یہ باتیں نئی معلوم ہوتی ہیں۔

ایک غیر مقلد عالم میرے پاس آئے اور کئی روز تک مجلس میں بیٹھے، انکی یہ حالت تھی کہ جب کوئی مجھ سے سوال کرتا تو وہ خود جواب دینے لگتے کہ حدیث میں اسکے متعلق یہ آیا ہے، میں خاموش رہتا۔ ایک دن ایک شخص نے یہ سوال کیا کہ مجھ پر شہوت کا غلبہ ہے۔ وہ مولوی صاحب جلدی سے بولے کہ روزہ رکھو حدیث میں اس کا بھی علاج ہے فَاِنَّ الصَّوْمَ لَهٗ وِجَاءٌ (روزہ اسکی شہوت ختم کر دینے والا ہے) سائل نے کہا کہ میں نے روزہ بھی رکھا تھا مگر اس سے شہوت اور زیادہ ہو گئی، اب وہ مولوی صاحب تو خاموش ہو گئے ان سے کچھ جواب نہ بن پڑا۔ میں نے بزرگوں کے طفیل سے اس کا بھی جواب دیا، میں نے کہا کہ روزہ میں ابتداءً شہوت کا غلبہ ہوتا ہے کیونکہ اس سے طبیعت میں لطافت پیدا ہوتی ہے اور لطافت سے شہوت بڑھتی ہے مگر زیادہ روزے

---

[1] اشرفی صدقہ کرنا۔

رکھنے سے پھر شہوت کم ہو جاتی ہے اور حدیث میں لزدم صوم کو علاج فرمایا ہے نہ کہ مطلق صوم
د، اور لزوم مقتضی ہے اعتیاد و تکرار کو (کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ جیسے زیادہ کثافت طبع سے شہوت
م ہوتی ہے اسی طرح زیادہ لطافت سے بھی کم ہو جاتی ہے، رہا یہ سوال کہ پھر روزہ کی کیا ضرورت
ہے، بلکہ یہ طریقہ بتلانا چاہئے کہ بہت پیٹ تن کے کھائے اناپ شناپ کھائے۔ اس سے بھی
شہوت کم ہو جائے گی تو یہ صورت خطرناک ہے کیونکہ بہت کھانے سے قسم قسم کے امراض پیدا
ہو جائیں گے جن سے جان کا خطرہ ہے اور روزہ ان خطرات سے خالی ہے ۱۴)

میں نے یہ حکایت اس لئے بیان کی تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ اہل ظاہر کی نظر حدیث میں وہاں
ک نہیں پہونچتی جہاں تک اہل باطن کی پہونچتی ہے، اس لئے صوفیہ پر ان کا یہ اعتراض لغو ہے کہ انھوں
نے یہ طریقے کہاں سے گھڑ لئے، تو خوب سمجھ لو کہ انھوں نے کہیں سے نہیں گھڑے بلکہ سب کی اصل
حدیثوں میں موجود ہے گو آپ کو معلوم نہ ہو، اور حدیث مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ
سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تسہیل اعمال کے طریقے بھی بتلائے ہیں، مگر یہ حضورؐ
کے ذمہ لازم نہ تھا یہ محض رحمت و تبرع ہے، اسی طرح شیوخ کے ذمہ بھی یہ امور لازم نہیں اگر وہ بتلادیں
تو ان کا احسان ہے، اس لئے میں کبھی تو (احساناً) طرق تسہیل بتلا دیتا ہوں کبھی نہیں بتلاتا۔

غلبۂ غضب | بعض لوگ غلبۂ غضب کی شکایت کرتے ہیں تو ان سے یہ سوال کرتا ہوں کہ غضب اختیاری
ہے یا غیر اختیاری۔ وہ کہتے ہیں کہ غیر اختیاری ہے۔ پھر سوال کرتا ہوں کہ اسکے مقتضا پر عمل کرنا اختیاری
ہے یا غیر اختیاری۔ وہ کہتے ہیں کہ اختیاری ہے۔ اس پر کہتا ہوں کہ جب یہ اختیاری ہے تو بس غضب
کے مقتضا پر عمل نہ کرو یہاں تک تو تبلیغ ہے اور یہی شیخ کے ذمہ ہے، آگے طالب کا کام ہے کہ
ہمت کرکے غضب کے مقتضا پر عمل نہ کرے مگر شفقت کے طور پر بعض کو سہولت کا طریقہ بھی بتلا
دیتا ہوں مثلاً یہ کہ اس جگہ سے خود ہٹ جائے یا مخاطب کو الگ کر دے اگر قدرت ہو۔ اگر
قدرت نہ ہو تو خود ہی الگ ہو جائے۔ اور بعض طریقے غصہ کو کم کرنے کے حدیث میں بھی آئے ہیں، مثلاً
یہ کہ پانی پی لے وضو کرے یا اَعُوذُ بِاللّٰہ پڑھے لیکن یہ طریق لطیف ہیں جو لطیف طبائع کے مناسب ہیں آجکل
طبائع کثیف ہیں اسلئے سخت تدابیر کی ضرورت ہے۔ جن میں سے ایک تدبیر وہ ہے جو میں نے
بیان کی کہ وہاں سے ہٹ جائے یا مخاطب کو الگ کر دے، اور یہ زیادت علی الحدیث نہیں

---

۵ جو تم میں سے شادی کی طاقت رکھے وہ شادی کرے۔

ہے۔ بلکہ اسی سے مستنبط ہے۔ کیونکہ ان سب تدابیر کا راز یہ ہے کہ غصہ کے وقت توجہ کو ہٹانا اور دوسری طرف متوجہ کر دینا غصہ کم کر دیتا ہے پس توجہ کے ہٹانے کی جو صورت بھی ہوگی وہ حدیث ہی کے تحت میں ہوگی، رہا صورتوں کا بدلنا یہ تبدیل علاج بہ تبدیل مزاج پر داخل ہے۔ آجکل کی طبائع ایسی کثیف ہیں کہ اعوذ باللہ تو کیا سارا قرآن بھی پڑھ دو جب بھی اثر نہ ہو کیونکہ لوگ آج کل محض زبان سے اعوذ باللہ پڑھتے ہیں دل سے نہیں پڑھتے، ہماری تو حالت یہ ہے ؎

اللہ اللہ می کنی بہر زباں　　بے طمع پیش آ واللہ را بخواں

(تم اسلئے اللہ اللہ کرتے ہو کہ روٹی ملے۔ لوگ معتقد ہوں بے طمع ہو کر سامنے آؤ اور اللہ اللہ کر دیکھو کیسے کیسے علوم معارف حاصل ہوتے ہیں) اور اگر استحضار عظمت الٰہیہ کے ساتھ دل سے اعوذ باللہ پڑھی جائے تو ضرور اثر ہو۔ ہم نے عرب میں اس اثر کا مشاہدہ کیا ہے۔ کہ دو شخص آپس میں غصہ کر رہے ہیں، لڑنے کو آمادہ ہو گئے، تلواریں نیام سے نکل آئی ہیں کہ ایک تیسرے شخص نے آکر کہدیا یا شیخ صَلِّ عَلَی النَّبِیِّ[1] یہ کہنا تھا کہ فریقین کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا اور دونوں درود پڑھنے میں مشغول ہو گئے اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ پھر ایک ادھر کو چل دیا ایک ادھر کو چل دیا۔ یہاں تو لاکھ دفعہ بھی صَلِّ عَلَی النَّبِیِّ کہو تو غصہ ٹھنڈا نہ ہو اس لئے میں یہ بتلاتا ہوں کہ مخاطب کو سامنے سے الگ کر دو یا خود الگ ہو جاؤ تو توجہ ہٹ جائے گی غصہ جاتا رہے گا

خوف وحزن | یہی صرف توجہ کا علاج ہے غم کا جو وقت کسی کے یہاں موت ہو جاتی ہے تو میں یہی علاج بتلاتا ہوں کہ واقعہ کا تذکرہ نہ کرو غم کو تازہ نہ کرو واقعہ کو سوچو نہیں اس سے بہت جلد غم زائل ہو جاتا ہے۔ اور یہی مطلب ہے لَا تَخَافِیْ وَلَا تَحْزَنِیْ (موسیٰ علیہ السلام کی ماں کو خطاب ہے کہ لخت جگر کو دریا کے حوالہ کر دو، نہ ڈرو نہ غم کرو) کا، ورنہ بظاہر اس پر اشکال وارد ہوتا ہے کہ خوف وحزن تو امر غیر اختیاری ہے اور امر ونواہی کا تعلق امور اختیاری سے ہوتا ہے۔ پھر یہاں خوف وحزن سے نہی کیونکر متعلق ہوئی۔ ترجمہ قرآن دیکھنے والے اس اشکال کا جواب دیں؟ یقیناً وہ اس کا جواب نہ دے سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اسکا جواب

---

[1] جناب نبی پر درود بھیجو

سمجھایا ہے وہ یہ کہ خوف وحزن کی ایک ابتدا ہے ایک بقاء۔ ابتدا تو غیر اختیاری ہے اور بقاءُ میں انسان کے اختیار کو بھی دخل ہے کہ واقعہ کو سوچتا رہے اس کا تذکرہ کرتا رہے اس سے حزن بڑھتا جاتا ہے پس وَلَا تَحْزَنِیْ کا مطلب یہ ہے کہ خوف وحزن کو ترقی مت دینا، یعنی اس کا تذکرہ نہ کرنا نہ اسکی سوچ میں پڑ جانا۔ اسی طرح طبعی حزن بھی خود کمزور ہو جاویگا مگر آجکل تو یہ عالت ہے کہ تعزیت کرنے جو آتا ہے وہ سارا قصہ پوچھتا ہے خصوص عورتیں غمزدہ عورت سے گلے مل کر روتی ہیں۔ اب یہ غریب تو ایک ہے اور گلے لگنے والیاں سو ہیں اتنے دن پر تو ہر دفعہ نشتر لگتا ہے اور آنے والیوں کے دل پر ایک ہی دفعہ لگتا ہے اگر بناوٹ نہ ہو۔ اس لئے یہ طریقہ تعزیت کا واہیات ہے۔

طریقہ تعزیت | بس میں تو اس طرح تعزیت کرتا ہوں کہ بھائی جو ہونا تھا وہ تو ہو گیا اب رونے دھونے سے مردہ تو زندہ ہونے سے رہا اب کوئی نہیں کچھ نفع۔ تم وہ کام کرو کہ اس کو بھی نفع ہو اور تم کو بھی، وہ یہ کہ قرآن لیکر بیٹھ جاؤ اور پڑھ پڑھ کر اسے بخشو، نفلیں پڑھو اور ان کا ثواب اس کو بخشو اللہ اللہ کرو اور اس کا ثواب اسکو پہونچاؤ، اس کے لئے دعائے مغفرت کرو اور یہ سوچو کہ وہ جنت میں گیا جہاں یہاں سے زیادہ راحت ہے اور کچھ دنوں میں ہم بھی وہیں پہونچ کر اس سے مل لیں گے حدیثوں میں یہی طریقہ بتلایا گیا ہے۔ اور فقہاء نے بھی بے ضرورت تذکرہ کرنے سے منع کیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ تین دن کے بعد بستی والے تعزیت نہ کریں، ہاں باہر سے آنے والوں کو اجازت ہے۔

اصلاح بدعت | اس کا راز وہی ہے کہ زیادہ تذکرہ سے غم بڑھتا ہے۔ اسکے متعلق نظام الدین بیرؒ کی حکایت بڑے مزہ کی ہے، واقعی انھوں نے دانائی سے کام لیا کہ ان کے والد کا انتقال ہوا تو اول تو انھوں نے اپنے معمولات کو ترک نہیں کیا جو کام جس وقت کرتے تھے سب اپنے اپنے وقت پر کرتے رہے جب کھانے کا وقت آیا باورچی سے کھانا منگایا۔ اس نے کہا حضور میں نے تو یہ سوچ کر کہ آج والد صاحب کا انتقال ہوا ہے آپ کھانا نہ کھائیں گے کچھ نہیں پکایا۔ کہا سبحان اللہ! وہ تو اپنی موت سے مرے تو ہم کو زندہ مارنا چاہتا ہے کچھ مختصر سی سزا دی اور کھانا پکوایا

(باقی آئندہ)

(۲۹۷) فرمایا کہ علم نام ہے اعتقاد جازم کا اور تجربہ ہے کہ جس درجہ کا جزم شرع میں مقصود ہے وہ بدون عمل بالمقتضیٰ کے حاصل نہیں ہوتا، پس علم مطلوب وہی ہے جو مقرون بالعمل ہو جاوے۔

(۲۹۸) فرمایا کہ جب مجھے کسی عمل میں کم ہمتی ہوتی ہے تو میں اسکے متعلق مجمع عام میں ایک عام مضمون بیان کر دیتا ہوں، اس سے خود میری ہمت بھی قوی ہوجاتی ہے۔ اس میں راز یہ ہے کہ جس عمل کے متعلق عام بیان ہوتا ہے، قاعدہ ہے کہ بیان میں اس کا بڑا اہتمام و اعتنا ہوتا ہے، مخاطبین پر اچھی طرح اسکی ضرورت ظاہر کی جاتی ہے تو طبعاً متکلم کے دل میں اس سے یہ اثر پیدا ہوتا ہے کہ جس بات کا ہم دوسروں کو تاکید کیا کر رہے ہیں سب سے پہلے خود بھی اس پر عمل کرنا چاہیئے، اس سے فی الجملہ ہمت بڑھتی ہے۔ پھر مخاطبین میں کوئی بزرگ اور نیک آدمی بھی ہوتا ہے۔ اگر بیان سے اس کا دل خوش ہوگیا اور اس نے دل سے دعا دیدی اور وہ قبول ہوگئی۔ یا کسی کو اس کے بیان سے نفع ہوگیا، اور اس طور پر بیان کرنیوالا ہدایت کا سبب بن گیا جو ایک بڑی طاعت ہے تو اس پر خدا تعالیٰ اس کے ساتھ بھی رحمت کا معاملہ فرما دیتے ہیں کہ اس نے ہمارے بندوں کو ہماری طرف متوجہ کیا ہے تو اس کو بھی محروم نہ رکھا جاوے، یہ سب اسباب خود واعظ کو نفع حاصل ہو جانے کے ہو جاتے ہیں۔

(۲۹۹) فرمایا کہ بد دین آدمی اگر دین کی بھی باتیں کرتا ہے تو ان میں ظلمت بھری ہوئی ہوتی ہے، اسکی تحریر کے نقوش میں بھی ایک گونہ ظلمت لپٹی ہوئی ہوتی ہے اور دیندار دنیا کی بھی باتیں کرے تو ان میں نور ہوتا ہے، کیونکہ کلام دراصل قلب سے ناشی ہوتا ہے قلب کی حالت کا اثر اس میں ضرور ہوگا، پس چونکہ متکلم کا اثر اس کے کلام میں اور مصنف کے قلب کا اثر اس کی تصنیف میں ضرور ہوتا ہے۔ اس لئے بے دینوں کی صحبت اور بیدینوں کی کتابوں کا مطالعہ ہرگز نہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ مطالعۂ کتب مثل صحبتِ مصنف کے ہے۔ جو اثر بیدین کی صحبت کا ہوتا ہے وہی اسکی کتاب کے مطالعہ سے ہوتا ہے۔

(۳۰۰) فرمایا کہ مناظرہ کے قصد سے بھی مخالفین کی کتابیں نہ دیکھنا چاہیئے۔ کیونکہ پہلوان

اگر کسی سے کشتی لڑنا چاہے تو اس کو پہلے یہ دیکھ لینا چاہئے کہ مقابل اپنے سے کمزور ہے یا زبردست، اگر کمزور ہو تو مقابلہ کرے ورنہ اس سے دور ہی رہے۔ ایسے شخص کا مقابلہ وہ کرے جو اس سے زبردست ہو۔ پس محقق کے سوا کسی کو اجازت نہیں کہ مخالفین کے رد کے درپے ہو۔ کیونکہ غیر محقق پر اندیشہ ہے کبھی خود ہی شک میں نہ پڑ جاوے۔

(۲۰۱) فرمایا کہ قلب کا اثر انسان کے کلام اور لباس تک میں ظاہر ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ اہل اللہ کے تبرکات میں اثر ہوتا ہے اور صحبت میں اس سے زیادہ اثر ہوتا ہے۔

(۲۰۲) فرمایا کہ خدا تعالےٰ کے علاقہ سے کسی کے ساتھ محبت کرنا یہ درحقیقت حق ہی کے ساتھ محبت ہے۔ دیکھو اگر ہماری وجہ سے کوئی ہماری اولاد یا متعلقین کے ساتھ محبت کرے اس کو ہم اپنی ہی محبت سمجھتے ہیں۔

(۲۰۳) فرمایا کہ بزرگوں کی صحبت وزیارت بڑی چیز ہے ان کا تو تصور بھی نافع ہے اور یہ اصل ہے تبرکات کی۔ کیونکہ ان کی چیزوں کو دیکھ کر ان کی یاد تازہ ہوتی ہے اور ان کی یاد سے دل میں نور آتا ہے۔ حق تعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا ہوتا ہے۔

(۲۰۴) فرمایا کہ شرعاً مطلوب وہی علم ہے جو اپنے اثر کے ساتھ ہو یعنی علم کے ساتھ عمل بھی ہو، جیسے تلوار وہی مطلوب ہے جس میں صفت قطع بھی ہو ورنہ برائے نام تلوار ہوگی۔ ؎

علم چہ بود آنکہ رہ بنمایدت — زنگ گمراہی زدل بزدایدت

(علم کسے کہتے ہیں؟ علم وہ ہے جو تمہیں راہِ حق دکھائے۔ گمراہی کا زنگ تمہارے دل سے مٹا دے)

ایں ہوسہا از سرت بیروں کند — خوف وخشیت در دلت افزوں کند

(تمہارے دماغ سے دنیا کی تمام ہوا وہوس نکال پھینکے، تمہارے دل میں خوف وخشیت الٰہی زیادہ کرے)

علم نبود غیر علم عاشقی — مابقی تلبیس ابلیس شقی

(عاشقی کے علم کے سوا کوئی علم، علم نہیں، اسکے سوا جو کچھ ہے وہ ابلیس لعین کا دھوکہ اور فریب ہے)

علم دیں فقہ است وتفسیر وحدیث — ہر کہ خواند غیر ازیں گردد خبیث

(علم دیں فقہ، حدیث وتفسیر کا علم ہے، جو شخص ان کے سوا دوسری چیزیں پڑھیگا وہ خراب اور تباہ ہوگا)

علم عاشقی سے مراد علم دین ہے کیونکہ ایمان ہی عشق ہے لقولہ تعالیٰ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ

بلّٰہِ (اور جو اہل ایمان ہیں ان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ نہایت قوی محبت ہے) اور جب ایمان
ی عشق ہے تو اس کا علم، علم عشقی ہے۔

(۳۰.۵) فرمایا کہ معقول سے اگر اثبات دین و فہم شرع میں کام کیا جاوے تو یہ بھی
دین ہے اور اگر ابطال شرع کا کام لیا جاوے تو بغاوت اور تلبیس ابلیس شقی ہے۔ جیسے
اگر کوئی پوچھے کہ اس کھانے میں کتنی لاگت لگی ہے۔ تو جہاں آٹا اور گھی دال کو شمار کرتے ہیں
وہیں کھانے کی میزان میں لکڑیاں اور اپلے بھی شمار ہوتے ہیں گو وہ کھائے نہیں جاتے مگر کھانے
ی خدمت کرتے ہیں۔ اس لئے کھانے ہی میں ان کا شمار ہوتا ہے۔

(۳۰.۶) فرمایا کہ وضو سے جب تک نماز نہ پڑھی جاوے اس وقت تک دوسرا وضو کرنا
ہے کیونکہ جب اس نے غیر مقصود کو ادائے مقصود سے پہلے مکرر کیا تو اس نے غیر مقصود کو
مقصود بنا لیا اور یہ حد سے تجاوز ہے۔

(۳۰.۵) فرمایا کہ بعض لوگ تبلیغ کو مصالح کے خلاف سمجھتے ہیں، ایسے میں کہتا ہوں
نہ تم اپنے مصالح کو بیٹھے رو و مسائل کو جتنا بیو گے اتنا ہی کہا نا عدہ ہو گا۔ کیا مصالح لئے بیٹھے
ہو خدا کا اہتمام کرو، فضول کام میں نہ لگو۔ نیز سامعین کے مجمع کے کم و بیش ہونے پر بھی نظر
نہ کرو کام شروع کر دو، پھر اثر بھی ہونے لگے گا۔

(۳۰.۸) فرمایا کہ تقویٰ کا استعمال زیادہ تر اس خوف کے لئے ہوتا ہے جس میں اجتناب
عن المعاصی بھی ہو، محض خوف اعتقادی کے لئے کم استعمال ہوتا ہے۔ تو یوں کہیے کہ تقویٰ خوف
مقرون بالعمل کو کہتے ہیں اور خشیت خوف اعتقادی کو۔ اور اصلی شرف جس سے انسان
خدا تعالیٰ کے یہاں مکرم و معزز ہوتا ہے یہی تقویٰ ہے۔

(۳۰.۹) فرمایا کہ جَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا (اور ہم نے تم کو مختلف
قومیں اور مختلف خاندان بنایا تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکو) میں یہ شناخت بھی
داخل ہے کہ کون ہمارا عصبہ ہے اور کون ذوی الارحام اور کون ہم سے دور ہے تاکہ بقدر
قرب و بعدِ نسب ان کے حقوق شرعیہ ادا کئے جاویں۔ اور میراث میں ایک کو دوسرے
پر ترجیح دیں۔ اور اس کے سوا اور بھی مصلحتیں ہیں نہ اس لئے کہ ایک دوسرے پر تفاخر کرو

(۳۱۰) فرمایا شرف نسب بوجہ امر غیر اختیاری ہونے کے سبب فخر نہیں، مگر اس کے نعمت ہونے میں شبہ نہیں۔ فخر عقلاً اُن چیزوں پر ہوسکتا ہے جو اختیاری ہوں اور وہ علم و عمل ہے۔ گو شرعاً اسپر بھی فخر نہ کرنا چاہیئے، پس صاحب نسب جاہل سے غیر صاحب نسب عالم افضل ہے۔

(۳۱۱) فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے ماں کا نسب میں اعتبار کرنے کی جڑ ہی بالکل اکھاڑ دی ہے کیونکہ حضرت ہاجرہ جن کی اولاد میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام جو ابو العرب ہیں، کنیز تھیں۔

(۳۱۲) فرمایا کہ سیادت کا مدار حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پر ہے۔ پس حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی جو اولاد حضرت فاطمہؓ سے ہے وہ تو سیّد ہے۔ اور جو دوسری بی بی سے ہے وہ سید نہیں ہے۔ اسی طرح اگر ایک شخص کا باپ سیّد نہ ہو اور ماں سیّد ہو تو قواعد کے موافق وہ سیّد نہیں۔ ہاں ماں کی سیادت کی وجہ سے ایک گونہ شرف اسکو حاصل ہے۔

(۳۱۳) فرمایا کہ انگریزی کوئی علم نہیں، اس کو دین سے کیا تعلق، بلکہ اس کو پڑھ کر تو اکثر دین سے بے تعلقی ہو جاتی ہے۔

(۳۱۴) فرمایا کہ آج کل فلاح روپے ملنے کو کہتے ہیں، چنانچہ سودا نے اپنی بیوی سے پوچھا کہ تو تہجد کیوں پڑھا کرتی ہے؟ کہا ہم جنت میں جائیں گے، تو وہ مسخرا کہتا ہے کہ جا پاگل تو وہاں بھی ملّاؤں اور طالب علموں کے ساتھ رہے گی۔ (کیونکہ جنّت والے اکثر غربا ہی ہوں گے) اور دیکھ ہم جہنّم میں جائیں گے جہاں بڑے بڑے سلاطین اور امراء و رؤسا، نمرود و شدّاد و قارون و ابوجہل جیسے ہوں گے۔

(۳۱۵) فرمایا کہ فلاح کی حقیقت راحت ہے۔ اور نماز سے قلب کو وہ راحت ملتی ہے جو ہزار کھانوں سے بھی نہیں مل سکتی۔ مگر اس راحت کا احساس ایک خاص میعاد کے بعد ہوتا ہے جو ہر شخص کے لئے اس کے مناسب ہوتی ہے۔

(۳۱۶) فرمایا کہ نماز کی ایک برکت یہ ہے کہ اس سے صحت اچھی رہتی ہے۔ اطبار بھی اسے تسلیم کرتے ہیں کہ اخلاق حمیدہ اور افعال حسنہ کا اثر صحت پر بہت اچھا پڑتا ہے۔

(۳۱۷) فرمایا کہ نمازی کے دل میں نور ہے اس کا اثر چہرہ پر ظاہر ہوتا ہے۔ اور بے نمازی کے دل میں ظلمت ہے اس کا اثر چہرہ کی بد رونقی سے ظاہر ہوتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آگ نعوذ باللہ

لگی ہے۔ اسی کا یہ دھواں ہے جس نے ظاہر و باطن دونوں کو سیاہ کر دیا ہے۔ دل کی سیاہی تو یہ ہے کہ نہ رشوت سے نفرت ہے نہ جھوٹ بولنے سے نہ کسی پر بہتان باندھنے سے نہ کسی کی زمین دبانے اور قرض لے کر انکار کر دینے سے نہ لڑکوں اور عورتوں کے گھورنے سے نہ وضع نصرانی اختیار کرنے سے، وغیرہ وغیرہ۔

(۳۱۸) فرمایا کہ فالج غفلت کی وجہ سے جسم سُن ہو رہا ہے یا غفلت کا کلوروفارم سونگھ رکھا ہے اس لئے گناہوں کی سوزش کا احساس نہیں ہوتا، مگر ایک دن یہ فالج اور یہ سُن اور یہ بیہوشی اتر جائیگی اور اسوقت گناہوں کی سوزش کا احساس ہوگا۔

(۳۱۹) فرمایا کہ گناہوں کی آگ خدائی آگ ہے۔ جس کی خاصیت یہ ہے کہ نَارُ اللّٰہِ الْمُوْقَدَۃُ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْئِدَۃِ (وہ اللہ کی آگ ہے جو سُلگائی گئی ہے جو دلوں تک جا پہونچے گی) اس کا اصل محل قلب ہے۔ اور دعوی سے کہا جاتا ہے کہ گنہگار کا دل بے چین ہوتا ہے۔ اسکو راحت و چین نصیب نہیں ہوتا، گناہ سے دل ضعیف اور کمزور ہو جاتا ہے جس کا تجربہ نزولِ حوادث کے وقت ہوتا ہے کہ متقی اسوقت مستقل مزاج رہتا ہے۔ اور گنہ گار کے حواس باختہ ہو جاتے ہیں۔

(۳۲۰) فرمایا کہ ہماری قوت علمیہ اس لئے کمزور ہے کہ قوت علمیہ کمزور ہے، اگر ہم کو گناہوں کا ضرر پورا پورا معلوم ہوتا تو ترک صلوٰۃ پر ہم کو جرأت نہ ہوتی۔ جیسے سنکھیا کے ضرر کا ہم کو علم ہے تو کبھی تجربہ اور امتحان کے لئے بھی کسی نے نہ کھایا ہوگا۔ اسی طرح اوپر سے گرنے کا ضرر سب کو معلوم ہے تو امتحان کے واسطے کبھی اوپر سے کوئی نہ گرا ہوگا۔

(۳۲۱) فرمایا کہ خلوت کے معنیٰ یہ ہیں کہ دل خدا کے ساتھ لگا رہے۔ پس جبتک خلوت میں دل خدا کے ساتھ لگا رہے خلوت میں رہو۔ اور جب خلوت میں قلب کو انتشار اور ہجوم خطرات ہونے لگے تو مجمع میں بیٹھو۔ مگر نیک مجمع میں۔ اس سے خطرات دفع ہونگے۔ اسوقت یہ جلوت ہی خلوت کے حکم میں ہے۔ کیونکہ مقصود ربط قلب باللہ (اللہ سے دل لگانا) ہے، اور وہ اس وقت خلوت سے حاصل نہیں، بلکہ مجمع میں بیٹھے ہے حاصل ہے۔ ؎

چو ہر ساعت از تو بجائے رود دل		بہ تنہائی اندر صفائی نہ بینی

جب ہر وقت تمہارا دل کہیں نہ کہیں لگا رہتا ہے تو تنہائی میں بھی قلب میں صفائی نہ ہوگی

گر ترا مال وجاہت وزرع وتجارت ۔ چو دل با خدا یست خلوت نشینی

(اگر تمہارے پاس مال وجاہ ہے اور زراعت وتجارت بھی، جب تمہارا دل خدا کے ساتھ لگا ہوا ہے تو تم خلوت نشین ہی ہو)

چو باہمہٗ وبامنی بے ہمہٗ ۔ چو بے ہمہٗ وبے منی باہمہٗ

(جب تم سب کے ساتھ رہ کر بھی میرے ساتھ ہو (اور میری یاد میں لگے ہوئے) تو گویا کسی کے ساتھ نہیں اور جب کسی کے ساتھ تو نہیں ہو، لیکن میرے ساتھ بھی نہیں ہو (کیونکہ میری یاد سے غافل ہو) تو گویا سب کو اپنے ساتھ رکھے ہوئے ہو

(۳۲۲) فرمایا کہ علم وعمل جبھی موجب شرف ہے جبکہ وہ خدا کے یہاں مقبول ہو جاوے اور اس کا یقینی علم کسی کو نہیں، بلکہ اپنی علم وعمل کی حالت پر نظر کرکے اگر عدم قبول یقینی نہ ہو تو بعید نہیں۔ پھر فخر کرنے کا کیا موقع۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ علم وعمل کا اعتبار خاتمہ سے ہے اور اسکی بھی خبر نہیں کہ ہمارا خاتمہ کس حال میں ہونیوالا ہے۔ اس لئے ناز کرنا، اترانا کیا زیبا ہے ہاں اسکو نعمت الٰہی سمجھ کر شکر کرتے رہو۔

(۳۲۳) فرمایا کہ سلوک کا مدار اسی پر ہے کہ نفس کو شہوات سے روکا جاوے جس میں معاصی سے تو بالکلیہ ہی روکنا ضرور ہے اور مباحات کی بھی تقلیل ضروری ہے۔

(۳۲۴) فرمایا کہ مسلمان کو گناہ کرتے ہوئے خدا تعالیٰ کا خوف ضرور ہوتا ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوں گے اور آخرت میں عذاب ہوگا۔ یہ خیال ساری لذت کو مکدر کردیتا ہے۔ اس لئے مسلمان کو گناہ میں پوری لذت نہیں مل سکتی۔

(۳۲۵) فرمایا کہ مومن کو ایمان کی وجہ سے نور ضرور حاصل ہوتا ہے اور جو شے حاصل ہے اس کا احساس بھی ضرور ہوتا ہے گو اسکی طرف التفات نہ ہو۔ جیسے ہماری آنکھ آفتاب کی روشنی میں کام کرتی ہے، مگر اسکی طرف کبھی التفات نہیں ہوتا۔

(۳۲۶) فرمایا کہ عام لوگ قبر میں آنے والے فرشتوں کو (مُنکَر نکِیر) بکسر الکاف کہتے ہیں یہ غلط ہے۔ وہاں مُنکِر کوئی نہ ہوگا۔ بلکہ دنیا کے منکر بھی وہاں مُقِر ہو جائیں گے۔ بلکہ منکَر

بلغ انکاف ہے جس کے معنی ناآشنا کے ہیں۔ اور یہی معنی نکیر کے ہیں۔ اور حکمت اِن ناموں کے اختیار کرنے میں یہ ہے تاکہ سنتے ہی فکر ہو جاوے کہ وہاں ایسے لوگوں سے سابقہ پڑے گا جو ناآشنا ہوں گے۔

(۳۲۷) فرمایا کہ اگر کسی کو خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہو جاوے تو یہ کچھ کمال مامور بہ نہیں، گو نعمتِ عظمیٰ ہے۔ اور اگر کسی کو عمر بھر زیارت نہ ہو یہ کچھ نقص منہی عنہ نہیں کیونکہ کمال و نقص کا مدار تو امور اختیاریہ ہیں۔ غیر اختیاری امور کے نہ ہونے سے نقص لازم نہیں آتا۔

(۳۲۸) فرمایا کہ اس طریق (سلوک) میں تکدّرِ قلب شیخ مانع و حاجب ہے۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت وحشی کو جنہوں نے حضرت حمزہؓ کو بُرے طور سے قتل کیا تھا، اپنے سامنے آنے سے روک دیا کہ روز روز دیکھ کر انقباض ہوگا، اور میرے انقباض سے ضرر ہوگا۔ کہ فیوض و برکات سے حرمان ہو جائیگا۔ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اپنی ہی راحت کا سامان نہیں کیا بلکہ اُن کی راحت کا بھی سامان تھا کہ ان کو بُعد ہی میں ترقی ہو سکتی تھی۔ دوسرے اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو بھی اس قسم کے امورِ طبعیہ اور جذبات بشریہ کی رعایت و موافقت کی اجازت دی اور بتلا دیا کہ جرم کی خطا معاف کر دینا اور ہے اور دل کھل جانا اور ہے ضرور نہیں کہ خطا معاف کر دینے کے ساتھ دل بھی کُھل جاوے۔

(۳۲۹) فرمایا کہ جس شخص کے سامنے آنے سے کُلفت قابلِ برداشت ہوتی ہو وہاں عزیمت پر عمل کرے یعنی آنے سے منع نہ کرے، بلکہ اپنے دل پر جبر کرے اور جہاں کلفت ناقابلِ برداشت ہو وہاں رخصت پر عمل کرے یعنی اس کو آنے سے منع کر دے۔

(۳۳۰) فرمایا کہ بعض لوگوں کو ہر حالت میں عزیمت[1] ہی پر عمل کرنے کا شوق ہوتا ہے، یہ کوئی کمال نہیں۔ بلاوجہ رُخصِ[2] شرعیہ و نِعَمِ الٰہیہ سے باوجود ضرورت کے بھی کام نہ لینا خدا تعالےٰ کو ناپسند ہے۔ حدیث میں ہے اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ اَنْ یُّؤْتٰی رُخَصُہٗ کَمَا یُحِبُّ اَنْ یُّؤْتٰی عَزَائِمُہٗ یعنی حق تعالیٰ چاہتے ہیں کہ اُن کی رخصتوں پر بھی ویسا ہی عمل کیا جاوے جیسا کہ وہ چاہتے ہیں کہ اُن کی

---

[1] عزیمت، وہ احکام جو انسان کیلئے اسکے عام حالات کے اعتبار سے ہوتے ہیں (انکی بنیاد کسی عذر یا عارض پر نہیں ہوتی)
[2] رخصت، وہ احکام جو مخصوص حالات اور اعذار و عوارض کی بنا پر مخصوص افراد کیلئے ہوتے ہیں۔

عزیمتوں پر عمل کیا جاوے،،

(۳۳۱) فرمایا کہ جن لوگوں کو نور سے زیادہ تلبّس ہوتا ہے ان کو ظلمت سے زیادہ وحشت ہوتی ہے، پس چونکہ ہر مومن میں نور ایمان ضرور ہے۔ اس لئے گناہوں کی ظلمت سے ہر مسلمان کو وحشت ضرور ہوتی ہے۔

(۳۳۲) فرمایا کہ ہاتھ سے امر بالمعروف کرنے کا حکم عام نہیں، بلکہ اہل حکومت کے خاص ہے۔ کیونکہ جہاں حکومت نہ ہو وہاں نرمی ہی مناسب ہے۔ امام صاحب نے اس راز کو خوب سمجھا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص کسی کا طنبور یا مزامیر (یعنی گانے بجانے کے آلات) توڑ دے تو اس پر ضمان لازم آوے گا۔ اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ ضمان نہ آئے گا۔ اس نے ازالۂ منکر کیا ہے۔ اور حدیث میں ازالۂ منکر کے لئے ہاتھ سے بھی حکم ہے۔ امام صاحبؒ اس کا جواب دیتے ہیں کہ ہاتھ سے ازالۂ (برائی کو دور) منکر کرنے کا اختیار حکّام کو ہے۔ عوام کو اس کا اختیار نہیں امام صاحبؒ کے قول کا راز یہ ہے کہ عوام کی دست اندازی سے فساد ہوگا، اور شریعت کا مقصود امر بالمعروف ونہی عن المنکر سے اصلاح ہے نہ کہ فساد، لیکن حکومت کے درجے ہیں۔ باپ کو بیٹے پر اور شوہر کو بیوی پر، استاد کو شاگرد پر فی الجملہ حکومت ہوتی ہے۔ لہٰذا ان کو اپنے ماتحتوں کے ساتھ ہاتھ سے بھی امر بالمعروف کا حکم ہے۔ لیکن غیروں کے ساتھ ایسا نہ چاہئے، وہاں صرف زبان سے کام لیں اور وہ بھی نرمی سے۔ نیز امر بالمعروف بزرگوں کو بھی کیا جاتا ہے، مگر وہاں نرمی کے ساتھ ادب کی بھی ضرورت ہے۔

(۳۳۳) فرمایا کہ انفاق معتبر وہی ہے جس سے دل پر معتد بہ اثر ہو اور کچھ دکھن محسوس ہو پھر رفتہ رفتہ خرچ کی عادت ہو جائے گی۔

(۳۳۴) فرمایا کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ حرام مال میں زکوٰۃ نہیں۔ یہ علی الاطلاق صحیح نہیں بلکہ یہ حکم اس مال حرام کا ہے جو یقیناً حرام ہو اور حلال سے مخلوط نہ ہوا ہو۔ اگر مخلوط ہو گیا تو پھر سارے کی زکوٰۃ واجب ہے اور جو مالِ حرام حلال سے مخلوط نہ ہو اس کے اصل مالکوں کو اسکے ذمہ پہنچانا واجب ہے۔

(باقی آئندہ)

حامل مضامین تصوف وعرفان • افادات وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیر سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین حضرت مصلح الامۃ

مُدیر:- احمد مکین

شمارہ ۷ محرم الحرام ۱۴۱۳ھ مطابق جولائی سنہ ۹۲ء - جلد ۱۵

قیمت فی پرچہ:- پانچ روپیہ سالانہ زر تعاون:- پچپن روپیہ ششماہی تیس روپیہ

سالانہ بدل اشتراک:- پاکستان سو روپیہ غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ

مولوی احمد مکین - ۲۳/۲۵ - بخشی بازار

الہ آباد ۲۱۱۰۰۳ فون ۶۰۴۷۹۸

پرنٹر - پبلشر:- صغیر حسن - :- اسرار کریمی پریس - جانسین گنج الہ آباد

ترتیب

۱	"مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ تجھے" (تعزیت)	مدیر	۳
۲	مجالس مصلح الامۃ (مال کی شرعی حیثیت)	محی السنۃ حضرت مولانا الشاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ	۹
۳	گناہ بے لذت	مفتی اعظم حضرت مولانا محمد شفیع صاحب قدس سرہ	۱۷
۴	المرابطہ	حکیم الامۃ حضرت مولانا الشاہ اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ	۲۵
۵	کمالات اشرفیہ	حضرت مولانا محمد عیسیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ	۳۳
۶	مکتوبات اصلاحی	محی السنۃ حضرت مولانا الشاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ	۴۱
۷			

رسالہ ہر ماہ کی دس تاریخ کو سپرد ڈاک کیا جاتا ہے۔ اگر رسالہ آخر ماہ تک موصول نہ ہو تو ادارہ کو فوراً مطلع فرمائیں تاکہ دوبارہ بھیجا جاسکے، ورنہ بصورت دیگر ادارہ ذمہ دار نہ ہوگا۔ منی آرڈر کوپن پر اپنا پورا پتہ اور خریداری نمبر ضرور لکھیں!

دفتر سے رسائل پورے اہتمام سے سپرد ڈاک کئے جا رہے ہیں جن احباب کو رسالہ نہیں پہنچ رہا ہے وہ اپنا پتہ صاف صاف تحریر فرمائیں اور پن کوڈ ضرور لکھیں۔

"مدتوں رویا کرینگے جام و پیمانہ تجھے"

یہ دنیا ایک سرائے فانی ہے، ہر روز یہاں آمد و رفت کا سلسلہ جاری ہے، کبھی نوحۂ غم ہے اور کبھی نغمۂ شادی، جیتی جاگتی، ہنستی مسکراتی اور چلتی پھرتی شخصیت کب آنکھیں بند ہوں اور افسانہ ہو جائے کچھ کہا نہیں جاسکتا، قضا و قدر کا فیصلہ انسانی خواہشات اور ضروریات کا کبھی پابند نہیں رہا ہے وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا۔

محترم ڈاکٹر محمد ظفر صاحب رحمۃ اللہ علیہ (بنارس) کا سانحۂ ارتحال جملہ اہل خانقاہ کے لئے نہایت رنج و افسوس کا سبب بنا، یہ ہنستی مسکراتی شخصیت اس قدر جلد داغِ مفارقت دے جائیگی یہ وہم وگمان میں بھی نہیں تھا۔ تقریباً بیس روز قبل خانقاہ میں مقیم تھے۔ جملہ اہل خانہ ان سے نہایت مانوس اور بے تکلف، بچے، جوان اور بوڑھے سب ان کے گرد جمع ہو کر درماں کے طلبگار ڈاکٹر صاحب مرحوم اپنی مخصوص مسکراہٹ اور ایک خاص لطف و عنایت کے ساتھ دوائیں دے رہے ہیں، نسخے لکھ رہے ہیں اور کبھی اپنے مشورے یا تشخیص سے نواز رہے ہیں، اپنی باتیں کامل وثوق اور پورے استحکام سے کہتے کہ بیماروں کو تسلّی و تشفی ہو جاتی۔

اس خانقاہ سے ڈاکٹر صاحب مرحوم کی وابستگی نہایت قدیم تھی، حضرت مصلح الامت قدس سرہٗ سے ان کا تعلق زمانۂ قیام فتح پور سے تھا، اس طویل ترین زمانہ میں کوئی بھی لمحہ ایسا نہیں گذرا جس میں ان کی عقیدت و ارادت کی آنچ مدھم پڑی ہو، اور وارفتگیٔ شوق میں کمی آئی ہو، بلکہ یہ چنگاری دن بدن شعلہ بداماں اور آتش فروزاں بنتی جا رہی تھی۔

اس راہ میں محض تعلق کی قدامت قابلِ تعریف نہیں ہوا کرتی، بلکہ عقیدت کی پختگی مزاج کی ہم آہنگی، اوراد کی پابندی اور اپنے شیخ سے ایسا تعلق جس کی گیرائی و گہرائی پوری زندگی پر اثر انداز ہو، یہی چیزیں اس کو اپنے دوسرے ہم عصروں سے ممتاز اور نمایاں کرتی ہیں ڈاکٹر صاحب مرحوم اوراد و وظائف کے پابند، متبع سنت و شریعت، شیخ کے فرمودات پر شدت

اور مضبوطی سے عمل پیرا، سفر ہو یا حضر معمولات کی ادائیگی پر مداومت اور تادمِ آخر اس خانقاہ اور مسلک سے وہی مخلصانہ اور نیازمندانہ وابستگی، یہی وہ نمایاں خصوصیات تھیں جسکی بنا پر انھیں مخصوص تشخص حاصل تھا

جان کر منجملۂ خاصانِ میخانہ تجھے
مدتوں رویا کرینگے جام و پیمانہ تجھے

عارف باللہ حضرت مصلح الامت علیہ الرحمۃ کے وصال کے بعد حضرت شاہ قاری محمد مبین صاحب مدظلہ سے آپ نے تجدید بیعت کی۔ اور ایسی نیازمندی اور خود سپردگی اختیار فرمائی جس کی مثال دیکھنے میں کم آتی ہے، بلکہ یوماً فیوماً "آوارۂ کوئے بتاں آوارۂ تر باد" کے نمونہ بنتے جارہے تھے، باوجود ضعف و پیرانہ سالی کے ماہ بماہ خانقاہ میں ضرور تشریف لاتے، ہفتہ عشرہ قیام کرتے، اندازِ رہائش وہی پچیس، تیس سال پہلے والا تھا نہ تعظیم و تکریم کے خواہشمند، نہ مسند و توشک کے طلبگار، نہایت سادگی، تواضع اور انکسار کے ساتھ قیام فرما ہوتے، نہ اپنے دیرینہ ارادت و تعلق پر غرہ تھا اور نہ ہی زہد و عبادت پر ناز، سراپا نیاز ہی نیاز تھا، حضرت قاری صاحب ادام اللہ ظلہ کی جانب سے عرصہ ہوا انھیں اجازت بیعت بھی مرحمت ہوئی تھی۔

وسط مئی میں دورۂ قلب کا عارضہ پیش آیا، طبیعت کبھی سنبھلتی اور کبھی بگڑتی۔ اکثر اوقات بے ہوشی اور غفلت کی سی کیفیت رہتی، نقل و حرکت ممنوع تھی، لیکن اس کیفیت میں بھی نماز کے اوقات میں اٹھتے اور نماز ادا کرتے۔ بھلا چند یوم کی بیہوشی سالہا سال کی عادت اور عبادت پر مداومت کو کہیں بدل سکتی تھی ؟ اور آخری وقت داغ قضا لیکر کیسے حاضر ہوتے۔

بالآخر ۲۲ مئی ۱۹۹۲ء کو اِس عالمِ فانی سے عالمِ باقی کی جانب رحلت فرما گئے "اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ" یہ واقعہ بھی شیخ و مرشد سے کامل تعلق کا غماز ہے کہ حضرت قاری صاحب مدظلہ کو دورانِ علالت شدت سے یاد فرماتے رہے اور بضد تھے کہ ہم کو کسی طرح

الہ آباد لے چلو۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم کے اصرار سے مجبور ہو کر ان کے صاحبزادگان نے یہ فیصلہ کیا کہ اگر کل (۲۳ مئی) کو والد صاحب کی حالت قابل اطمینان رہی تو انھیں بذریعہ کار الہ آباد لے چلیں گے، لیکن جو دن الہ آباد آنے کا تھا وہی دن بارگاہِ الٰہی میں حاضری کیلئے متعین ہو چکا تھا، غالباً اس اصرار اور بیقراری میں یہ خواہش پوشیدہ ہوگی کہ دیارِ شیخ میں حاضر ہو کر جان، جان آفریں کے سپرد کر کے قرار حاصل کرلوں۔ ؎

" جان ہی دے دی جگرؔ نے آج پائے یار پر
عمر بھر کی بیقراری کو قرار آ ہی گیا "

لیکن جہاں نیتوں کا اعتبار ہے اس بارگاہِ ذوالجلال میں انھیں ان الفاظ سے خطاب کیا گیا ہوگا " یَا اَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ، اِرْجِعِیْ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً، فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ۔

دل چاہتا ہے کہ تجدید بیعت کے بعد محترم ڈاکٹر صاحب مرحوم کا وہ خط جو انھوں نے اپنے احوال سے متعلق حضرت قاری صاحب مدظلہٗ کو تحریر فرمایا، اس کا اقتباس اور اس کا جواب بھی پیش کروں۔ جو یقیناً قارئین و سالکین کیلئے باعثِ انتفاع ہوگا

مکتوب محترم جناب ڈاکٹر صاحب علیہ الرحمۃ

مکرمی محترمی معظمی جناب قاری صاحب مدظلہ العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ الحمدللہ آپ کی دعاؤں کے طفیل ہم سب بخیریت ہیں، آج کل بڑی لڑکی کی طبیعت بھی بحمداللہ پہلے سے بہتر ہے، علاج البتہ جاری ہے آپ لوگوں کی خیریت بارگاہ رب العزت سے بعافیت تمام چاہتا رہتا ہے۔

الحمدللہ علیٰ احسانہٖ آپ کی دعاؤں کے طفیل معمولات سب اپنے اوقات پر پورے ہو جاتے ہیں، ایک منزل تلاوت کلام پاک اُس درمیان میں نہیں پورا کر پاتا تھا اور ذکر اسم ذات بھی پورا نہیں ہو پاتا تھا، اسکی وجہ سے قلب میں ایک بے چینی اور طبیعت بجھی بجھی سی رہتی تھی، معلوم ہوتا تھا کہ جیسے کوئی چیز کھو سی گئی ہے۔ اب بحمداللہ شوال میں جب سے

آپ کی خدمت سے آیا ہوں تلاوت کلام پاک ایک منزل بآسانی پورا ہوجاتا ہے، البتہ ذکر اسم ذات سابقہ معمولات کے مطابق نہیں پورا ہو پاتا ہے چاہتا ہوں کہ اگر تعداد سابقہ پوری نہ ہوسکے تو اکثر و بیشتر ذکر سے زبان و قلب کو جاری رکھ سکوں اس پر بھی قابو پورا نہیں ہو پا رہا ہے تاہم بحمداللہ قلبی بے چینی صرف تلاوت پورے کرلینے ہی سے ختم ہوگئی اور اب یک گونہ انشراح بھی رہتا ہے۔

حالات گھریلو اور دواخانہ کی مشغولی۔ . . . .

یہ سب حالات کچھ اس طرح حائل رہتے ہیں کہ قلبی مشغولی ذکر وغیرہ میں پورے طور پر نہیں ہو پاتی ہے۔ دعا فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ میرے حالات کو درست فرمادیں اور توفیق عطا فرمادیں اس لئے کہ حضرت رح یہ سب کام کے باوجود ذکر اور فکر پر بھی لگا گئے ہیں، اسکی حفاظت لازمی ہے۔ اور اس میں کمی سے دلی رنج اور تکلیف محسوس ہوتی۔ آپ کی دعاؤں کا محتاج ہوں،

. . . . کچھ موانع حاضر نہیں ہونے دے رہے ہیں، بقرعید کرکے انشاءاللہ فوراً حاضری کی کوشش کروں گا۔ مختلف قسم کے اخراجات اور ایک دواخانہ کا ذریعہ بس اللہ تعالیٰ کی کریمی اور اس کا فضل ہے کہ کیسے کیسے پورا فرماتے ہیں عقل کام نہیں کرتی اور نہ اس کا کما حقہ شکر ہی ادا ہو پاتا ہے، حضرت مولانا رح کی دعاؤں کا طفیل ہے ورنہ فعل اور عمل یقیناً ایسا ہے کہ ایک وقت بھی پیٹ بھرنے اور چین سے رہنے کا مستحق نہیں ہوں اور اب آپ سے وابستہ ہوگیا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت رح کے طفیل میں میرے سب عیوب جس طرح ابتک پوشیدہ رکھکر فضل اور کرم سے نوازا ہے، اب بھی اس دامن کے طفیل میں نوازدیں ورنہ دین تو اعلیٰ چیز ہے دنیا میں بھی ٹھکانہ نہیں ہے۔ دعاؤں کی درخواست ہے۔ محتاج ہوں گنہ گار ہوں۔ علم و عمل دونوں سے کورا ہوں، فضل ہی کا سہارا ہے۔ فقط والسلام

دعاؤں کا محتاج احقر محمد ظفر غفرلہٗ

جواب از حضرت اقدس قاری صاحب دامت برکاتہم

۷۸۶

محترم و مکرم زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

الحمدللہ بخیریت ہوں، متعلقین بھی بعافیت ہیں آپ کا خط موصول ہوا حالات معلوم ہوئے، الحمدللہ کہ یہاں آنے سے آپ کو نفع ہوا، یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور حضرتؒ کے فیوض و برکات کا اثر ہے ورنہ ہماری صحبت تو اس کا مصداق ہے ؎

صحبتِ طالح ترا طالح کند

الحمدللہ کہ تلاوت کلام پاک حسب معمول ہونے لگی اور انشراح قلب بھی ہے مبارک ہو عمدہ حال ہے۔ ذکر اسم ذات کے متعلق جو تحریر آپ نے فرمایا ہے اس کے متعلق عرض کرتا ہوں کہ صرف انشراحِ قلب پر دھوکہ کھانا بہتر نہیں ہے انشراح قلب گو محمود ہے مگر مقصود نہیں ہے کہ اگر باوجود ترک کسی معمول کے انشراح قلب ہے تو گویا مقصود حاصل ہے، پھر اسکی طرف سے بے فکر ہوجایا جائے، یہ نہ کیجئے۔ دیکھئے جب بندہ کوئی معمول مقرر کرلیتا ہے تو گویا وہ اللہ تعالےٰ کے ساتھ ایک عہد کرلیتا ہے تو بغیر کسی عذر کے اسکا ترک باعثِ ناراضی ہوسکتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر کراہت ظاہر فرمائی ہے چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے آپ نے فرمایا یَا عَبْدَ اللّٰہِ لَا تَکُنْ مِثْلَ فُلَانٍ کَانَ یَقُوْمُ اللَّیْلَ ثُمَّ تَرَکَہٗ (اے عبداللہ تم فلاں شخص کی طرح نہ ہوجانا جو پہلے رات میں عبادت کیا کرتا تھا (یعنی نماز تہجد وغیرہ ادا کرتا تھا) پھر اس کو چھوڑ دیا) ترک کردینا آئین محبت کے بالکل خلاف ہے۔ دیکھئے حضرت جنیدؒ سے ایسی قوم کی نسبت سوال کیا گیا جو تکالیف شرعیہ یعنی احکام شرعیہ کے اسقاط کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ تکالیف شرعیہ تو وصول کے وسائل تھے اور ہم واصل ہوگئے۔ اسلئے اب ہم کو ان کی ضرورت ہی کیا ہے حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ واصل ہونے کے دعویٰ میں تو وہ سچے ہیں مگر واصلِ جہنم ہیں۔

اسی سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ اگر میں ہزار برس تک زندہ رہوں تو بدون عذر شرعی کے (احکام تو بڑی چیز ہیں) اپنے اوراد میں بھی ذرہ برابر کمی نہ کروں اس لفظ پر غور فرمایئے

دوسرا واقعہ سنئے! حضرت جنیدؒ ہی سے کسی نے دریافت کیا کہ آپ تو واصل ہوگئے ہیں اب آپ تسبیح کیوں پڑھتے ہیں، فرمایا کہ واہ! اسی کی بدولت تو واصل ہوئے ہیں اب اپنے اسی محبوب کو چھوڑ دیں۔

لہذا جو اوراد پہلے سے مقرر ہیں ان کو وقت نکال کر ادا کرتے رہئے، اسکے بعد فارغ اوقات میں اسکی کوشش کیجئے کہ زبان و قلب سے ذکر جاری رہے۔

آپ نے جو یہ فرمایا ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ یہ سب کام کے باوجود ذکر و فکر پر بھی لگا گئے ہیں، اس کی حفاظت ضروری ہے اور اس میں کمی سے رنج و تکلیف محسوس ہوتی ہے بہت عمدہ بات ہے رنج و تکلیف کا ہونا ذکر و فکر سے محبت و تعلق ہونے کی دلیل ہے جو کہ باعث ہوتی ہے آگے مزید ترقی کی۔

اس کی قدر کیجئے اور اسکے مقتضا پر عمل بہت ضروری ہے ورنہ اگر یہ آگ بجھ گئی تو پھر لگنی بہت مشکل ہے، از خود لگائے نہیں لگ سکے گی، کیونکہ جس کی توجہ و ہمت سے یہ آگ لگی ہے وہ اب روئے زمین پر رہا نہیں، ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گیا، اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اب جو کچھ اس ذات سے ملا ہے اس کی حفاظت جان سے بڑھ کر کرنا ضروری ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسکی توفیق عطا فرمائے۔ فقط والسلام

محمد مبین عفی عنہ

از آستانۂ عالیہ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہٗ

اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائیں اور آخرت کے درجات عالیہ مرحمت فرمائیں اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائیں۔ قارئین کرام سے گذارش ہے کہ ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مغفرت اور ترقی درجات کے لئے دعا فرمائیں۔

جب اس بزم سے اُٹھ گئے دوست اکثر اور اُٹھتے چلے جا رہے ہیں برابر
یہ ہر وقت پیش نظر جب ہے منظر یہاں پر ترا دل بہلتا ہے کیونکر
جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

مال کی قدر اور ہدایات ربانی | مال کے متعلق اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا وَارْزُقُوهُمْ فِيهَا وَاكْسُوهُمْ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا وَابْتَلُوا الْيَتَامَىٰ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَإِنْ آنَسْتُمْ مِنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ۔

آیت کی تفسیر سنئے۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ بیان القرآن میں فرماتے ہیں کہ (اگر یتیم بالغ ہوجائیں جس کا مقتضیٰ اُن کے مال کا جو تمہارے پاس رکھا ہے ان کو سپرد کر دینا ہے جیسا کہ آگے آتا ہے، لیکن اگر وہ کم عقل ہوں تو) تم (ان) کم عقلوں کو اپنے (یعنی ان کے) وہ مال مت دو جن کو خدائے تعالیٰ نے (ایسے کام کا پیدا کیا ہے کہ ان کو) تمہارے (سب کے) لئے مایۂ زندگانی بنایا ہے (مطلب یہ کہ مال قدر کی چیز ہے اس لئے ان کو ابھی مت دو کیونکہ بیقدری کر کے اڑا دیں گے) البتہ ان مالوں میں (سے) ان کو کھلاتے رہو اور پہناتے رہو اور ان سے معقول بات کہتے رہو (یعنی ان کی تسلی کرتے رہو کہ مال تمہارا ہے تمہاری خیرخواہی کی وجہ سے ابھی تمہارے ہاتھ میں نہیں دیا ذرا سمجھ دار ہوجاؤ گے تو تم ہی کو دیدیا جاوے گا) اور (جب مال سپرد کرنے کے لئے ہوشیاری دیکھنا ضروری ہے تو) تم یتیموں کو (بالغ ہونے سے پہلے ہوشیاری اور تمیز داری کی باتوں میں) آزما لیا کرو (کیونکہ بالغ ہونے کا وقت تو سپردگی مال کا وقت ہے تو آزمائش پہلے سے چاہیئے، مثلاً کچھ کچھ سودا سلف اس سے منگوالیا اور دیکھا کہ کیسے سلیقہ سے خرید کر لائے یا کوئی چیز فروخت کے لئے دیدی اور دیکھا کہ اس کو کس طرح فروخت کیا) یہانتک (ان کو آزمایا جائے) کہ جب وہ نکاح (کی عمر) کو پہونچ جاویں (یعنی بالغ ہوجاویں کیونکہ نکاح کی پوری قابلیت بلوغ سے ہوتی ہے) پھر (بعد بلوغ و آزمائش) اگر ان میں ایک گونہ تمیز دیکھو (یعنی حفاظت و رعایت مصالح مال کا سلیقہ اور انتظام ان میں پاؤ) تو ان کے اموال ان کے حوالے کر دو (اور اگر ہنوز سلیقہ یا انتظام نہ معلوم ہو تو چندے اور حوالہ نہ کیا جاوے)۔

دیکھئے اس آیت میں سفہاء کو ان کے اموال کے دینے کو بھی منع فرمایا گیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ سفہ یعنی عدم تمیز مانع تفویض مال ہے خواہ سلیقہ ہی نہ ہو خواہ سلیقہ تو ہو مگر اس سلیقہ سے

وہ کام نہ لیتا ہو یعنی انتظام نہ کرتا ہو بلکہ مال کو اڑاتا ہو۔ لہٰذا دونوں صورتوں میں مال ابھی نہ دیا جائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مال قابلِ قدر چیز ہے۔

لفظ قیاماً کی مختلف تشریحات

پہلے مجھے خیال ہوتا تھا کہ مفسرین قیاماً کا کیا ترجمہ کرتے ہیں تو دیکھا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ترجمہ مایۂ زندگانی فرمایا ہے اور صاحب روح المعانی نے مناطِ معاش فرمایا، اور فرمایا کہ مراد قیام سے مابہ القیام اور مابہ التعیش ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے مال کو سبب زندگانی اور ذریعۂ عیش بنایا ہے

اور لفظ قیاماً میں جیسا کہ ابوالبقاء نے فرمایا ہے تین لغات ہیں۔ ایک وہ یہ کہ یہ مصدر ہو دوسرے یہ کہ یہ قیماً جمع قیمت کی ہو اور اس تقدیر پر معنیٰ یہ ہوئے کہ اموال بھی نفوس کے حق میں بمنزلۂ قیمت کے ہیں اس لئے کہ ان نفوس کا بقاء اموال ہی سے ہے۔ علماء نے اس میں اور بھی لغات ذکر کئے ہیں، چنانچہ فرمایا ہے کہ یہ معنیٰ میں قامت کے ہے، مطلب یہ ہے کہ اللہ نے اسکو تمھاری قامت (یعنی جسم) کے بقاء کا سبب بنایا ہے۔

غرض ان تمام قرأتوں میں (آیت میں) اموال کی مدح کی جانب اشارہ ہے، یعنی اللہ تعالیٰ مال کی مدح فرما رہے ہیں اور اسکو قابل قدر اور ایک ذی خطر چیز قرار دے رہے ہیں، چنانچہ سلف یوں کہا کرتے تھے کہ مال مومن کی ڈھال ہے اور یہ فرمایا کرتے تھے کہ میں مال چھوڑ جاؤں اور اللہ تعالیٰ اس پر مجھ سے حساب فرمالیں یہ کہیں زیادہ بہتر ہے اس سے کہ میں لوگوں کا دست نگر رہوں۔

مال کی مدح میں اسلاف کے ارشادات گرامی

عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے تھے کہ دراہم و دنانیر دنیا میں اللہ کے خواتیم یعنی مہر ہیں کہ بذات خود تو نہ کھائے جاتے ہیں اور نہ پیئے جاتے ہیں۔ لیکن جب تم انھیں توڑ دو (یعنی خرچ کر دو) تو وہ تمھاری حاجت پوری کرتے ہیں۔ قیس ابن سعدؓ فرماتے ہیں: ۔ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِي حَمْدًا وَّمَجْدًا فَاِنَّهٗ لَا حَمْدَ اِلَّا بِفِعَالٍ وَلَا مَجْدَ اِلَّا بِمَالٍ یعنی فرماتے ہیں کہ اے اللہ مجھے تعریف والا

سے تفسیر مولانا عبدالماجدؒ مال ہی انسان کیلئے مایۂ زندگی ہے جسکے اوپر انسان کی حیات مادی و معاشرتی کا دارومدار

اور بزرگی والا بنا دیجئے۔ اور حمد ہوتی ہے نیک کرداری پر اور بزرگی ملتی ہے مال خرچ کرنے سے (پس مجھے آپ حَسَنُ الفعال (نیک کردار) اور کثیر المال بنا دیجئے)

ابو زناد سے کہا گیا کہ آپ مال سے کیوں محبت کرتے ہیں، حالانکہ وہ آپ کو دنیا سے قریب کر دیتا ہے تو فرمایا کہ ہاں (یہ صحیح ہے مگر) اس نے اگر مجھے دنیا سے قریب کر دیا ہے تو دنیا سے بچا بھی لیا ہے۔

منثور الحکم میں ہے کہ فقر رسوائی ہے اور غنیٰ بزرگی و بڑائی ہے اور حال کی تنگی رذالت ہے اور سوال ذلت ہے۔ چنانچہ سلف کہا کرتے تھے اور لوگوں کو حکم دیتے تھے کہ تجارت کرو اور کماؤ اس لئے کہ تم ایسے زمانہ میں ہو کہ اگر تم میں سے کوئی شخص محتاج ہوا تو سب سے پہلے اپنے دین ہی کو کھائے گا

ابو العتاہیہ کہتا ہے ؎

أَجَلَّكَ قَوْمٌ حِينَ صِرْتَ إِلَى الْغِنَى ‌ ‌ ‌ ‌ وَكُلُّ غَنِيٍّ فِي الْعُيُونِ جَلِيلُ

إِذَا مَالَتِ الدُّنْيَا عَلَى الْمَرْءِ رَغِبَتْ ‌ ‌ ‌ ‌ إِلَيْهِ وَمَالَ النَّاسُ حَيْثُ يَمِيلُ

وَلَيْسَ الْغِنَى إِلَّا غِنًى زَيَّنَ الْفَتَى

عَشِيَّةَ يَقْرِي أَوْ غَدَاةَ يُنِيلُ

(یعنی جب تم مال والے ہو جاؤ گے تو تم کو قوم بھی بڑا اگردانے گی اس لئے کہ ہر امیر لوگوں کی نگاہوں میں کبیر ہوتا ہے (میں حضرات اہل علم سے کہتا ہوں کہ اس پر غور فرمائیں) اور جب دنیا کسی انسان کی جانب رُخ کرتی ہے تو عام لوگوں کی رغبت اور میلان بھی اسی کی جانب ہو جاتا ہے اور غنی تو وہی ہے جو امیر کی شان کو بڑھائے خواہ ضیافت کی شام میں یا بخشش کی صبح میں۔

صاحب روح المعانی نے وَارْزُقُوهُمْ فِيهَا وَاكْسُوهُمْ کی تفسیر نہایت ہی عجیب وغریب فرمائی ہے، فرماتے ہیں:۔

اے اِجْعَلُوهَا مَكَانًا لِرِزْقِهِمْ وَكِسْوَتِهِمْ بِأَنْ تَتَّجِرُوا وَتَرْبَحُوا حَتَّى تَكُونَ نَفَقَاتُهُمْ مِنَ الْأَرْبَاحِ لَا مِنْ صُلْبِ الْمَالِ لِئَلَّا يَأْكُلَهُ الْإِنْفَاقُ (ص۱۸۱ روح ۴)

یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ جو فرمایا کہ "ان کو اس مال میں سے کھلاؤ اور پہناؤ" تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے اموال کو جو تمہارے پاس ہیں، ان کے کھانے کپڑے کا ظرف اور مکان بناؤ بایں طور کہ اس میں تجارت کرو اور اس مال کو بڑھاؤ تاکہ ان کے نفقات (یعنی کھانا اور پہننا) نفع میں سے ہو، اصل پونجی سے نہ ہو ورنہ تو یہ انفاق ان کے اصل مال ہی کو کھا جائے گا۔ پس یہ تو مال کو مظروف بنانا ہوا نہ کہ ظرف، کیونکہ ظرف میں سے کھایا جاتا ہے ظرف کو نہیں کھایا جاتا۔

دنیا کی مطلقاً مذمت نصوص شرعیہ کے خلاف ہے

دیکھئے علماء کے ان اقوال سے معلوم ہوا کہ دنیا اس درجہ مذموم نہیں ہے جیسا کہ لوگوں نے اس کو سمجھ رکھا ہے۔ اور یہ معلوم ہوا کہ اس خیال کا منشا نصوص سے جہل اور اسلاف کی تصریحات سے لاعلمی ہے

مال کا کھانا اور اس کا جمع رکھنا اور پھر اس کا خرچ کرنا اس دنیا کا ایک اہم مسئلہ ہے جس پر عقلاء نے بھی ہر زمانہ میں بحث کی ہے۔ ظاہر ہے کہ جو چیز اس درجہ ضروری ہو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح صرف نظر فرما سکتے تھے۔

چنانچہ شریعت نے اس سے بحث فرمائی ہے اور سنت میں بھی اس پر خوب خوب گفتگو موجود ہے (جیسا کہ ہم آگے تفصیل بیان کرتے ہیں) پھر جب کتاب وسنت میں اس پر گفتگو فرمائی گئی ہے تو حضرات صحابہؓ نے بھی اس مسئلہ سے اعتناء کیا۔

علامہ علی فکری نے اپنی کتاب السمیر المہذب میں اس مسئلہ پر اچھی گفتگو فرمائی ہے، یہاں ہم اس کا کچھ اقتباس نقل کرتے ہیں، فرماتے ہیں "مَعْنَى الْاِقْتِصَادِ الْقَصْدُ فِي النَّفَقَةِ وَهُوَ الْعَدْلُ فِيْهَا وَالتَّوَسُّطُ بَيْنَ الْإِسْرَافِ وَالتَّقْتِيْرِ فَلَا يُجَارِي الْإِنْسَانُ مَنْ هُوَ أَغْنٰى مِنْهُ فِيْ إِسْرَافِهٖ وَتَبْذِيْرِهٖ فَيَقَعُ فِيْ إِسْرِ الْاِسْتِدَانَةِ وَيَصِيْرُ فَقِيْرًا مُعْدِمًا فَيَنْبِذُهٗ كُلُّ مَنْ دَاءَهٗ وَيُبْغِضُهٗ كُلُّ مَنْ عَلِمَ أَمْرَهٗ۔

(علامہ فکری السمیر المہذب میں فرماتے ہیں کہ اقتصاد کے معنی ہیں خرچ میں میانہ روی اختیار کرنا۔ یعنی نہ تو انسان اسراف اور فضول خرچی ہی کرے اور نہ مصارف ضروریہ ہی میں کمی کرے۔ پس انسان کو چاہیے کہ نپے تلے مال خرچ کرنے میں اپنے

سے زیادہ مال والے کی ریس نہ کرے، ورنہ تو اس کا انجام یہ ہوگا کہ یہ شخص قرض کی قید میں گرفتار ہو جائے گا اور بالکل ہی فقیر و محتاج ہو کر رہ جائے گا۔ اس کے بعد یہ حال ہوگا کہ جس شخص کو اس کا حال معلوم ہوگا وہ اس سے نفرت کرے گا اور ہر شخص اپنے پاس سے اسکو دور دورائے گا۔

اقتصاد کے اصل معنیٰ | آج ہم لوگ اقتصاد، اقتصاد پکارتے ہیں لیکن اس کے معنیٰ شاید ہی کوئی جانتا ہو۔ تو اسکے متعلق فرما رہے ہیں کہ اقتصاد کے معنیٰ ہیں "خرچ میں اعتدال رکھنے کے" کہ آدمی نہ تو فضول خرچی کرے اور نہ بخل سے کام لے کیونکہ انسان ایسا دوسرے کی ریس میں کرتا ہے حالانکہ اپنے سے زیادہ امیر کے دوش بدوش مال خرچ کرنے میں کوئی کہاں چل سکتا ہے، نتیجہ یہ ہوگا کہ قرض کی مصیبت میں گرفتار ہو جائے گا اور آج اگر اچھا خاصا کھاتا پیتا ہے تو کل کو فقیر اور محتاج ہو جائے گا جس کا انجام یہ ہوگا کہ جو شخص دیکھے گا دُر دُر ائے گا اور جسے اسکی حرکات کا علم ہوگا وہ اس سے نفرت کرے گا۔ آگے فرماتے ہیں :-

(رُبَّمَا اَنَّ الْمَرْءَ يَجْهَلُ اَحْوَالَ الزَّمَانِ وَلَا يَأْمَنُ صُرُوْفَ الْاَيَّامِ وَلَا يَدْرِيْ مَا اِذَا كَانَتْ غِبْطَتُهٗ تَدُوْمُ اَوْ بَابُ رِزْقِهٖ يَبْقٰى مَفْتُوْحًا كَانَ حَقًّا عَلَيْهِ اَنْ يَّسْتَعِدَّ لِلْاَيَّامِ قَبْلَ وُصُوْلِهَا اِلَيْهِ وَاَنْ يَّتَدَارَكَ الْاِعْسَارَ قَبْلَ الْوُقُوْعِ فِيْهِ بِاَنْ يَّجْمَعَ فِيْ اَيَّامِ يَسَارِهٖ مَا يُقَاوِمُ بِهٖ اِعْسَارَهٗ وَذٰلِكَ بِالْاِقْتِصَادِ فِي الْمَعِيْشَةِ)

(یعنی انسان چونکہ آنے والے حالات و زمانہ کے تقلبات سے ناآشنا ہوتا ہے، اور زمانہ کب بدل جائے اس کا کچھ اعتبار نہیں، اور وہ یہ بھی نہیں جانتا کہ آج جو وہ ٹھک زمانہ بنا ہوا ہے یا اس پر رزق کا جو دروازہ کھلا ہوا ہے تو کل کو بھی وہ باقی رہے گا یا نہیں (غرض جب حال یہ ہے) تو اس پر لازم ہے کہ ایام مصیبت آنے سے پہلے اسکی تیاری کر رکھے اور تنگ دستی میں پڑنے سے پہلے اس کے دفعیہ کا سامان کر لے، جس کی صورت یہ ہے کہ فراخی اور خوش حالی کے زمانہ میں کچھ پس انداز کرلے جسکے

یہ تنگی اور پریشانی کا مقابلہ آسان ہو اور ظاہر ہے کہ یہ چیزیں معیشت میں اقتصاد ہی کی بدولت وقوع پذیر ہو سکتی ہیں۔

میانہ روی اور اسکے اصول آگے فرماتے ہیں :۔

(وقد ورد هذا المعنى في الحديث الشريف وهو قوله صلى الله عليه وسلم رَحِمَ اللّٰهُ اِمْرَءً كَسَبَ طَيِّبًا وَ اَنْفَقَ قَصْدًا وَ قَدَّمَ فَضْلاً لِيَوْمِ فَقْرِهٖ وَحَاجَتِهٖ)

"یعنی یہ مضمون حدیث شریف میں بھی آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ رحم کرے اس شخص پر جو طیب کا کسب کرے یعنی رزق حلال کمائے اور اعتدال ومیانہ روی کے ساتھ اس کو خرچ کرے۔ یعنی نہ بخل کرے نہ فضول خرچی کرے اور حوائج ضروریہ سے جو بچ رہے اسکو وقت ضرورت کے لئے اٹھا رکھے مثلاً بڑھاپے کے زمانہ کے لئے اس لئے کہ غالب احوال میں وہ فقر وحاجت کا زمانہ ہوتا ہے۔ اس حدیث کو نقل کرکے علامہ علی فکری فرماتے ہیں کہ :۔

(فَمَا اَحْسَنَ هٰذَا الْاَدَبَ الشَّرْعِيَّ وَمَا اَشَدَّ حَاجَةَ النَّاسِ اِلَيْهِ عَلٰى اخْتِلَافِ طَبَقَاتِهِمْ وَاَدْوَارِهِمْ وَاَطْوَارِهِمْ)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال کے متعلق جو یہ آداب شرعی تعلیم فرمایا ہے بہت ہی خوب ہے اور ہر جگہ ہر طبقہ کے لوگ اور ہر زمانہ کے لوگ اسکے محتاج ہیں، آگے لکھتے ہیں کہ

(والْاِقْتِصَادُ عَلٰى هٰذِهِ الصُّوْرَةِ الَّتِيْ عَلَّمَنَا اِيَّاهَا الشَّارِعُ الْحَكِيْمُ مِنَ الْوَاجِبَاتِ الشَّخْصِيَّةِ الَّتِيْ يَنْبَغِيْ اَنْ يُرَاعِيْهَا الْاِنْسَانُ فِيْ وَاجِبِ الْكَسْبِ مِنَ التِّجَارَةِ وَ الزِّرَاعَةِ وَالصِّنَاعَةِ)

یعنی اقتصاد کی یہ صورت جسکی شارع حکیم نے ہمیں تعلیم فرمائی ہے منجملہ واجبات شخصیہ کے ہے جس کا لحاظ ہر انسان کو اپنے کسب واجب میں خواہ وہ تجارت ہو یا زراعت وصناعت ہو ضروری ہے۔

میانہ روی کے فضائل و برکات آیات واحادیث کی روشنی میں اسکے بعد مؤلف نے اقتصاد یعنی اعتدال

فی النفقہ کے اثبات میں کتاب و سنّت و اسلاف امت کے اقوال نقل فرمائے ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں :۔

(۱) قال اللہ تعالیٰ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ط

(۲) وقال تعالیٰ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ۝

(۳) وقال تعالیٰ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ۝

(۱) اور بے موقع مت اُڑاؤ بیشک بے موقع اڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔ (۲) اور وہ جب خرچ کرنے لگتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں اور ان کا خرچ کرنا اسکے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے۔

(۳) اور نہ تو اپنا ہاتھ گردن ہی سے باندھ لینا چاہیئے اور نہ بالکل ہی کھو لینا چاہیئے ورنہ الزام خوردہ تہی دست ہو کر بیٹھ جاؤ گے۔

(۱) وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اقْتَصَدَ اَغْنَاهُ اللّٰهُ وَمَنْ بَذَّرَ اَفْقَرَهُ اللّٰهُ۔

یعنی جس شخص نے میانہ روی سے کام لیا اللہ تعالیٰ اسکو غنی بنا دے گا اور جس نے فضول خرچی کی اللہ تعالیٰ اسکو فقیر بنا دیں گے۔

(۲) وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَا عَالَ مَنِ اقْتَصَدَ۔

"یعنی جس نے میانہ روی اختیار کی وہ نہ کبھی فقیر ہوگا اور نہ محتاج"

(۳) وقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ الْاِقْتِصَادُ فِي النَّفَقَةِ نِصْفُ الْمَعِيْشَةِ۔

"یعنی خرچ میں انتظام اور اعتدال رکھنا آدھی معیشت (کمائی) ہے۔

اکابر صحابہؓ کے ارشادات وَقَالَ اَبُوْبَكْرِ الصِّدِّيْقُ اِنِّيْ لَاُبْغِضُ اَهْلَ بَيْتٍ يُنْفِقُوْنَ رِزْقَ اَيَّامٍ فِيْ يَوْمٍ وَّاحِدٍ "یعنی میں ان گھر والوں کو ناپسند کرتا ہوں

جو چند دنوں کی روزی ایک ہی دن میں ختم کر دیں،،

وَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْقَصْدَ وَالتَّقْدِيْرَ وَيَكْرَهُ السَّرَفَ وَالتَّبْذِيْرَ۔

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ میانہ روی اور حساب کتاب سے خرچ کرنے کو پسند فرماتے ہیں اور اسراف و فضول خرچی کو ناپسند فرماتے ہیں،،

وَقَالَ عَلِيٌّ كَرَّمَ اللّٰهُ وَجْهَهُ دَعِ الْإِسْرَافَ مُقْتَصِدًا وَاذْكُرْ فِي الْيَوْمِ غَدًا "حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ فضول خرچی چھوڑو اور میانہ روی اختیار کرو اور کل کی فکر و انتظام آج ہی سے کر رکھو،،

وَقَالَ مُعَاوِيَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ حُسْنُ التَّقْدِيْرِ نِصْفُ الْكَسْبِ۔

"حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عمدگی کے ساتھ خرچ کرنا آدھی کمائی ہے اور اسی پر انسان کی حسن معیشت کا دارومدار ہے"

وَقَالَ اَحَدُ عُلَمَاءِ الْاِقْتِصَادِ: مَنْ رَبَّى اِبْنَهُ عَلَى الْاِقْتِصَادِ اَفَادَهُ اَكْثَرَ مِمَّا يَتْرُكُ لَهُ ثَرْوَةً وَافِرَةً۔

"ماہر اقتصادیات علماء میں سے کسی عالم کا مقولہ ہے کہ جس نے اپنے اولاد کی پرورش اقتصاد پر کی یعنی اسے اقتصاد سکھایا تو اس نے اسکو کہیں زیادہ نفع پہنچایا اس سے کہ اسکے لئے بہت زیادہ مال چھوڑ جاتا،،

آخر میں مؤلف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

وَصَفْوَةُ الْقَوْلِ اَنَّ الْاِقْتِصَادَ وَاسْتِقْصَالَ شَيْءٍ مِّنَ النَّفَقَةِ اِسَاسُ التَّدْبِيْرِ الْمَنْزِلِيِّ وَمِنْ اَوَّلِ وَاجِبَاتِ الشَّخْصِيَّةِ وَهُوَ الْمَلْجَأُ الْاَمِيْنُ الَّذِيْ يَلْجَأُ اِلَيْهِ اَرْبَابُ الْاُسَرِ فَيَجِدُوْنَ فِيْهِ الْهُدُوْءَ وَالرَّاحَةَ وَالسُّرُوْرَ وَحُرِّيَّةَ التَّمَتُّعِ بِالنَّعِيْمِ وَ الْخَيْرَاتِ الَّتِيْ اَفَاضَهَا الْخَالِقُ تَعَالٰى عَلَيْهِمْ۔

(باقی آئندہ)

زجر العوام

گناہ بے لذّت

مصنّفہ

مفتی اعظم حضرت مولانا محمد شفیع صاحب قدس سرہ

اس میں ایسے تمام گناہوں کی فہرست اور ان کے متعلق احکامات ہیں جنکے کرنے میں نہ کوئی دنیاوی نفع ہی ہے اور نہ کوئی لذّت

ناشر

دفتر رسالہ وصیۃ العرفان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

امابعد! آجکل زمانِ نبوت سے بُعد اور قیامت کے قرب کی وجہ سے کفرو شرک اور الحاد و زندقہ، بے دینی بے عملی کا دوردورہ ہے، گناہوں سے بچنا اور دین پر قائم رہنا حدیث کی پیشن گوئی کے مطابق ایسا مشکل ہوگیا ہے جیسے انگارے کو ہاتھ میں تھامنا۔ مسلمانوں کی بڑی تعداد کو تو اس کی فکر ہی نہ رہی کہ جو کام وہ کررہے ہیں وہ گناہ ہے یا ثواب، حلال ہے یا حرام، اس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتے ہیں یا ناراض۔ اب جو کچھ خدا کے بندے اسکی فکر کرنے والے رہ گئے ہیں ان کے لئے اور بھی دنیا کی فضا تنگ ہوگئی۔ انفرادی گناہوں سے کسی طرح جان بچا بھی لیں تو اجتماعی گناہ جو زراعت، تجارت، ملازمت وغیرہ معاش کے کل شعبوں پر چھائے ہوئے ہیں ان سے کس طرح بچیں کہ ان سب میں اول تو غیر مسلموں سے سابقہ ہے اور جو کہیں قسمت سے مسلمان بھی ہوئے تو وہی دین سے آزاد، بے فکر، حلال و حرام کی بحث کو تنگ نظری قرار دینے والے فالی اللہ المشتکیٰ وَاِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ اور غضب یہ ہے کہ اپنی بے فکری و بے پروائی کے لائے ہوئے اس نتیجۂ بد کو بہت سے لوگ یہ کہنے لگے کہ دین اسلام اور شریعت پر عمل کرنا ہی سخت دشوار ہے، حالانکہ اگر ذرا بھی غور کریں تو معلوم ہو کہ شریعت اسلام میں نہ کوئی تنگی ہے نہ دشواری بلکہ دنیا کے تمام مذاہب سے زیادہ معاشی آسانیاں اس میں ہیں، البتہ جب کسی چیز کا رواج ہی نہ ہے اور اس پر عمل کرنے والے بہت کم رہ جاویں تو آسان سے آسان چیز مشکل ہوجاتی ہے۔ ٹوپی اور پائجامہ پہننا کس قدر آسان ہے لیکن اگر کسی خطہ ملک میں یہ چیزیں متروک ہوجاویں، سب ننگے سر، دھوتی تہبند میں رہنے کے عادی ہوجاویں تو ٹوپی اور پاجامہ کا بنانا اور بنوانا ایک مستقل مہم ہوجائے گی، روٹی پکانا اور کھانا کس قدر سہل اور ضروریات زندگی میں شامل ہے لیکن کسی جگہ اس کا مطلق

رواج ہے، سب چاول کھانے لگیں وہاں دیکھئے کہ روٹی پکانا اور کھانا کس قدر دشوار ہو جائے گا۔

یہی حال دینی امور کا سمجھنا چاہئے۔ اول تو غیر مسلموں کی اکثریت سے مسلمانوں کیلئے بہت سی دشواریاں حلال و حرام کے معاملہ میں پیدا ہو جانا طبعی امر تھا مگر مسلمان باوجود اقلیت کے بھی اگر مذہبی حدود و قیود کے پابند ہوتے تب بھی قوی امید تھی کہ بہت سے معاملات میں کوئی اشکال نہ رہتا۔ آخر آج اسی لامذہبی کے دور میں یورپ جیسے لامذہب ملک سے بہت سی دواؤں کے لیبل میں ہندوؤں کی رعایت سے یہ لکھا ہوا نظر آتا ہے کہ اس دوا میں کوئی حیوانی جز شامل نہیں، یہ کیوں؟ اس لئے نہیں کہ کارخانہ والوں کو ہندو مذہب سے کوئی ہمدردی یا خوش اعتقادی کا تعلق ہے بلکہ صرف اس لئے کہ وہ جانتے ہیں کہ ہندو عوام حیوانی اجزا سے پرہیز کرتے ہیں۔

مگر ہمیں آج تک کسی لیبل میں یہ نظر نہیں پڑا کہ اس دوا میں شراب یا اسپرٹ شامل نہیں ہے کیونکہ مسلمانوں کی غفلت و بے پروائی نے ان کے سامنے ایسا ثبوت پیش نہ کیا کہ مسلمان قوم اس سے پرہیز کرتی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ تنگی اور دشواری سب ہماری غفلت و بے پروائی کا نتیجہ ہے، سب مسلمان دینی امور کے پابند ہو جائیں تو نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ سب سہل ہو جاویں اور گناہوں سے بچنا طبعی امر ہو جاوے، مگر کس سے کہیں اور کون سنے

اب کہاں نشو و نما پائے نہال معنی   کس زمیں پر دل پر جوش کی بدلی برسے

بہر حال ایک طرف تو گناہوں کے طوفان امنڈ رہے ہیں، عالم کی فضا اہل دین و دیانت کے لئے ناساز گار ہو رہی ہے، دوسری طرف انھیں اعمال بد کے نتائج قحط و زلزلہ وبا اور قتل و غارت و ذلت کی صورت میں مسلمانوں پر مسلط ہیں اور اصلاح کی کوشش صدا بصحرا اور رائیگاں نظر آتی ہے محض اس لئے کہ فلاں کام گناہ ہے، کوئی شخص اپنی ادنیٰ خواہش کو ترک کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ الا ماشاء اللہ۔

اس لئے بارہا یہ خیال آیا کہ بہت سے ایسے گناہ بھی ہیں جن میں ہم محض غفلت و جہالت

سے مبتلا ہیں، نہ ان سے کوئی دنیوی مفاد و خواہش متعلق ہے، نہ ان کے چھوڑنے میں کوئی ادنیٰ تکلیف و مشقت ہے۔ ان میں صرف اسکی ضرورت ہے کہ مسلمانوں کو اسکے گناہ ہونے کا علم ہو جائے اور اسکے چھوڑنے کا ارادہ کرلیں۔

اسوقت ایسے ہی بے لذت گناہوں کی ایک فہرست مع ان کے وبالِ عظیم اور وعید شدید کے اس رسالہ میں لکھی جاتی ہے تاکہ مسلمان کم ازکم ان گناہوں سے تو بچ جائیں، سب گناہوں سے نجات نہ ہو تو کم ازکم تقلیل ہی ہو جاوے اور یہ بھی بعید نہیں کہ ان گناہوں کے چھوڑنے کی برکت سے دوسرے گناہوں کے چھوڑنے کی بھی ہمت اور توفیق ہو جاوے کیونکہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ "جو شخص ہمارے دین کی پیروی کی کچھ بھی کوشش کرتا ہے تو ہم اس کے لئے باقی دین کے راستے آسان کر دیتے ہیں"

اور بعض سلف کا ارشاد ہے اِنَّ مِنْ جَزَآءِ الْحَسَنَۃِ الْحَسَنَۃَ بَعْدَھَا (نیکی کی ایک جزا یہ بھی ہے کہ اس کے بعد دوسری نیکی کی توفیق ہو جاتی ہے)

وَبِیَدِہٖ التَّوْفِیْقُ وَلَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ

محمد شفیع عفا اللہ عنہ

مقدمہ

گناہوں کی پوری فہرست پر نظر ڈالی جاوے تو ایک حیثیت سے ہر گناہ بے لذّت ی ہے کیونکہ جس آنی فانی لذّت کے تحت میں شدید و مدید عذاب اور ناقابل برداشت کالیف مستور ہوں وہ کسی عاقل مبصر کے نزدیک لذّت نہیں کہلا سکتی، جس حلوے میں زہر قاتل ملا ہو اسکو کوئی دانش مند لذیذ نہیں کہہ سکتا، جس چوری اور ڈاکہ پر عمر قید یا سولی کا تختہ نتیجہ میں ملتا ہو اس کو کوئی عاقبت اندیش لذّت و مسرّت کی چیز نہیں سمجھ سکتا۔

لیکن ان چیزوں کو بے لذّت سمجھنا تو عاقل اور انجام بین انسان کا کام ہے، نجان بچہ سانپ یا آگ کو خوبصورت چیز سمجھ کر ہاتھ میں لے سکتا ہے اور اسکو مرغوب چیز ہہ سکتا ہے۔ اسی طرح انجام و عواقب سے غفلت برتنے والے انسان مذکورہ جرائم کو لذّت ی چیز سمجھ سکتے ہیں، اسی طرح قبر و حشر کے عذاب و ثواب سے غافل یا بے فکر سے انسان بہت سے گناہوں کو لذیذ کہہ سکتے ہیں، اس لئے اس رسالہ میں ان سب کو نہیں لکھا گیا، بلکہ دو قسم کے گناہوں کی فہرست اسمیں جمع کی گئی ہے۔ ایک تو وہ جن میں کسی بے حس، بد مذاق کو بھی کوئی حظ اور لذّت نہیں، دوسرے وہ جن میں اگرچہ حقیقۃً کوئی لذّت نہیں ہے مگر بعض وگ اپنی بدمذاقی اور بے حسی کے سبب ان میں کچھ لذّت و حظ محسوس کرتے ہیں، لیکن اگر ان وچھوڑ دیں تو دنیا کی کسی ادنیٰ سی ضرورت و خواہش میں کوئی فرق نہیں آتا، وہ گناہ یہ ہیں،

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان سے بچنے کی توفیق کامل عطا فرمادیں

وَاللّٰہُ الْمُوَفِّقُ وَالْمُعِیْنُ

۱۔ لایعنی (فضول و بے فائدہ کام یا کلام)

انسان جتنے کام یا کلام کرتا ہے بظاہر اسکی تین قسمیں ہیں۔ ایک مفید جس میں کوئی فائدہ دین یا دنیا کا ہو۔ مضر جسمیں دین یا دنیا کا کوئی نقصان ہو۔ نہ مفید نہ مضر جسمیں نہ کوئی فائدہ ہو نہ نقصان۔ اسی تیسری قسم کو حدیث میں لایعنی کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ لیکن جب ذرا غور سے کام لیا جاوے تو واضح ہو جاتا ہے کہ یہ تیسری قسم بھی درحقیقت دوسری قسم یعنی مضر میں داخل ہے کیونکہ وہ وقت جو ایسے کام یا کلام میں صرف کیا گیا اگر اس میں ایک دفعہ سُبْحَانَ اللہ کہہ لیتا تو میزانِ عمل کا آدھا پلہ بھر جاتا کوئی اور مفید کام کرتا تو گناہوں کا کفارہ اور نجاتِ آخرت کا ذریعہ یا کم از کم دنیا کی ضرورتوں سے بے فکری کا سبب بنتا۔ اس وقت عزیز کو بے فائدہ کام یا کلام میں صرف کرنا ایسا ہے جیسے کسی کو اختیار دیا جائے کہ چاہے ایک خزانہ جواہرات اور سونے چاندی کا لے لے یا ایک مٹی کا ڈھیلا، وہ خزانہ کو چھوڑ کر مٹی کا ڈھیلا اٹھانے کو اختیار کرے جس کا خسارۂ عظیم اور نقصان ہونا ظاہر ہے۔ اسی لئے بعض روایات حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی مجلس میں بیٹھے اور ساری مجلس میں اللہ کا کوئی ذکر نہ کرے، قیامت کے روز یہ مجلس اس کے لئے حسرت و ندامت ہوگی ؎

وہ علم جہل ہے جو دکھائے نہ راہِ دوست مجلس وہ ہے وبال جہاں یادِ حق نہ ہو
ہر دم از عمر گرامی ہست گنج بے بدل میرود گنجے چنیں ہر لحظہ بیکار آہ آہ!

اسی لئے لایعنی کام اور کلام اور بے فائدہ مجلسِ احباب کو اہلِ بصیرت نے گناہوں کی فہرست میں داخل کیا ہے، اور بعض روایات حدیث سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے۔ حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "انسان کا اسلام درست و صحیح ہونے کی ایک علامت یہ ہے کہ بے فائدہ کاموں کو چھوڑ دے" (رواہ الترمذی وابن ماجہ عن ابی ہریرۃ)

اور ایک حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت کعبؓ بن عجرہ بیمار ہوئے تو آنحضرت صلی

علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکے تو آپؐ نے لوگوں سے ان کا حال پوچھا، بتایا گیا کہ وہ بیمار ہیں، آپ اُن کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے، حالت نازک دیکھی، فرمایا، اے کعب تم کو مژدہ (خوشخبری) ہے، ان کی والدہ بول اٹھیں خدا کی قسم اے کعب تمھیں جنّت مبارک ہو، یہ کلمہ سُنکر آپؐ نے فرمایا کہ خدا کے معاملہ میں قسم کھا کر دخل دینے والی یہ کون ہے؟ کعبؓ نے عرض کیا، میری والدہ ہیں۔ آپؐ نے فرمایا تمھیں کیا خبر کہ شاید کعب نے کبھی لایعنی کلام کیا ہو، یا زائد از حاجت مال کو اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے میں کوتاہی کی ہو، ایسی حالت میں کسی کو کیا حق ہے کہ جنّت کا حکم کر دے۔ مطلب بظاہر یہ ہے کہ لایعنی کلام کا حساب ہوگا اور جس چیز پر حساب اور مؤاخذہ ہو اس سے خلاصی یقینی نہیں۔ (احیاء العلوم)

۲۔ کسی مسلمان کے ساتھ استہزا و تمسخر

یہ کبیرہ گناہ ہے، اور کرنے والے کا کوئی دنیوی معاشی فائدہ بھی اس میں نہیں۔ مگر عام مسلمان غفلت و بے پروائی سے اس میں مبتلا ہیں، قرآن کریم میں ہے لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ (ترجمہ:۔ کوئی جماعت کسی جماعت کے ساتھ تمسخر (ٹھٹھا) نہ کرے شاید وہ اللہ کے نزدیک ان سے بہتر ہوں، اور عورتیں عورتوں سے تمسخر و استہزا نہ کریں شاید وہ اللہ کے نزدیک ان سے بہتر ہوں)

استہزا کے معنی یہ ہیں کہ کسی کی اہانت و تحقیر اور اسکے عیب کا اظہار اس طرح کیا جائے جس سے لوگ ہنسیں، اسمیں بہت سی صورتیں داخل ہیں (۱) کسی کے چلنے پھرنے اٹھنے، بیٹھنے، ہنسنے، بولنے وغیرہ کی نقل اُتارنا، یا قد و قامت، شکل و صورت کی نقل اُتارنا (۲) اس کے کسی قول و فعل پر ہنسنا (۳) آنکھ یا ہاتھ پیر کے اشارہ سے اس کے عیب کا اظہار کرنا، یہ وہ گناہ بے لذّت ہیں جو آج کل مسلمانوں میں وبا کی طرح پھیلے

ہوتے ہیں، عوام سے لے کر خواص تک ان میں مبتلا ہو جاتے ہیں، حالانکہ قرآن کریم کی مذکورہ بالا آیت میں ان کا حرام ہونا صاف مذکور ہے۔ اور دوسری جگہ ارشاد ہے وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ۔ یعنی خرابی ہے ہر طعنہ دینے عیب چننے والے کے لئے۔ اور آیت کریمہ يَا وَيْلَتَنَا مَا لِهَٰذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا (ہائے ہماری کم بختی! اس نامۂ اعمال کی عجیب حالت ہے کہ بے قلمبند کئے ہوئے نہ کوئی چھوٹا گناہ چھوڑا نہ بڑا گناہ) کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ صغیرہ سے مراد کسی انسان پر استہزا سے تبسم کرنا، اور کبیرہ سے اس پر قہقہہ لگانا ہے

اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے کسی انسان کی نقل اتاری تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ مجھے تو کوئی بڑی سے بڑی دولت بھی کسی کی نقل اُتارنے پر ملے تو بھی میں کبھی نہ اتاروں (ابوداؤد، ترمذی تخریج احیاء) اس میں اشارہ اس کی طرف بھی ہو سکتا ہے کہ یہ گناہ ایسا بے لذّت اور فضول ہے کہ اس میں کوئی دنیوی فائدہ بھی نہیں اور بالفرض کوئی فائدہ ہوتا بھی جب بھی اسکے پاس نہ جانا چاہیئے تھا

اور حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو لوگ دوسرے لوگوں کا استہزا کرتے ہیں (مذاق اڑاتے ہیں) آخرت میں ان لوگوں کے لئے جنّت کا ایک دروازہ کھولا جائے گا اور اسکی طرف بلایا جائے گا، جب وہ سرکتا سسکتا ہوا وہاں تک پہنچے گا تو بند کر دیا جائے گا، پھر دوسرا دروازہ کھولا جائے گا اور اسکی طرف بلایا جائے گا جب وہاں تک پہنچے گا تو بند کر دیا جائے گا، اسی طرح برابر جنّت کے دروازے کھولے اور بند کئے جاتے رہیں گے یہاں تک کہ وہ مایوس ہو جائے گا، اور بُلانے پر بھی دروازۂ جنّت کی طرف نہ جائے گا (رواہ البیہقی مرسلاً ترغیب للمنذری)

ایک شخص کی ریح آواز کے ساتھ خارج ہوگئی، لوگ ہنسنے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ میں اس پر زجر و تنبیہ فرمائی اور فرمایا کہ جو کام تم سب خود بھی کرتے ہو اس پر کیوں ہنستے

(باقی آئندہ)

اس کے بعد انھوں نے والد کی تعزیت کیلئے ایک مسل بنائی اور اسکے لئے ایک میعاد مقرر کی، جو شخص اس میعاد میں تعزیت کے لئے آتا رہا اسکی باتیں سنتے رہے اور مسل میں درج کرتے رہے، ان کے یہاں ہر بات کیلئے مسل تیار ہوتی تھی، جب میعاد گزر گئی تو مسل داخل دفتر کر دی، اسکے بعد کوئی شخص آیا اور تعزیت کے الفاظ شروع کئے، اسکو پہلے ہی روک دیا کہ شاید آپ والد صاحب کی تعزیت کرنا چاہتے ہیں، اس نے کہا ہاں! کہنے لگے کہ تعزیت کی مسل داخل دفتر ہو چکی ہے، اب میں اس کو نہیں سننا چاہتا کوئی اور بات کیجئے وہ غریب اپنا سا منھ لیکر رہ گیا۔

خیر یہ طریقہ اچھا ہو یا نہ ہو مگر اس کا منشا ضرور اچھا تھا کہ غم کا تذکرہ ہمیشہ نہ ہونا چاہئے بلکہ اسکے لئے میعاد مقرر ہونا چاہئے۔ اور میعاد کے اندر بھی تعزیت اس طرح کرنا چاہئے جس سے غمزدہ کو تسلی ہو نہ یہ کہ اور غم تازہ ہو، مگر بد تہذیبی کے ساتھ بھی تعزیت نہ کرے جیسے ایک صاحب نے بیٹے کی وفات پر کسی کو یہ کہتے ہوئے سنا تھا کہ خدا آپ کو نعم البدل دے۔ اس نے یہی جملہ یاد کر لیا، پھر کسی کا باپ مرا تو آپ نے اسکو بھی اسی جملہ سے تعزیت کی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو نعم البدل عطا فرمائے۔ وہ جھلا گیا کہ میری ماں کو خصم کرانے آیا ہے، اسی طرح ایک اہلکار کی ماں مر گئی اس کو بہت غم تھا، ایک دیہاتی آیا لوگوں سے پوچھا آدمی کیوں جمع ہیں، ایک مسخرہ تھا کہنے لگا امیروں کے جو چلے ہیں میاں کی اونٹنی مر گئی، اس کا ایک بچھڑا ہے بنا لیا، کہنے لگا دیکھو میں ٹھیک کر دونگا، آپ آئے اور اس طرح تعزیت کی کہ میاں سسری مر گئی مر گئی غم کا ہے کا، تو جس طرح اس نے بے تحقیق بد تہذیبی کی، ایسی بد تہذیبی اچھی نہیں،

غرض صوفیہ نے تمام امراض باطنہ کے علاج کا سہل سے سہل طریقہ تجویز کیا ہے جو علم اخلاق کی کتابوں میں مدوّن ہے۔ اخلاق میں صوفیہ نے بہت کتابیں لکھی ہیں، امام غزالیؒ کی کتابیں سب سے زیادہ اسکی حامل ہیں، مگر احیاء العلوم طویل بہت ہے۔ اب الحمد للہ انہی علوم کے طفیل سے چھوٹے چھوٹے رسالے چھپ گئے ہیں وہ اس کے لئے کافی ہیں، یہ تو "رَابِطُوا" کے متعلق بیان تھا۔

تقویٰ شرعی | آگے ارشاد ہے "وَاتَّقُوا اللّٰهَ" یعنی خدا سے ڈرو" یہ تکمیل ہے مضمون سابق کی کیونکہ اگر خدا کا خوف نہ ہو تو نہ مرابطہ ہوگا نہ مشارطہ نہ معاتبہ نہ محاسبہ، ان سب کی بنیاد خدا کا خوف ہی

ہے، پس وَاتَّقُوا اللّٰہَ اس لئے بڑھایا کہ مدار ان سب اعمال کا اسی پر ہے۔ اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے، وہ یہ کہ جب تقویٰ سب اعمال کی بنیاد ہے تو پھر وَاتَّقُوا اللّٰہَ کو مقدم کرنا چاہئے تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں تقویٰ شرعی مراد ہے اور تقویٰ شرعی وہ ہے کہ خوف خدا کے ساتھ عمل بھی ہو، اگر عمل نہ ہو محض خوف ہی ہو وہ تقویٰ شرعی نہ ہوگا۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ حق تعالےٰ کی ایسی عظمت ان اعمال ہی سے قلب میں پیدا ہوتی ہے، پس یہ تقویٰ اعمال کا اثر ہوا اسلئے وَاتَّقُوا اللّٰہَ کو مؤخر کیا گیا۔ حاصل یہ ہوا کہ ان اعمال سے جو عظمت حق تعالےٰ قلب میں پیدا ہوگی اس کا استحضار رکھو تو یہ اعمال سہل ہو جائیں گے۔ پس تقویٰ ان اعمال کا نتیجہ بھی ہے اور ان کو سہل کرنے والا بھی ہے۔

اب میں یہاں بمناسبت مقام تقویٰ کے متعلق ایک اشکال کا جواب دینا چاہتا ہوں۔ ترجمہ دیکھنے والے ذرا اس کا حل کریں، وہ یہ کہ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ (قرآن کریم راہ بتلانے والا ہے ڈرنے والوں کو) پر اشکال وارد ہوتا ہے کہ اس میں تحصیل حاصل ہے، جو لوگ پہلے سے متقی ہیں ان کو تو ہدایت حاصل ہی ہے پھر ان کے واسطے ہدایت کی کیا ضرورت ہے؟ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ یہاں تقویٰ لغوی مراد ہے یعنی قرآن ان لوگوں کے واسطے ہدایت ہے جن کے دل میں خدا کا خوف ہو۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ مان لیا کہ تقویٰ شرعی ہی مراد ہے اور یہی مدار تھا اشکال کا کہ تقویٰ شرعی کے بعد ہدایت کے کیا معنیٰ، ہدایت تو ایسے شخص کو پہلے ہی سے حاصل ہے، پس اس معنیٰ کو تسلیم کرکے دوسرا جواب دیا جا سکتا ہے۔

ایک بار ہردوئی میں ایک مولوی صاحب کو چند جنٹل مینوں نے اس اشکال سے پریشان کر رکھا تھا اور وہ اسکو تسلیم کر رہے تھے کہ مراد تقویٰ شرعی ہی ہے، مگر اشکال کو حل نہ کر سکے تھے، میں بھی اس جلسہ میں آگیا اور میں نے اسی کی تائید کی تاکہ مولوی صاحب کی بات نیچی نہ ہو مگر اس اشکال کو سہل عنوان سے حل کر دیا جس سے سامعین کا شبہ زائل ہو گیا، وہ عنوان یہ تھا کہ میں نے ان سے کہا کہ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ایسا ہے جیسے آپ لوگ کہا کرتے ہیں کہ یہ کورس بی اے کا ہے، تو آپ بتلایئے کہ اس قول کے کیا معنیٰ ہیں، کیا یہ مطلب ہے کہ اس کو وہ پڑھتا ہے جو بی اے ہو چکا، کہنے لگے نہیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ کورس ایسا ہے کہ جو اس کو پڑھے گا

وہ بی اے ہو جائے گا۔ میں نے کہا پس یہی مطلب اس کا ہے کہ یہ قرآن متقین کے واسطے ہدایت ہے یعنی جو اس پر عمل کریگا وہ متقی بن جائے گا۔ اس تقریر سے وہ مولوی صاحب بہت خوش ہوئے کیونکہ وہ اس مضمون کی تعبیر کرنا چاہتے تھے مگر قادر نہ تھے، میری تعبیر سنکر انکی خوشی کی کچھ حد نہ رہی، اور یہ جواب میرا گھڑا ہوا نہیں بلکہ منقول ہے۔ جلالین میں اَلصَّائِرِیْنَ اِلَی التَّقْوٰی (یعنی ہدایت ہے تقویٰ کی طرف متوجہ ہونے والوں کیلئے) سے اسی طرف اشارہ کیا ہے کہ قرآن کے ذریعہ سے لوگ تقویٰ کے درجہ کو پہونچ جاتے ہیں مگر لوگ جلالین پڑھتے پڑھاتے تو ہیں سمجھتے نہیں ہیں۔

ترغیب فلاح | اس کے بعد ارشاد ہے لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ (تاکہ تم پورے کامیاب ہو جاؤ) اسمیں ترغیب ہے کیونکہ سہولتِ عمل میں دو ہی چیزوں کو زیادہ دخل ہے۔ ایک ترہیب کو، دوسرے ترغیب کو۔ وَاتقوا اللّٰہ میں ترہیب تھی۔ اس جملہ میں ترغیب ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے تمام اعمال مذکورہ کو سہل فرمادیا ہے اور اسکی اس واسطے ضرورت تھی کہ ہمارا تعلق اللہ تعالیٰ سے دو طرح کا ہے۔ ایک محکومیت کا ایک محبت کا۔ محکومیت کا مقتضا تو یہ ہے کہ تسہیل اعمال کا طریقہ نہ بتلایا جائے کیونکہ خود محکوم ہونا وجوب امتثال کے لئے کافی ہے مگر محبت کا مقتضا یہ ہے کہ تسہیل کا طریقہ بھی بتلادیا جائے کیونکہ محبت خاص رعایت کو مقتضی ہوتی ہے خواہ حاکم کی جانب میں محبت ہو خواہ محکوم کی جانب میں۔ اور دونوں طرف ہو تو نورٌ علی نور۔ پھر اس کی دو صورتیں تھیں، ایک یہ کہ ترغیب کے لئے اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے کسی وصف کی طرف متوجہ فرماتے مثلاً یوں فرماتے کہ میں تم سے راضی ہو جاؤں گا۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ ہم کو ہمارے وصف کیطرف متوجہ کیا جائے، یہاں اللہ تعالیٰ نے دوسری صورت اختیار فرمائی کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اوصاف توہم سے غائب ہیں اور اپنے اوصاف کو ہم زیادہ سمجھ سکتے ہیں۔

فلاح و ترقی | ترغیب کے موقعہ پر یہ فرمانا کہ تم کو ان اعمال سے یہ وصف حاصل ہو جائے گا زیادہ مؤثر ہے اس لئے ارشاد فرماتے ہیں کہ امید ہے تم کو ان اعمال سے فلاح حاصل ہو جائیگی اس کو ہم جلدی سمجھ لیں گے، کیونکہ فلاح ہمارا وصف ہے، پھر یہاں فلاح مطلق ہے جو فلاح دنیا و آخرت دونوں کو شامل ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دنیا کی فلاح کا طریقہ بھی یہی ہے

ہ اعمال شرعیہ کا اہتمام کیا جائے، مگر آجکل لیڈروں نے فلاح دنیا کے طریقے کچھ اور سوچے ہیں، یہ وہ صورت اختیار کرتے ہیں جو یورپ نے اور غیر اقوام نے اختیار کی ہے، میں یہ نہیں کہتا کہ وہ تدبیریں فلاح دنیا میں مؤثر نہیں، مگر یہ ضرور کہوں گا کہ مسلمانوں کیواسطے مفید نہیں، کیونکہ مسلمانوں میں ان تدابیر کی تاثیر سے ایک مانع موجود ہے وہ کیا؟ معصیت خدا کی نافرمانی۔ اور یہ مانع کفار میں نہیں ہے، کیونکہ وہ مکلف بالفروع نہیں، وہ تو صرف ایمان کے مکلف ہیں۔ ان کو کفر ہی کا عذاب ایسا سخت ہوگا جس سے بڑھ کر کوئی عذاب نہیں بقیہ اعمال کی بابت نہ ان سے باز پرس ہے نہ ان پر کوئی سزا ہے۔ اور مسلمانوں سے کفر کا عذاب تو ہٹا ہوا ہے۔ کیونکہ بحمد اللہ وہ دولت ایمان سے مشرف ہیں، اس لئے ان کے اعمال پر باز پرس و گرفت ہوتی ہے۔ جب یہ ایسے طریقے فلاح دنیا کے لئے اختیار کرتے ہیں جو خدا کے حکم کے خلاف ہیں تو ان کو کامیابی نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ ان تدابیر کے اثر کو زائل کر دیتے ہیں تاکہ دنیا ہی میں مخالفت کی سزا بھگت لیں۔ پس ان کی اور کفار کی ایسی مثال ہے جیسے ٹوپی اور جوتہ کہ ٹوپی میں نجاست لگ جائے تو فوراً پھینک دی جاتی ہے اور اچھی طرح پاک کرنے کے بعد اسکو استعمال کیا جاتا ہے اور جوتہ میں ناپاکی لگ جائے تو اس کو پھینکتے نہیں ہیں، بلکہ رگڑ رگڑ کر کام میں لے آتے ہیں۔ تو جس طرح ہر چیز کے پاک کرنے کا طریقہ مختلف ہے اسی طرح ہر قوم کی فلاح و ترقی کا طریقہ الگ ہے۔

اندھا دھند تقلید یہ ضروری نہیں کہ جو طریقہ ایک قوم کو نافع ہو، وہ سب کو نافع ہو۔ اور اگر ہم مان بھی لیں کہ یہ تدابیر ہم کو بھی نافع ہیں، تب بھی ہم کو تو احکام الٰہیہ کا اتباع لازم ہے۔ اور ان تدابیر غیر مشروعہ کا اختیار کرنا جائز نہیں۔ کیا شراب اور قمار و سود میں نفع نہیں؟ ضرور ہے، خود نص میں ارشاد ہے قُلْ فِیْهِمَآ اِثْمٌ كَبِیْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ (آپ کہدیجئے کہ ان میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کیلئے فائدے بھی ہیں)، مگر اس نفع کو لیکر کیا کریں جس کے ساتھ خدا کا غضب بھی ملا ہوا ہے، اسلئے مسلمانوں کو وہی تدابیر اختیار کرنا چاہئیں۔ جو شریعت کے موافق ہوں، اسکی یہی صورت ہے کہ عمل کا اہتمام کیا جائے اب لیڈر تدابیر تو خلاف شرع کرتے ہیں اور علماء کی شکایت کرتے ہیں کہ یہ ہمارے ساتھ

مل کر کام نہیں کرتے۔ میں کہتا ہوں کہ اعمال غیر مشروعہ میں تو شرکت کر ہی نہیں سکتے، اگر یہ اعمال مشروعہ بھی ہوں تب بھی ان کی یہ شکایت صحیح نہ تھی، کیونکہ مل کر کام کرنے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ سب کے سب ایک ہی کام کو لپٹ جائیں بلکہ اسکے معنی یہ ہیں کہ کام تقسیم کر دیئے جائیں جیسے لوہار، بڑھئی، معمار، مزدور سب مل کر مکان بناتے ہیں، اس کے یہ معنی تھوڑا ہی ہیں کہ ہر اینٹ کو لوہار بھی ہاتھ لگائے بڑھئی بھی ہاتھ لگائے، بلکہ اپنے اپنے کام کو ہر ایک الگ کرتا ہے، پھر نتیجہ مجموعہ پر مرتب ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر لیڈر شریعت کے موافق بھی تدابیر کریں تب بھی علماء کا یہ کام نہیں کہ وہ ان تدابیر میں عملی حصہ لیں، بلکہ یہ کام عوام کا ہے یا لیڈروں کا۔ علماء کا کام یہ ہے کہ جو تدبیر تم کرنا چاہو اول علماء سے استفتاء کر لو کہ یہ کام جائز بھی ہے یا نہیں وہ اسکے متعلق حکم شرعی بتلادیں گے تم اس پر عمل کرو۔ تمام متمدن اقوام کا یہی طریقہ ہے کہ ان کے یہاں عملی محکمہ الگ ہوتا ہے علمی محکمہ الگ ہوتا ہے، یہ نہیں کیا جاتا کہ ایک کام کیلئے طلبہ اور اساتذہ بھی اپنا پڑھنا پڑھانا چھوڑ دیں اور سب آکر اسی کام میں لگ جائیں بلکہ یہ لوگ علمی ترقی میں بدستور لگے رہتے ہیں۔ کام کرنے والی جماعت دوسری ہوتی ہے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ ہر قسم کی فلاح اطاعت وعمل ہی سے حاصل ہوگی دنیا میں بھی، آخرت میں بھی۔ اب چونکہ مسلمانوں نے عمل صالح کو ترک رکھا ہے، تو دیکھ لیجئے کیسی فلاح ہو رہی ہے کہ ہر روز پہلے سے بدتر ہے۔

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں عمل کی تاکید بھی فرمائی ہے اور تسہیل بھی ساتھ ساتھ ہے تکمیل وتتمیم بھی ساتھ ہے۔ پس یہ آیت عمل کے مکمل بیان کی حامل ہے اسلئے میں نے اسکو اختیار کیا تھا، پھر لطف یہ ہے کہ آیت کے سب اجزا ایک ہی شے کے متعلق ہیں یعنی عمل کے اور اسی کو دل چاہا کرتا ہے کہ ایک مجلس میں ایک ہی مضمون کا بیان ہو۔ چنانچہ الحمد للہ اسوقت ایک ہی مضمون کے متعلق بیان ہوا ہے گو درمیان میں استطراداً (ضمناً) دوسرے مضامین بھی آگئے، مگر وہ سب تابع تھے، اصل مضمون ایک ہی تھا۔

اب دعا کیجئے اللہ تعالیٰ ہم کو علم وعمل کا جامع بنائے اور ہمارے اعمال ظاہرہ وباطنہ کی اصلاح وتکمیل فرمائے، مشائخ کی بھی اور طالبین کی بھی، نیز مشائخ کو طالبین پر شفقت عطا ہو اور طالبین کو استفادہ واعتماد کی توفیق ہو اور سب کا خاتمہ بالخیر ہو آمین۔ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى سَيِّدِنَا

وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

المجاھدۃ

مجاہدہ کی ضرورت کے متعلق یہ وعظ مورخہ ۲ر صفر ۳۲ھ بوقت شب بعد عشار مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں کھڑے ہوئے بیان فرمایا جو مولانا ظفر احمد صاحبؒ نے قلمبند فرمایا۔ حاضرین کی تعداد ۵۰۰ کے قریب تھی۔ یہ وعظ پونے تین گھنٹوں میں ختم ہوا۔

خطبۂ ماثورہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ نحمدہٗ ونستعینہٗ ونستغفرہٗ ونؤمن بہٖ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہٗ ومن یضللہ فلا ھادی لہٗ ونشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمدًا عبدہٗ ورسولہٗ صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہٖ واصحابہٖ وبارک وسلم۔ اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ وَّهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ

سَيِّئَاتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِیْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (جو شخص اللہ سے ملنے کی امید رکھتا ہو، اللہ کا وہ معین وقت ضرور ہی آنے والا ہے، اور وہ سب کچھ سنتا اور سب کچھ جانتا ہے اور جو شخص محنت کرتا ہے وہ اپنے ہی لئے محنت کرتا ہے، خدا تعالیٰ کو تمام جہان والوں میں کسی کی حاجت نہیں۔ اور جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں ہم ان کے گناہ ان سے دور کردیں گے اور ان کو ان کے اعمال کا زیادہ اچھا بدلہ دیں گے)

تمہید

اس وقت ایک ضروری مسئلہ اصلاح عمل اور طرزِ عمل کے متعلق بیان کرنیکا قصد ہے اور وہ مسئلہ ایسا بدیہی ہے کہ اس کے ثبوت کے لئے مشاہدہ ہی کافی دلیل ہے کسی نص کی ضرورت نہیں، کیونکہ نص کی ضرورت تو اثبات احکام یا اخبار عن الغیب کیلئے ہوا کرتی ہے اور جو امور مشاہدہ کے متعلق ہوں ان کے لئے مشاہدہ کے سوا اور کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی، ہاں اگر کوئی تبرعاً دلیل بھی بیان کردے تو اس سے مدعیٰ اور مؤکد ہوجائیگا چنانچہ وہ مسئلہ جو اسوقت بیان ہوگا اسی قسم کا ہے کہ مشاہدہ اور تجربہ سے ثابت و معلوم ہے مگر میں نے اسوقت حسب معمول آیات کی تلاوت تبرعاً کردی ہے، کیونکہ ان آیات کو اس مسئلہ سے ایک ظاہر علاقہ ہے۔

اب وہ مسئلہ سننا چاہیئے اور اسکی ضرورت بھی اسکے سننے سے معلوم ہوجائیگی، کیونکہ جی یہ چاہا کرتا ہے کہ جو کچھ بیان ہو کسی ضروری مسئلہ کے متعلق ہو، ورنہ یوں تو بیان کرنے کو بہت سی باتیں ہیں، مگر بلا ضرورت کے لوگوں کا وقت صرف کرنے کو جی نہیں چاہتا۔

اصلاح عمل اب غور سے سنئے کہ ہم لوگوں سے اپنے عمل کے بارہ میں ایک غلطی ہورہی ہے جس کی تفصیل یہ ہے باب عمل میں آجکل دو قسم کے لوگ ہیں۔ ایک تو وہ ہیں جن کو صرف اعتقاد کی درستی کا خیال ہے وہ عمل کو مہتم بالشان ہی نہیں سمجھتے، اسلئے ان کو اصلاحِ عمل اور تکثیر اعمال کا اہتمام ہی نہیں۔ اگر یہ لوگ یوں کہتے کہ عقیدہ کا درجہ عمل سے زیادہ ہے تو ہم کو ان سے منازعت کی ضرورت نہ تھی، کیونکہ اس کا ہم کو بھی ان کا انکار نہیں، واقعی یہ درست ہے کہ

لل کا درجہ عقیدہ سے مؤخر ہے، مگر اس سے یہ کیونکر لازم آیا کہ عمل فضول و بیکار ہے، کیا جو چیز سی سے مؤخر ہو وہ بیکار ہوا کرتی ہے. کیا آپ کو معلوم نہیں کہ شاخوں کا مرتبہ جڑ سے مؤخر ہے مگر بایں ہمہ کوئی بھی شاخوں کو بیکار نہیں کہہ سکتا، کیونکہ ہر شخص جانتا ہے کہ وہ درخت بار آور نہیں ہو سکتا جس کی شاخیں نہ ہوں، اگرچہ اس کی جڑ کیسی ہی مضبوط ہو، ایسے ہی یہاں سمجھئے کہ خالی عقیدہ جس میں عمل نہ ہو بار آور نہ ہوگا، مجرد عقائد سے بغیر عمل کے وہ فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا جو مطلوب شارع ہے، گو کبھی بعض کیفیات بغیر اعمال کے حاصل ہو جائیں، مگر کیفیات خود مطلوب نہیں، باقی جو ثمرہ شارع کے نزدیک مقصود ہے وہ بغیر اعمال کے حاصل نہیں ہو سکتا، کیونکہ ہم کو اخبار شارع سے یہی معلوم ہوا ہے کہ بدون عقیدہ و عمل دونوں کی درستی کے ثمرہ مقصود کے حصول کا یقین نہیں ہو سکتا گو یہ ممکن ہے کہ بعض کو صرف اصل کی درستی سے بھی حاصل ہو جائے مگر بوجہ وعدہ نہ ہونے کے اس کا یقین نہیں۔ ان لوگوں نے قرآن کی صرف ایک آیت یاد کر لی ہے هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ (کیا علم والے اور جہل والے برابر ہوتے ہیں) جس سے یہ سمجھ لیا کہ محض علم کافی ہے یعنی اصلاح عقیدہ اور یہ نہ دیکھا کہ قرآن میں بہت جگہ یہ بات بھی مصرح ہے کہ عمل کرنے والے اور عمل نہ کرنے والے بھی برابر نہیں ہو سکتے۔ سنئے حق تعالیٰ فرماتے ہیں أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ نَجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَوَاءً مَحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ (یہ لوگ جو برے برے کام کرتے ہیں کیا یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم ان کو ان لوگوں کے برابر رکھیں گے جنھوں نے ایمان اور عمل صالح اختیار کیا کہ ان سب کا جینا اور مرنا یکساں ہو جائے یہ برا حکم لگاتے ہیں)

ایک مقام پر ارشاد فرماتے ہیں أَمْ نَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ أَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ (ہاں تو کیا ہم ان لوگوں کو جو کہ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کئے، ان کے برابر کر دیں گے جو دنیا میں فساد کرتے پھرتے ہیں، یا ہم پرہیزگاروں کو بدکاروں کے برابر کر دیں گے) ایک جگہ ارشاد ہے أَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا لَا يَسْتَوُونَ (تو جو شخص مؤمن ہو کیا وہ اس شخص جیسا ہو جائیگا جو بے حکم ہو وہ آپس میں برابر نہیں ہو سکتے)

(ا ۔ ۲ ۔ آیت ۵)

(۳۳۵) فرمایا کہ اطمینان بالدنیا (دنیا سے جی لگانا) کا مطلب یہ ہے کہ حرکت الی الآخرۃ نہ ہو۔ حرکت جو مقابل ہے سکون کے، حرکت الی الآخرۃ تین قسم کی ہوتی ہے۔ ایک حرکت اعتقادی کہ اعتقاد درست ہو، ایسا نہ ہو جیسا کہ کفار کا۔ دوسرے حرکت عملی کہ اعمال آخرت کا اہتمام ہو۔ تیسرے حرکت حالی کہ آخرت کی دھن میں ہر وقت بے چین ہو، اور اسی کی کاوش ہو۔

(۳۳۶) فرمایا کہ حُسن سے سیری کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ حُسن منتہی ہو، دوسرے یہ کہ طلب نہ ہو، پہلی صورت سیری کی تو حق تعالیٰ کے ساتھ ہو نہیں سکتی۔ کیونکہ اس کے حسن کی انتہا نہیں، ہاں یہ صورت البتہ ہے کہ ہماری طرف سے طلب نہ ہو۔

(۳۳۷) فرمایا کہ طلب اور دھن پیدا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ مراقبات کرو (دنیا کے فنا و اضمحلال کا، اپنی موت کا اور آخرت کے بقا و ثبات کا اور ثواب و عقاب کا اور حق تعالیٰ کے انعامات و احسانات) اہل اللہ کی صحبت اختیار کرو، ذکر کرو

(۳۳۸) فرمایا کہ اگر موت کے سوچنے سے کسی کا دل گھبرا وے تو حیات کو سوچو کہ اس حیات سے اچھی ایک دوسری حیات ہے جو خیر[1] بھی ہے، ابقیٰ بھی، الذ بھی، اشہیٰ بھی۔

(۳۳۹) فرمایا کہ سوچنے کی مثال ایسی ہے جیسے گھڑی میں بال کمانی کہ ہے تو مختصر مگر تمام پرزوں کی حرکت اسی سے ہوتی ہے، اسی طرح سوچنے سے دین کے قلعے فتح ہو جاتے ہیں۔

(۳۴۰) فرمایا کہ حقّہ ایک ڈاکو ہے (یعنی بیش قیمت وقت کا لوٹنے والا) دو پیسہ کا تمبا کو خرچ کر کے اس کی بدولت جتنا چاہو مجمع کر لو، اور اوقات سب کے برباد کر لو، بس حقہ کیا ہے؟

جامع المتفرقات۔

(۳۴۱) حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک عورتوں کے بعد (دنیا کی چیزوں میں) گھوڑوں سے زائد کوئی چیز پسندیدہ نہ تھی، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انکی پیشانیوں کو چھوا کرو، ان کیلئے برکت کی دعا کیا کرو اور زینت کے واسطے ان کو ہار پہنایا کرو، اور انکی پیشانیوں گردن، دُموں کے بال نہ کاٹا کرو، کیونکہ ان کی دُم مورچھل ہیں، ان کی ایال سردی کو دفع کرنیوالی ہے اور ان کی پیشانیوں میں بھلائی رکھدی گئی ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بہترین گھوڑا سیاہ رنگ والا ہے جس کی پیشانی میں سفید ٹیکہ ہو اور اوپر کے ہونٹ میں سفیدی ہو، پھر اسکے بعد اس گھوڑے کا درجہ

---

[1] بہت بہتر، ہمیشہ باقی رہنے والی اور نہایت لذیذ اور مرغوب۔

ہے جس کی پیشانی میں سفید ٹیکہ ہو اور پیر سفید ہو، مگر داہنا ہاتھ سارے بدن کے رنگ ہی کا ہو (یہ ایک عمدہ تحقیق تھی اس لئے لکھ دی گئی ورنہ یہ حضرت کا ملفوظ نہیں۔

(۳۴۲) فرمایا کہ مرض کا تعدیہ[1] نہیں بلکہ جس طرح اولاً حق تعالیٰ کسی کو مریض بناتے ہیں اسی طرح دوسرے کو اپنے مستقل تصرف سے مریض کر دیتے ہیں میل جول وغیرہ سے کوئی مرض کسی کو نہیں لگتا، یہ سب وہم ہے۔

(۳۴۳) فرمایا کہ مسلمان کی وضع تو اتباع احکام ہے بقول کسی کے ؎

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو دل شدہ مبتلائے تو ہرچہ کنی رضائے تو

(اگر آپ زندہ رکھیں تو آپ کی نوازش ہے، اگر مار دیں تو جان آپ پر نچھاور، دل تو آپ کی محبت میں قید ہو چکا ہے، اب جو معاملہ فرمائیں آپ کی مرضی)

(۳۴۴) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص کسی کے پاس اللہ کے واسطے کوئی شئے لاوے تو ضرور کھانا چاہئے اس سے نور پیدا ہوتا ہے۔

(۳۴۵) فرمایا کہ مباحات میں ہم کو تنگی نہ کرنا چاہئے اور راز اس میں یہ ہے کہ اس تناول مباح میں ایک شان افتقار و انکسار (عاجزی و مسکنت) کی ہے جو مطلوب ہے اور ترک و تضیق (تنگی) میں شائبہ استغنا (بے نیازی) کا ہے جو کہ پسندیدہ نہیں۔ دوسرے یہ کہ مباحات کے ترک سے بھی دل میں قساوت (سختی) پیدا ہو جاتی ہے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ جو شخص چالیس دن برابر گوشت کھاوے اس کے دل میں بھی قساوت پیدا ہو جاتی ہے اور جو نہ کھاوے اس کے دل میں بھی اس لئے کہ جو ترک کرتا ہے اسکے دل میں عجب پیدا ہو جاتا ہے اور وہ بھی منافی خشوع ہے۔

(۳۴۶) فرمایا کہ ایمان کامل کے لئے لازم ہے کہ طبیعت اور خو سب مسلمانوں کی سی ہو، رغبت اسی چیز سے ہو جو حدیث و قرآن سے ثابت ہو، اور ایسے لوگوں کو اسی چیز سے نفع ہوتا ہے جو حدیث و قرآن میں ہے، وہ مستحبات پر ویسا ہی عمل کرتا ہے جیسے واجبات پر، وجہ یہ ہے کہ کمال ہر کام کا ایسے ہی انہماک سے ہوتا ہے، مستحب اور واجب کی تنقیح سے نہیں ہوتا۔

(۳۴۷) مشرکین اور مومنین کے اولاد صغار کے متعلق دریافت کیا گیا تو روایات کی تطبیق

---

[1] ایک کا مرض دوسرے کو لگ جانا۔

حسب ذیل فرمایا عَنْ عَائِشَةَ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ ذَرَارِی الْمُؤْمِنِیْنَ فَقَالَ مِنْ اٰبَائِهِمْ فَقُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ بِلَا عَمَلٍ ۔ قَالَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا کَانُوْا عَامِلِیْنَ، قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَذَرَارِی الْمُشْرِکِیْنَ قَالَ مِنْ اٰبَائِهِمْ فَقُلْتُ بِلَا عَمَلٍ فَقَالَ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا کَانُوْا عَامِلِیْنَ (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول اولاد مومنین کے متعلق کیا حکم ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ وہ اپنے آباء میں (شمار) ہوں گے، میں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول! بلا عمل ہی کے؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ کو خوب معلوم ہے کہ وہ کیا عمل کرتے، پھر میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! مشرکین کی اولاد کے متعلق کیا حکم ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا وہ اپنے آباء میں (شمار) ہوں گے۔ میں نے عرض کیا کہ بلا عمل ہی کے؟ آپ نے فرمایا اللہ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ وہ آئندہ کیسے اعمال کرتے) مطلب یہ کہ مدار جزا کا تو عمل ہی پر ہے اور بلوغ کے بعد یہ جو عمل کرتے وہ اللہ ہی کو معلوم ہے کہ کیا کرتے (اور اللہ تعالیٰ اس کے موافق ان کو جزا دیتا، مگر وہ عمل واقع نہیں ہوا، اس لئے اصل کے موافق تو یہ نہ مستحق ثواب کے ہیں نہ عذاب کے، اور اس لیے ان کے ساتھ کوئی معاملہ جزاءً نہ ہوگا بلکہ الحاقاً ہوگا، اسی لئے دونوں جگہ مِنْ اٰبَائِهِمْ فرمایا، لیکن دوسرے دلائل سے ثابت ہے کہ ملحق باھل الثواب (اہل ثواب کیساتھ شامل کئے جانیوالے) کو تو ثواب ہوتا ہے اور ملحق باھل العذاب (اہل عذاب کے ساتھ شامل کئے جانیوالے) کو عذاب نہیں ہوتا گو نار (دوزخ) میں ہوں۔ اور نار میں ہونا مستلزم تعذیب نہیں۔ اور جس وقت یہ ارشاد ہوا تھا اسوقت تک یہی حالت تھی کہ ذراری المشرکین (مشرکین کے بچے) جہنم میں تھے گو معذب نہ تھے کیونکہ اعمال شرکیہ سے منزہ تھے، بعد کو معلوم کرا دیا گیا کہ وہ جنت میں بوجہ شفاعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم بطور خدام اہل الجنۃ کے ہوں گے یعنی اعمال نہ ہونے کے سبب ان کو ملوکیت کا درجہ تو عطا نہ ہوگا، لیکن بالغ ہو کر مملوکیت کی حیثیت سے جنت میں مقیم ہوں گے، بخلاف ذراری المؤمنین (مومنین کے بچوں) کے کہ وہ بوجہ انتساب الی المؤمنین (اہل ایمان کی طرف نسبت) کے ان کے ساتھ درجات میں بھی ملحق ہوں گے۔

(۳۴۸) فرمایا کہ یہ نفس کا کید ہے کہ لذت اور سہولت کا طالب ہے اور شیطان بھی اس طرف مشغول رکھ کر توجہ بحق سے غافل رکھنا چاہتا ہے۔

(۳۴۹) فرمایا کہ ایک باریک بات کہتا ہوں اسکی طرف کم التفات ہے لوگوں کو، وہ یہ کہ اگر جمعیت قلب ہی کی طلب ہے تو اسکی فکر میں ہر وقت رہنا کہ جمعیت میسر ہو خود جمعیت کے بالکل

منافی ہے، جب یہ فکر رہی تو جمعیت کہاں رہی، اور نہ اس صورت سے قیامت تک جمعیت میسّر ہوسکتی ہے، جمعیت جبھی ہوسکتی ہے کہ قلب اسکی تحصیل کے خیال سے خالی ہو۔

(۳۵۰) فرمایا کہ جیسے عقائد و اعمال کی زیادت علی الحدود بدعت ظاہری ہے ایسی ہی احوال کی زیادت بھی بدعت باطنی ہے، مثلاً غیر اختیاری (حدود پر زیادتی) امور کے درپے ہونا اور افراط کے ساتھ اسکی تمنا کرنا۔

(۳۵۱) ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت عارف تو اپنے کو رائی کے برابر سمجھتا ہے۔ فرمایا جی ہاں جو رائی (مُبَصّر) ہوتا ہے وہ اپنے آپ کو رائی سمجھتا ہے۔

(۳۵۲) فرمایا کہ اگر کسی حسین کا خیال بلا قصد آوے تو اس کا علاج یہ ہے کہ یہ اختیار خود نہ لاوے، اگر وہ خود آوے آنے دیوے، ذرہ برابر بھی ضرر نہیں، مگر قصد سے اسکا القا نہ کرے بلکہ اس کشمکش ہی میں تو اجر بڑھتا ہے، اگر دفع ہی کرنا چاہے تو تصور کرے کسی ایسے بنئے کا جو اندھا چوندھا بدشکل ہو جس کی ناک بچکی ہوئی، ہونٹ بڑے بڑے، توند بڑی سی نکلی ہوئی اور ناک سے رینٹ اور منہ سے رال بہ رہی ہو، انشاء اللہ اس تصور سے وہ خیال جاتا رہے گا۔ اگر نہ بھی گیا تو کمی تو ضرور ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ عقلی مسئلہ ہے اَلنَّفْسُ لَا تَتَوَجَّهُ اِلٰی شَیْئَیْنِ فِیْ اٰنٍ وَّاحِدٍ (ذہن ایک وقت میں دو طرف متوجہ نہیں ہوسکتا)

لیجئے ہم نے کافر سے بھی دین کا کام لے لیا۔ اور بالکل اس خیال کا نکل جانا تو مطلوب بھی نہیں (جیسا کہ اوپر آیا کہ اسی کشمکش ہی میں تو اجر بڑھتا ہے) خلاصہ یہ کہ اگر آدمی بچنا چاہے اور ہمت اور قوت سے کام لے تو خدا تعالیٰ ضرور مدد کرتا ہے، رفتہ رفتہ بالکل نکل جاتا ہے اور اگر نہ بھی نکلے تو کلفت برداشت کرے، اگر خدانخواستہ کوئی مرض عمر بھر کو لگ جاوے تو وہاں کیا کروگے، عمر بھر تکلیف کو طوعاً و کرہاً برداشت ہی کرنا پڑے گا، یہاں بھی یہی کرو، اور اگر اس پر راضی نہیں تو کوئی دوسرا خدا تلاش کرو، حضرت سرمدؒ نے خوب فیصلہ فرمایا ہے ؎

سرمد گلہ اختصار میباید کرد — یک کار ازیں دو کار میباید کرد
یا تن برضائے دوست میباید داد — یا قطع نظر زیار میباید کرد

(اے سرمد گلہ و شکوہ کم (بلکہ ختم) کر دینا چاہئے۔ دو کاموں میں سے ایک کام کرنا چاہئے) (یا جان[۱]

ں دوست کے حوالہ کر دینا چاہئے، یا دوست سے تعلق ہی ختم کر دینا چاہئے)

(۳۵۳) فرمایا کہ کسی کو سعی و کوشش سے اور اپنی اصلاح کی فکر سے منع نہیں کرتا، ہاں ۔سے منع کرتا ہوں نہ تو غلو ہو، نہ تو غلو ہو (یعنی شریعت کے مقابلہ میں مقاومت نفس کرکے ع ختیار کرے)

(۳۵۴) فرمایا کہ اصل مقصود تو ہیبت اور خشیت ہی کا القا کرنا ہے اور مزہ اس واسطے یتے ہیں کہ ہیبت اور خشیت کا تحمل ہو سکے، اسی کو فرماتے ہیں ؎

گر تو ہستی طالب حق و مرد راہ　　درد خواہ و درد خواہ و درد خواہ

اگر تم حق کے طالب ہو اور راہِ مولیٰ کے مرد ہو تو درد محبت، لگن اور اضطراب مانگو)

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو　　ورنہ طاعت کیلئے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

(۳۵۵) فرمایا کہ انسان ہے تو بندہ، مگر خدا بن کر رہنا چاہتا ہے کہ جو میرا جی چاہے وہ ۔بس حقیقت یہ ہے کہ لذت مقصود ہی نہیں، مقصود نَصَب و وَصَب ہے (تعب و مشقت، رنج و الم)۔ چنانچہ خود حضور ں اللہ علیہ وسلم کو بخار میں شدت ہوئی تا کہ ثواب مضاعف (زائد) ہو ؎

زاں بلاہا کانبیا برداشتند　　سر بہ چرخ ہفتمیں افراشتند

ہ مصائب اور دشواریاں جو انبیاء نے برداشت کیں، انھیں سے انکے مراتب بلندی میں ساتویں آسمان ے بھی بڑھ گئے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے اَشَدُّ النَّاسِ بَلَاءً اَلْاَنْبِیَاءُ ثُمَّ اْمَثَلُ فَالْاَمْثَلُ (لوگوں میں سب سے زیادہ سخت بلائیں انبیاء پر آتی ہیں، پھر ان پر جو ان سے ں قدر قریب ہوتے ہیں، اسی طرح درجہ بدرجہ رسوخ ایمان کے اعتبار سے شدائد پیش آتے ہیں)

(۳۵۶) کسی نے اپنا حال لکھا تھا کہ عمامہ باندھنا خصوصاً جمعہ و عیدین میں بوجہ حیا و خجلت ب کیا جاوے یا نہیں، ترک سنت کی وجہ سے حیاء کو ترجیح دینے کی ہمت نہیں ہوتی۔ جواب میں مایا کہ یہ سنن مقصودہ سے نہیں، پھر دوسری طرف تواضع بھی مسنون ہے جس کے بعض افراد واجب ں ہیں تو مقصودیت کی شان تواضع میں زیادہ ہے بہ نسبت عمامہ کے۔

(۳۵۷) فرمایا کہ اگر کیمیا کے اشتغال (مشغولی) میں وقت اور مال کی اضاعت غالب ہو اور کامیابی ے زیادہ ناکامی ہو یا ضیاع کی مقدار حصول سے زائد ہو تو باوجود جواز فی نفسہ کے اس عارض کے سبب

حرمت کا حکم کیا جاوے گا، اور اسی بنا پر اشتغال بالکیمیا کو فقہاء نے اسباب عزل متولی سے فرمایا ہے کہ احتمال تھا کہ مال وقف کو بھی ضائع کرے گا۔ اور قواعد شرعیہ کا مقتضا یہ ہے کہ اگر کسی امر میں مصالح کثیر ہوں اور مفسدہ قلیل، اس سے بھی منع کر دیا جاتا ہے چہ جائیکہ معاملہ بالعکس ہو کہ مفاسد کثیر ہوں اور مصالح قلیل۔

(۳۵۸) احکام نذر کی تدقیق و تنقیح جس سے حضرت والا کی دقت نظری اور حقیقت شناسی واضح ہوتی ہے۔

(۱) اگر نذر سے یا بدون نذر کے ذبح بہ نیت تقرب لغیر اللہ کے ہو تو ذبیحہ حرام رہے گا اگرچہ اس کے ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو۔

(۲) صاحب درمختار اپنے زمانہ کے اکثر عوام کی نذر للاموات (مردوں کیلئے نذر ماننا) کو فساد عقیدہ پر مبنی سمجھتے ہیں اور اکثر لوگوں کو اس میں مبتلا فرماتے ہیں۔ اور جہل کا روز افزوں ہونا ظاہر ہے۔ تو ہمارے زمانہ میں تو بدرجہ اولیٰ اس حالت کا ظن غالب ہے۔

(۳) اگر نذر للہ ہو اور بزرگ کا ذکر صرف بیان مصرف کے لئے ہو تو یہ جائز ہے۔

(۴) نذر سے یہ تخصیص مذکور لازم نہیں ہو جاتی تو دوسرے مقام کے فقراء پر صرف کر دینا بھی جائز ہے۔

(۵) جو شے منذور فقراء پر صرف نہیں کی جاتی۔ اسکی نذر بالکل باطل اور ناجائز ہے جیسے چراغ جلانا یا قبر پر غلاف چڑھانا۔

(۶) ان احکام کی تحقیق کے بعد اس کا فیصلہ کہ آیا یہ نذر تقرب الی اللہ کے لئے ہے یا تقرب لغیر اللہ کے لئے نہایت آسانی سے اس طرح ہو سکتا ہے کہ مسئلہ ذیل کو اس کا معیار قرار دیا جاوے یعنی ناذر (نذر ماننے والا) کو یہ مشورہ دیا جاوے کہ تم ان بزرگوں کے خادموں کے علاوہ دوسرے مساکین کو جن کو مزار یا صاحب مزار سے کوئی تعلق نہ ہو، دے کر ان بزرگ کو ثواب بخش دو اور اس سے زیادہ صاف امتحان یہ کہ یہ کہا جاوے کہ ان کو ثواب ہی مت بخشو، پھر یا تو اپنے کو بخش دو یا کسی کو بھی مت بخشو اور خود بھی اس (منذور) کو مت رکھو نہ تبرک سمجھو، کیونکہ اسے برکت ہو جانے کی کوئی دلیل نہیں۔ اگر اس پر خوشی سے راضی ہو جاویں تو جان لو کہ خود بزرگ

سے تقرب مقصود نہیں، بلکہ ان کا ذکر محض بیان مصرف کیلئے تھا۔ اور اگر اس پر راضی نہوں بلکہ ان ہی تخصیصات پر اصرار ہو کہ ذبح ہی ہو (گوشت خرید کر نہ پکایا جاوے) اور ان ہی بزرگ کے متعلقین کو دیا جاوے اور خود کھانے کو برکت سمجھا جاوے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ ان تخصیصات کے خلاف کرنے سے کسی مضرت کا اندیشہ ہو تو یہ سب علامات ہیں فساد عقیدہ کی۔ اس حالت میں یہ فعل مطلقاً ناجائز ہوگا جس میں مقتدا اور غیر مقتدا سب برابر ہیں، البتہ جواز کی کسی صورت میں ایہام ہو تو اس میں مقتدا کو احتیاط کا مشورہ دیا جائے گا۔

(۳۵۹) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ کی یہ حالت تھی کہ اپنے ہر ہر خادم کو اپنے سے افضل سمجھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ آنیوالوں کے قدموں کی زیارت کو اپنے لئے ذریعۂ نجات سمجھتا ہوں۔ حضرت پر شان عبدیت کا غلبہ رہتا تھا۔ مطلب یہ تھا کہ اپنی اہلیت کا اعتقاد نہ رکھے، تمنا کی ممانعت نہیں۔

(۳۶۰) ایک صاحب نے عرض کیا تھا کہ حضرت اگر کوئی شخص منہ پر تعریف کرتا ہے تو نفس اس قدر خوش ہوتا ہے کہ پھولا نہیں سماتا، اس کا کیا علاج ہے۔ فرمایا کہ اسوقت اپنے معائب کو مستحضر کرکے اس خوشی کو دبا دے۔ یہ ایک قسم کا مجاہدہ ہے، چند روز تعب ہوگا، مگر پھر انشاء اللہ سہل ہو جائے گا۔

(۳۶۱) ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت جو لوگ کم فہم ہیں اور اس وجہ سے جناب سے مناسبت نہیں ہوتی، اس میں ان کا کیا قصور؟ فرمایا کہ میں اس پر مؤاخذہ نہیں کرتا، ہاں کم سمجھوں اور بدفہموں سے میں تعلق نہیں رکھنا چاہتا۔ اس لئے کہ مناسبت پیدا نہ ہوگی جو کہ شرط نفع ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام میں عدم مناسبت ہی سبب ہوئی جدائی کا۔

(۳۶۲) فرمایا کہ زاہدانِ خشک کا فتویٰ ہے کہ ایثار قربات میں جائز نہیں، مگر محققین نے اس کا جواب دیا ہے کہ یہ بھی ایک قربت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ رعایت ادب کی کرے اور یہ بھی فرمایا کہ اہل مکہ میں یہ بات بہت اچھی ہے کہ وہ حج کے زمانہ میں مسافروں کی رعایت سے خود طواف کرنا چھوڑ دیتے ہیں، حالانکہ یہ کوئی واجب شرعی نہیں ہے، مگر جائز ہے، اس میں مسافروں کو بہت سہولت ہوتی ہے۔

(۳۶۳) فرمایا کہ میں تو راحت کا عاشق ہوں. ہمیشہ شقِ راحت کو اختیار کرتا ہوں بشرطیکہ کوئی محذور شرعی لازم نہ آوے. راحت میں حق تعالیٰ سے محبت پیدا ہو جاتی ہے اور محبت سے معرفت بڑھتی ہے، طاعت اور فرمانبرداری میں لُطف آنے لگتا ہے۔

(۳۶۴) فرمایا کہ ایک رئیس حضرت سید احمد صاحبؒ کے واسطے ہر سال تین سو ساٹھ جوڑے بنا کر بھیجا کرتے تھے، اس پر ایک روز مجمع میں سید صاحبؒ نے فرمایا کہ لوگوں کو خیال ہوگا کہ میں روزانہ جوڑا بدل کر خوش ہوتا ہوں، واللہ میری ایسی حالت ہے کہ مجھ سے اگر کمبل بندھوا کر اور سر پر گوبر کا ٹوکرا رکھ کر بازار میں نکالا جاوے تو اس حالت میں اور پہلی حالت میں کچھ فرق معلوم نہیں ہوتا.

(۳۶۵) فرمایا کہ میں نے تجربہ کیا ہے کہ بیعت کے اَڑا دینے میں کچھ کام کرنے لگتے ہیں اسلئے میں پہلے بیعت نہیں کرتا. لکھ دیتا ہوں کہ اول کام شروع کرو. اگر کچھ نفع ہوا تو بیعت سے بھی انکار نہیں، پھر جب ان کو چسکا کام کا لگ جاتا ہے تو پھر نہیں چھوٹتا.

(۳۶۶) فرمایا کہ میں اول ہی گفت گو یا خط و کتابت میں طالب کے سر بوجھ رکھ دیتا ہوں بس اس کی وجہ سے اسے فکر پیدا ہو جاتی اس فکر کی وجہ سے راستہ خود بخود منکشف ہونے لگتا ہے۔

(۳۶۷) فرمایا کہ ؎

جب کہ دو موذیوں میں ہو کھٹ پٹ اپنے بچنے کی فکر کر جھٹ پٹ

مطلب یہ کہ خواہ مخواہ خود چھیڑ کر کسی کا ساتھ دے کر ان کو اپنا دشمن نہ بنا دے بلکہ دونوں سے علیحدہ ہو کر اپنی حفاظت میں مصروف ہو جاوے. اور جس طرح بن پڑے ان کی زد سے سکون و سکوت کے ساتھ نکل جائے۔

(۳۶۸) فرمایا کہ غریب مسلمانوں کی خدمت کو طاعت اور سعادت سمجھتا ہوں بشرطیکہ کوئی مانع شرعی نہ ہو (مثلاً سفارش میں مخاطب کی گرانی کا خیال)

(۳۶۹) طبیب ناواقف اور جاہل فیصلہ کرنے والا دونوں جہنم میں ہیں گو ان کی نیت درست ہی ہو. مگر نری خوش نیتی سے کام نہیں چلتا، یہاں تو علم کی ضرورت ہے۔

ل :۔ اور مقبروں کے پاس تشریف فرما ہونا اس طرف اشارہ ہے کہ اپنے اکابر سے استفادہ اور انکی صحبت اختیار کرنے میں دیر نہ کرنی چاہیئے۔

تحقیق :۔ بیشک اسی طرف اشارہ ہے۔

ل :۔ یہ تعبیر حافظ سلمہٗ کو بھی پسند آئی۔ تحقیق :۔ الحمد للہ۔

ل :۔ اسوقت سے میرے دل میں حضرت والا کی خدمت بابرکت میں پہونچنے کا شدید تقاضا ہونے لگا ہے تحقیق :۔ الحمد للہ۔

ل :۔ حافظ صاحب سلمہ کا ارادہ رمضان المبارک کے بعد فوراً ہی حضرت والا کی خدمت میں پہونچنے کا ہے۔ تحقیق :۔ الحمد للہ۔

ل :۔ حضرت والا دعا فرمادیں کہ حق تعالیٰ جلد سامان بعافیت اسکا میرے لئے بھی فرمادیں۔ تحقیق :۔ دعا کرتا ہوں۔

مکتوب نمبر ۷۳۴

ل :۔ مورخہ ۴ رجون کو گرامی نامہ کے شرف صدور سے دس منٹ پیشتر قلب پر شدید احساسِ فراق دسوز "توجہ الی الحق" کی نسبت بوساطتِ آنجناب پایا۔

تحقیق :۔ مبارک ہو۔ حال :۔ بلکہ ایک یاس اور حسرت سی محسوس ومعلوم ہوئی۔ تحقیق :۔ یہ نعمتِ عظمیٰ ہے۔

ل :۔ پھر یہ کیفیت از خود زائل ہو گئی۔ خط کے آنے پر اس سوز وگداز کی طرف طبیعت از خود ملتفت پائی۔ تحقیق :۔ الحمد للہ

ل :۔ کہ کیوں یہ صورت پائی، الحمد للہ رب العلمین۔ گویا کہ آنجناب کا وسیلۂ انیعت رب باری تعالیٰ کے "قربِ خاص" کا میزابِ رحمت ہے۔ تحقیق :۔ مبارک ہو۔

ل :۔ آنجناب کی طرف سے یہ خوشخبری کہ "محبت کا حصول مبارک ہو" میرے لئے دارین کی سعادتوں کا سرچشمہ ہے۔ تحقیق :۔ بیشک۔

ل :۔ لہٰذا درخواست دعا ہے کہ حق تعالیٰ مجھے بقائے محبت، دوامِ محبت اور

رضائے کامل عنایت فرمادے۔ تحقیق :۔ دل سے دعا کرتا ہوں۔

حال :۔ اپنے مرض کبر میں افاقہ تو ضرور محسوس کرتا ہوں مگر اسکی بیخ کنی کی درخواست ہے،

تحقیق :۔ اللہ تعالیٰ اپنی عظمت منکشف فرما کر اسکی بیخ کنی فرمادے۔

حال :۔ محاسبہ بھی اپنے افعال و اعمال کا پیش نظر ہے۔ حضرت اقدس الرافعی علیہ الرحمہ کی تعریف نے بابت اخلاق محمودہ ایک عظیم رہنمائی فرمائی، مگر آنجناب کی توجہ مبارک کے بغیر یہ مرض کبر میرے بس کا علاج نہیں ہے۔ تحقیق :۔ یہ سچ فرماتے ہیں اللہ تعالےٰ ہی نیست و نابود فرمادیں۔ حال :۔ ذلّتِ نفس اللہ تعالیٰ آنجناب کے وسیلہ مبارک سے عطا فرمادے۔ تحقیق :۔ آمین

حال :۔ مجھے محض آپ ہی کے کرم پر بھروسہ کامل ہے ورنہ اپنی بساط تو معلوم ہے، عمر بھر نفس نے رگیدا ہے اور نفس کا شکار ہوں۔ تحقیق :۔ الحمد للہ۔

حال :۔ میرے حق میں خصوصی دعا فرمادیں، میں خود بھی دست بہ دعا ہوں۔

تحقیق :۔ اللہ تعالےٰ قبول فرما دے۔

حال :۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ ضَعِیْفٌ فَقَوِّ فِیْ رِضَاكَ ضُعْفِیْ وَخُذْ اِلَى الْخَیْرِ بِنَاصِیَتِیْ وَاجْعَلِ الْاِسْلَامَ مُنْتَهٰى رِضَائِیْ وَ اِنِّیْ ذَلِیْلٌ فَاَعِزَّنِیْ وَ اِنِّیْ فَقِیْرٌ فَارْزُقْنِیْ (اے اللہ میں ضعیف ہوں، پس قوت سے بدل دے اپنی مرضیات میں ضعف میرا اور کشاں کشاں لے جا مجھے خیر کی طرف اور کردے اسلام کو انتہا میری پسند کا۔ اور میں ذلیل ہوں پس عزت دے مجھے۔ اور میں محتاج ہوں پس رزق دے مجھے)

تحقیق :۔ آمین۔ حال :۔ آجکل موسم برسات ہے میرا مشاہدہ ہے کہ رحمت کا جھونکا مردہ زمین میں ایک آن میں زندگی بخش رہا ہے (کریمہ) فَانْظُرْ اِلٰى اٰثَارِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَیْفَ یُحْیِی الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا (پس دیکھو اللہ کی رحمت کے آثار کو کیسے زندہ کرتا ہے اس زمین کو اسکے مردہ ہونے کے بعد) اسی رحمت کا سوال آنجناب کی وساطت سے ہے، میں تو مجموعہ امراض ہوں خبث کی گھاس نے قلب کی سرزمین محیط کر رکھا ہے، بادِ بہاری کو توفیق ہے کہ خزاں کو آنِ واحد میں پُربہار کردے ا

اس بہار کے خازن آنجناب ہی تو ہیں ۔ تحقیق :۔ اللہ تعالیٰ سے امید ہے پربہار کرنے

کلبۂ احزاں شود روزے گلستاں غم مخور

(غم مت کرو کاشانۂ رنج وغم ایک دن گلستاں بن جائے گا)

حال :۔ تو کہ کیمیا فروشی نظرے بہ قلب ما کن

(آپ تو کیمیا فروش ہیں ہمارے قلب کی طرف بھی اک نگاہ کیجئے)

حضور کی جملہ تصانیف سے مجھے اب ایک سوز سا محسوس ہوتا ہے۔ تحقیق: الحمد للہ

حال : جس سے طبیعت پر گرفتگی کی کیفیت پیدا ہوتی ہے جو کہ کبھی طاری کبھی طویل اور کبھی قصیر ہو کر ختم پاتا ہوں۔ تحقیق :۔ الحمد للہ۔

حال :۔ طبیعت منفرد پاتا ہوں۔ اور دنیا ہی نہیں بلکہ غیر متعلقہ تعلقات و علائق تو آنجناب کے سابقہ گرامی نامہ کی آمد پر تقریباً ایک ماہ پیشتر ہی سے ختم ہو چکے ہیں۔

تحقیق :۔ الحمد للہ۔ حال :۔ حضور اقدس کی تصانیف میرے لئے مشعلِ راہ اور رہبر کا کام دے رہی ہیں۔ اور بعض اوقات خصوصی اثر عبارت کا محسوس کرتا ہوں۔ تحقیق :۔ الحمد للہ۔ حال :۔ بلکہ علم وعمل میں بفضلہٖ تعالیٰ اضافہ کا موجب بھی ہوتا ہے۔ تحقیق :۔ الحمد للہ۔

حال :۔ کتاب وصیۃ الاخلاق کے لامتناہی فیضان کا ذکر اضطراراً کرتا ہوں کہ یہ واقعی اَلْوَصَایَۃُ المکنونۃ فی الولایۃ المسنونۃ (جیسا کہ یہ لقب اس پر مرقوم ہے) اس کا مظہر خاص وعام پاتا ہوں۔ تحقیق :۔ الحمد للہ۔

حال :۔ کہ عنوانات کے لحاظ سے یہ مختصر مگر حقائق کے لحاظ سے ایک غیر مختتم خزانۂ عامرہ ہے اور قیامت تک اس کے اسرار کو حاوی پاتا ہوں۔ تحقیق :۔ مبارک ہو

حال :۔ بر صفحہ ۲۱ وصیۃ الاخلاق کے عنوانِ مبارک کے تحت احقر بہت ہی عملاً مستفید ہو رہا ہے۔ خود حضور اقدس کا اپنا بیان ہی اعجازی اثر رکھتا ہے، الحمد للہ رب العٰلمین۔ خصوصاً ذیل کے اقتباسات سے مجھے عظیم نفع ہو رہا ہے کہ کام و دہن شکریہ ادا کرنے سے قاصر ہیں۔ تحقیق :۔ الحمد للہ۔

حال:۔ ؏ اختصار عبارت بر صفحہ ۲۱ :۔ کتاب اللہ سے آجکل مسلمان جیسی بے رخی اور بے نیازی برت رہے ہیں اس سے مجھے تو بہت خوف معلوم ہوتا ہے اور ان کی یہ انتہا درجہ کی محرومی اور بدنصیبی ہے۔ کتاب اللہ کا دیکھنا، اسکی تلاوت کرنا، اسکے معانی سمجھنا، اس سے برکت حاصل کرنا۔ اسکے وسیلہ سے دعا مانگنا اسے چومنا۔ ان میں سے ایک ایک چیز سعادت تھی اور حق تعالیٰ کی رحمت اپنی طرف متوجہ کرنے کا ذریعہ تھی۔ اس سے یہ لوگ عدم اعتقاد، عدم محبت کی بنا پر اعراض کر رہے ہیں۔ اصل شئے اعتقاد ہے، تو بحکم اِذَا ثَبَتَ الشَّیْءُ ثَبَتَ بِلَوَازِمِہٖ جب کوئی چیز ثابت ہوتی ہے اپنے لوازم کے ساتھ ثابت ہوتی ہے، اس کے آثار بھی ضرور ظاہر ہوتے ہیں اور کلام اللہ کی عظمت، اس سے محبت، اس سے تعلق ہر رنگ میں ضرور ظاہر ہوتا . . . مگر لوگوں کا یہ کلام اللہ میں نظر کرنے سے استغنا۔ اس کے معانی سمجھنے سے استغنا، اسکی تلاوت سے استغنا، اس سے برکت حاصل کرنے سے استغنا اُسے چومنے اور آنکھوں سے لگانے سے استغنا، ان کے عدم اعتقاد پر دلالت کرتا ہے۔ اور یہ سب باتیں وبال کی اور حق تعالیٰ کی ناراضی کی ہیں ؎

چوں ترک قرآں کردۂ آخر مسلمانی کجا چوں شمع ایماں کشتۂ پس نور ایمانی کجا

(جب قرآن کو تم نے چھوڑ دیا تو مسلمانی کہاں رہگئی۔ اور جب ایمان کی شمع کو تم نے بجھا دیا تو ایمان کا نور کہاں سے حاصل ہوگا)

؏۲ کلام اللہ شریف دراصل حق تعالیٰ کی طرف سے دنیا والوں کیلئے ایک جبل اور کمند ہے جس کے ذریعہ حق تعالیٰ تک پہونچ سکتے ہیں . . . . اس کمند کا ایک سرا حق تعالےٰ کے دست مبارک میں ہے اور دوسرا سرا بندوں کے ہاتھ میں۔

جیسا کہ حدیث شریف میں ہے :۔ بر صفحہ ۲۲ اَبْشِرُوْا فَاِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ طَرْفُہٗ بِیَدِ اللّٰہِ وَطَرْفُہٗ بِاَیْدِیْکُمْ تَمَسَّکُوْا بِہٖ فَاِنَّکُمْ لَنْ تَهْلِکُوْا وَلَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَہٗ (طبرانی) منتخب کنز العمال ص (خوش ہوجاؤ کہ اس قرآن کا ایک سرا حق تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور دوسرا سرا تمہارے ہاتھوں میں ہے، پس اسکو مضبوط پکڑلو تو پھر تم

اسکے بعد کبھی ہلاک نہ ہوگے، یا یہ ارشاد فرمایا کہ ہرگز گمراہ نہ ہوگے)

۳۔ مثنوی دفتر دویم بر صفحہ ۲۲ میں از مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ:۔

"تشبیہ کردن قرآن مجید را با عصار موسیٰ علیہ السلام و وفات مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم را تشبیہ نمودن بخواب موسیٰ علیہ السلام و قاصدان تفسیر قرآں را بآں دو ساحر بچہ کہ قصد بردن عصائے موسیٰ علیہ السلام کردہ بودند چوں موسیٰ علیہ السلام را خفتہ یافتند (قرآن مجید کو موسیٰ علیہ السلام کے عصا کے ساتھ تشبیہ دینا اور وفات مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو موسیٰ علیہ السلام کے خواب کے ساتھ تشبیہ دینا۔ اور قرآن کی تفسیر کا قصد کرنے والوں کو دو جادوگر بچوں کے ساتھ تشبیہ دینا جنھوں نے موسیٰ ؑ کے عصا چرانے کا قصد کیا تھا جب موسیٰ علیہ السلام کو سوتا پایا تھا)

اس عبارت سے مراقبہ و استغفار سے مجھے دائماً خصوصی اثر اور حظ لامتناہی نصیب ہو رہا ہے (الحمد للہ) **تحقیق**:۔ الحمد للہ۔

حال:۔ بالخصوص یہ عبارت آنجناب کہ اسی طرح قرآن شریف بھی ہمارے پیغمبر ؐ کا معجزہ ہے تا آخر عبارت۔ . . . . بھی زندہ ہے۔

" اس کے بعد مولانا رومؒ لکھتے ہیں کہ نبی اگرچہ سو رہے تھے مگر ان کا معجزہ جاگ رہا تھا۔ اسی طرح قرآن شریف بھی ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے، آپؐ گنبد خضرا میں استراحت فرما رہے ہیں، مگر یہ معجزہ (قرآن) بھی زندہ ہے تو پھر بھلا اس معجزہ کی عظمت و برکت، تاثیر اور کرامت کا کیا ٹھکانا ہو سکتا ہے، پھر اس سے بے نیازی کے کیا معنیٰ سے

مصطفےٰ ؐ اندر جہاں وانگہ کسے گوید ز عقل   آفتاب اندر جہاں وانگہ کسے جوید سُہا

(مصطفےٰ ؐ دنیا میں موجود تب بھی کوئی عقل سے کوئی بات کہے نہایت نادیا ہے۔ آفتاب دنیا میں موجود ہو تب بھی سُہا کو تلاش کرے (نہایت نادانی کی بات ہے)

اس تعلق سے ہر طبیعت کا تقاضہ ہوتا ہے کہ حامل قرآن کے بھی یہ سہ تعلقات ضروری ہیں، یعنی ۱۔ تعظیم کا تعلق۔ ۲۔ اعتقاد کا تعلق۔ ۳۔ محبت کا تعلق۔

پھر جبکہ آپ ﷺ روضۂ مبارک میں استراحت پذیر ہیں تو اس کا ہی فیضان ہے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَہُمْ وَ اَنْتَ فِیْہِمْ (اور اللہ تعالیٰ ایسا نہ کریں گے کہ ان میں آپ کے ہوتے ہوئے ان کو عذاب دیں) "یہاں یہ سمجھنا چاہئے کہ قرآن پاک کو حق تعالیٰ سے نہایت قوی نسبت ہے، اس کے ساتھ تعظیم، اعتقاد اور محبت کا جو برتاؤ بھی کیا جاتا وہ بھی حق تعالیٰ کو پسند اور محبوب ہوتا، مگر لوگوں نے خدا کی کتاب ہوتے ہوئے دوسری کتابوں سے اپنا تعلق جوڑ لیا اور کتاب اللہ سے تعلق ختم کر دیا۔ حالانکہ کتاب اللہ کی شان اور اس کا حق تو یہ تھا کہ دوسرے مضامین تو درکنار اگر خود حدیث و قرآن ہی کے مضامین دوسری کتابوں میں ہوتے تب بھی ان کے ساتھ مشغول ہو کر قرآن پاک سے استغنا نہ برتنا چاہئے تھا۔

تحقیق:- بیشک۔ **حال**:- ع "میرا تو یقین ہے کہ قرآن ہی وصول الی اللہ کا واحد ذریعہ ہے؛ بلکہ ترقی کر کے کہتا ہوں کہ اس کے اخبار و احکام کا اذعان اور یقین ہی عین وصول ہے جسکو یہی اذعان جس قدر زیادہ ہوگا اسی قدر درجۂ وصول حاصل ہوگا۔ چنانچہ متقین کی تعریف میں خود حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ" (وہ یقین لاتے ہیں چھپی ہوئی چیزوں پر) اور یُصَدِّقُوْنَ بِیَوْمِ الدِّیْنِ (روزِ جزا کی تصدیق کرتے ہیں) اور جس کو جتنا ہی کم اذعان و اعتقاد ہوگا اتنا ہی اس کے فیض سے محروم رہیگا دیکھئے! حضرات انبیاء علیہم السلام پر وحی نازل ہوتی تھی تو چونکہ ان کو اذعان زیادہ تھا اس لئے وہی سب سے زیادہ اس سے متأثر ہوئے تھے، اور کفار کو چونکہ اعتقاد مطلق نہ تھا اس لئے انھوں نے سرے سے کوئی اثر ہی نہ لیا۔ . . . . پس معلوم ہوا کہ اثر تعلق کی کمی اور زیادتی کی بنا پر ہوا۔ . . . . اسی طرح جو خبریں (قرآن میں) حق تعالیٰ کی طرف سے آئی ہیں وہ سب کے لئے یکساں ہیں، لیکن طبائع کے اختلاف حال اور تعلق کی کمی کی وجہ سے اس کا اذعان و یقین لوگوں پر مختلف ہوا۔"

احقر عرصہ سے از خود قرآن شریف پڑھنے سے پیشتر یہ عبارت پڑھنے کا عادی ہے:-

"ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ تَنْزِیْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ" (یہ وہ کتاب ہے جس میں

کوئی شک نہیں، پروردگار عالم کی جانب سے نازل کی گئی ہے) چنانچہ آنجناب کی اس عبارت مبارک سے جی خوش ہوا ہے۔ **تحقیق**:۔ الحمدللہ۔

حال:۔ حق تعالیٰ عمل بالقرآن کی توفیق نصیب مجھے فرمادے۔ **تحقیق**:۔ آمین

حال:۔ ۵ قرآن شریف کا نزول، ایمان و عمل دونوں ہی کے لئے ہوا ہے اسکی تلاوت سے ایمان میں زیادتی ہوتی ہے جیسا کہ نص میں وارد ہے:۔

قال اللہ تعالیٰ: إِذَا مَا أُنزِلَتْ سُورَةٌ فَمِنْهُم مَّن يَقُولُ أَيُّكُمْ زَادَتْهُ هَٰذِهِ إِيمَانًا فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَزَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَهُمْ يَسْتَبْشِرُونَ وَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا إِلَىٰ رِجْسِهِمْ وَمَاتُوا وَهُمْ كَافِرُونَ (اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو بعض منافقین کہتے ہیں کہ اس سورت نے تم میں سے کس کے ایمان میں ترقی دی سو جو لوگ ایمان دار ہیں اس سورت نے ان کے ایمان میں ترقی دی ہے اور وہ خوش ہو رہے ہیں۔ اور جن کے دلوں میں آزار ہے اس سورت نے ان میں انکی گندگی کے ساتھ اور گندگی بڑھادی۔ اور وہ حالت کفر ہی میں مرگئے)

چنانچہ آنجناب کی عبارت مبارک سے جی خوش ہوا ہے۔ **تحقیق**:۔ الحمدللہ۔

حال:۔ حق تعالیٰ عمل بالقرآن کی توفیق نصیب مجھے فرمادے بوسیلۂ آنجناب۔

تحقیق:۔ آمین۔ **حال**:۔ تلاوت کے اعتبار سے انسانوں کی چار قسمیں ۔ اور حدیث شریف سے خصوصی فائدہ پہونچا ہے۔

نارنگی، چھوہارہ، ریحانہ، حنظل سے انسانی سیرت و کردار کا مظاہرہ عجیب بہترین مثال ہے اور ساتھ ہی تلاوت کے یہ فوائد:۔ ۱۔ خشیت۔ ۲۔ ہدایت۔ ۳۔ عمل ۴۔ استقامت۔ اور ان کا استحضار باعث صد برکت ہے۔ بلکہ یہ عرصہ کے ذہن میں محفوظ اشعار از خود باطن سے ابھر آئے ؎

آں کتابِ زندہ قرآنِ حکیم ۔۔۔ حکمتِ او لایزال است و قدیم
دشت باناں را ز تابِ آں کتاب ۔۔۔ صد تجلی از علوم اندر دماغ
(اقبالؒ)

(وہ کتاب زندہ ہے اور حکمت والا قرآن ہے، اسکی حکمت ہمیشہ سے ہے مٹنے والی نہیں ہے۔ بیابان کے باشندوں کو اس کتاب کی روشنی سے علوم کی صدہا تجلیات دماغ کے اندر ظاہر ہوئیں)

۵۔ ذیل کی عبارت مبارک بحوالہ کتاب السنۃ الجلیہ فی الچشتیۃ العلیہ از حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمۃ:۔ پھر آپ نے اسی کے متعلق حکایت فرمائی کہ کوئی ذکر کلام اللہ سے بڑھ کر نہیں" مناسب ہے کہ اسکی تلاوت کیا کریں کہ اس کا نتیجہ کل طاعتوں سے بڑھ کر ہے (السنۃ الجلیہ ص۲۰)

۶۔ بحوالہ خواب حضرت امام حنبلؒ۔ ایک بار انھوں نے حق تعالیٰ کو خواب میں دیکھا اور عرض کیا دُلَّنِیْ عَلٰی اَقْرَبِ الطُّرُقِ اِلَیْکَ یعنی مجھے سب قریب تر راستہ بتا دیجئے جس سے میں آپ تک پہنچوں، جواب ملا کہ تلاوت قرآن۔ عرض کیا کہ سمجھ کر یا بلا سمجھے، فرمایا کہ بِفَهْمٍ اَوْ بِلَا فَهْمٍ" چاہے سمجھ کر ہو چاہے بلا سمجھے ہو، دونوں ہی اقرب طرق ہیں۔ ختم شد

خود حضور اقدس کے قرآن الحکیم کی تشریح میں عقائد و حقائق مثنوی شریف کے فارسی عنوان (مذکورۃ الصدر) حظ تام پاتا ہوں بلکہ یہ مستقل حضور اقدس کا اعجاز و کرامت سمجھتا ہوں۔ **تحقیق**:۔ الحمد للہ۔ **حال**:۔ شعر ؎

پیتے ہی جس کے زندگی جاوداں ملی اُس جانفزا زلال کے مینا تم ہی تو ہو

پھر اضطرار آ زبان پر آ رہا ہے۔ **تحقیق**: الحمد للہ۔

حال:۔ حق تعالیٰ مجھے جناب کا پختہ غلام بنادے۔ **تحقیق**:۔ آمین۔

حال:۔ الدعاء بر صفحہ (۷۰) وصیۃ الاخلاق:۔

آنجناب نے اس عنوان پر اختصار میں جو جامعیت کا اظہار فرمایا ہے اُس پر مٹنے کو دل چاہتا ہے، کیا عرض کروں، بس دعا ہے کہ حق تعالیٰ ہماری بیکار عمر کو حضور اقدس کے صدقہ میں باکار و باعمل بنادے۔ **تحقیق**:۔ آمین۔

(باقی آئندہ)

حامل مضامین تصوف وعرفان • افادات وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیر سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین مصلح الامۃ حضرت

مدیر:- احمد مکین

شمارہ ۸ صفر المظفر ۱۴۱۳ھ مطابق اگست ۱۹۹۲ء - جلد ۱۵

قیمت فی پرچہ: پانچ روپیہ سالانہ زرتعاون پچپن روپیہ ششماہی تیس روپیہ

سالانہ بدل اشتراک:- پاکستان سو روپیہ۔ غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ

مولوی احمد مکین - ۲۳/۲۵ - بخشی بازار

الہ آباد ۲۱۱۰۰۳ فون ۶۰۴۷۹۸

پرنٹر- پبلشر:- صغیر حسن۔ :- اسرار کریمی پریس۔ جانسین گنج الہ آباد

فہرست

۱	التماس	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ	۳
۲	ارشادات حکیم الامتؒ	ـــــــــــ	۷
۳	مجالس مصلح الامتؒ (مال کی شرعی حیثیت)	مصلح الامت حضرت مولانا الشاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ	۹
۴	مکتوبات اصلاحی	〃 〃 〃 〃	۱۹
۵	گناہ بے لذت	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ	۲۵
۶	المجاہدہ	حکیم الامت حضرت مولانا الشاہ اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ	۳۳
۷	کمالات اشرفیہ	حضرت مولانا محمد عیسیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ	۴۱

گذارش رسالہ ہرماہ کی دس تاریخ کو سپرد ڈاک کیا جاتا ہے۔ اگر رسالہ آخر ماہ تک موصول نہ ہو تو ادارہ کو فوراً مطلع فرمائیں تاکہ دوبارہ بھیجا جاسکے، ورنہ بصورت دیگر ادارہ ذمہ دار نہ ہوگا۔ منی آرڈر کوپن پر اپنا پورا پتہ اور خریداری نمبر ضرور لکھیں!

انتباہ دفتر سے رسائل پورے اہتمام سے سپرد ڈاک کئے جارہے ہیں جن احباب کو رسالہ نہیں پہنچ رہا ہے وہ اپنا پتہ صاف صاف تحریر فرمائیں اور پن کوڈ ضرور لکھیں۔

مسلمانوں سے التماس

آجکل مسلمان ہر طرف سے اعداء کے نرغہ اور طرح طرح کی مصائب سے پریشان ہو کر قسم قسم کی تدبیریں اس بلا سے نکلنے کے لئے استعمال کر رہے ہیں، لیکن افسوس کہ ان تدبیروں میں بار بار کی ناکامی و نامرادی کے باوجود وہ نہیں آتے تو صرف اس تدبیر کی طرف نہیں آتے جو ان کی سب کامیابیوں کی کفیل اور تجربہ سے صحیح و یقینی ثابت ہو چکی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے تعلق کو صحیح و مضبوط کرنا۔ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بتلائی ہوئی تدبیروں پر عمل کرنا۔ ولنعم ماقیل ؎

نہ ہرگز ان پہ غالب کسب مال و جاہ سے ہوگے   نہ جبتک حملہ آور اُن پہ دینی راہ سے ہوگے
نہ ہرگز کامراں سعی گہ و بیگاہ سے ہوگے   نہ جبتک مل کے سب وابستہ حبل اللہ سے ہوگے

اس کا یہ مطلب نہیں کہ رفع مصائب کیلئے اپنی قوت اور دشمنوں سے حفاظت کی ظاہری تدبیر بیکار و فضول ہیں کیونکہ تعلیمات قرآن و حدیث میں خود انکی مادّی تدبیروں کا بھی اہتمام موجود ہے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ انکی مادی تدبیروں میں تو تمہارے دشمن تم سے کہیں زیادہ اور آگے ہیں اور جبتک تم سامان جمع کر کے ان کے درجہ تک پہونچو گے وہ اس سے بہت آگے پہونچ لیں گے، اس لئے صرف ان ظاہری تدابیر اور مادّی قوت کی فراہمی سے مسلمان کسی وقت بھی ان سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے

مسلمانوں کی وہ مخصوص قوت جس کا کسی دوسری قوم کے پاس جواب نہیں، ان کا وہ میگزین جس کے سامنے ساری دنیا کی طاقتیں سرنگوں ہیں اور جس نے ان کے قلت عدد اور قلت سامان کے باوجود تاریخ اسلام کے ہر دور میں ان کو دوسروں پر ہمیشہ فتحمند اور سربلند کیا، وہ صرف ان کا تعلق مع اللہ اور وہ روحانی رشتہ ہے جو ان کو ساری قوتوں کے خالق و مالک کے ساتھ حاصل ہے، جس کے لازمی نتیجہ میں امداد غیبی، نصرتِ الٰہی، فرشتوں کی امداد دوسری قوموں پر رعب وغیرہ ہر قدم پر ان کے ساتھ ہوتے ہیں۔

مگر یہ ظاہر ہے کہ یہ رشتہ و تعلق صرف اطاعت اور فرمانبرداری سے حاصل ہو سکتا ہے

نافرمانی کے ساتھ باقی نہیں رہتا۔

غزوہ بدر میں جو فرشتوں کا لشکر مسلمانوں کی امداد کے لئے اتر آیا تھا، وہ میدانِ بدر کی مقامی دہنگامی یا مجاہدین بدر کی شخصی خصوصیت نہیں تھی اور نہ اس زمانہ کی خصوصیت کو اس میں دخل تھا بلکہ حسب تصریح قرآنی اس کا مدار اطاعت خداوندی پر اور اسمیں بھی خصوصًا صبر وتقوٰی کے دو جوہروں پر تھا جو اس میدان کے سپاہیوں کو حاصل تھے۔ اسی مضمون کو قرآن حکیم نے اس آیت میں بالفاظ شرط ظاہر کیا ہے۔

بَلٰٓى اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ (آل عمران آیت ۱۲۵) (بیشک اگر تم صبر وتقوٰی اختیار کرو اور کفار یکبارگی تم پر آپڑیں تو تمہارا پروردگار پانچ ہزار فرشتوں سے تمہاری امداد فرمائے گا)

مسلمان اگر آج بھی حق تعالیٰ کے ساتھ اپنا تعلق اطاعت اسی طرح مستحکم کرلیں اور صبر وتقوٰی کے اوصاف پیدا کرلیں تو اس کے فرشتے آج بھی زندہ وموجود اور نصرت مسلمین کے لئے تیار ہیں۔ ؎

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

اسی مضمون کو قرآن کریم کی دوسری آیات میں بالفاظ ذیل ارشاد فرمایا ہے:-

وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا۔ (آل عمران آیت ۱۲۰) (بیشک اگر تم صبر وتقوٰی اختیار کرلو تو تمہیں دشمن کا کید کوئی نقصان نہ پہنچا سکے گا۔)

یہ مسئلہ کہ مسلمانوں کی فتح ونصرت کا سب سے بڑا سبب ان کا تعلق مع اللہ اور نصرت خداوندی ہے صرف نظری اور فکری نہیں بار بار کے پیہم تجربوں نے اسکو ایسا بدیہی کر دیا تھا کہ جو مسلمان کسی سبب سے عملی کوتاہیوں میں مبتلا بھی تھے وہ بھی علمی اور فکری درجہ میں اسپر یقین رکھتے تھے کہ ہماری فلاح وکامیابی صرف اطاعت خداوندی اور تعلیمات قرآن کے ساتھ وابستہ ہے۔ اسلامی فرمانرواؤں میں سب سے مجرم اور ظالم حجاج بن یوسف ثقفی مشہور ہے اس کا ایک فرمان نمونہ کے لئے دیکھئے:-

ست حجاج بن یوسف کا ایک خط قاسم گورنر سندھ کے نام | محمد بن قاسم فاتح سندھ نے جب دریائے سندھ کو عبور کرلیا اور راجہ داہر کی زبردست ہاتھیوں کی فوج سے بھڑ گیا تو حجاج بن یوسف ثقفی (جو عراق کے وائسرائے کی حیثیت رکھتا تھا) کا خط ن قاسم کے نام بمضمون ذیل پہنچا:۔

"پنج وقتہ نماز پڑھنے میں سستی نہ ہو، تکبیر و قرأت، قیام و قعود اور رکوع وسجود میں خدا تعالیٰ کے روبرو تضرع و زاری کیا کرو، زبان پر ہر وقت ذکر الٰہی جاری رکھو، کسی شخص کو شوکت و قوت خدا تعالیٰ کی مہربانی کے بغیر میسر نہیں ہو سکتی۔ اگر تم خدا تعالیٰ کے فضل و کرم پر بھروسہ رکھو گے تو یقیناً مظفر ومنصور ہو گے۔" (آئینۂ حقیقت نما ص۔ مصنفہ مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی)

پھر راجہ داہر کے مارے جانے کا حال محمد بن قاسم نے حجاج بن یوسف کو لکھا تو قاصد لی طرف سے یہ خط لیکر آیا:۔

"تمہارا اہتمام و انتظام اور ہر ایک کام شرع کے موافق ہے مگر ہر خاص و عام کو امان دینے اور دوست و دشمن میں تمیز نہ کرنے سے ایسا نہ ہو کہ کام بگڑ جائے جو لوگ بزرگ اور ذی وقعت ہوں ان کو ضرور امان دو لیکن شریر اور بدمعاشوں کو دیکھ بھال کر آزاد کیا کرو، اپنے عہد و پیمان کا ہمیشہ لحاظ رکھو، اور امن پسند رعایا کی استمالت کرو۔" (آئینۂ حقیقت نما)

یہ کسی حجرہ نشین ملا کی تلقین یا کسی خانقاہ کی تعلیم (دلجوئی) نہیں، ایک رعب داب والے با اختیار (وائسرائے) کا فرمان ہے۔ اور امیر بھی وہ کوئی خلفاء راشدین میں سے نہیں سب سے زیادہ میرے مگر خدا ترسی سے نہ سہی دنیا طلبی اور حکومت و سلطنت کی خواہش ہی کے سبب اتنی بات پر وہ بھی کامل یقین رکھتا ہے اور اپنے ماتحت حکام کو اس کا فرمان بھیجتا ہے (ری) عبادات نماز۔ روزہ اور دیگر احکام قرآنیہ کی اطاعت ہی ہمارے فتح و ظفر کی روح و ہماری ہر کامیابی دنیوی بھی اس میں مضمر ہے۔

قریب قریب اسی مضمون کا ایک فرمان حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنے عہد خلافت کے

تمام مسلم حکام کے نام جاری فرمایا تھا، جس کو امام مالکؒ نے مؤطا میں بالفاظ ذیل روایت کیا ہے۔

إِنَّ أَهَمَّ أَمْرِكُمْ عِنْدِيَ الصَّلٰوةُ فَمَنْ ضَيَّعَهَا فَهُوَ لِمَا سِوَاهَا أَضْيَعُ (میرے نزدیک تمہارے سب کاموں میں سب سے زیادہ اہم کام نماز ہے جس نے اس کو ضائع کر دیا وہ دوسرے کام کو اور بھی زیادہ ضائع کرے گا) یہ حکم بھی کوئی درسگاہی اور خانقاہی تلقین نہیں جس کو کوئی روشن خیال یہ کہہ کر نظر انداز کر دے کہ یہ سیاست سے ناآشنا خلوت نشینوں کے خیالات ہیں، بلکہ امت اسلامیہ کے سب سے بڑے موجد سیاست امیرالمومنین کا فرمان ہے، جو طلباء اور عوام کو نہیں بلکہ حکام و امراء کو بھیجا جاتا ہے کہ وہ خود اس پر عامل ہوں اور دوسروں سے عمل کرائیں۔ فاتح مصر عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کو مصر جیسے عظیم الشان شہر کا محاصرہ کئے ہوئے صرف ایک مہینہ گزرا تھا کہ فاروق اعظمؓ کو اتنی تاخیر بھی اسلامی فتوحات کے دستور پر ناگوار ہوئی اور تاخیر فتح کے مرض کی تشخیص اور اس کے علاج کی تجویز یہ فرمائی کہ:۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے دل میں مصر و قاہرہ کے اموال عظیمہ کی طمع آگئی اور اخلاص عمل میں کمی آگئی، یہی سبب تاخیر فتح کا ہو رہا ہے۔ جمعہ کے روز نماز جمعہ کے بعد اپنے ان خیالات سے توبہ اور نصرت الٰہی کے لئے دعا کر کے یکبارگی حملہ کرو۔"

عمرو بن عاصؓ نے حکم کی تعمیل کی تو اسی روز میدان ہاتھ میں اور مصر کا تخت زیر قدم۔

یہ واقعات ہیں جن سے تاریخ اسلام کے صفحات لبریز ہیں، کہاں تک نقل کیا جائے۔ غم یہ ہے کہ آج کے مسلمان اپنی کامیابی و فلاح کی دوا کبھی جرمن اور اسٹالن کے کارخانوں میں اور کبھی برطانیہ و امریکہ کے ایوانوں میں تلاش کرتے ہیں، لیکن جو اکسیر اعظم ان کے گھر میں ہے اور جس کا استعمال سہل اور ان کے مزاج ملی کے بالکل موافق اور بار بار کے تجربہ سے اس کا یقین ہے اسی کی طرف توجہ نہیں کی جاتی ؎

یک سبد پُر ناں ترا بر فرق سر تو ہمی جوئی لب ناں در بدر

روٹیوں سے بھرا ہوا ایک ٹوکرا سر پر ہے اور تو ایک ٹکڑے کیلئے دربدر مارا مارا پھر رہا۔

الغرض اب تو بار بار کے تجربوں نے ثابت کر دیا کہ نئی روشن خیالی کے ناخن تدبیر گتھی کو سلجھانے میں ناکام اور مغربی سیاست کا راستہ مسلمان قوم کے لئے یقیناً ناموا

ثابت ہوا۔

اب تو یقین ہو جانا چاہیئے کہ ان کی فلاح غیروں کی نقالی اور انھیں کی اصطلاح پڑ "آگے بڑھنے" میں نہیں، بلکہ اب سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے کی طرف لوٹ جانے اور صرف اس سیاست کو اختیار کرنے میں ہے جو قرآنی بنیادوں اور اسلامی اخلاق و معاملات اور صبر و تقویٰ پر قائم ہو جس میں صدیق و فاروق کی سیاست کا رنگ ہو جس کی بلندی و برتری کو آج بھی دنیا کا ہر دانشمند ماننے کے لئے مجبور ہے۔

خدا کرے کہ مسلمان جب اس پر توجہ دیں اور مسلمانوں کی قومی فلاح کے لئے ظاہری تدابیر کے ساتھ اس روح تدابیر یعنی تعلق مع اللہ کو مضبوط کرنے میں پوری سعی کرنے لگیں۔ تو فلاح و کامیابی ان کے ساتھ ہو، وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْزٍ

ارشاداتِ حکیم الامتؒ

فرمایا کہ اگر قدرت ہو تو قتال اور اگر قدرت نہیں تو صبر شرعی دستور العمل ہے اور درمیانی صورتیں مثلاً جتھوں کا جیل جانا۔ پٹنا۔ بھوک ہڑتال وغیرہ سب نصوص کے مقابلہ میں اجتہاد ہے۔ اجتہاد کا حق ہم کو نہیں اور نصوص کے خلاف کرنا حرج عظیم ہے۔ یہ سب جیل جانا وغیرہ خودکشی کے مرادف ہیں۔ اور اگر خودکشی سے کسی کو فائدہ پہنچے تب بھی تو باوجود موجب فوائد ہونے کے جائز نہیں ہے، چہ جائیکہ کوئی فائدہ بھی نہ پہونچے تو اس کا درجہ ظاہر ہے۔ یعنی اگر یہ معلوم ہو جائے کہ خودکشی کرنے سے کفار پر اثر ہوگا تو خودکشی کرنا جائز ہو جاوے گا۔ اگر کوئی نفع بھی خودکشی پر مرتب ہو تو یہ خود ہی اتنا زبردست نقصان ہے کہ جس کا پھر کوئی بدل کبھی نہیں حضرت ہر منفعت کا اعتبار نہیں۔ اسکی تو بالکل ایسی مثال ہے کہ کوئی شخص یوں کہے کہ فلاں شخص کی جان بچ سکتی ہے اگر تم کنوئیں میں گر جاؤ تو اسکی جان بچانے کی غرض سے کیا کنوئیں میں گرنا جائز ہوگا؟

فرمایا کہ شریعت نے مصیبت کے وقت صبر و تحمل کی تعلیم دی ہے تدبیر کرو، دعا کرو

جوش سے کیا حاصل۔

فرمایا کہ قدرت علی اضرار الخصم[۱] یہ ہے کہ جس میں خصم کو کوئی ضرر معتد بہ ہو اور اس کے سات
اپنا کوئی ضرر یقینی نہ ہو اور ظاہر ہے کہ جیل وغیرہ میں اپنا ضرر ہے اور ان کا کوئی ضرر معتد بہ نہیں
قدرت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ جو کام ہم کرنا چاہیں اس پر تو قدرت ہے لیکن اس کے کرنے
کے بعد جن خطرات کا سامنا ہوگا ان کے دفع کرنے پر قدرت نہیں۔ دوسرے یہ کہ فعل پر بھی قد
ہے اور پھر جو خطرات پیش آویں گے ان کی مدافعت پر بظن غالب عادۃً بھی قدرت ہے۔

پہلی صورت استطاعت لغویہ ہے۔ اور دوسری صورت استطاعت شرعیہ جس کو اس حد
نے صاف کر دیا ہے مَنْ رَأَىٰ مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ
فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ (تم میں سے کوئی جب کسی منکر اور برائی کو دیکھے تو ہاتھ سے مٹا دے
اگر ہاتھ سے نہیں قادر ہے تو زبان سے، زبان سے بھی نہ روک سکے تو دل سے برا سمجھے۔) غرضیکہ
قدرت عادی شرط ہے محض کامیابی کی خیالی توقع قدرت نہیں ہے۔

فرمایا کہ جس موقع کے لئے قتال شرعاً مقصود اور منصوص ہے وہاں مقصود اور منصوص
کی وجہ سے اس کا ضرر معتبر نہیں۔ اور یہ تدابیر مخترعہ (جیل وغیرہ جانا) غیر منصوص ہیں اس
اسکے ضرر کو دیکھا جائے گا، وجہ فرق دونوں میں یہ ہے کہ اصل مقصد یہ ہے کہ فتنہ نہ ہو قت
فتنہ نہیں ہے، کیونکہ قتال میں طبیعت یکسو ہو جاتی ہے، اور سکون ہوتا ہے۔ اور ان امور
تَشَتُّتْ ہے اور پراگندگی اور اضاعت اوقات ہے۔

فرمایا کہ اصل تدبیر مصائب و تکالیف کی تو اصلاح اعمال ہے اگر ایسا کریں تو چند
میں انشاء اللہ اسکی برکت سے دشمن خائف ہو جائیں۔

مخترع طریقوں کے متعلق فرمایا کہ ایسے وقت میں شریعت میں دو ہی صورتیں
قوت کے وقت مقابلہ اور عجز کے وقت صبر و دعا۔ خدا معلوم یہ تیسری صورت خودکشی کر
ہو جانے کی کہاں سے نکالی، بس یورپ ہی سے سبق لیا ہے۔

فرمایا کہ میرے نزدیک بجائے قنوت نازلہ کے یہی بہتر ہے کہ ہر نماز پنجگانہ کے بعد دعا کیا کریں یہ عجیب و غ
طریق ہے، نیز اسلم و اسہل۔ اسمیں اخفاء بھی ہے اور قنوت نازلہ میں تو دشمنوں کو یاد دلانا بھی ہے کہ ہمیں فکر و اندیشہ
(کمالات اشرفیہ)

---

۱ دشمن کو نقصان پہنچانے پر قادر ہونا

حاصل کلام یہ کہ اقتصاد اور اپنی آمدنی میں سے کچھ بچالینا یہ تدبیر منزل کی اساس ہے اور شخصی واجبات میں سے پہلی چیز ہے جس کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ ایک بے خطر اور اطمینان بخش پناہ گاہ ہے جسکی جانب اہل خاندان پناہ پکڑتے ہیں۔ چنانچہ اسی میں اپنے لئے راحت و سکون پاتے ہیں اور نشاط و سرور دیکھتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کو جو انعامات اور بھلائیاں بخشی ہیں ان سے آزادی کے ساتھ نفع اٹھاتے ہیں۔

عباد الرحمٰن کا ایک خاص وصف | (اسی سلسلہ میں فرمایا کہ) کئی دنوں سے عباد الرحمٰن (اللہ کے خاص بندے) کے متعلق بیان کر رہا ہوں، یہ مضمون ذرا بسیط ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کے بہت سے اوصاف بیان فرمائے ہیں ہر ہر وصف بسط اور مستقل تفصیل کو چاہتا ہے اس لئے کہ ہر ایک ان میں سے کمال ہے۔ چنانچہ جس وصف کی توصیف اللہ تعالیٰ فرمائیں اسکے کمال ہونے میں کیا شک ہے۔ میں نے چند اوصاف پر کلام کیا ہے، درمیان میں ایک وصف چھوڑ دیا تھا، پھر خیال ہوا کہ واہ اسی وصف کو تو بیان کرنا تھا اور اسی کو تم نے چھوڑ دیا! اور بیان کرنا اس لئے ضروری تھا کہ اسکو کوئی بیان نہیں کرتا۔ یہ مولوی صاحبان جو بیٹھے ہیں، ان کو یہ مضمون بیان کرنے کو دیدیا جائے تو پسینہ آجائے، اسمیں میں بھی داخل ہوں، اور وہ مضمون یہ ہے کہ عباد الرحمٰن کا ایک وصف یہ بھی بیان فرمایا گیا ہے:- وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ٥ (یعنی جب وہ خرچ کرنے لگتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں اور ان کا خرچ کرنا اس کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے)

اس میں اللہ تعالےٰ نے عباد الرحمٰن کا وصف بیان فرمایا ہے کہ وہ مال کو اعتدال کے ساتھ خرچ کرتے ہیں نہ بخل کرتے ہیں نہ اسراف کرتے ہیں، بظاہر تو اس میں تعریف ان کے انفاق مال کی فرمائی لیکن دلالۃً اس سے یہی نکلا کہ وہ لوگ اہل مال بھی ہوتے ہیں اور وہ کے لئے وہ اکتساب مال بھی کرتے ہیں، کیونکہ اگر اکتساب نہ ہوگا تو مال کہاں سے آئے گا اور کسی کے پاس مال ہی نہ ہوگا تو وہ انفاق کیا کریگا۔ پس جس طرح اس آیت سے انفاق کی فضیلت معلوم ہوئی اسی طرح سے کسب کا مطلوب ہونا بھی معلوم ہوا۔

چنانچہ اسوقت میں آپ کے سامنے مال ہی کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں، اس کے متعلق آپ نے کسی عالم کا وعظ نہ سنا ہوگا۔ اور اسمیں شک نہیں کہ اسکی بحث ہے بھی بہت مشکل۔

موقع و محل پر خرچ کرنے کیلئے عقل و تدین ضروری ہے | یہاں عباد الرحمٰن کے جن اوصاف بیان کئے گئے ہیں

ان میں سے بعض کی وضاحت بھی کر چکا ہوں اور درمیان میں جس وصف کو چھوڑ دیا تھا اب اس کو بیان کر رہا ہوں، سنئے! فرماتے ہیں کہ وَالَّذِیْنَ اِذَا اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا وَکَانَ بَیْنَ ذَالِکَ قَوَامًا (یعنی وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں کہ معصیت میں خرچ کرنے لگیں) اور نہ تنگی کرتے ہیں (کہ خدمت ضروریہ میں بھی خرچ کی کمی کریں) اور انکا خرچ کرنا اسکے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے)

اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ جو فرمایا ہے کہ وہ فضول خرچی اور تنگی دونوں نہیں کرتے تو اس سے سمجھ ہی لیا گیا تھا کہ ان کا انفاق بَیْنَ بَیْنَ ہے، پھر اس کے بعد بھی وَکَانَ بَیْنَ ذَالِکَ قَوَامًا (اور ان کا خرچ کرنا اعتدال اور میانہ روی کے ساتھ ہوتا ہے) فرما کر تنصیص اور تصریح فرما دی کہ انکا فعل خیر الامور کے قبیل سے ہے کیونکہ مشہور ہی ہے کہ خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُھَا (سب سے بہتر درمیانی کام ہے)

اور ظاہر یہ ہے کہ مراد انفاق سے عام ہے خواہ اپنے نفوس پر خرچ کرتے ہوں خواہ دوسروں پر خرچ کرتے ہوں اور خرچ میں میانہ روی اختیار کرنا انسان کے عاقل اور فہیم ہونے کی دلیل ہے جیسا کہ حضرت ابو الدرداءؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مِنْ فِقْهِ الرَّجُلِ رِفْقُهٗ فِیْ مَعِیْشَتِهٖ (یعنی انسان کی سمجھ اور دانشمندی سے اپنی معیشت کا درست رکھنا ہے) نیز حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ منجملہ اسراف کے یہ بھی ہے کہ تمہارا جو جی چاہے کھانے لگ جاؤ اور اس میں شک نہیں کہ نظم کے ساتھ خرچ کرنا بہت دشوار امر ہے، یہ بھی آسان ہے کہ آدمی جو چاہے خرچ کر ڈالے اور یہ بھی آسان ہے کہ بالکل بخیل اور کنجوس ہو جائے لیکن یہ کہ خرچ کرے اور موقع اور محل پر کرے یہ مشکل چیز ہے، اس میں عقل اور تدین کی ضرورت ہے، مال اپنی ذات کے لحاظ سے بُری چیز نہیں ہے، اسکے متعلق حدیث شریف میں آیا ہے نِعِمَّا بِالْمَالِ الصَّالِحِ لِلرَّجُلِ الصَّالِحِ (یعنی صالح مال صالح انسان کیلئے کیا ہی اچھی چیز ہے)

ایک اور حدیث میں آتا ہے مَنْ اَخَذَہٗ بِحَقِّهٖ فَنِعْمَ الْمَعُوْنَةُ ھُوَ (یعنی جو شخص مال کو جائز طریقوں سے حاصل کرے اور صحیح مصرف میں صرف کرے تو یہ ایک اچھا معین اور عمدہ مددگار ہے) ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ نِعْمَ الْمَتَاعُ وَنِعْمَ الْوَسِیْلَةُ (یعنی نہایت عمدہ

برتنے کی چیز اور بہت ہی خوب وسیلہ ہے)
اخلاص فی الانفاق کے فضائل و برکات واقعات کی روشنی میں | مال ہی کی وجہ سے حضرت صدیق کی مدح قرآن میں ان لفظوں میں آئی ہے

وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى وَمَا لِأَحَدٍ عِنْدَهُ
مِنْ نِعْمَةٍ تُجْزَى إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَى وَلَسَوْفَ يَرْضَى

(اور اس نار سے ایسا شخص دور رکھا جائے گا جو بڑا پرہیز گار ہے اور اپنا مال محض اس غرض سے دیتا ہے کہ گناہوں سے پاک ہو جائے یعنی محض رضائے حق اس کا مطلوب ہے اور بجز اپنے عالیشان پروردگار کی رضاجوئی کے اسکے ذمہ کسی کا احسان نہ تھا کہ اس کا بدلہ اتارنا مقصود ہو۔ یہ شخص عنقریب خوش ہو جاوے گا۔"

ان کے بہت سے اوصاف تھے منجملہ ان کے انفاق مال بھی تھا۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے پاس کچھ مال آیا، اتفاقاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال طلب فرمایا، حضرت عمرؓ نے یہ خیال کیا کہ ہر مرتبہ ایسے موقع پر حضرت صدیقؓ ہی بڑھ جاتے تھے۔ آج شاید میں ان سے بڑھ جاؤں یہ خیال کر کے آدھا مال لے آئے اور خدمت اقدس میں پیش کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ عمرؓ کچھ گھر والوں کیلئے بھی چھوڑ آئے؟ عرض کیا کہ جی ہاں! آدھا اُن کے لئے چھوڑ آیا ہوں آدھا لے آیا ہوں۔ اتنے میں حضرت صدیقؓ بھی تشریف لے آئے اور مال پیش کیا۔ آپ نے ان سے بھی یہی سوال فرمایا کہ کچھ گھر والوں کے لئے بھی چھوڑ آئے ہو؟ عرض کیا گھر خدا اور خدا کے رسول کو چھوڑ آیا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم دونوں کے مراتب کا فرق تم دونوں کے جواب سے ظاہر ہے۔ دیکھئے حضرت صدیقؓ کو اللہ اور رسول کی یہ رضا جو حاصل ہوئی تو اخلاص فی الانفاق ہی کی وجہ سے تو ہوئی۔ اور سنئے! مکہ میں حضرت خدیجہؓ ایک مالدار عورت تھیں، ان کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کا خود خیال پیدا ہوا، نکاح کے بعد ان کی خواہش کے مطابق ان کا تمام مال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرف کے تحت داخل ہو گیا، اس طور پر آپ ظاہراً بھی غنی ہو گئے اس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ (یعنی ہم نے آپ کو نادار پایا پس غنی بنا دیا) مفسرین لکھتے ہیں کہ اس سے مراد آپ کا حضرت خدیجہؓ سے نکاح ہونا ہے۔ حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد آپ ان کو اکثر یاد فرماتے تھے

ایک دن حضرت عائشہؓ نے کہا کہ آپ حضرت خدیجہؓ کو بہت یاد کرتے ہیں حالانکہ اللہ نے ان سے اچھی بی بی آپ کو عنایت فرمادی ہے۔ آپؐ نے فرمایا کیا کہتی ہو؟ اُن سے اچھی بی بی میں ہرگز نہیں، مجھے ان سے بڑھ کر اچھی بی بی نہیں ملی، اس لئے کہ انھوں نے مجھے اس وقت دیا جبکہ اور لوگوں نے مجھے محروم کیا، اسی طرح سے انھوں نے اسوقت میری تصدیق کی اور ایمان لائیں جس وقت دوسروں نے میری تکذیب کی۔

دیکھا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی فضیلت دو جہت سے بیان فرمائی ایک تصدیق دوسرے انفاق اگر ان کے پاس مال نہ ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جی کیسے خوش کرتیں اور وہ بھی ایسی خوشی کہ خود تو دنیا سے تشریف لے جاچکیں اور اپنی محبت اور یاد باقی چھوڑ گئیں۔ یہ مال اور اسکے انفاق ہی کی وجہ سے ہوا کہ انھوں نے زندگی میں اپنا تمام مال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کر دیا۔ اور اسمیں شک نہیں کہ بڑے سخت وقت میں انھوں نے اعانت کی۔ اہل ثروت اس شخص کو جس کے پاس مال نہیں ہوتا حقیر سمجھتے ہیں اور اس کی باتوں کو خاطر میں نہیں لاتے، اور جب کسی کے پاس مال بھی دیکھ لیتے ہیں تو اس سے دبتے ہیں

مال کا موضوع عُلماء و عُقلاء کیلئے حیران کُن رہا ہے

مال کی حیثیت بہت بڑی ہے۔ اگر اس موضوع کو کسی مولوی کو دیدوں تو وہ چل نہ سکے گا اور اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالےٰ نے مال کے مسئلے میں بڑے بڑے عقلاء کو حیران کر دیا اور بڑے بڑے عالم محو حیرت رہ گئے۔ اسی کو عرب کا ایک شاعر کہتا ہے:۔ ؎

كَمْ عَاقِلٍ عَاقِلٍ أَعْيَتْ مَذَاهِبُهُ   وَجَاهِلٍ جَاهِلٍ تَلْقَاهُ مَرْزُوقًا
هٰذَا الَّذِيْ جَعَلَ الْأَوْهَامَ حَائِرَةً   وَصَيَّرَ الْعَالِمَ النِّحْرِيْرَ زِنْدِيْقًا

(یعنی کتنے ہی بڑے بڑے عالم فاضل ایسے ہیں کہ ان کے لئے معاش کا دروازہ بند ہے اور بہتیرے جاہل ہیں کہ تم ان کو کھاتا پیتا پاؤ گے۔ اس مسئلہ نے عقول کو متحیر کر رکھا ہے اور بڑے بڑے لائق و فائق علماء کو زندیق بنا دیا ہے)

دیکھا آپ نے مال ہی کے مسئلے نے لوگوں کو حیرت میں ڈال رکھا ہے بلکہ کتنوں کو اسنے زندیق بنا دیا اور اسی نے حضرت صدیقؓ کی فضیلت میں چار چاند بھی لگائے ہیں۔ حضرت بلالؓ ایک کافر کے غلام تھے، وہ انھیں بہت ایذائیں دیتا تھا، گرمی کے زمانہ میں جلتے پتھر اور تپتی ریت پر ننگا لٹا کر کہتا تھا کہ اسلام سے پھر جاؤ۔ اور وہ اَحد اَحد (یعنی خدا تو بس ایک ہے ایک ہے) کہتے رہتے تھے۔ ایک دن حضرت صدیقؓ نے اس منظر کو دیکھ لیا بلبلا اٹھے اس کافر سے کہا تم اپنے اس غلام کو میرے فلاں غلام سے بدلوگے۔ اس نے کہا ہاں، مگر وہ تمہارا غلام بھی لونگا اور اسکے ساتھ اتنا نقد بھی لونگا جب اسکو دے سکتا ہوں۔ حضرت صدیقؓ نے فرمایا منظور۔ غلام اور نقد دیکر بلالؓ کو چھڑا لیا اور آزاد کر دیا، اسپر وہ کافر ہنستا تھا اور اپنے لوگوں میں اپنی ہوشیاری پر فخر کرتا تھا کہ میں نے صدیقؓ کو ٹھگ لیا ہے۔ حضرت صدیقؓ کہتے تھے کہ میں نے دھوکہ نہیں کھایا ہے بلکہ آخرت کا سودا کیا ہے۔ حضرت بلالؓ کا اللہ تعالیٰ کے یہاں جو مرتبہ تھا اس کو کافر کیا سمجھ سکتا تھا

مال کا صحیح مصرف اور مولانا رومؒ کا عارفانہ کلام | میں کہتا ہوں کہ مال کا صحیح مصرف اللہ کے رسول یا وہ لوگ ہیں جو رسولؐ کے متبع ہیں، اور مال کی جو مذمت ہے وہ کفر کیشا اور اسکے جمع رکھنے کیساتھ ہے اور جہاں انفاق پایا جائے وہاں تو مدح ہی ہے، مال کی دنیا میں بہت ضرورت ہے اور ہر ایک کو ضرورت ہے، نبی کو بھی ضرورت ہے ولی کو بھی ضرورت ہے، مومن کو بھی ضرورت ہے اور فاسق و فاجر کو بھی ضرورت ہے۔ حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ مال جمع کرنے سے اجتناب کرنا پہلے زمانہ میں تھا اور اب تو ہمارے زمانہ میں یہ حال ہے کہ اگر آدمی پر کوئی وقت پڑے تو سب سے پہلی چیز جو وہ صرف کریگا وہ اپنا ایمان ہوگا، اسی طرح یہ بھی فرمایا کہ اگر ہمارے پاس مال نہ ہوتا تو یہ امیر لوگ تو ہمیں صافی بنا لیتے، اور سب سے اچھا فیصلہ اس بارے میں مولانا رومؒ نے فرمایا ہے۔ مثنوی میں فرماتے ہیں ؎

اے بسا امساک از انفاق بہ　　　مال حق را جز بہ امر حق مدہ

(یعنی سنو! بہت سا امساک (یعنی مال کا نہ خرچ کرنا) انفاق (یعنی مال خرچ کرنے) سے بہتر ہوتا ہے مال حق تعالیٰ کا ہے لہٰذا ان کے مال کو انھیں کے حکم سے خرچ کرو) اور فرماتے ہیں کہ

مال را گر بہر دین باشی حمول　　　نعم مالٌ صالحٌ گفتا رسول

یعنی مال کو اگر دین کی خاطر جمع کرو (تو کچھ حرج نہیں ہے کیونکہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ صلح مال صالح شخص کے لئے کیا ہی اچھی چیز ہے)۔

آگے اسکی ایک مثال دی ہے اور اسمیں شک نہیں کہ غضب کی مثال ہے۔ اور مولانا رومؒ تو اسکے ماہر ہیں فرماتے ہیں ؎

آب در کشتی ہلاک کشتی است　　　آب اندر زیر کشتی پشتی است

(یعنی مال کی مثال پانی کی سی ہے جس کا حال یہ ہے کہ اسمیں نفع وضرر دونوں کا پہلو ہوتا ہے چنانچہ پانی اگر کشتی کے اندر آجائے تو کشتی کے غرق ہوجانے کا سبب ہے، اور اگر یہی پانی کشتی کے نیچے ہو یعنی کشتی پانی پر ہو تو اسکے چلنے کا ذریعہ ہے)

اسی طرح سے مال اگر دل میں ہے تو یہ ایسا ہے جیسے پانی کشتی میں ہو یعنی اس کی ہلاکت کا پورا سامان ہے۔ اور اگر قلب سے باہر ہو یعنی جیب اور بکس میں ہو تو دنیا میں انسان کی زندگی کی گاڑی اسی کے سہارے چلتی ہے اور اس کا مصداق ہے کہ نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلرَّجُلِ الصَّالِحِ (یعنی مال بھی صالح ہو اور جس کے پاس ہو وہ بھی صالح ہو تو وہ مال محمود ہے) اور ایسا مال ہونا شرعاً مطلوب ہے اور اسی کے مقابلہ سے کہا جاسکتا ہے بِئْسَ الْمَالُ الطَّالِحُ لِلرَّجُلِ الطَّالِحِ (یعنی مال بھی صالح نہ ہو اور آدمی بھی صالح نہ ہو بلکہ فاسق یا کافر ہو تو یہ تو کریلا اور نیم چڑھا کا مصداق ہے۔ اسی مضمون کو شیخ سعدی یوں بیان فرماتے ہیں ؎

چو ہر ساعت از تو بجائے رود دل　　　بہ تنہائی اندر صفائی نہ بینی
وگر مال وجاہ است وزرع وتجارت　　　چو دل با خدا ایست خلوت نشینی

(یعنی جب ہر وقت تمہارا دل اِدھر اُدھر بارہ باٹ رہے گا تو تم خلوت اور تنہائی میں رہنے کے باوجود اپنے قلب میں کچھ بھی صفائی نہیں پاؤگے۔ باقی یوں مال و دولت ہو، جاہ و مرتبہ ہو، کھیتی اور تجارت ہو مگر دل خدا کے ساتھ لگا ہوا ہو تو تم خلوت نشین ہی ہو) (خلوت در انجمن یہی ہے) یہ امور چونکہ سبب غفلت نہیں بنے لہذا ان کا ہونا کچھ مضر نہیں۔

مال و دنیا تقرب الٰہی کا ذریعہ بھی ہے اور تمرّد و سرکشی کا سبب بھی | اس سے معلوم ہوا کہ کامل کا اور حکم ہے

اور ناقص کا اور۔ یہی دنیا کامل کے پاس ہوگی تو اور خدا سے تعلق کا ذریعہ بنے گی اور ناقص کے پاس ہوگی تو اسکو خدا سے اور غافل بنا دیگی۔ اور اسی مال اور اسی دنیا کی مذمت وارد ہے اور کفار اسی مال اور اولاد کے نشہ میں انبیاء علیہم السلام سے بھڑ گئے تھے۔ ان کے مقابلہ میں اسی کی وجہ سے تمرد اور سرکشی اختیار کی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں ان کا یہ قول نقل بھی فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ان کے تکبر کرنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ یوں کہتے تھے کہ نَحۡنُ اَکۡثَرُ اَمۡوَالًا وَّ اَوۡلَادًا (ہم مال اور اولاد میں تم سے زیادہ ہیں)

اسی طرح سے ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے ان کی سرکشی اور تمرد کا نقشہ کھینچ کر اسکی وجہ مال اور اولاد کا ہونا ہی بیان فرمایا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ وَلَا تُطِعۡ کُلَّ حَلَّافٍ مَّهِیۡنٍ ۝ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِیۡمٍ ۝ مَّنَّاعٍ لِّلۡخَیۡرِ مُعۡتَدٍ اَثِیۡمٍ ۝ عُتُلٍّۭ بَعۡدَ ذٰلِكَ زَنِیۡمٍ ۝ اَنۡ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِیۡنَ ۝ اِذَا تُتۡلٰی عَلَیۡهِ اٰیٰتُنَا قَالَ اَسَاطِیۡرُ الۡاَوَّلِیۡنَ ۝ (اور آپ کسی ایسے شخص کا کہنا نہ مانیں جو بہت قسمیں کھانے والا ہو، بے وقعت ہو، طعنہ دینے والا ہو، چغلیاں لگاتا پھرتا ہو، نیک کام سے روکنے والا ہو، حد سے گزرنے والا ہو گناہوں کا کرنے والا ہو، سخت مزاج ہو، اسکے علاوہ حرام زادہ ہو اس سبب سے کہ وہ مال و اولاد والا ہو کہ جب ہماری آیتیں اس کے سامنے پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ کہتا ہے کہ یہ بے سند باتیں ہیں جو اگلوں سے منقول چلی آتی ہیں)

ظاہر ہے کہ جب مال کا یہ مصرف بنایا جائے گا تو وہ مذموم اور وبال تو ہوگا ہی۔

انفاق مال کیلئے فہم و اخلاص شرط اولین ہے

مال کو عباد اللہ کی ایذا رسانی کا ذریعہ نہیں بنانا چاہئے بلکہ ہوسکے تو اسکو اللہ تعالیٰ کی رضا میں خرچ کرنا چاہئے یا کسی اللہ والے کا دل اس سے خوش کردے ممکن ہے کہ وہ دعا ہی کردے اور اس کا کام بن جائے، اور اسمیں کچھ زیادہ مال کی ضرورت نہیں ہے، البتہ فہم اور اخلاص شرط ہے۔ اِس پر

دو واقعات

سنئے! ـــ (۱) چند بزرگ سفر کر رہے تھے، راستہ میں ایک باغ

سے ہو کر گذرے، کچھ نوریاف لوگ وہاں اپنا بننے بنانے کا کام کر رہے تھے۔ ان حضرات نے اسی باغ میں قیام کیا اور اپنے سامان میں سے توشہ نکال کر کھانے ہی جارہے تھے کہ ان میں سے ایک شخص آیا اور کہا کہ حضرت یہ نہیں ہوسکتا کہ آپ لوگ ہماری زمین پر اپنا کھانا کھائیں اسے تو آپ رکھ لیجئے، پھر کھائیے گا، میں گھر سے کھانا لیکر آتا ہوں۔ یہ کہہ کر گھر گیا اور وہاں سے کھانا تیار کرا کر لے آیا اور انھیں کھلایا۔ جب کھانا کھا چکے تو ان میں سے ایک نے کہا کہ بھائی اس نے ہم پر احسان کیا ہے اسکو دنیا دیدو، دوسرے بزرگ بولے ارے نہیں دنیا میں ہلاک ہو جائے گا، دین دیدو۔ تیسرے بزرگ بولے اس دنیا میں دین کے ساتھ دنیا کی بھی ضرورت پڑتی ہے لہٰذا دین دنیا دونوں دیدو۔ چنانچہ اسی کی دعا کر دی۔ دیکھئے! صرف ایک وقت کے کھانا کھلانے کی وجہ سے یہ شخص کامیاب ہو گیا۔

(۲) اسی طرح ایک عالم نے اپنی کتاب میں ایک واقعہ لکھا ہے جس کا ظاہر ذرا موحش سا ہے لیکن بات اپنی جگہ بالکل صحیح ہے، اور وہ یہ کہ ایک شخص کہتا تھا کہ میں نے خدا تعالیٰ کو دو پیسہ میں پایا، مراد اُسکی اِس سے یہ تھی کہ اس نے کسی وقت دو پیسہ کسی حاجت مند کو دیدیئے تھے۔ وہ تھے صاحب نسبت بزرگ، انھوں نے دعا کر دی اور وہ کامیاب ہو گیا۔

اسی کو کہتا ہوں کہ مال کا بہترین مصرف یہ ہے کہ اہل اللہ کے راضی کرنے اور انکی دعا لینے میں صرف کیا جائے تاکہ انسان کو دین بھی ملے اور دنیا بھی ملے، اور یہ اس کا حُسنِ استعمال ہے۔ اور اسکا سوءِ استعمال یہ ہے کہ اسکو اللہ کی معصیت میں صرف کیا جائے، یا اللہ کے نیک بندوں کی ایذا رسانی میں ایک عالم نے نہایت عمدہ بات کہی وہ یہ کہ انبیاء علیہم السلام کی مخالفت مالداروں ہی نے کی، غریبوں نے نہیں کی۔

اس سے معلوم ہوا کہ مال فی نفسہٖ کوئی بُری چیز نہیں ہے، برائی اسکے استعمال اور اس سے پیدا ہونے والے بُرے آثار میں ہے مومن کے پاس اگر مال ہو تو سبحان اللہ کیا کہنا وہ اس سے اللہ کی رضا حاصل کرے گا جس طرح کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو خرید کر آزاد کیا، اور جنت خرید لیا۔

مال کے متعلق عمومی غلط فہمی اور شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کا عجیب واقعہ

مال کے متعلق ہر زمانہ میں لوگوں کو کچھ غلط فہمیاں ہوئی ہیں۔ شیخ سعدیؒ نے گلستاں میں "جدال سعدی با مدعی دربیان توانگری و درویشی" کا عنوان قائم کرکے اسی مسئلہ پر اپنا ایک مناظرہ بیان فرمایا۔ ان کا مقابل امیروں کی برائی کرتا تھا، شیخ فرماتے تھے کہ سب مالدار برے نہیں ہیں اور مال کا ہونا بھی برا نہیں ہے، گفتگو طویل ہے بات بڑھتے بڑھتے ہاتھا پائی کی نوبت آگئی جس کو شیخؒ نے خود لکھا ہے دشنامم داد سقطش گفتم گریبانم درید زنخدانش شکستم ؎

اودرمن ومن درو فتادہ — خلق از پئے ما دواں وخنداں

انگشتِ تعجب جہانے — از گفت وشنید ما بدنداں

فرماتے ہیں کہ اس نے مجھے گالی دی، میں نے بھی اسے سخت سست کہا اس نے میرا گریبان پھاڑ ڈالا، میں نے بھی اسکی ٹھڈی توڑ دی۔ غرض وہ مجھ میں اور میں اسمیں دونوں خوب گتھم گتھا ہوگئے اور مخلوق ہمارے پیچھے دوڑ رہی تھی اور ہنس رہی تھی اور ہمارے حالات اور بات چیت معلوم کرکے لوگوں نے تعجب سے دانتوں میں انگلی دے لی۔

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ بالآخر ہم دونوں اپنا مقدمہ قاضی کے پاس لے گئے اور اسکے فیصلہ پر رضامندی ظاہر کی، چنانچہ قاضی نے جب ہماری حالت دیکھی اور ہماری بات سنی تو تفکر کا سر نیچا کیا اور بہت دیر تک غور کرتا رہا پھر سر اٹھایا اور مجھے مخاطب کرکے کہا کہ :۔

"اے کہ توانگراں را ثنا گفتی و بر درویشاں جفا روا داشتی بدانکہ ہر جا گلست خارست و با خمر خمار است و بر سر گنج مار است و آنجاکہ دُرِ شاہوار ست نہنگ مردم خوار است" (یعنی سنو! تم نے جو امیروں کی تعریف کی ہے تو یہ سمجھ لو کہ جہاں پھول ہوتا ہے کانٹا بھی ہوتا ہے۔ خمر کیساتھ خمار ہوتا ہے خزانہ پر سانپ ہوتا ہے اور جہاں دُرِ شاہوار ہوتا ہے وہیں گھڑیال مردم خوار بھی ہوتا ہے) اسیطرح کہتے کہتے آخر میں کہا کہ مقربان حضرت حق وہ امرا ہیں جو درویش سیرت ہیں اسی طرح وہ درویش بھی ہیں جو توانگر ہمت ہیں، مالداروں میں سے بہتر وہ شخص ہے جو درویشوں کا غم کھائے، اور عمدہ فقیر وہ ہے جو امیروں کے یہاں نہ جائے۔ اس کے بعد روئے سخن درویش کی جانب کیا اور امرا کی دو قسمیں بیان کیں، ایک وہ لوگ جو مناہی وملاہی میں مشغول ہیں،

سلہ حضرت سعدیؒ کا اضافہ [illegible]

اور ایک وہ جو خوانِ نعمت بچھائے ہوئے ہیں اور دستِ کرم پھیلائے ہوئے ہیں، اس طرح دنیا اور آخرت دونوں کے جامع ہیں۔ اسی مضمون کو قاضی نے بہت ہی بلیغ انداز سے ادا کیا، شیخ کہتے ہیں کہ قاضی کا یہ فیصلہ سنکر ہم دونوں نے صلح کرلی اور مامضیٰ کے تدارک کے لئے ہر ایک نے دوسرے کی پیشانی چومی اور بات کو ان دو بیت پر ختم کیا ؂

مکن ز گردشِ گیتی شکایت اے درویش — کہ تیرہ بختی اگر ہمبریں نسق مُردی

توانگرا چو دل و دست کامرانت ہست — بخور، بہ بخش کہ دنیا و آخرت بُردی

یعنی اے درویش تو گردشِ زمانہ کی شکایت نہ کر کیونکہ اگر تو اسی حال پر مرجائے گا تو بدبخت ہوگا، اور اے امیر جبکہ اللہ تعالیٰ نے تیرے ہاتھ میں مال دیا ہے اور تجھے دل دیا ہے تو پھر خوب کھا اور کھلا تاکہ تیری آخرت بھی بنجائے اور دنیا میں بھی کوئی تیری مذمت نہ کرے۔

مال سے حاصل کرنیکی اصل چیز؟ | میں کہتا ہوں کہ شیخ نے قاضی کا فیصلہ اچھا نقل کیا ہے لیکن اس سے عمدہ بات مجھے وہ معلوم ہوئی جو خود شیخ سعدیؒ نے بوستاں میں فرمائی ہے فرماتے ہیں کہ ؂

زر از بہرِ چیزے خریدن نکوست — نخواہی خریدن بہ از ناز دوست

(ترجمہ:- مال خود تو مقصود ہے نہیں بلکہ اس سے چیزیں خریدی جاتی ہیں تو جب کہ مال اشیاء کی خریداری کے لئے ہے تو کیوں نہ انسان اس سے محبوب کا ناز و انداز ہی خریدے اشارہ اس طرف ہے کہ محبوبِ حقیقی کی مرضیات میں مال صرف کرنا اس کا صحیح استعمال بھی ہے اور مال کا شکر بھی۔

غرض میں اسوقت آپ لوگوں کو یہ سمجھانا چاہتا ہوں کہ مال اور دنیا اپنی ذات کے لحاظ سے مذموم نہیں ہے بلکہ اسکے سوءِ استعمال کو بُرا کہا جاتا ہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ. وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

حال :۔ اب تو کسی کتاب کو پڑھنے کا دل نہیں چاہتا۔ وصیۃ الاخلاق کو میرا پڑھنے کا تقریباً چھ ماہ سے معمول ہے، کبھی کم کبھی زیادہ پڑھ کر تفکر رہتا ہے اور اسکے حقائق و دقائق قلب پر وارد ہوتے ہیں۔ **تحقیق** :۔ الحمدللہ

حال :۔ پھر عمل کی کوشش بھی کرتا ہوں ۔ **تحقیق** :۔ الحمدللہ۔

حال :۔ نہایت اختصار سے چند اقتباسات ذیل میں درج ہیں جن سے احقر کو کافی نفع و فیضان ہوا ہے ۔ **تحقیق** :۔ الحمدللہ۔

حال :۔ (۱) خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلند فرمایا ہے۔ عبدیت جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا انتہائی کمال تھا۔ ہمارا یہ یقین ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ذات باری سے جو نسبت عبودیت تھی اس کا تو کوئی فرد بشر احاطہ کر ہی نہیں سکتا۔

(۲) جس طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کے کل شعبوں کی تکمیل فرمائی (اور شعبۂ اخلاق کی تکمیل تو ایسی فرمادی کہ دنیا نے نئی زندگی پائی) اور جس طرح خدا سے رابطہ و تعلق کو استوار فرمادیا۔ اسی طرح حُسن خلق کے ذریعہ مخلوق کے باہم تعلق کو بھی صحیح و درست فرمادیا۔ **تحقیق** :۔ بیشک۔

چنانچہ صاحب روح المعانی تحت آیت هُوَ الَّذِیْٓ اَیَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ وَ اَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ تحریر فرماتے ہیں :۔ مَعَ مَا جُبِلُوْا عَلَیْهِ كَسَائِرِ الْعَرَبِ مِنَ الْحَمِیَّةِ وَ الْعَصَبِیَّةِ وَ الْاِنْطِوَاءِ عَلَى الضَّغِیْنَةِ وَ التَّهَالُكِ عَلَى الْاِنْتِقَامِ بِحَیْثُ لَا یَكَادُ یَأْتَلِفُ فِیْهِمْ قَلْبَانِ حَتّٰى صَارُوْا بِتَوْفِیْقِهٖ تَعَالٰى كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ

(اللہ تعالیٰ نے ان کے قلوب میں الفت پیدا کردی) باوجودیکہ یہ لوگ بھی جبلی طور پر تمام عرب کی طرح حمیت اور تعصب اور کینہ وری اور انتقام لینے میں ہلاک ہونے پر پیدا کئے گئے تھے اس حد تک کہ دو شخص میں بھی باہم الفت قلبی نہ تھی مگر اللہ تعالیٰ کی توفیق سے (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں) سب کے سب مثل ذات واحد

کے (شیر و شکر) ہوگئے۔"

(۳) اسی طرح شعبۂ دعا و تعوذ کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تکمیل فرمائی، یہ شعبہ ایک بحرِ ذخار ناپیدا کنار ہے اس کا احصار طاقت بشری سے باہر ہے۔ عبدیت کیلئے کمال افتقار و احتیاج لازم ہے۔ ان ادعیہ و تعوذات سے کمال افتقار پر واضح دلالت ہے۔

حال:۔ ایک استفسار متعلقہ صفحہ (۳) عریضہ سابقہ احقر:۔

"حقیقت عبدیت" کی عبارت میں یہ لفظ کہ نفس کو دخل نہ ہو

تحقیق:۔ خلوص مراد ہے۔ **حال:۔** اور نہ راحت ہو، اس جگہ راحت سے کیا مراد ہے؟ آیا قرآن حکیم کا یہ مفہوم وَجَاهِدُوا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ مراد ہے (اللہ کے راستہ میں کوشش کرو جیسا کہ کوشش کا حق ہے) **تحقیق:** ہاں

حال:۔ کیا اعمالِ قلبی اس صورت میں زیادہ مفید ہوں گے یا کہ اعمالِ جوارح کیونکہ قلب کے اعمال میں تعب کم ہوتا ہے اور عبادات بدنی سے تھکاوٹ جلد ہوجاتی ہے دوسرا استفسار:۔ اور یہ عبادت بر صفحہ ۴۱ در کتاب وصیۃ الاخلاق بحوالہ صاحب رسالہ قشیریہ:۔ "اور مریدین کے آداب میں سے اوراد ظاہرہ کی کثرت کرنا نہیں ہے اسلئے کہ قوم (صوفیہ) تو اس کے مجاہدہ میں ہے کہ خواطر (یعنی وساوس ردیہ کو) اپنے اندر سے نکالے اور دور کرے اور اپنے اخلاق کا علاج کرے اور اپنے قلب سے غفلت کو دور کرے، نہ یہ کہ نیک اعمال کی کثرت کرے اور جو ان کے لئے ضروری ہے وہ صرف فرائض اور سنن مؤکدہ کی ادائیگی ہے۔ رہی نوافل نمازوں کی کثرت تو ذکر قلبی کی مداومت ان کے لئے اس سے کہیں زیادہ اتم (اور نافع) ہے۔"

اس (دوسرے استفسار کی عبارت) کا تعلق اور فرق بر صفحہ ۵۵ در وصیۃ الاخلاق ذیل "اخلاق سے اعمال قلوب مراد ہوتے ہیں اور قلب بغیر شرکت جوارح اور اعضاء ظاہرہ کے ان کا مرتکب ہو کر گنہ گار ہوتا رہتا ہے اور ارادہ و اختیار سے ہوتا ہے، یہ قلبی معاصی کہلاتے ہیں، اٰثِمٌ قَلْبُهٗ (اس کا قلب گنہ گار ہوتا ہے) کا مصداق یہی اعمال ہیں" سے کیا ہے مراد، اور یہ کہ خواطر اور اعمال قلبی کس طرح متمیز ہو سکتے ہیں، نیز تفکر (محمود)

کا مقام کیا چاہیئے۔ **تحقیق** :۔ ہاں اعمال قلبی اختیاری ہیں اور خواطر غیر اختیاری

حال :۔ احقر کا ایک خواب :۔ نویں محرم کی شب کو الارم صبح تین بجے اٹھنے کیلئے لگایا تاکہ تہجد کی نماز نصیب ہو، مگر صبح کی نماز کے بعد آنکھ کھلی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جس سے قلق عظیم ہوا، دسویں محرم کے دوپہر کو بعد از نماز ظہر خلوت میں ذکر کرنے سے ایک خاص پُرکیف حالت تھی، یہ کہ دوازدہ تسبیح کرنے سے ہمہ دم قلب میں حق تعالیٰ کے نام پاک کے انوار و انشراح سے بیخودی نصیب پائی اور وقت مقررہ سے ذکر کی حلاوت تادیر ہو کر ذکر میں وقت سابقہ معمول سے زیادہ مصروف اضطراراً پایا۔ **تحقیق** الحمد للہ

حال :۔ ۱۱ محرم کو تہجد کیلئے از خود بیداری ہو گئی، لہٰذا نمازِ تہجد بڑے خشوع و خضوع سے پڑھی اور شکریہ اس نعمت کا کہ توفیق بیداری بغیر علم کے ظہور میں آگئی چنانچہ نماز صبح با جماعت پڑھی۔ **تحقیق** :۔ الحمد للہ

حال :۔ اسی شب خواب دیکھا کہ بیت اللہ شریف میں حاضر ہوں مگر تلبیہ کی نسبت نسیان کہ احقر کو ٹھیک یاد نہیں تاہم پڑھنے سے پھر یاد پایا (اطلاعاً عرض داشت ہے کہ احقر ۱۹۵۲ء میں اس فریضہ سے فارغ ہو چکا ہے) **تحقیق** :۔ الحمد للہ۔

حال :۔ طبیعت میں خوشی کہ یہ سعادتِ حج بھی غیب سے ظہور میں آگئی ہے اور شکریہ در خواب کہ اللہ تعالیٰ کی کریمی ہی کریمی ہے پھر معاً قلب میں یہ تعبیر تہجد پڑھنے پر وارد ہوئی کہ نمازِ تہجد بڑے ہی ثواب کی چیز ہے۔ **تحقیق** :۔ بیشک۔

حال :۔ دعا فرمادیں کہ تہجد کی نعمت اللہ تعالیٰ مستقلاً نصیب فرمادے۔

تحقیق :۔ دعا کرتا ہوں **حال** :۔ نوٹ۔ احقر نے اپنے فریضہ حج کی ۱۹۵۲ء میں ادائیگی میں دعا کی تھی کہ کم از کم دو مرتبہ مزید حج و زیارت نصیب ہو۔

تحقیق :۔ آمین۔ **حال** :۔ لہٰذا اسکی نسبت دعا فرمادیں۔

تحقیق :۔ دعا کرتا ہوں۔ **حال** :۔ مقطعہ عظیمہ :۔ مذکورہ عبارت لکھنے پایا تھا کہ طبیعت مضمحل پائی، مطلب سے گھر برائے استراحت حاصل کر دن چلا گیا کیونکہ "اعصابی تناؤ" اکثر اوقات تھوڑا بہت رہتا ہے جسکی طبی وجہ تو احقر کا اچھا خاصا

مصروف رہنا ہے بچوں کی پڑھائی میں مشغولیت ہے، ہرچند اب حضور اقدس کی توجہ مبارک
سے ہمت میں ایک انقلاب عظیم کی آمد بھی ہے، یعنی علامت اپنے میں سابقہ ایام سے بہت
زیادہ پاتا ہوں۔ **تحقیق** :۔ الحمدللہ۔ **حال** :۔ جس کی محض حقیقت حضور اقدس کا
کرم خصوصی اور فیض ہے اور بس۔ چونکہ اعصابی تناؤ تھا، اہلیہ کو کہا کہ مجھے دبائے اور سر پہ
مالش وغیرہ کرے، مقصد یہ تھا کہ سکون ہو کر نیند دو گھنٹہ آنے سے طبیعت بحال ہو جائیگی
مگر اس استراحت میں . . . . کا اتفاق پایا جس کا قطعاً قطعاً ارادہ بھی نہ تھا، مگر نفس کی
شیطنت محیط ہے۔ چنانچہ اس فعل سے ہفتہ بھر طبیعت میں بحالی نہ پائی اور معمولات یعنی وازدہ
تسبیح و تلاوت قرآن شریف نہ ہو سکی افسوس تھا مگر اعصاب کام نہ کرتے تھے، چونکہ احقر
کی بیوی گونگی ہے لہٰذا اسکی وجہ سے اعصاب پر بھی اثر رہتا ہے جو کہ ناگوار تو قطعاً نہیں
ہوتا مگر طبیعت پھر بھی اثر پذیر رہتی ہے۔ ہرچند یہ بیوی نہایت منتظم ہے اور سلیقہ شعار ہے،
چونکہ دیگر بال بچے (میرے چار لڑکیاں تین جوان اور ایک پانچویں جماعت میں ہے اور ایک
لڑکا ہے جو کہ جماعت نہم میں ہے) آپس میں اور مجھ سے باتیں کرتے رہتے ہیں بیوی کو پھر بھی
فطرۃً بطور والدہ اور بیوی کے یہ گویائی کی محرومی شاق گذرتی ہے جس سے ان کے جذبات
پر اثر ہو کر وہ مشتعل ہو ہو جاتی ہے اور وجہ سوائے مذکورہ احقر کی تشخیص مذکور کے اور
کچھ نہیں ہوتی۔ احقر اس ماحول کو بتوفیق ایزد تعالیٰ ضبط کرتا رہتا ہے۔ **تحقیق** :۔ الحمدللہ۔
حال :۔ اور الحمدللہ ثم الحمدللہ کہ بیس بائیس برس سے کبھی چپقلش اگر ہوئی ہے تو صرف چند
منٹ، اور احقر ضبط کر کے اپنی طبیعت کو بحال رکھتا ہے۔ **تحقیق** :۔ الحمدللہ۔
حال :۔ اس کل ماحول کا کبھی کبھی جذباتی اثر بیوی پر یہ ہوتا ہے کہ وہ خواہ مخواہ اپنے بچوں کی
پیہم باہم گفتگو سے (بچے ماشاءاللہ سب صالح ترین اولاد ہیں)
تحقیق :۔ الحمدللہ۔ **حال** :۔ بھی برہم ہو جاتی ہے اور پھر ان پر غصہ نکالتی ہے
جو کہ فی الحقیقت عبث اور بے معنیٰ ہوتا ہے، احقر نے بچوں کو سمجھا دیا ہے کہ یہ منزل
ان شاءاللہ خوش اسلوبی و صبر سے طے ہو جائے گی۔ زندگی چند روزہ ہے، چنانچہ
کبھی کبھی بیوی کی ہنگامی صورت حالات سے متاثر ہو کر احقر . . . . کا فعل سرانجام

دیتا ہے۔ ہر چند یہ فعل احقر کی ذاتی تشخیص ہے تاہم ایسا ہوتا ہے۔ . . . . . .
حال :۔ نیز عرض ہے کہ احقر بفضلہ تعالیٰ محض حضور اقدس کی توجہ مبارک اور دعا سے "کثرت مجامعت" کے فعل سے اب نجات پا چکا ہے۔ تحقیق :۔ الحمد للہ۔
حال :۔ جس کی بیماری پچھلے سال محیط تھی اور احقر سخت بیزار و مغلوب وخستہ حال بھی تھا، چنانچہ یہ حالات ایک بڑی سد راہ ہو ہو جاتے ہیں، حضور اقدس کو حقیقت حالات عرض کر دیئے۔ تحقیق :۔ اچھا کیا۔
حال :۔ اس نسبت دعا کی درخواست ہے۔ تحقیق :۔ دعا کرتا ہوں۔
حال :۔ کہ ہر کام محض رضائے باری تعالیٰ کا حصول و قرب تام کا موجب بن جائے تحقیق :۔ آمین۔ حال :۔ لہٰذا آج بفضلہ تعالیٰ طبیعت بحال و پرسکون ہو گئی ہے حتیٰ کہ تحقیق :۔ الحمد للہ۔ حال :۔ صبح کی نماز باجماعت پڑھی ہے اس لئے مذکورہ چھوٹی ہوئی جگہ سے آگے عرض تحریر کرتا ہوں :۔
چارٹ بابت حالاتِ خویش برائے بیداری صبح کی نماز باجماعت کے لئے :

(۱) ۶ / جون ۱۹۶۲ء نماز فجر نصیب اور بغیر الارم گھڑی کے

(۲) ۷ / جون ۱۹۶۲ء " "

(۳) ۸ / جون ۱۹۶۲ء اس تیسرے روز مجامعت کا اتفاق اور "ضعف اعصاب" بیداری صبح نہ پائی۔ ان امور پر محاسبہ کرنے سے یہ اندازہ ہے کہ (۱) غلبہ نفس زیادہ ہے غم آخرت کم ہے، ہر چند فکر آخرت ہے۔ تحقیق :۔ یہ کیا کم ہے۔
حال :۔ (۲) البتہ شب کو بعض اوقات کھانے کی بے احتیاطی سے تبخیر پیدا ہو کر (احقر کو فتق ریاحی کا پندرہ برس سے عارضہ ہے) صبح اٹھنے میں بھی مانع ہو جاتی ہے (۳) قلب میں غفلت کا احساس خصوصی پاتا ہوں۔ تحقیق :۔ اللہ تعالیٰ زائل فرما دے۔
حال :۔ محافظت علی الاعمال کی حقیقت و برکات احقر کو حضور اقدس کی کتاب وصیۃ الاخلاق کے صفحہ ۴۴ کی عبارت مبارکہ سے منکشف ہو چکی ہے، ہر چند ابھی عمل کی کوتاہی ضرور ہے . . . . . . چنانچہ پھر اسی مذکورہ عبارت کے آگے بر صفحہ ۴۸ حدیث شریف اَحَبُّ الْاَعْمَالِ

عَبْدًا شَكُوْرًا کے فوائد ونتائج بھی پوری طرح پیش نظر آتے ہیں، آنجناب کے اس جگہ پر پیشتر سے حوالہ جات حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ بر مکاتیب رشیدیہ صفحہ ۴ ابھی خوب خوب غور سے پڑھے ہیں (الحمد للہ رب العلمین)۔

معمولات :- ۱۔ صبح کی نماز باجماعت کی نسبت دل میں غم ضرور ہے اور پیشتر سے کچھ کا بیانی بھی ہے۔ **تحقیق** :- الحمد للہ۔ **حال** :- گریہ نہ ہونے کے برابر ہی ہے۔ اس نسبت ہمت جاری ہے، دعا کی درخواست ہے۔ **تحقیق** : دعا کرتا ہوں۔

حال :- بدنی صحت دن بدن ماشاء اللہ بہت ٹھیک ہو رہی ہے۔ **تحقیق** :- الحمد للہ

حال :- (۲) من حیث الکل معمولات کی پابندی کے بغیر چارہ نہیں اور قلق عدم پابندی پر شامل بھی رہتا ہے۔ **تحقیق** :- یہی اصلاح حال کا سبب بنے گا

حال :- حضور اقدس کے یہ مبارک الفاظ و دعا کہ" اللہ تعالیٰ اس کوتاہی کی بھی اصلاح فرمادیں، دعا کرتا ہوں" میرے لئے پورے پورے سکون و ہمت کا پیش خیمہ ہیں۔ **تحقیق** :- الحمد للہ۔

حال :- (۳) قرآن حکیم کی تلاوت پیشتر سے نہایت ہی اہتمام سے جاری ہے۔ اور اب یہ تلاوت اپنے اسرار و معانی کے لحاظ سے پر از حلاوت بھی ہے، بہت سی بھولی ہوئی سورتیں یاد کر چکا ہوں، ہفتہ عشرہ تک انشاء اللہ مکمل طور پر یاد ہو جائیگی **تحقیق** :- الحمد للہ۔ **حال** :- میرے لئے قرآن مجید اب ایک معرفت کا خزانہ بن رہا ہے اور اسکے اسرار اپنے پر محیط پاتا ہوں۔ **تحقیق** :- الحمد للہ

حال :- مسائل طہارت و نماز یاد کرنے میں مصروف ہوں، ضعف دماغ پیشتر سے بفضلہ تعالیٰ نمایاں کم ہے۔ آنجناب کے ارشادات عالیہ" ہمت سے ہی کام چلے گا سب یاد رہنے لگے گا اصل میں رہنموں ہیں۔ الحمد للہ۔ **تحقیق** :- الحمد للہ۔

حال :- درود شریف اپنا معمول ہے اٹھتے بیٹھتے (ذہول بھی ہو جاتا ہے) اور عظمت محبت اور اعتقاد کے نقطۂ نظر سے پڑھتا ہوں، قلبی سکون میسر ہوتا ہے (الحمد للہ) **تحقیق** :- الحمد للہ۔ **حال** :- دعائے خاتمہ بالایمان کی خصوصی درخواست ہے

(باقی آئندہ)

اور حضرت معاذ ابن جبلؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو کسی شخص کو اسکے گناہ پر عار دلائے وہ اسوقت تک نہیں مرے گا جب تک خود اس گناہ میں مبتلا نہ ہو جاوے"۔ احمد ابن منیع فرماتے ہیں کہ اس جگہ گناہ سے وہ گناہ مراد ہیں جن سے توبہ کرلی گئی ہو (ترمذی از تخریج احیاء)

تنبیہ:۔ بعض لوگ ناواقفیت یا غفلت سے استہزاء و تمسخر کو مزاح (خوش طبعی) میں داخل سمجھ کر اس میں مبتلا ہو جاتے ہیں حالانکہ دونوں میں بڑا فرق ہے مزاح جائز جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اسکی شرط یہ ہے کہ اسمیں کوئی بات خلاف واقعہ زبان سے نہ نکلے اور کسی کی دل آزاری نہ ہو اور وہ بھی مشغلہ اور عادت نہ بنے، کبھی کبھی اتفاقاً ہو جاوے (احیاء العلوم)۔ استہزاء و تمسخر جس میں مخاطب کی دل آزاری یقینی ہے وہ باجماع حرام ہے (زواجر صفحہ ۲۶) اس کو مزاح جائز میں داخل سمجھنا گناہ بھی ہے اور جہالت بھی۔

۳۔ عیب جوئی، نکتہ چینی اور تفضیح

قرآن حکیم کا ارشاد ہے وَلَا تَجَسَّسُوْا یعنی کسی کے پوشیدہ عیوب کو تلاش نہ کرو۔

اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ وہ لوگ جو زبان سے مسلمان ہو گئے، مگر ان کے دلوں تک ایمان نہیں پہنچا وہ سُن لیں کہ مسلمانوں کو ایذا نہ پہنچاؤ ان کے پوشیدہ عیوب کے پیچھے نہ پڑو، ان کو گذشتہ عیوب پر عار نہ دلاؤ کیونکہ جو شخص کسی مسلمان بھائی کے عیوب ڈھونڈتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے عیوب ڈھونڈنے لگتے ہیں اور جس کے عیوب اللہ تعالیٰ ڈھونڈیں قریب ہے کہ اسکو رسوا کر دیں اگرچہ وہ اپنے بند مکان میں مستور ہو (ترمذی از جمع الفوائد صفحہ ۲۲)

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے ایک مرتبہ بیت اللہ پر نظر ڈالی اور فرمایا، اے بیت اللہ تری شان کتنی بلند اور تیری عزت کتنی بڑی ہے، لیکن مومن کی عزت و حرمت اللہ کے نزدیک تجھ سے بھی زیادہ بڑی ہے (ترمذی جمع الفوائد)

اور حدیث میں ہے کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرے نہ عیب لگاوے

اور جو شخص اپنے کسی بھائی کے کام میں لگے اللہ تعالیٰ اس کے کام میں لگ جاتے ہیں
اور جو شخص کسی مسلمان کو مصیبت و تکلیف سے نکالے اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کی مصیبتو
سے نکال دیں گے۔ اور جو شخص کسی مسلمان کے عیب چھپائے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اسکے
عیوب چھپائیں گے۔ (ترمذی وقال حسن صحیح غریب اززواجر)

آج کل یہ کبیرہ گناہ بھی وبا کی طرح عام ہوگیا ہے، عوام و خواص سب اس میں مبتلا ہوگئے لوگوں کے پوشیدہ عیوب کی تلاش اور کوئی بات مل جاوے تو اس کا چرچا کرنا ہوا کرنا عادت میں داخل ہوگیا، کسی کو دھیان بھی نہیں ہوتا کہ ہم نے اس میں کوئی گناہ کیا۔ اور یہ وہ بے لذت گناہ ہے کہ اس میں کسی کا کوئی دنیوی فائدہ نہیں اور عمر بھر نہ کرے تو کوئی نقصان نہیں، مگر بے حسی اور بد مذاقی سے بہت سے لوگوں کو اسی میں ذائقہ اور لذت محسوس ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے بچائے۔ آمین

۴۔ چھپ کر کسی کی باتیں سننا

حدیث میں ہے جو شخص کسی سے اپنی بات چھپانا چاہے اور یہ کسی حیلہ یا بہانہ سے اسکو سُنے تو قیامت کے روز اس کے کانوں میں گرم سیسہ پگھلا کر ڈالا جائے گا۔

یہ بھی گناہ کبیرہ اور بے لذّت و بے فائدہ ہے مگر عموماً لوگ اس میں مبتلا ہیں اللہ تعالےٰ نجات عطا فرمائے۔

۵۔ بلا اجازت کسی کے مکان میں جھانکنا یا داخل ہونا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص بلا اجازت کسی کے گھر میں جھانکے تو اس کے لئے حلال ہے کہ اسکی آنکھیں پھوڑ دے (بخاری و مسلم عن ابی ہریرۃؓ)

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس شخص نے اجازت سے پہلے کسی کے مکان کا دروازہ کھولا اور مکان کے اندر نظر ڈالی تو اس نے ایسے کام کا ارتکاب کیا جو اسکے لئے حلال نہیں تھا (ترمذی)

اس حکم کو عام لوگ جہالت سے زنانہ مکان کے ساتھ مخصوص سمجھتے ہیں مردانہ مکان
داخل ہونے یا جھانکنے کو اس میں داخل بھی نہیں سمجھتے اور بلا وجہ اس کبیرہ گناہ میں مبتلا
تے ہیں ، البتہ ایسا مردانہ مکان جو عام آمد و رفت کے لئے کھلا رہتا ہے جیسے بازار کی
یں یا کارخانہ وغیرہ یا کسی خاص وقت میں کھولا جاتا ہے تو ایسی میں اسوقت استیذان
زت لینے کی ضرورت نہیں ، دوسرے وقت جائے تو اس میں بھی اجازت لینا ضروری ہے

۴۔ نسب کی وجہ سے کسی کو طعنہ دینا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ انساب اور رشتے (جو دنیا میں معروف ہیں
کسی کے لئے گالی نہیں اور تم سب اولادِ آدم ایک دوسرے کے قریب ہو کسی کو کسی
ئی فضیلت (معتدبہا) نہیں بجز فضیلتِ دین اور اعمالِ صالحہ کے (رواہ احمد والبیہقی
غیب للمنذری صـ۳۳ ج ۴)

اور ایک حدیث میں ارشاد فرمایا ہے کہ دو چیزیں ایسی ہیں جن کا ارادہ کرنا بھی کفر
قریب ہے ۔ ایک لوگوں کے نسب پر طعنہ مارنا ۔ دوسرے میت پر نوحہ کرنا یعنی چلا چلا
ونا (رواہ المسلم عن ابی ہریرۃؓ از زواجر صـ۵۲ ج ۲)

اور قرآن مبین میں ارشاد ہے ﴿الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَیْرِ مَا اکْتَسَبُوْا فَقَدِ
حْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِیْنًا﴾ (اور جو لوگ ایمان والے مردوں اور عورتوں کو ایسی چیزوں پر عار دلاتے اور
دیتے ہیں جو انھوں نے اپنے اختیار سے نہیں کیں تو انھوں نے بہتان اٹھایا اور کھلے گناہ
رتکاب کیا)

جو لوگ کسی شخص کو محض اس کے نسب کی وجہ سے طعنہ دیتے ہیں کہ یہ فلاں قوم کا آدمی
یا فلاں شخص کا بیٹا ہے ، وہ بھی اس وعید میں داخل ہیں (زواجر صـ۵۲ ج ۲)

یہ گناہ بھی گناہ کبیرہ ہے اور بے لذت و بے فائدہ ہے کہ دنیا کا کوئی کام اور فائدہ
پر موقوف نہیں مگر عام لوگ اس سے غفلت میں ہیں ، بہت سی قوموں اور پیشہ والوں کو ذلیل
ہیں اور ان پر طعنے دیتے ہیں یا ایسے الفاظ سے خطاب کرتے ہیں جس سے ان کے نسب کی

ت ظاہر ہو، جیسے کسی کو نائی کا، کسی کو قصائی یا جُلاہے کا کہنا — اللہ تعالیٰ ہم سب کو
سے نجات عطا فرما دیں

۷۔ اپنے اصل نسب کو چھوڑ کر دوسرا نسب ظاہر کرنا

جیسے کوئی شخص شیخ صدیقی نہیں مگر اپنے کو صدیقی لکھے، یا سیّد نہیں، مگر اپنے کو
سیّد ظاہر کرے، یا قریشی نہیں ہے اور اپنے آپ کو قریشی کہے، یا نسباً انصاری نہیں
ے اور اپنے کو انصاری کہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے باپ
سب چھوڑ کر کسی دوسرے کی طرف اپنی نسبت کرے تو جنّت اس پر حرام ہے (بخاری
لم، ابوداؤد)

یہ کبیرہ گناہ بھی درحقیقت بے لذّت و بے فائدہ ہے اور اس طرح نسب بدلنے
عزّت کا ذریعہ سمجھنا سراسر غلطی ہے، ان چیزوں سے دنیا میں بھی عزّت نہیں ملتی۔

۸۔ گالی گلوچ اور فحش کلامی۔

گالی اور فحش کلامی سے مراد یہ ہے کہ ایسے کام جن کے اظہار سے آدمی شرماتا ہو ان کو
صریح اور کھلے الفاظ سے ظاہر کرنا، پھر اگر وہ واقعہ کے مطابق اور صحیح ہو تو ایک گناہ
گالی دینے کا ہے اور واقعہ کے خلاف ہو تو دوسرا گناہ بہتان اور افتراء کا بھی ہے جیسے
سی شخص یا اسکی ماں، بہن کی طرف کسی فعلِ حرام کی نسبت کرنا۔

حدیث میں ہے کہ مسلمان کو گالی دینا فسق اور اس سے مقاتلہ کرنا کفر ہے (بخاری
سلم از ترغیب ص۲۸۵ ج ۲)

اور حضرت جابرؓ ابن سلیم جب مسلمان ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے
عہد لئے۔ ایک یہ کہ کسی کو گالی نہ دو، حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ الحمد للہ میں نے اس عہد کو
پورا کیا، اس کے بعد نہ شریف یا غلام کو گالی دی اور نہ کسی اونٹ، بکری جانور کو۔ دوسرے
یہ کہ کسی نیکی کو معمولی اور حقیر سمجھ کر نہ چھوڑو۔ تیسرے یہ کہ جب کسی مسلمان بھائی سے ملو تو خندہ

نی اور اخلاق سے۔ چوتھے یہ کہ اپنے تہبند یا پاجامہ کو نصف پنڈلی تک رکھو۔ اور یہ بھی
ر د تو ٹخنوں سے اوپر تک رکھو ٹخنوں سے نیچے کرنے سے سختی کے ساتھ بچو کہ وہ تکبر کی علامت
۔ پانچویں یہ کہ اگر کوئی شخص تم پر ایسا عیب لگائے جس کو وہ تمھارے اندر جانتا ہے تو تم
کے بدلہ میں اس کا وہ عیب ظاہر نہ کرو جو تمھیں اس کے اندر ہونا معلوم ہے (ابوداؤد ترمذی)

اور ایک طویل حدیث میں عفیف عورت کی طرف فعل حرام کی نسبت کرنے کو اکبر کبائر
ہوں میں شمار کیا ہے (ابن حبان فی صحیحہ کذا فی الترغیب للمنذری صـ۲۸۹ ج ۳) گالیوں میں عموماً
بہن اور بیٹی کی طرف فعلِ حرام کی نسبت کی جاتی ہے۔ یہ اسی وعید میں داخل ہے۔

اور حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی شخص کو عیب لگانے کے لئے ایسی بات کہے جو اس میں نہیں
للہ تعالیٰ اس کو جہنم کی آگ میں اس وقت تک روکے رکھیں گے جب تک وہ اپنے کہے کی سزا
لت نہ لے۔ (الطبرانی باسناد جید (ترغیب صـ۲۸۹ ج ۳) گالی گلوج میں عموماً ایسے ہی افعال
وب کئے جاتے ہیں جو اسمیں نہیں ہوتے۔

نیز حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنے غلام پر زنا کا الزام لگائے (تو اگرچہ دنیا میں اس پر
شرعی جاری نہیں ہوگی، مگر) قیامت میں اس پر حد قذف جاری کی جائیگی (بخاری و مسلم
ترغیب)

حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاصؓ ایک روز اپنی پھوپھی سے ملنے گئے انھوں نے اپنے
ے کھانا منگایا، کنیز نے لانے میں دیر کی تو ان کی زبان نکلا" اے زانیہ جلدی کیوں نہیں لاتی"۔
و ابن عاصؓ نے فرمایا تم نے بہت بڑی بات کہی کیا تمھیں اسکے زنا کی اطلاع ہے، انھوں
، کہا کہ بخدا مجھے اسکی کوئی اطلاع نہیں، محض غصہ میں یہ لفظ کہہ دیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے
ول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ جو مرد یا عورت اپنی کنیز (لونڈی) کو زانیہ کہہ کر پکارے
لانکہ وہ اسکے زنا پر مطلع نہیں تو قیامت کے روز یہ کنیز اس کو کوڑے لگائے گی (رواہ الحاکم
ال صحیح الاسناد وتکلم فیہ الحافظ ترغیب صـ۲۸۹ ج ۳)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فحش کلامی (گالی) سے بچو کہ اللہ تعالیٰ فحش اور
ش گوئی کو پسند نہیں کرتا (رواہ الحاکم وصححہ ابن حبان عن ابی ہریرہ کذا فی تخریج الاحیاء)

فحش بکنے سے مراد ایسی چیزوں کا اظہار ہے جن کے اظہار سے آدمی شرماتا ہے اگرچہ وہ واقع کے مطابق ہو۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مشرکین کفار کو گالی دینے سے منع فرمایا جو غزوۂ بدر میں مارے گئے تھے، اور فرمایا کہ ان کو گالی دینے سے ان تک تو کچھ اثر نہیں پہنچتا، البتہ زندوں کو اس سے تکلیف پہنچتی ہے (رواہ ابن ابی الدنیا مرسلاً و رجالہ ثقات ومثلہ للنسائی عن ابن عباسؓ باسناد صحیح۔ تخریج الاحیاء)

اور حدیث میں ہے کہ مومن طعنے دینے والا، لعنت کرنے والا، گالیاں دینے والا فحش بکنے والا نہیں ہوتا (ترمذی باسناد صحیح عن ابن مسعود مرفوعاً تخریج احیاء)

احادیث مذکورہ بالا سے ثابت ہوا کہ گالی دینا اور فحش کلامی کرنا کسی کافر یا جانور کے حق میں بھی حرام ہے۔ مسلمان کو گالی دینا تو کس قدر گناہ ہوگا۔ پھر گالی دینے میں اگر کسی ایسے فعل کا اظہار ہے جو واقع میں جائز ہے مگر اس کے اظہار سے آدمی شرماتا ہے جیسے جماع اور اسکے متعلقات تو یہ ایک گناہ گالی دینے کا ہے، اور اگر خلاف واقع کسی فعل حرام کی نسبت کسی شخص یا اسکی ماں، بہن یا جانور کی طرف کی گئی تو یہ دوسرا گناہ کبیرہ بہتان اور افترا کا بھی ہو جائے گا

افسوس ہے کہ اس بلا میں بہت سے مسلمان مبتلا ہیں، خصوصاً گاؤں والے اور جانور پالنے والے، ان کی زبان سے تو کوئی بات بغیر گالی کے نکلتی ہی نہیں، انھیں خبر بھی نہیں ہوتی کہ ہم نے گالی دی ہے، قدم قدم اور لحظہ لحظہ میں یہ کبیرہ گناہوں کی گٹھریاں ان کے سر پر آجاتی ہیں اور اس غافل کو کوئی پرواہ نہیں۔

اب ذرا سوچئے کہ اس گناہ میں کون سی لذت یا دنیا کا فائدہ ہے اس کو چھوڑ دیں تو کس کام میں فرق پڑے گا۔ مگر افسوس ہے کہ خدا تعالیٰ اور اسکے رسولؐ کی نافرمانی اور ناراضی کی پرواہ ہی نہیں۔ وَالعِیَاذُ بِاللّٰہِ العَلِیِّ العَظِیمِ

۹۔ کسی انسان یا جانور پر لعنت کرنا

لعنت کے معنی ہیں کسی کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور یا غضب و قہر میں مبتلا یا دوزخ

کہنا یعنی بطور بددعا کے یہ کہنا کہ اس کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے دور کردے، یا اس پر غضب الٰہی نازل ہو یا دوزخ میں جائے۔

لعنت کے تین درجے ہیں۔ ایک جن اعمال وخصائل پر قرآن وحدیث میں لعنت وا ہوئی ہے، ان اوصاف عام کے ساتھ لعنت کرنا جیسے لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَافِرِيْنَ یا لَعْنَ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ (کافروں پر خدا کی لعنت ہو، ظالموں پر خدا کی پھٹکار پڑے) یہ صورت بالاتفا جائز ہے۔ دوسرے کسی مخصوص فرقہ ضالہ پر اس کے وصف ضلالت کے ساتھ لعنت کرنا مثلاً یہ کہنا کہ یہود ونصاریٰ پر لعنت، یا روافض وخوارج پر لعنت، یا سود خواروں اور شرابیوں پر لعنت وغ جن میں کسی شخص یا جماعت کی تعیین خاص نہیں ہے، یہ صورت بھی باتفاق جائز ہے۔ تیسری صو یہ ہے کہ کسی شخص خاص جیسے زید، عمر پر یا کسی جماعت خاص مثلاً فلاں شہر کے رہنے والے یا ف قبیلہ کے لوگ یا فلاں پیشے والے یا فلاں قوم پر لعنت، یہ سخت خطرناک معاملہ ہے، اسمیں بڑ احتیاط لازم ہے کیونکہ جن اعمال کی وجہ سے کوئی شخص لعنت کا مستحق ہوتا ہے، اول تو اس کی تحقیق کامل اکثر یقینی نہیں ہوتی کہ فلاں شخص یا فلاں قوم نے وہ اعمال کئے ہیں، اکثر اس بدگمانی یا غلط خبروں کو دخل ہوتا ہے اور بلا تحقیق محض گمان پر لعنت کرنا حرام ہے، دوسر ان اعمال پر بھی لعنت کا مستحق اسوقت ہے جب یہ معلوم ہوجائے کہ اس نے توبہ نہیں کی اور آئند مرنے کے وقت تک توبہ کرے گا بھی نہیں، اور ظاہر ہے کہ کسی شخص خاص یا قوم خاص کے متعلق علم یقینی کہ اس نے توبہ نہیں کی اور آئندہ بھی نہ کریں گے، بجز وحی کے حاصل نہیں ہوسکتا اسل یہ حق صرف نبیؐ اور رسولؐ کو حاصل ہوسکتا ہے کہ کسی شخص خاص یا قوم خاص کے متعلق بذریعہ وحی معلوم کرکے کہ وہ فلاں گناہ عظیم میں مبتلا ہوئے اور توبہ نہیں کی اور آئندہ بھی نہیں کریں گے ان پر لعنت کریں، دوسرے کسی شخص کو اس کا حق حاصل نہیں، اسی لئے اکثر علماء نے یزید پر لعنت کو جائز قرار نہیں دیا۔ (احیاء العلوم ص۱۰۶ ج۳)

الغرض منصوص فی القرآن والحدیث کے علاوہ کسی شخص خاص یا قوم خاص پر لعنت کرنا خطر ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ جس شخص پر لعنت کی جاتی ہے اگر وہ مستحق لعنت کا نہیں ہوتا تو یہ لعنت اس کہنے والے پر لوٹتی ہے۔ (ابوداؤد مسند احمد باسناد جید از ترغیب)

اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قہر وغضب یا جہنم کی لعنت یا بددعا کسی پر نہ کرو (ابوداؤد، ترمذی عن سمرۃ بن جندب باسناد جید از ترغیب)

اور ایک حدیث میں ہے کہ مومن پر لعنت کرنا ایسا گناہ ہے جیسے اسکو قتل کر دیا (بخاری ومسلم از ترغیب) اور لعنت کرنا جیسے مسلمان پر جائز نہیں کسی کافر معین پر بھی جائز نہیں، بلکہ کسی جانور پر بھی جائز نہیں۔

حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کے ہمراہ سفر میں تھے اس نے اپنے اونٹ کو لعنت کے الفاظ کہے، آپؐ نے فرمایا کہ جس اونٹ پر تم لعنت کرتے ہو اس پر ہمارے ساتھ نہ چلو

تنبیہ:۔ اس بے لذت وبے فائدہ کبیرہ گناہ میں بھی ہزاروں مسلمان بالخصوص عورتیں مبتلا ہیں ان کی زبان پر خدا کی مار، پھٹکار، مردود، آگ لگے، غضب آوے وغیرہ کے الفاظ ایسے چڑھے ہوئے ہیں کہ بات بات پر انھیں الفاظ کی مشق ہوتی ہے حالانکہ یہ الفاظ لعنت کے الفاظ ہیں ان کا استعمال حرام اور کہنے والے کے لئے دین اور دنیا کی بربادی کا سبب ہے، اللہ تعالےٰ سب مسلمانوں کو اس سے بچائے

۱۰ چغل خوری ونمامی

کسی کا عیب یا ایسا قول وفعل جس کو وہ چھپانا چاہتا ہے دوسروں پر ظاہر کرنا چغلی ہے، چغلی کھانا کبیرہ گناہ ہے، پھر اگر وہ عیب واقعی اور بات صحیح ہے تو صرف چغلی کھانے کا گناہ ہوگا۔ اور اگر واقعہ کے خلاف ہے یا اپنی طرف سے اس میں کچھ کمی زیادتی کی یا برُے عنوان بُرے طرز سے نقل کیا تو افترار وبہتان بھی ہے جو مستقل کبیرہ گناہ، اور جس کی طرف سے چغلی کی گئی ہے اگر اسکے کسی عیب کا اظہار ہے تو غیبت بھی ہے جو تیسرا کبیرہ گناہ ہے، ایک ہی بات میں تین کبیرہ گناہوں کا مرتکب ہو جاتا ہے۔

بہر حال ثابت ہو گیا کہ عادۃ اللہ یہ ہے کہ دین سے جو خاص ثمرہ مطلوب ہے
ہ بغیر عمل کے حاصل نہیں ہو سکتا۔ ایک غلطی تو یہ تھی۔ دوسری غلطی یہ ہے کہ بعض
ُ اعمال کی ضرورت تو سمجھتے ہیں مگر اعمال کے ساتھ کسی اور شئے کی ضرورت
ہیں سمجھتے۔ ظاہر میں ان کی رائے صحیح معلوم ہوتی ہے کہ انھوں نے عقیدہ اور عمل
دونوں کو ضروری سمجھا مگر اس میں بھی ایک نقص ہے وہ یہ کہ انھوں نے تصحیح عقائد
کے بعد اصلاح اعمال اور تکمیل اعمال و مواظبتِ اعمال کیلئے صرف ارادہ
کافی سمجھا حالانکہ تجربہ اور مشاہدہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ اصلاح اعمال کی سہولت
کے لئے ایک اور شئے کی بھی ضرورت ہے اگرچہ نفس اصلاح ممکن ہے یعنی وہ امر
صلاح کا موقوف علیہ عقلاً نہیں ہے اور نہ عادۃً اس معنی کو موقوف علیہ ہے کہ اسکے
بغیر کسی طرح بھی عمل نہ ہو سکے، لیکن اس معنی کو ضرور موقوف علیہ ہے کہ بدون اسکے
عمل بسہولت نہیں ہو سکتا، پس وہ سہولت میں موقوف علیہ ہے۔

صدور عمل | صدور عمل بغیر اسکے ہو سکتا ہے۔ اسکی مثال ریل کی سی ہے کہ جیسے
مسافتِ طویلہ بدون ریل کے بسہولت طے نہیں ہو سکتی اگرچہ بدقت طے ہو سکتی ہے
ایسے ہی یہاں سمجھئے کہ اصلاح عقائد کے بعد گو صدورِ عمل بتکلف بدون اس
خاص شئے کے ہو سکتا ہے مگر بسہولت نہیں ہو سکتا بلکہ سہولتِ اعمال کیلئے اِس
خاص شئے کی ضرورت ہے۔

مجھے اسوقت اسی کا بیان کرنا مقصود ہے، اور یہی وہ مسئلہ ہے جس کے معلوم
نہ ہونے سے باب عمل میں بہت لوگ غلطی کر رہے ہیں۔ حاصل اس شئے کا یہ ہے کہ صدور
اعمال بعد اصلاح عقائد کے گو ارادہ سے ہو سکتا ہے لیکن اس ارادہ کے کچھ معاوقات
و موانع مزاحم ہو جاتے ہیں جس سے صدور اعمال دشوار ہو جاتا ہے اور اس دشواری سے
بعض اوقات عدم صدورِ اعمال کی نوبت آجاتی ہے تو سہولت کیلئے اس شئے کی ضرورت
ہوئی اس شئے کے حصول کے بعد صدور اعمال بالکل سہل ہو جاتا ہے۔ اور میں اسکو
بشر سے ثابت کرنا چاہتا ہوں ابھی آیت سے استدلال نہیں کرتا کیونکہ آیت میں

دوسرے معانی بھی محتمل ہیں اسلئے اوّل میں تجربہ سے اس کا ثبوت دیتا ہوں، پھر بعد میں تبرعاً آیات سے تائید کر دوں گا۔

مجاہدۂ نفس سنئے! اس شئے کا نام ہے مجاہدۂ نفس اور مخالفتِ نفس۔ یہ بات بہت قابلِ قدر ہے اسکو معمولی نہ سمجھئے۔ اب تجربہ سے اسکی ضرورت کو معلوم کیجئے کہ یہ تو سب مسلمان جانتے ہیں کہ نماز فرض ہے اور نماز پڑھنے کو بہت سے لوگوں کا جی بھی چاہتا ہے ترکِ صلوٰۃ سے ان کا دل برا بھی ہوتا ہے مگر پھر بھی بہت لوگ نماز نہیں پڑھتے باوجودیکہ سب کو عقیدہ فرضیت صلوٰۃ کا حاصل ہے۔ اسی طرح بعضے ارادہ کرکے پڑھتے بھی ہیں مگر وہ ارادہ بعض عوائق سے مضمحل ہوکر مؤثر نہیں رہتا اور اس وجہ سے نماز پر دوام نہیں ہوتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ صدور دوام اعمال کیلئے صرف اصلاح عقائد یا ارادۂ ضعیفہ کافی نہیں ہے بلکہ کسی اور شئے کی ضرورت ہے جس کے بعد صدور، دوام و رسوخِ اعمال ضروری ہے اور وہ تکمیل اعمال کا موقوف علیہ ہے اور وہ شئے مجاہدۂ نفس اور مخالفتِ نفس ہے، چنانچہ بے نمازی اسی واسطے بے نمازی ہے کہ وہ اپنے نفس کا اتباع کرتا ہے اور اسکو آرام دیتا ہے۔ اگر وہ مجاہدۂ نفس کرتا تو بے نمازی نہ ہوتا۔ یہاں شاید کوئی یہ سوال کرے کہ جو لوگ نماز پڑھتے ہیں وہ کونسا مجاہدہ کرتے ہیں ان کے نفس کو کونسی مشقت ہے، بلکہ الٹا ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ انکو نماز فوت ہونے سے رنج ہوتا ہے تو فوت میں مشقت ہوئی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کو مشقت تو ہے مگر شوق کی وجہ سے وہ مشقت باقی نہیں رہی اور شوق ہی کی وجہ سے ان کو اس میں لذت آنے لگی ہے جس کا اعلیٰ مرتبہ وہ ہے جو حدیث میں وارد ہے جُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلوٰةِ (کر دی گئی ہے میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں) اور یہ درجہ تو کم لوگوں کو حاصل ہوتا ہے کہ نماز سے لذت اور راحت حاصل ہو تو کم و بیش مشقت رہتی ہی ہے، مگر جس کو یہ درجہ حاصل ہے اس کو بھی اوّل مشقت و مجاہدہ کرنا پڑا ہے پھر مجاہدہ کرتے کرتے یہ حال ہو گیا کہ مشقت مغلوب اور شوق و لذت غالب ہو گئی یہ تو خواص کی حالت ہے اور عام طور پر تو یہ دیکھا جاتا ہے کہ نمازی آدمی بھی

دفعہ نماز میں کسل کرنے لگتے ہیں مگر حق تعالیٰ کی توفیق سے وہ کسل دُور ہوجاتا ہے اور یہ توفیق عادۃً ان کے مجاہدہ پر مرتب ہوتی ہے۔ کیونکہ ان کا ارادہ نفس کی مخالفت ہی کا ہوتا ہے نفس کی موافقت میں ترک صلوٰۃ کا ارادہ وہ نہیں کرتے ارادہ کے بعد ذرا وہ ہمت سے کام لیتے ہیں کہ توفیق حق شامل حال ہوجاتی ہے۔

اسی واسطے حدیث میں اِسْبَاغُ الْوَضُوْءِ عَلَی الْمَکَارِہِ کا ثواب زیادہ وارد ہے اور اسی واسطے حدیث میں آیا ہے حُجِبَتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ وَحُفَّتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ (روندہ دی گئی ہے جہنم خواہشات سے اور گھیر دی گئی ہے جنت ناگواریوں سے) یعنی جہنم شہوتوں سے محجوب ہے اور بہشت مشقتوں سے گھری ہوئی ہے یعنی جیسے باغوں کے گرد کانٹوں کی باڑھ ہوتی ہے ایسے ہی جنت کے گرد مکارہ ہیں، جس سے مراد اعمال شاقہ ہیں، تو جو شخص جنت کے اعمال کر رہا ہے یعنی وہ اعمال جو موجب دخول جنت ہیں یقیناً وہ مکارہ کو پھاند کر آیا ہے، اگر وہ مکارہ کو پھاند کر نہیں آیا تو جان لے کہ یہ راستہ جنت کا نہیں ہے۔

بس بات یہاں یہ ہے کہ مکارہ کو پھاند کر تو آیا ہے مگر اس کے شوق اور غلبۂ حال سے وہ مکارہ لذیذ ہو گئے، جیسے کوئی عاشق محبوب سے ملنے کو دس پانچ کوس طے کر کے آیا ہو تو مشقت تو اس نے ضرور برداشت کی گو عشق کی وجہ سے اس کو اس میں لذت ہی آتی ہو، اگر ایسے نہ ہوتے تو یہ اہل جنت نہ ہوتے، کیونکہ اہل جنت کی تو شان یہ ہے کہ وہ جنت میں جا کر یوں کہیں گے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْۤ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ؕ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُۙ الَّذِیْۤ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ لَا یَمَسُّنَا فِیْهَا نَصَبٌ وَّ لَا یَمَسُّنَا فِیْهَا لُغُوْبٌ ۝ (اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے ہم سے غم دور کیا۔ بیشک ہمارا پروردگار بڑا بخشنے والا بڑا قدر داں ہے جس نے ہم کو اپنے فضل سے ہمیشہ رہنے کے مقام میں لا اتارا جہاں نہ ہم کو کوئی کلفت پہنچے گی اور نہ کوئی خستگی) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اب تک ان کے ساتھ غم لازم تھا گو جسمانی ہی تھا۔

بہر حال وہ شبہ بالکل رفع ہو گیا کہ نمازی کونسا مجاہدہ کرتے ہیں۔ حاصل جواب

سانا گواریوں اور مشقتوں کے باوجود کامل طریقہ سے وضو کرنا۔

ہے کہ شوق کی وجہ سے مشقت پنہاں ہو جاتی ہے، اور یہ بھی خاص خاص لوگوں میں ہے ورنہ غالب طبائع میں تو شوق ومحبت کم ہے وَالشَّاذُ کَالْمَعْدُوْمِ اگر کوئی نمازی ایسا بھی ہو جس کو اصلاً مشقت نہ ہوئی ہو اور نہ ہوتی ہو، اور زاد دلی ہو تو یہ شاذ ہے اس سے گفتگو نہیں۔ غرض غالب حالت یہی ہے کہ نماز و روزہ وغیرہ میں مشقت ہوتی ہے اور اس مشقت میں بعض اوقات مانعیت کی نوبت پہونچ جاتی ہے اور اس مشقت کی مانعیت کا علاج مجاہدہ ہے۔

اصلاحِ عقیدہ | پس ترتیب صحیح یہ ہے کہ اول تو عقیدہ صحیح کرے اور عقائد وعلوم صحیحہ حاصل کرے کہ اس سے اعمال کی تحریک ہوتی ہے۔ مثلاً یہ عقیدہ حاصل کیا کہ اللہ تعالیٰ خالق و رازق ہیں، اس سے خدا تعالیٰ کے احسانات اپنے اوپر معلوم ہوں گے اور ذکر وشکر احسانات سے محبت و اطاعت کی تحریک ہوتی ہے، اور یہ تحریک باعث عمل ہے، مگر اس باعث کے ساتھ بعض اشیاء مانع بھی ہوتی ہیں اور وہ موانع غالباً دو ہیں، ایک اسبابِ تنعم۔ دوسرے ضعفِ نفس، یعنی باوجود عقیدہ صحیح ہونے کے اور تحریکِ طاعت پیدا ہونے کے بھی بعض دفعہ نفس ضعف وکم ہمتی کی وجہ سے یا اسبابِ تنعم اور سامانِ راحت میں منہمک ہونے کے سبب سے نماز روزہ وغیرہ سے سستی کرتا ہے۔

عقیدۂ صحیحہ | بعض دفعہ نفس اپنی تسویل سے ان موانع کے ساتھ عقیدۂ صحیحہ سے بھی مانعیت کا کام لیتا ہے اور یہ نہایت حیرت کا مقام ہے۔ یعنی عقائد وعلوم صحیحہ سے تو طاعات و اعمال صالحہ کی تحریک ہوتی ہے، مگر نفس کبھی ایسی شرارت کرتا ہے کہ عقیدۂ صحیحہ سے ترکِ اعمال میں کام لیتا ہے، مثلاً کسی وقت گناہ کا تقاضا ہوا اور اسکے ساتھ ہی دل میں خدا کا خوف پیدا ہوا کہ گناہ سے جہنم میں جائے گا، اسوقت نفس عقائد صحیحہ میں سے ایک عقیدہ سامنے کرکے پہلے عقیدہ پر غلبہ حاصل کرنا چاہتا ہے یعنی یوں کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہیں اور اس عقیدہ کی اس طرح تقریر کرتا ہے کہ واقعی گناہ کرکے جہنم میں جانے کا اندیشہ ہے، مگر یہ جب ہے کہ گناہ

سے توبہ نہ کی جائے اور اگر توبہ کر لی جائے تو سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور
میں عزم کرتا ہوں کہ فوراً توبہ کروں گا اور ایک دفعہ کے بعد پھر یہ گناہ نہ کروں
تو دیکھئے نفس کیسا شریر ہے کہ عقیدۂ صحیحہ سے معصیت میں مدد لے لیتا ہے حالانکہ
اس عقیدہ کی تعلیم کا حاصل صرف یہ ہے کہ جس شخص سے پہلے گناہ ہو چکے ہوں اور اب
وہ اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنا چاہے تو اسکی تسلی کے لئے یہ عقیدہ بتلایا گیا ہے
تاکہ گنہگاروں کی ہمت شکستہ نہ ہو اور وہ مایوس ہو کر خدا سے بے تعلقی ہی کو
اپنے لئے تجویز نہ کر لیں، دوسرے یہ کہ بجز انبیاء علیہم السلام کے اتقیاء وصلحاء
بھی معصوم نہیں۔ بعض دفعہ ان سے بھی جہالت کی وجہ سے خطا سرزد ہو جاتی ہے، اب
اگر یہ عقیدہ نہ بتلایا جاتا کہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے تو وہ ہرگز اپنے تقویٰ و
صلاح ماضی کی طرف عود نہ کر سکتے، بلکہ یہ سمجھ لیتے کہ اب تو ہم گنہ گار ہو ہی چکے ہیں
جہنم میں جائیں ہی گے، پھر نفس کی لذات میں بھی کیوں کمی کی جائے، خطا اور لغزش
کے بعد اتقیاء وصلحاء کو تقویٰ وصلاح کی طرف واپس لانے والا یہی عقیدہ ہے کہ
اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ اس سے ان کو توبہ واستغفار کی ہمت ہوتی ہے اور چند
روز تک بار بار توبہ واستغفار کرنے سے ان کی تسلی ہو جاتی ہے کہ انشاء اللہ وہ
گناہ معاف ہو گیا، خوب سمجھ لو۔

اور یہاں سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ مخالفین اسلام نے جو اس تعلیم پر اعتراض
کیا ہے کہ یہ تعلیم جرائم جری کرنے والی ہے، یہ انکی غلطی ہے جس کا منشا قلت تدبر
ہے۔ اگر وہ غور کرتے تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ یہ تعلیم نہ ہوتی تو ایک دفعہ جس سے گناہ
ہو جاتا وہ عمر بھر جرائم ہی میں گرفتار رہتا، ایک دفعہ یا چند دفعہ خطا ہو جانے کے بعد نیکی
اور تقویٰ وصلاح کی طرف واپس لانے والا یہی عقیدہ ہے جس پر وہ اعتراض کر رہے ہیں
پس یہ عقیدہ تو مخلوق کے دلوں میں خدا کی محبت بڑھانے والا ہے جس سے مخلوق کو
اپنے خالق سے تعلق پیدا کرنے کا ولولہ پیدا ہوتا ہے اور جرائم کو کم کرنے والا ہے اور
استیصال جرائم کے لئے اس کے ساتھ دوسرا عقیدہ یہ ہے اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ

ان کا عذاب بہت سخت ہے" اسی لئے قرآن میں جہاں اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت کا ذکر ہے وہاں ساتھ ہی سطوت و شدتِ انتقام کا بھی ذکر ہے، جس کا ایک نمونہ یہ ارشاد ہے، نَبِّئۡ عِبَادِیۡۤ اَنِّیۡۤ اَنَا الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ وَ اَنَّ عَذَابِیۡ هُوَ الۡعَذَابُ الۡاَلِیۡمُ (آپ میرے بندوں کو اطلاع دیدیجئے کہ میں بڑا مغفرت اور رحمت والا بھی ہوں اور یہ کہ میری سزا بھی دردناک سزا ہے) اسی طرح کثیر مواقع میں مخالفین کی فہم پر ہم کو تعجب ہے کہ وہ زبان سے ایسی بات کہتے ہیں جس سے ان کا دل خود راضی نہیں وہ انصاف کے ساتھ اپنے دل کو ٹٹولیں اور دیکھیں کہ وہ کیا چاہتا ہے یقیناً وہ یہی کہے گا کہ میں ایسا پروردگار چاہتا ہوں جو رحیم و کریم ہو کہ اپنے جاں نثاروں کی تقصیر و خطا سے درگذر کرتا ہو، باغیوں اور دشمنوں کو سخت سزا دیتا ہو، یقیناً نظامِ عالم کا قیام ایسے ہی بادشاہ سے ہو سکتا ہے جو نہ محض سخت ہو کہ دوست بھی اس سے مطمئن نہ ہوں، نہ محض نرم ہو کہ دشمن بھی بے فکر ہو جائیں۔

جب یہ عقلی قاعدہ اور مسلّم مسئلہ ہے تو اسلام اسی کے موافق تعلیم دیتا ہے تو اعتراض کیوں کیا جاتا ہے ۱۲ جامع)

غرض نفس کی شہوت وغیرہ بعض دفعہ عقائدِ صحیحہ سے مخالف کام لینے لگتی ہے اسلئے ایسی چیز کی بھی ضرورت ہے جو اس مانع کا مقابلہ کرے، اور وہ مجاہدہ ہے، کیونکہ ان سب موانع کا حاصل یہ ہے کہ نفس لذت و آرام چاہتا ہے وَ الۡعِلَاجُ بِالضِّدِّ پس اس کا علاج یہی ہے کہ نفس کو مشقت و تعب کا عادی بنایا جائے۔ اور یہی مجاہدہ کی حقیقت ہے۔

اب ان لوگوں کی غلطی واضح ہوگئی جو محض اصلاحِ عقائد کو اصلاحِ عمل کے لئے کافی سمجھتے ہیں، انھوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ عقیدہ کے مزاحم بعض موانع ہوتے ہیں اسلئے ایسی چیز کی بھی ضرورت ہے جس سے یہ موانع دور ہوں ورنہ وہ حالت ہوگی ؎

جانتا ہوں ثوابِ طاعت و زہد ... پر طبیعت اِدھر نہیں آتی

عملی مشقت | تو دیکھئے ایسی ضروری چیز، اور لوگ اس سے بالکل غافل ہیں، جو لوگ اعمال میں کوشاں بھی ہیں وہ بھی یوں چاہتے ہیں کہ بدون مشقت کے کام ہو جائے یعنی

جن کو دین کا شوق بھی ہے وہ بھی مشقت سے گھبراتے ہیں، تو یہ لوگ حقیقت میں طالب نہیں، بلکہ ہوسناک ہیں، کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ طالب دنیا کو تحصیل دنیا میں جس قدر مشقت ہوتی ہے اتنی مشقت و پریشانی دین میں نہیں ہوتی دوڑ دھوپ اور جسمانی تکالیف تو الگ رہیں طالب دنیا کو قلبی تشویش اور پریشانی بھی بہت ہوتی ہے اور طالب دین کو جسمانی مشقت بھی طالب دنیا کے برابر ہرگز نہیں ہوتی باقی قلبی تشویش و پریشانی تو اس کے پاس بھی نہیں پھٹکتی، یہ اور بات ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کا خوف ہوتا ہے، آخرت و جہنم کی اس کو دہشت ہوتی ہے مگر پریشانی نہیں ہوتی پس طالب دنیا اور طالب دین کے اس فرق کو ملحوظ رکھتے ہوئے اب دونوں کی طلب کو دیکھو تو دنیا والے باوجود اس قدر دوڑ دھوپ اور پریشانی کے یوں کہتے ہیں ؎

دست از طلب ندارم تا کام من برآید — یا تن رسد بہ جاناں یا جاں ز تن برآید

(میں مطلوب کے حاصل کرنے کی سعی و کوشش سے دست بردار نہیں ہو سکتا جب تک مقصد پورا نہیں ہو جاتا، یا میں بجسم خود محبوب تک پہونچ جاؤں گا، یا جان کا تعلق بدن سے ختم ہو جائے گا (اور مر جاؤں گا") جب وہ دنیا کے کام میں اس قدر مشقت برداشت کرتے ہیں تو خدا کے کام میں اگر کسی کو خدا کی محبت ہے یہ درخواست کیوں ہے کہ سارا کام بدون مشقت کے ہو جائے۔

نظر بد مثلاً بعض لوگ نظر بد کے گناہ میں مبتلا ہیں جب ان سے کہا جاتا ہے کہ نگاہ نیچی رکھو اور مت دیکھو کیونکہ دیکھنا اختیاری امر ہے اس کا ترک بھی اختیاری ہے تو وہ جواب میں کہتے ہیں کہ ہم نظر کے روکنے پر قادر نہیں، مگر واللہ! یہ جواب بالکل غلط ہے، یہ شخص قادر ضرور ہے مگر وہ مشقت سے گھبراتا ہے اور یوں چاہتا ہے کہ بدون مشقت کے قادر ہو جاؤں۔ اس کے نزدیک قدرت کے معنی یہی ہیں کہ بدون مشقت کے آسانی سے کام ہو جائے سو اس معنی کو واقعی قادر نہیں، مگر ان کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی یوں چاہے کہ بدون منہ میں لقمہ دیئے کھانا کھالوں، اور جب اس طرح پیٹ نہ بھرے تو کہنے لگے کہ کھانا بہت مشکل ہے ہاتھ ہلاؤ، روٹی تک لے جاؤ، اس کا

تو [illegible] پھر لقمہ بناؤ، منہ میں دو، پھر چباؤ، پھر نگلو۔ اگر اسی کا نام دشواری ہے کہ کچھ بھی نہ کرنا پڑے تو واقعی نظر بد سے بچنا دشوار ہے اور تم اسکے روکنے پر قادر نہیں مگر اسکا حماقت ہونا ظاہر ہے، کوئی عاقل اس کو تسلیم نہیں کر سکتا کہ قدرت علی العمل (عمل پر قادر ہونا) کے معنی یہ ہیں کہ اسمیں اصلا مشقت نہ ہو اور عجز عن العمل (عمل سے عاجز ہونا) کے معنی یہ ہیں کہ اسمیں کسی قدر مشقت ہو، جب یہ معنی مسلم نہیں تو وہ لوگ جو اپنے کو غض بصر سے عاجز کہتے ہیں غور کریں کہ کیسی حماقت میں مبتلا ہیں، انھوں نے قدرت و عجز کی حقیقت ہی غلط سمجھ رکھی ہے ورنہ یہ لفظ کبھی زبان پر نہ لاتے کہ ہم غض بصر پہ قادر نہیں۔

غرض لوگ یوں چاہتے ہیں کہ بغیر مشقت کے نظر بد کو روک لیں، سو قرآن میں اس کا ذمہ کہاں ہے وہاں تو مطلق حکم ہے قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ (مسلمانوں کو حکم دیدیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں) یعنی خواہ تکلیف ہو یا نہ ہو مشقت ہو یا نہ ہو کچھ پرواہ نہیں ان کو ہر حال میں غض بصر کرنا چاہیئے، بلکہ اگر غور کیا جائے تو خود اس آیت کا مطلب یہی ہے کہ باوجود مشقت کے غض بصر کرنا چاہیئے اور اس مشقت کو برداشت کرنا چاہیئے۔

طبعی تقاضا یہ بات اہل علم کے سمجھنے کی ہے کہ قرآن کی تعلیم کا اکثر طرز یہ ہے کہ ممنوعات میں انہی چیزوں سے صراحۃً منع کیا گیا ہے جن کی طرف طبیعت میں تقاضا ہوتا ہے اور جن سے طبیعتِ انسانیہ کو خود نفرت ہے اس سے صراحۃً منع کیا گیا، چنانچہ اکل ربوا سے شراب پینے سے منع کیا گیا ہے مگر پیشاب پینے، پاخانہ کھانے سے منع نہیں کیا گیا کیونکہ اُس کا تقاضا تھا، اِس کا تقاضا نہ تھا۔ ایک مقدمہ تو یہ ہوا، اب دوسرا مقدمہ اس کے ساتھ یہ ملا کہ جس چیز کا تقاضا طبیعت میں ہو اس سے رکنا مشقت و دشواری کا سبب ہے، یہ مقدمہ عقلی اور بدیہی ہے۔ اب سمجھئے کہ جب قرآن میں نظر بد سے منع کیا گیا ہے تو معلوم ہوا کہ طبیعت میں اس کا تقاضا ہے اور جس کا تقاضا طبیعت میں ہو اس سے رکنا سبب مشقت ہے تو آیت کا تو خود یہی مطلب ہوا کہ باوجود مشقت کے اس گناہ سے بچو، مگر آجکل کے دیندار یہ چاہتے ہیں کہ بغیر مشقت کے سب کچھ ہو جائے۔

---

[1] نگاہ نیچی رکھنا

(باقی آیندہ)

(۶۶۹) فرمایا کہ حدیث میں ہے لَا یَقْضِیَنَّ قَاضٍ بَیْنَ اثْنَیْنِ وَهُوَ
ضْبَان یعنی حاکم کو چاہیئے کہ غصہ کی حالت میں کبھی فیصلہ نہ کرے" بلکہ اس وقت
قدمہ کو ملتوی کردے، تاریخ بڑھا دے۔ یہاں حاکم سے مراد ہر وہ شخص ہے
بن کی دو آدمیوں پر حکومت ہو۔ اس میں معلم، استاد، گھر کا مالک بھی داخل ہے

(۶۷۰) طبیب ناواقف اور جاہل فیصلہ کرنے والا دونوں جہنم میں ہیں گو انکی
بت درست ہی ہو۔ مگر نری خوش نیتی سے کام نہیں چلتا۔ یہاں تو علم کی ضرورت ہے

(۶۷۱) فرمایا کہ عدل فقط نرمی کا نام نہیں، بلکہ جہاں سختی کی ضرورت ہو وہاں
تی کرنا بھی عدل ہے۔ اس موقع پر نرمی کرنا ظلم ہے۔

(۶۷۲) فرمایا کہ لَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ (تم لوگوں کو ان دونوں پر ذرا رحم
آنا چاہیئے) میں تعلیم ہے کہ شفقتِ طبعیہ کے ساتھ غیظ شرعی بھی مجتمع رہے، اور یہی کمال
ہے کہ دل کڑھ رہا ہے اور پھر بھی حکم کا امتثال ہو رہا ہے۔

(۶۷۳) فرمایا کہ ذابحین کو بے رحم کہنا فلسفہ کے قاعدے سے بھی غلط ہے بلکہ قاعدہ
سفہ کا مقتضا تو یہ ہے کہ جو لوگ ذبح نہیں کرتے وہ زیادہ بے رحم ہوں، کیونکہ اطباء
ر فلاسفہ کا اس پر اتفاق ہے کہ جس قوت سے کام نہ لیا جاوے وہ رفتہ رفتہ زائل
وجاتی ہے جیسے ترک جماع عنت (عاجزی) کا سبب ہوجاتا ہے۔ اسی طرح انسان میں
ب صفت کڑھنے کی ہے اگر اس کا کوئی سبب واقع نہ ہو تو یہ صفت زائل ہوجائیگی
ندو چونکہ ذبح نہیں کرتے اس لئے ان کی یہ صفت معطل رہتی ہے اور مسلمانوں کی یہ
فت ذبح کے وقت حرکت میں ہوتی ہے۔ اس لئے میں بقسم کہتا ہوں کہ ذابح سے زیادہ
م غیر ذابح کو نہیں ہوسکتا۔

(۶۷۴) فرمایا کہ یہ آیت اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ
دَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ (آپ نیک برتاؤ سے ٹال دیا کیجئے، پھر یکایک آپ میں
رجس میں عداوت تھی ایسا ہوجائے گا جیسے دلی دوست ہوتا ہے) سلامت طبع
اطب کے ساتھ مقید ہے اور جن کی طبیعت میں سلامتی نہ ہو ان کیلئے دوسرا حکم ہے

مگر مسلمانوں میں تو زیادہ تر سلیم الطبع ہی ہیں اس لئے تم اپنے مخالفوں کو کج طبع نہ سمجھو اور نہ اپنے کام کا مخالف سمجھو بلکہ ان کی مخالفت کو غلط فہمی پر محمول کرو مثلاً یہ کہ تمہاری نسبت بڑا بننے اور طالب جاہ ہونے کا خیال کرتے ہیں اس لئے شرکت نہیں کرتے ان کے فعل کو اسی پر محمول کرکے ان کے ساتھ نرمی کرو اور نرمی سے اصلاح کی کوشش کرو۔

(۳۷۵) فرمایا کہ عقل باندی ہے اور شریعت سلطان ہے، بس عقل کی تائید سے شریعت کی بات کو ماننا ایسا ہے جیسے غلام کے جی ہاں جی ہاں کو سنکر بادشاہ کی بات مانی جاوے اور اس کا حماقت ہونا ظاہر ہے۔ بادشاہ کی بات خود حجت ہے۔ غلام کی تصدیق سے اسکو حجت سمجھنا سراسر حماقت ہے۔

(۳۷۶) فرمایا کہ اصلاح کے معنیٰ یہ ہیں کہ حکم الٰہی کے موافق فیصلہ کیا جاوے اور یقیناً صاحب حق کو دبانا حکم الٰہی کے خلاف ہے۔ بس صلح کرانے کا طریقہ یہ نہیں جو آجکل رائج ہے کہ دونوں فریق کو کچھ کچھ دبایا جاتا ہے، یہاں تک کہ جس کا حق ہوتا ہے اسکو بھی دبایا جاتا بلکہ صلح کرانے کا طریقہ یہ ہے کہ جو ناحق پر ہو اس کو دبایا جاوے کیونکہ صاحب حق کو دبانا اضرار ہے اور غیر صاحب حق کو دبانا اضرار نہیں بلکہ اسمیں تو اسکو اضرار سے روکنا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ فَإِنْ فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ۔ (اور اگر مسلمانوں میں دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرادو، پھر اگر ان میں کا ایک دوسرے پر زیادتی کرے تو اس گروہ سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف رجوع ہو جائے، پھر اگر رجوع ہو جائے تو ان دونوں کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کرادو اور انصاف کا خیال رکھو، بیشک اللہ انصاف کرنیوالوں کو پسند کرتا ہے) مطلب یہ کہ صحیح بنیاد پر صلح کراؤ۔ اور اگر اس پر راضی نہ ہو تو سب مل کر غلط بنیاد

(۳۷۷) فرمایا کہ ترجیح احد الرائین جو منصب ہے سرپرست کا وہ معتبر ہے جو کہ مفصل مباحث کے استماع کے بعد ہو۔ اور وہ مقتضیات خاصہ سے موقوف ہے

۔۔۔۔ الرائین سے ایک کو راجح اور قابل عمل قرار دینا)

ن اجماع پر، ورنہ معتبر نہیں۔

(۳۷۸) فرمایا کہ متعلق مثلین ایک قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ طلوع شمس سے غروب تک
ملت ہو اس کا ساتواں حصہ جب باقی رہے گا مثل دوم ہو جاوے گا۔ اور اگر اسمیں
منٹ تاخیر کر لی جاوے تو کسی موسم میں غلطی نہ رہے گی۔ مثل اول میں یہ تفصیل ہے کہ جنوری
وری مارچ یعنی ان تین مہینہ میں تو مثلین سے پچاس منٹ پہلے مثل اول ہو جاتا ہے اور
ریل سے اگست تک یعنی پانچ مہینہ میں مثلین سے ایک گھنٹہ دس منٹ پہلے مثل اول ہو جاتا
ہے۔ اور ستمبر سے دسمبر تک یعنی چار مہینہ میں مثلین سے بائیس منٹ پہلے مثل اول ہو جاتا ہے
ر یہ سب تفاوت تدریجاً ہوتا ہے عمل کرنے میں اس کا لحاظ رکھا جائے۔

(۳۷۹) فرمایا کہ اب ہماری جس کی ایسی مثال ہے جیسے مار گزیدہ[1] کو نیم کی پتیاں میٹھی
علوم ہوتی ہیں۔ اسی طرح ہم کو معاصی جو زہر قاتل ہیں مزیدار معلوم ہوتے ہیں سو اس کا
لاج کرو اور علاج کے لئے کسی تجربہ کار طبیب کو تلاش کرو اور جب تک طبیب نہ ملے ایک
اعلاج یہی ہے کہ سوچنا شروع کردو۔

(۳۸۰) فرمایا کہ کسی بزرگ سے تعلق پیدا کرلو۔ اگر ممکن ہو سکے تو اسکی صحبت میں
ہو، اگر اسکے حقوق صحبت ادا نہ کرسکو تو اس سے خط و کتابت کر کے اپنے اعمال کی حفاظت
لھو اور شیخ کو اپنے حالات کی اطلاع کرتے رہو اور جو وہ بتلائے اس پر عمل کرو، کیونکہ
مراض باطنی کی جو دوائیں ہیں وہ ان کی خاصیت خوب جانتا ہے۔

(۳۸۱) فرمایا کہ قلب کا دنیا پر قرار ہو جانا اور آخرت کے لئے قلب کا بےچین نہ ہونا
ی جڑ ہے تمام بیماریوں کی۔ اس اطمینان کو دل سے نکالو جس کا طریقہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ
ی طاعت کو اپنے اوپر لازم کرلو گو بہ تکلف سہی، خدا کی طاعت میں اثر خاص ہے کہ اس سے
کر پیدا ہوگی اور فکر کے پیدا ہونے سے تمام کام درست ہو جاویں گے۔ اور ایک بات اپنے
وپر اور لازم کرلو، وہ یہ کہ جو اپنے جی میں آئے فوراً مت کر لیا کرو بلکہ علماء سے تحقیق کرنے
یا کرو۔ اگر ناجائز بتلائیں ہرگز اس کام کو مت کرو اپنے کو علماء کا محتاج سمجھو۔

(۳۸۲) فرمایا کہ خطرۂ بعیدہ سے عادۃً تاثر کم ہوتا ہے اس لئے قیامت و آخرت کا

[1] سانپ کا کاٹا ہوا

خوف نہیں۔

(۳۸۳) فرمایا کہ جیسے تمام قرآن شرح ہے صرف تین مضمونوں کی، توحید۔ رسالت معاد، اسی طرح حضرت حاجی صاحبؒ نے ساری مثنوی کا خلاصہ نکالا تھا کہ تمام مثنوی میں دو مضمون اصل مقصود ہیں۔ ایک توحید حالی۔ دوسرے حقوق شیخ۔

(۳۸۴) فرمایا کہ قول ثابت سے مراد کلمہ طیبہ ہے جس کی جڑ عقیدۂ توحید ہے۔ اور شاخیں اعمال صالحہ ہیں۔ عقیدہ توحید کے پختہ کرنے کا طریقہ کثرت ذکر ہے اور اعمال کو صالح کرنے کا طریقہ علم دین حاصل کرنا۔ مسائل کی کتابیں دیکھنا۔ وعظ کی کتابیں مطالعہ میں رکھنا۔

(۳۸۵) فرمایا کہ کثرت ذکر کا طریقہ یہ ہے کہ چلتے پھرتے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا ورد کرتے رہو۔ کام کے وقت زبان سے کسی قدر جہر کرتے رہو کہ یاد رہے اور خالی وقت میں تسبیح ہاتھ میں رکھو، یہ مذکرہ ہے اس سے ذکر یاد رہتا ہے۔

(۳۸۶) فرمایا کہ اعمال میں کوتاہی کا سبب حب دنیا اور عدم اہتمام آخرت ہے

(۳۸۷) فرمایا کہ اہل اللہ کے واقعات اس پر شاہد ہیں کہ ان حضرات نے اپنے کو جتنا مٹایا خدا تعالیٰ نے ان کو اتنا ہی چمکایا۔ تواضع میں جذب و کشش کی خاصیت ہے۔ متواضع کی طرف قلوب کو خود انجذاب ہوتا ہے بشرطیکہ صحیح تواضع ہو، تصنع اور بناوٹ نہ ہو اہل اللہ کے اندر کشف و کرامت سے زیادہ جو چیز دلکش و دلربا ہوتی ہے وہ انکے تواضع کے واقعات ہیں۔ بیشک تواضع سے وہ رفعت حاصل ہوتی ہے جو تصنع سے کبھی بھی نہیں ہوتی مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَہُ اللّٰہُ (جو اللہ کیلئے تواضع اور فروتنی اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسکو برتری عطا فرمادیتے ہیں) بالکل صادق ہے۔

(۳۸۸) فرمایا کہ ولی مقتول کے عفو کر دینے میں سراسر مصلحت ہے۔ ولی کی مصلحت تو ثواب ہے عفو کا اور اصل مقتول کی مصلحت اسکے اجر کا بڑھ جانا ہے کیونکہ جس مظلوم کا انتقام نہ لیا جائے اس کا اجر بڑھ جاتا ہے۔ اور مجرم کی مصلحت تو اسمیں ہے ہی قتل سے اسکی رہائی ہے۔

(۳۸۹) فرمایا کہ انسان جب تک زندہ ہے لوازم بشریہ سے چھوٹ نہیں سکتا، چنانچہ انسان کیسا ہی کامل ہو جائے مگر اس کو معصیت کبھی کچھ نہ کچھ وسوسہ یا خیالِ معصیت آہی جاتا ہے، چنانچہ حکیم ترمذیؒ ایک بزرگ گزرے ہیں جوانی میں اُن پر ایک عورت عاشق ہو گئی تھی اور ہر وقت ان کی تلاش و جستجو میں رہتی تھی، آخر کار ایک دن باغ میں اُنکو دیکھا اور وہ باغ چاروں طرف سے چار دیواری کی وجہ سے بند تھا وہاں پہنچ کر ان سے اپنے مطلب برآری کی درخواست کی، یہ گھبرائے اور گناہ سے بچنے کی غرض سے بھاگ کر دیوار سے کود پڑے۔

اس قصہ کے بعد بڑھاپے میں ایک روز وسوسہ کے طور پر خیال ہوا کہ اگر میں اس عورت کی دل شکنی نہ کرتا اور اس کا مطلب پورا کر دیتا اور پھر توبہ کر لیتا تو یہ گناہ بھی معاف ہو جاتا اور اسکی دل شکنی بھی نہ ہوتی۔ اس وسوسہ کا آنا تھا کہ بہت پریشان ہوئے اور روئے ؎

بر دلِ سالک ہزاراں غم بود   گر ز باغِ دل خلالے کم شود

(سالک کے دل پر ہزار ہا غموں کا ہجوم ہو جاتا ہے، جب اسکے دل کے باغ میں تنکے کے برابر کوئی کمی ہو جاتی)

اس پر قلق ہوا کہ جوانی میں تو میں اس گناہ سے اس کوشش سے بچا اور آج بڑھاپے میں یہ حال ہے اور یہ سمجھے کہ جو کچھ میں نے اعمال و اشغال کئے ہیں وہ سب غارت و اکارت گئے اس پر حکیم موصوف نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں اے حکیم کیوں غم کرتے ہو تمہارا درجہ وہی ہے اور جو کچھ تم نے کیا وہ ضائع نہیں ہوا۔ اور اس وسوسہ کی وجہ یہ تھی کہ وہ زمانہ میرے زمانہ سے قریب تھا اور یہ اسکی برکت تھی۔

صاحبو! جب قربِ عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ برکت ہے تو ارشاداتِ نبوت پر عمل کرنے میں کیسی کچھ برکت ہوگی۔

(۳۹۰) فرمایا کہ تعشق کا علاج تزوّج ہے اگر خاص معشوق سے ہو تو بہت ہی بہتر ہے ورنہ غیر جگہ نکاح کرنے سے دوسرے کے تعشق میں کمی ضرور آجاتی ہے۔ باقی تھوڑا بہت میلان تو تمام عمر رہتا ہے۔ اگر اس کے مقتضا پر عمل نہ ہو تو اسکی فکر نہ کرنا چاہیئے۔

(۳۹۱) فرمایا کہ پہلے لوگوں کے قوی اچھے تھے ان کے حق میں کثرتِ اکل وغیرہ

ں ہوجاتا تھا۔ اب خود قوی ضعیف ہیں اس لئے قلت اکل کی غرض خود حاصل ہے
، کثرت اکل وحرص طعام مرض نہیں۔
(۳۹۲) فرمایا کہ ذلت سے بچنے کا خود شریعت میں حکم ہے اس لئے جب تک حال
لب نہ ہو یہی طریق ہے، مگر جب حال غالب ہوجاتا ہے تو ذلت کو عزت سے زیادہ
زیز سمجھتا ہے مگر وہ غیر اختیاری ہے اگر نہ ہو تمنا نہ کرے۔ اگر ہوجائے ازالہ نہ کرے۔
(۳۹۳) ایک صاحب نے لکھا کہ قلب میں قوتِ انفعالیہ کا نام ونشان نہیں
صحبت مجلس سے بھی حالت میں کوئی تغیر نہیں ہوتا اس لئے سخت خطرہ ہے کہ کہیں قائلین
لُوْبُنَا غُلْفٌ یا ارشاد لَا یُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ الحدیث کا مصداق تو نہیں ہوگیا فرمایا
ہ جو لوگ اسکے مصداق ہوتے ہیں ان کو اس کے مصداق ہونے کا احتمال بلکہ التفات
تک نہیں ہوتا۔ یہی دلیل ہے اس کے مصداق نہ ہونے کا۔
(۳۹۴) فرمایا کہ حصول کیفیات کے لئے بھی دعا کرنا جائز ہے پھر خواہ کسی صورت
سے قبول ہو اس پر راضی رہے
(۳۹۵) ایک صاحب نے لکھا کہ اگر کوئی شخص کسی قسم کی تکلیف ونقصان پہنچاوے
تو چین نہیں آتا جب تک کہ اس سے انتقام نہ لے لوں۔ اس کا کیا علاج ہے، فرمایا کہ
چین نہیں آنا معصیت نہیں صرف کلفت ہے جس کا تحمل مجاہدہ اور موجب اجر ہے تو چین
نہ آنا مضر نہ ہوا بلکہ نافع ہوا، باقی کلفت کا علاج یہ معلم دین کا منصب نہیں لیکن تبرعاً یہ بھی
لکھے دیتا ہوں کہ چند روز تحمل کرنے سے یہی عادت ہوجاوے گی پھر اس درجہ کلفت نہ ہوگی۔
(۳۹۶) فرمایا کہ یہاں طلب زیادہ ہے اور استعداد کم اس لئے عطا میں دیر ہوتی
ہے۔ اور اس لئے بے چینی ہوتی ہے، وہاں آخرت میں استعداد سے زیادہ طلب ہی نہ ہوگی
بلکہ جتنی طلب ہوگی وہاں اسکی استعداد بھی ہوگی اس لئے وہ اول ہی بار عطا فرمادیجاویگی
اور اس سے آگے جو عطا ہوگی وہ بلا طلب عطا ہوگی اس لئے اس کا انتظار ہی نہ ہوگا غرض
جنت میں انتظار و بے چینی نہ ہوگی۔
(۳۹۷) فرمایا کہ میں بوڑھوں، سیدوں اور ذاکرین سے خدمت نہیں لیتا۔

(۳۹۸) فرمایا کہ جس مسئلہ پر زور دینے میں فتنہ کھڑا ہوتا ہو اسمیں گفتگو بند کر دی جاوے کیونکہ اس خاص مسئلہ دین کی حمایت کرنے سے فتنہ کا دبانا زیادہ ضروری ہے، ہاں مقتدائے اسلام کو شریعت کی ہر بات صاف صاف کہنا چاہئے جیسے امام حنبلؒ نے خلق قرآن کے متعلق صاف صاف کہدیا تھا۔ اور جو ایسا بڑا مقتدا نہ ہو اسکو بحث کی ضرورت نہیں، جہاں مخاطب سمجھدار منصف مزاج ہو وہاں صحیح مسئلہ بیان کر دے جہاں بحث مباحثہ کی صورت ہو خاموش رہے۔

(۳۹۹) نااتفاقی کی غرض سے اتفاق کرنا تو برا ہے اور اتفاق کی غرض سے نااتفاقی کرنا جائز بلکہ واجب ہے، اسی طرح اگر خدا تعالیٰ سے نااتفاقی کرنے میں اتفاق ہو یعنی معاصی پر اجماع ہو تو وہ اتحاد سب سے بدتر اتحاد اور ان کے ساتھ نااتفاقی کرنا اور مقابلہ کرنا محمود ہے۔

(۴۰۰) فرمایا کہ بعض صلح کرانا اسکو سمجھتے ہیں کہ جہاں دو آدمیوں میں نزاع ہو فوراً دونوں کا مصافحہ کرا دیا جائے، خواہ فریقین کے دل میں کچھ بھی بھرا ہو۔ میں کبھی ایسا نہیں کرتا۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ پہلے معاملہ کی اصلاح کر و پھر مصافحہ کرو، ورنہ بدون اصلاح معاملہ کے مصافحہ بیکار ہے۔ اس سے فریقین کے دل کا غبار نہیں نکلتا تو مصافحہ کے بعد پھر مکافحہ شروع ہو جاتا ہے یعنی مقاتلہ "مخالفت"

(۴۰۱) فرمایا کہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ صلوٰۃ الخوف وقتِ قتال کیلئے مشروع ہے، یہ بالکل غلط ہے بلکہ وقت خوف قتال کے لئے ہے اور جب خوف سے بڑھ کر وقوعِ قتال کی نوبت آجائے اس وقت نماز مؤخر ہو جاتی، قتال کے ساتھ نماز کی اجازت نہیں بلکہ صلوٰۃ الخوف میں بھی اگر قتال شروع ہو جاوے تو حکم یہ ہے کہ نماز کو توڑ دیں، اور اسمیں نماز کی بے وقعتی بھی نہیں بلکہ نماز کی وقعت یہی ہے کہ ایسے وقت میں اسکو توڑ دیا جاوے کیونکہ اس سے نماز کی سہولت واضح ہوتی ہے اور سہل کام پر دوام ہو سکتا ہے، اسی طرح اگر وسطِ صلوٰۃ میں اسٹیشن پر ریل چھوٹ جاوے تو نماز توڑ دینا جائز ہے۔ اور بعض بزرگوں سے جو منقول ہے کہ انھوں نے نماز نہیں توڑی یہ ان کا حال ہے ورنہ شرعاً قطع صلوٰۃ کی اجازت ہے

(۴۰۲) فرمایا کہ اسلام کو اپنی طرف منجذب کرنے کے لئے غیر قوم کو بھائی بنانے کی ضرورت نہیں وہ دشمن کو دشمن کہہ کر بھی اپنی طرف کھینچ سکتا ہے کیونکہ اسلام نے دوسری قوموں کے حقوق کی بھی رعایت کی ہے، وہی حقوق اور وہی رعایت سب کے جذب کے لئے کافی ہے۔

(۴۰۳) فرمایا کہ جب دین کے لئے دنیا کماؤ گے تو وہ محض دنیا نہ رہیگی اب اس کا لقب نعم المال ہوگا جس کا لقب پہلے اَلدُّنْیَا جِیْفَۃٌ تھا کہ دنیا گندی حرام ہے پس کسب دنیا بضرورت مذموم نہیں، ہاں مقصوداً مذموم ہے، جیسے کوئی شخص کنڈوں کو مقصود سمجھے اور انھیں کھانے لگے تو احمق ہے۔ اور اگر ان کو روٹی کے توے کے نیچے جلائے تو بڑا عاقل ہے سے

نہ مرد است آنکہ دنیا دوست دارد   اگر دارد برائے دوست دارد

(وہ جواں مرد نہیں ہے جو دنیا کو محبوب رکھے۔ ہاں اگر وہ دنیا رکھتا ہے تو محبوب ہی کیلئے رکھتا ہے)

(۴۰۴) فرمایا کہ اے مسلمانو! تم ترقی کیلئے ہمیشہ یہ دیکھو کہ مسلمانوں کو کیونکر ترقی ہوئی اور یہ ہرگز نہ دیکھو کہ کفار کی ترقی کیونکر ہوئی۔ کیونکہ ہر قوم کا مزاج باطنی الگ ہے۔ یہ ضرور نہیں کہ جو طریقہ ایک قوم کو مفید ہو وہ سب کو مفید ہو بلکہ یہ بھی ضرور نہیں کہ جو صورت ایک قوم کے کسی فرد کو مفید ہو وہ سب افراد کو مفید ہو، لطیف المزاج کو وہ چیزیں نافع نہیں ہوتیں جو ایک گنوار کو نافع ہیں۔ تم اسلام کے بعد لطیف المزاج ہوگئے ہو تمہارا مزاج شاہانہ ہوگیا ہے تم کو وہ صورت مفید نہ ہوگی جو کفار کو مفید ہے، نیز تم ایسے ہو جیسے سر کی ٹوپی کہ جہاں اسمیں ذرا سی ناپاکی لگی فوراً اتار کر پھینک دی جاتی ہے، اور جوتے میں اگر ناپاکی لگ جاوے تو اسکو نہیں پھینکتے، اسی طرح حق تعالیٰ تمکو ناپاکی اور گندگی میں ملوث نہیں دیکھنا چاہتے۔ اگر تم ملوث ہوگئے تو فوراً سڑے پر کوڑے پیٹے جاؤگے اور کفار چاہے جتنا ملوث ہو جائیں گوارا کیا جائے گا۔ پس اگر تم ترقی کرنا چاہو تو یہ دیکھو کہ پہلے مسلمانوں کو ترقی کیونکر ہوئی تھی،

حامل مضامین تصوف وعرفان • افادات وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیر سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین حضرت مصلح الامۃ

مدیر:- احمد مکین

شمارہ ۹ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ مطابق ستمبر ۱۹۹۲ء جلد ۱۵

قیمت فی پرچہ: پانچ روپیہ سالانہ زرتعاون پچپن روپیہ ششماہی تیس روپیہ

سالانہ بدل اشتراک:- پاکستان سو روپیہ غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ

مولوی احمد مکین - ۲۳/۲۵ - بخشی بازار

الہ آباد ۲۱۱۰۰۳

فون ۶۰۴۷۹۸

پرنٹر- پبلشر:- صغیر حسن۔ :- اسرار کریمی پریس۔ جانسین گنج الہ آباد

ترتیب

			صفحہ
۱	حقیقی زندگی صرف اللہ کے فرمانبرداروں کا حصہ ہے	مفتی اعظم حضرت مولانا محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہٗ	۳
۲	ذکر سید المرسلین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم	مصلح الامۃ محی السنۃ حضرت مولانا الشاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہ العزیز	۹

حقیقی زندگی صرف اللہ کے فرمانبرداروں کا حصہ ہے

تمہاری قوم کی تو ہے بنا ہی دین وایماں پر
تمہاری زندگی موقوف ہے تعمیلِ قرآں پر
تمہاری فتحیابی منحصر ہے فضلِ یزداں پر
نہ قوت پر نہ کثرت پر نہ شوکت پر نہ ساماں پر

قرآن کریم نے انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ آنے والی تعلیمات کو جابجا کہیں روح کے نام سے کہیں حیات کے اور کہیں نور کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، مثلاً آیات ذیل میں ارشاد ہے:۔

أَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَثَلُهُ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِنْهَا (الانعام آیت ۱۲۲) "جو شخص پہلے مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ بنا دیا اور ہم نے اس کو ایک ایسا نور دے دیا کہ وہ اس کو لئے ہوئے لوگوں میں چلتا پھرتا ہے، کیا ایسا شخص اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس کی حالت یہ ہو کہ وہ تاریکیوں میں ہے ان سے نکلنے ہی نہیں پاتا۔"

وَكَذَٰلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِنْ أَمْرِنَا۔ (شوریٰ آیت ۵۲) "اور اسی طرح ہم نے روح (یعنی وحی) بھیجی ہے اپنے حکم سے۔"

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ (انفال آیت ۲۴) "اے ایمان والو! تم اللہ ورسول کے حکم کو بجالایا کرو جبکہ رسول تم کو تمہاری زندگی بخش چیز کی طرف بلاتے ہوں۔"

أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُمْ بِرُوحٍ مِنْهُ "ان لوگوں کے دلوں میں اللہ نے ایمان ثبت کر دیا اور ان کو اپنی روح (یعنی اپنے فیض) سے قوت دی۔"

آیات مذکورہ میں قرآنی تعلیمات کو حیات اور روح سے موسوم کیا گیا ہے جس سے مراد اخروی اور

اور دائمی زندگی ہونا تو ظاہر ہی ہے اور حضرت عروہ بن زبیر وغیرہ کے نزدیک حیوٰۃ دنیوی کو بھی شامل ہے (روح المعانی۔ ابن کثیر)

اور مندرجہ ذیل آیات سے یہ بات بصراحت و وضاحت ثابت ہے کہ حقیقی زندگی اور راحت دنیا میں بھی صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے فرمانبرداروں کا حصہ ہے نافرمان دنیا میں بھی حقیقی زندگی اور حقیقی راحت سے محروم ہیں۔

ارشاد ہے:۔ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (النحل آیت ۹۷)

"جو کوئی نیک عمل کرے خواہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ صاحب ایمان ہو تو ہم اس شخص کو دنیا میں بالطف زندگی دیں گے اور آخرت ان کے اچھے کاموں کے عوض میں انکو بدلہ دیں گے"

محققین ائمہ تفسیر حضرت عبداللہ بن عباسؓ وغیرہم نے اس آیت میں حیات کی تفسیر حیات دنیوی ہی سے کی ہے اور فرمایا ہے کہ حیات طیبہ سے وہ زندگی مراد ہے جس میں سکون واطمینان حاصل ہو (روح المعانی) اور یہ زندگی صرف ان لوگوں کو حاصل ہوسکتی ہے جنکو قناعت کی دولت نصیب ہو اور جو کچھ حق تعالیٰ نے ان کی قسمت میں لکھ دیا ہے اس پر راضی ہوں حرص وطمع سے آزاد ہوں۔ اور ظاہر ہے کہ یہ حیات صرف اہل ایمان مطیعان حق کو ہی میسر آسکتی ہے۔ خدا کے نافرمان اور باغی کو یہ زندگی حاصل نہیں ہوسکتی، بلکہ اس کی زندگی ہزار اسباب راحت اور ہر قسم کی نعمت و دولت کے موجود ہوتے ہوئے بھی تنگ اور بے لذت ہوتی ہے اور وہ اپنی حرص وطمع کی وجہ سے کسی حد پر مطمئن نہین ہوتا، ہر وقت دولت بڑھانے کی فکر میں سرگرداں رہتا ہے اور جب کوئی امر ذہنی منصوبے کے خلاف سامنے آتا ہے تو تقدیر الٰہی پر رضامند نہ ہونے کے سبب اتنا پریشان ہوجاتا ہے کہ بسا اوقات خودکشی کی نوبت آجاتی ہے جیسے آج کل کے سرمایہ داروں کے بہت سے وقائع اس پر شاہد ہیں۔ اسی مضمون کو آیت ذیل میں بصراحت بیان فرمایا گیا ہے:۔

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى (سورہ طٰہٰ آیت ۱۲۴) "جو شخص میری نصیحت سے اعراض کریگا تو اس کے لئے (قیامت سے پہلے دنیا

اور قبر میں) تنگی کا جینا ہوگا اور قیامت کے دن ہم اسکو اندھا کر کے (قبر سے) اٹھائینگے"

نصیحت سے اعراض کرنے والوں کیلئے جس تنگ زندگی کی وعید اس آیت میں ہے بعض ائمہ تفسیر نے اسکی مراد برزخ اور قبر کی زندگی قرار دی ہے اور بعض نے یہی دنیا کی زندگی. محققین ائمہ تفسیر حضرت عطا اور سعید بن جبیر وغیرہ سے یہی منقول ہے (روح المعانی)

اور صحیح یہ ہے کہ دونوں میں کوئی تعارض اور منافات نہیں اسکی زندگی دنیا میں بھی تنگ رہے گی اور قبر میں بھی (بیان القرآن)

نیز اہل جہنم کے متعلق ایک اور آیت میں مذکور ہے:۔

ثُمَّ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيٰى (الاعلیٰ آیت ۱۳) "نہ اس دوزخ میں مر ہی جاویگا اور نہ (آرام کی زندگی) جئے گا"

اس کا حاصل یہ ہے کہ جس حیات میں راحت اور حلاوت نہ ہو وہ زندگی اگرچہ صورت اور ظاہر کے اعتبار سے موت نہیں مگر معنی اور حقیقت کے اعتبار سے زندگی کہلانے کی بھی مستحق نہیں، اور تجربہ شاہد ہے کہ خدا کے باغی اور نافرمان کو زندگی کی حلاوت کبھی میسر نہیں ہوسکتی، اول تو وہ اپنی حرص وطمع کے سبب کسی حد پر قناعت نہیں کرتا ہمیشہ دولت بڑھانے کی فکر میں سرگرداں و پریشان رہتا ہے. پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ کسی بڑے سے بڑے انسان کی ہر تمنا اور ہر مقصد پورا نہیں ہوتا، خدا تعالیٰ کے فرمانبردار اہل ایمان کو تو ایسے وقت تقدیر الٰہی پر رضا اور خلاف مراد چیزیں پیش آنے پر آخرت کے ثواب سے تسلی ہوجاتی ہے اور نافرمان باغی ان دونوں سے محروم ہونے کے سبب پریشان ہی پریشان رہتا ہے. غرض مدعا حاصل ہوا تو اس کی فکر میں سرگرداں، نہ ہوا تو اس کے غم میں حیران و پریشان ۔ دونوں حالتوں میں اس کو سکون قلب اور اطمینان جو راحت و حیات کی روح ہے حاصل نہیں ہوتی ؎

اگر دنیا نباشد دردمندیم　　　دگر باشد بمہرش پائے بندیم

(اگر دنیا نہیں (حاصل) ہوتی ہے تو ہم آزردہ دل رہتے ہیں اور اگر حاصل ہو تو اسکی محبت کے جال میں پھنس جاتے ہیں)

ان تینوں آیات کے مجموعہ سے یہ بات پوری طرح واضح ہوگئی کہ حقیقی زندگی جو آرام و اطمینان اور سکون و سرور کا نام ہے وہ بھی صرف حق تعالیٰ کے فرمانبرداروں کا حق اور حصہ ہے

کافر و فاجر اس سے دنیا میں بھی محروم ہے گو ظاہری دولت اور سامان راحت اسکے پاس کتنا ہی دکھائی دے مگر حقیقی راحت حاصل ہونا ضروری نہیں۔

یہ مضمون قرآن کریم کی بہت سی آیات سے ثابت ہے جن میں سے سو آیتیں اسکے ثبوت کے لئے مقدمہ حیوٰۃ المسلمین کے حاشیہ میں حضرت سیدی حکیم الامت قدس سرہٗ نے جمع فرمائی ہیں، ان آیات مع ترجمہ و مختصر فوائد کے یہاں لکھا جاتا ہے :

کفار کیلئے دولت کی فراوانی کا راز

یہاں کسی کو یہ شبہہ ہو سکتا ہے کہ دنیا میں تو خدا کے باغی اور نافرمانوں کو فرمانبرداروں سے زائد دولتمند باعزت پھولتے پھلتے دیکھا جاتا ہے پھر راحت و زندگانی کا فرمانبرداروں کے ساتھ مخصوص ہونا کیا معنیٰ رکھتا ہے ؟

مگر ادنیٰ غور کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ کفار و فجار کو دولت اور سامانِ راحت چاہے کتنا ہی حاصل ہو حقیقی راحت اور حقیقی زندگی پھر بھی میسر نہیں

ہاں دورِ حاضر کی مادہ پرستی نے عام دماغوں کو کچھ ایسا مسحور کر دیا ہے کہ وہ سامانِ راحت ہی کو راحت سمجھ بیٹھے اور اسکی تحصیل میں اصلی اور حقیقی راحت کو قربان کر دیا ہے کون نہیں جانتا کہ وسیع و رفیع عمارت نفیس اور عمدہ مکان، خوبصورت فرنیچر، کھانے پینے اور پہننے کے پرتکلف سامان اور کل اثاث البیت کی غرض اور مقصود اصلی یہ ہے کہ انسان سکون و سرور اور راحت و اطمینان کے ساتھ اس میں زندگی بسر کرے اور جب سکون و اطمینان میسر نہ ہو بلکہ کسی درد و غم یا فکر و تشویش میں مبتلا ہو تو یہ سارے سامان بیکار محض ہیں

لیکن بہت سے گم کردہ راہ مسافر جو راحت حاصل کرنے کے لئے سامانِ راحت جمع کرنے نکلے تھے اس سامان ہی میں ایسے محو ہو گئے کہ اصلی راحت جو کچھ پہلے حاصل بھی تھی اُسے [illegible] اور راحت جمع کرنے میں حیران و سرگرداں رہنے ہی کو زندگی سمجھنے لگے۔

[illegible] انجام حرص   شوق مجموعۂ ہوش و خرد افزا نہ رہا

سامان راحت اور چیز ہے اور راحت اور شئے، سامان تو بازار سے خرید ا جاسکتا ہے مگر راحت نہ کسی بازار میں بکتی ہے نہ کسی قیمت پر خریدی جاسکتی ہے وہ خالص عطیۂ حق تعالےٰ ہے

یہ بات کچھ زیادہ غور و فکر کی محتاج نہیں کہ راحت اور سامانِ راحت علیٰحدہ علیٰحدہ دو چیزیں ہیں نہ تو راحت سامان پر موقوف ہے کہ بغیر اس کے حاصل ہی نہ ہوسکے، اور نہ سامان کے لوازم میں سے ہے کہ سامانِ راحت جمع ہو جائے تو راحت ضرور حاصل ہو جائے۔

ہر شخص اپنے گرد و پیش میں سینکڑوں ایسے آدمی دیکھتا ہے جو افلاس اور بے سامانی کے باوجود تندرست مطمئن خوش و خرم مسرور نظر آتے ہیں ؎

ادھر ٹکڑے تھا دامن اور اُدھر پرزے گریباں تھا
مگر مانند گُل میں اِن پھٹے حالوں بھی خنداں تھا

اور اس کے مقابلہ میں سینکڑوں ایسے انسان بھی دیکھتا ہے جن کا مکان بھی عالیشان وسیع و رفیع اس کا فرنیچر بھی بہترین ہے، اس میں تمام آرائش و آسائش کے سامان بھی موجود ہیں اس کے اہل و عیال اور خدام بھی حاضر و موجود ہیں مگر وہ بدنصیب کسی درد و بے چینی یا فکر و تشویش میں مبتلا ہے، اس سارے سامان راحت سے جو راحت اس کو مِل رہی ہے کوئی اس کے دل سے پوچھے تو پتہ لگے کہ وہ اپنی اس زندگی سے اس خانہ مست مفلس کی زندگی کو بدرجہا بہتر اور راحت کی زندگی سمجھتا ہے جو خشک روٹی کھا کر اطمینان و سکون اور راحت و سرور کے ساتھ سوتا ہے۔

ذرا غور کریں تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ سامانِ راحت تو کسبی چیز ہے سعی و محنت پھر دولت و اثر کے ذریعہ ہر وقت ہر جگہ حاصل کیا جاسکتا ہے لیکن خود راحت کسبی اور اختیاری نہیں وہ محض وہبی چیز اور خالص عطیہ ہے حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا جو کبھی بدون اس ساز و سامان کے بھی عطا کر دی جاتی ہے اور کبھی سارے سامان جمع ہوتے بھی نہیں دی جاتی۔ راحت نہ کسی بازار میں بکتی ہے نہ کسی فیکٹری میں بنائی جاتی ہے، نہ کسی بڑی سے بڑی قیمت پر خریدی جاسکتی ہے۔

ایک سرمایہ دار دولتمند آرام کی نیند لینے کیلئے مکان موسم کے مناسب عمدہ، وسیع

درصاف، چارپائی بہترین بستر اور گدے تکیے، نفیس ہوا اور روشنی طبیعت اور موسم کے مطابق
یہی دولت کے عوض جمع کر سکتا ہے لیکن جو چیز ان سب اسباب و ذرائع سے مقصود اصلی ہے
یعنی نیند وہ یقیناً پھر بھی اس کے اختیار میں نہیں بلکہ بلا واسطہ حق تعالیٰ کا عطیہ ہے جو اس
سامان جمع کرنے والے کو عادات اکثریہ کے طور پر عطا کر دی جاتی ہے اور جب مشیت خداوندی
نہیں ہوتی تو یہ سب اسباب وسامان بیکار ثابت ہوتے ہیں، کوئی بے چینی لگا دی جاتی ہے
لہ نیند اس کے پاس تک نہیں آتی۔

الغرض راحت جو قلب کے سکون واطمینان اور سرور کا نام ہے وہ کسبی و اختیاری نہیں
بلکہ محض موہبت و عطیۂ حق تعالیٰ ہے جو کبھی بے سامانوں کو بھی دیدیا جاتا ہے اور کبھی سازوسامان
والوں کو بھی نصیب نہیں ہوتا۔

مگر بہت سے بیوقوف انسان سامان راحت جمع کرنے اور اس کی حفاظت کرنے میں اتنے
منہمک حیران و پریشان رہتے ہیں کہ اصلی راحت جو اس سامان سے مقصود تھی ان کے پاس تک
نہیں آتی۔ یہ راحت کی حقیقت سے ناآشنا مسکین بھی بڑا قابل رحم ہے کہ اس پریشانی کو
راحت سمجھنے لگے جو درحقیقت بخشندۂ راحت مالک حقیقی سے غفلت اور اس کے ارشادات
سے اعراض کی نقد سزا ہے۔ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَکْبَرُ لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ "اور آخرت
کا عذاب اس سے بڑا ہے کاش وہ سمجھ لیتے"

قرآن کریم نے صاف صاف لفظوں میں بتلا دیا کہ سامان دنیا کی فراہمی میں حیران و پریشان
اور مشوش و سرگرداں رہنا ایک عذاب نقد ہے جو آخرت کے عذاب سے پہلے غافل اور نافرمان
انسان پر منجانب اللہ مسلط کیا جاتا ہے۔ (تسہیل مقدمہ حیوٰۃ المسلمین)

محمدؐ وہ کتابِ کون کا طغرائے پیشانی　　تراشا جس کے ناخن کا ہلالِ آسماں منزل
محمدؐ وہ حریمِ قدس کا شمعِ شبستانی　　غسالہ جس کے تلووں کا زلالِ آبِ حیوانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ
نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

ذکر سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

گلستاں اور بوستاں سامنے رکھ کر فرمایا کہ یہ دونوں معمولی کتابیں نہیں ہیں معلوم نہیں کتنے لوگ اسی سے ولی اور قطب ہو گئے۔ یعنی ان تعلیمات پر عمل کر کے اور ان آداب واخلاق کو اختیار کر کے۔ کلام ہی سے متکلم پہچانا جاتا ہے ان کے کلام سے پتہ چلتا ہے کہ کتنے زبردست شخص ہیں یعنی کامل بھی ہیں اور مکمِّل بھی۔ مکمِّل اسی کو کہتے ہیں جس کی تعلیمات سے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو اور صاحب کمال ہو جائیں۔

حضرت شہاب الدین سہروردیؒ کی نصیحت — شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کے شیخ حضرت شہاب الدین سہروردیؒ ہیں جو کہ صاحب سلسلہ اور مشائخ عظام میں سے ہیں حضرت سعدی علیہ الرحمۃ اپنے ان اشعار میں ان کا ذکر فرماتے ہیں ؎

مرا پیر دانائے روشن شہاب　　دو اندرز فرمود بر روئے آب
یکے آنکہ بر خویش خود بیں مباش　　دُوم آنکہ بر غیر بد بیں مباش

(۱)۔ (مجھکو پیر دانا روشن ضمیر شہاب الدینؒ نے دو نصیحتیں پانی یعنی کشتی پر کیں۔ (۲) ایک یہ کہ اپنے کو خود بینی سے دور رکھو۔ دوسرے یہ کہ کسی پر بدگمانی نہ کرو)

اس میں اپنے شیخ حضرت شہاب الدین سہروردیؒ کی دو نصیحتیں نقل فرمائی ہیں، ایک تو یہ کہ اپنے حق میں خوش بیں مت ہو یعنی اپنے کمالات کو نظر تحسین سے مت دیکھو اس لئے کہ آدمی جب اپنے کمالات پر نظر کرے گا تو ڈوب ہی جائے گا، اس لئے کہ کبر میں مبتلا ہو جائیگا اور دوسرے یہ کہ دوسروں کے حق میں بدگمان مت ہو کیونکہ بہت ممکن ہے وہ کامل شخص

ہو تو اس کے عیوب پر نظر کی وجہ سے اس کے فیض سے محروم ہو جاؤ گے۔ سبحان اللہ یہ دونوں نصیحتیں کیسی عمدہ ہیں اور اس میں شک نہیں کہ آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔

ہمارے بزرگوں کی یہ تعلیمات تھیں اور ان ہی تعلیمات کے ذریعہ سے کتنے لوگوں نے روحانیت حاصل کی اور خدائے تعالیٰ تک پہنچے۔ مگر آجکل لوگوں نے ان تعلیمات کو تو یکسر چھوڑ دیا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا چاہتے ہیں اور بزرگان دین سے ملاقات کے متمنی ہیں تو یہ کیسے ہو سکتا ہے اس لئے کہ یہ راستہ تو روحانی ہے جسمانی نہیں کہ بدن کے زور سے طے کر لیا جائے۔ بلکہ یہ راہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے قطع اور طے ہوتی ہے۔

چنانچہ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:۔ ؎

میندار سعدی کہ راہ صفا | تواں رفت جز بر پئے مصطفٰے
خلاف پیمبر کسے رہ گزید | کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

(اے سعدی یہ نہ سمجھنا کہ راہِ حق کو بجز مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے کسی اور طریقے کے طے کیا جا سکتا ہے، کیونکہ پیغمبر کے خلاف جس نے بھی راستہ اختیار کیا وہ منزل مقصود تک ہرگز نہیں پہونچ سکتا)

اس میں حق تعالیٰ کے ارشاد اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ (آپ فرما دیجئے کہ اگر تم خدائے تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو) کی تفسیر فرما رہے ہیں اور اپنے کو خطاب فرما رہے ہیں، نیز سبھی لوگوں کو الٹی میٹم دے رہے ہیں کہ سنو! اگر راہ طے کرنا چاہتے ہو تو بغیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے ناممکن ہے۔ لہٰذا آپ کی اتباع لابدی[1] ہے۔ جن لوگوں نے اس راہ کو طے کیا ہے اور جنکو بھی کچھ ملا ہے وہ اتباع ہی سے ملا ہے، لہٰذا ہر امر میں آپ کا اتباع لازم و ضروری ہے اور اسی طرح نعت شریف میں بھی اتباع ناگزیر[2] ہے یا محمد ہوشیار اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں حد سے تجاوز جائز نہیں، چنانچہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں لَا تُطْرُوْنِیْ کَمَا اَطْرَتِ النَّصَارٰی عِیْسٰی (یعنی میری مدح میں حد سے تجاوز مت کرو جیسا کہ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰؑ کی مدح میں حد سے تجاوز کیا) اور میری ایسی تعریف مت کرو جیسی کہ یہود و نصاریٰ نے اپنے نبی کی تعریف کی

[1] ضروری، لازمی [2] ضروری

نانچہ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا ہی بنا دیا، اسی طرح یہودنے حضرت عزیر علیہ
سلام کو خدا کا بیٹا بنادیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:۔
وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرُ ابْنُ اللهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللهِ الآية (اور
ہود نے کہا کہ عزیر خدا کے بیٹے ہیں۔ اور نصاریٰ نے کہا کہ مسیح خدا کے بیٹے ہیں) یہی حد سے
اوز ہے اور حضورؐ نے اسی سے ممانعت فرمائی ہے، لہٰذا حضور کی نعت کا معاملہ بہت
ی نازک اور نہایت اہم ہے۔ اسی لئے علماء نے فرمایا ہے کہ ؎

با خدا دیوانہ باشں و با محمد ہوشیار

(خدا کے ساتھ تعلق میں دیوانہ رہو۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملہ میں ہوشیار اور باہوش)
ی اگر خدا تعالیٰ کے ساتھ کوئی دیوانہ ہوگا اور مستی میں آکر ان کی شان میں کچھ کہہ دے گا۔
چونکہ وہ مستی و بیخودی بھی ان ہی کی طرف سے ہوتی ہے اس لئے اسکی معافی ہوجائیگی لیکن
ر کوئی شخص مستی و بیخودی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کچھ کہے گا تو فوراً گرفت
ں آجائے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں تو صوفیہ نے ہمہ اوست (سب وہی وہ ہے)
ہدیا، مگر حضورؐ کے بارے میں ہمہ اوست کہنے کی کسی نے بھی ہمت نہیں کیا۔ اس لئے کہ اگر
ہاں کوئی ہمہ اوست کہے گا تو نبوت کا دعویٰ ہوجائے گا اور بیتہ ہی کٹ جائیگا یعنی ایمان
ی جاتا رہے گا۔ اسی لئے صوفیہ نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کچھ کہنے میں احتیاط کی ہے
ر پاس ادب ملحوظ رکھا ہے، بہت ڈرے ہیں اور یہیں آکر ان کا قافیہ تنگ ہوجاتا ہے۔
س لئے کہ اگر ذرا بھی لغزش ہوئی تو فوراً کان پکڑ لیا جائے گا یعنی منجانب اللہ گرفت ہوجائیگی
ضرت شیخ جلال الدین | ایک بزرگ کسی مقام پر تھے انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
انپتیؒ کا پاسِ شریعت | کی شان میں کوئی ایسا کلمہ کہدیا جو مناسب نہیں تھا کہنے کو تو کہہ گئے
ر چونکہ کامل تھے اس لئے فوراً تنبہ ہوا اور سمجھ میں آیا کہ غلط بات زبان سے نکل گئی
س کے بعد انھوں نے اس کا تدارک بھی خوب ہی فرمایا اس طور پر کہ سردی کے
انہ میں دو بجے رات سے صبح تک ٹھنڈے پانی میں کھڑے ہوکر یہ کہتے تھے کہ شریعت محمدی
م دائم۔ شریعت محمدی قائم دائم۔ اسی طرح مسلسل چھ ماہ تک کرتے رہے، جب ان کو

ا شریعت محمدی ہمیشہ قائم اور باقی رہے

اطمینان ہوگیا کہ اب معافی ہوگئی تب اس عمل کو موقوف کیا۔

کامل کی پہچان | عشق کے لئے بیخودی لازم ہے مگر تعریف کے لئے بیخودی نہیں ہونی چاہئے بلکہ اس کیلئے کامل ہوش اور فہم و معرفت کی ضرورت ہے اور یہ دونوں چیزیں بالکل متضاد ہیں مگر جب تک یہ دونوں نہ ہوں آدمی ناقص رہتا ہے۔ کامل وہی ہوتا ہے جو محبت و معرفت دونوں کا جامع ہو۔ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ دونوں ہی کے جامع تھے یعنی کامل محبت کے ساتھ ساتھ معرفت بھی تام رکھتے تھے اور فہم بھی اعلیٰ درجہ کی تھی۔

چنانچہ انھوں نے جو نعت کہی ہے اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام کمالات کا ذکر بھی فرما دیا اور کہیں بھی حد سے متجاوز نہیں کیا ہے چنانچہ گلستاں میں یہ الفاظ تحریر فرماتے ہیں سرور کائنات مفخر موجودات رحمت عالمیاں صفوت آدمیاں تتمۂ دور زماں (آپ دنیا کے سردار ہیں، موجودات کیلئے فخر، جہان والوں کیلئے رحمت، آدمیوں کیلئے خلاصہ اور زمانہ کا تتمہ ہیں)

سبحان اللہ! کیسے عمدہ الفاظ لا رہے ہیں اس سے بڑھ کر اور کون سے الفاظ لائیے گا تمام چیزیں اس میں آگئیں، یعنی آپ سرور کائنات و فخر موجودات ہیں، نیز آپ رحمۃ للعلمین و سید المرسلین و خاتم النبیین ہیں۔ واقعی یہ حضرات کتنوں کو سمجھا گئے ہیں اور بہتوں کو ولی و قطب بنا گئے ہیں اب آپ کی سمجھ میں نہ آوے یا آپ اس کو نہ سمجھیں اور نہ سُنیں تو آپ جانئے۔

شافع محشر | اس کے بعد فرماتے ہیں ؎

شَفِیْعٌ مُّطَاعٌ نَبِیٌّ کَرِیْمٌ قَسِیْمٌ جَسِیْمٌ نَسِیْمٌ وَسِیْمٌ

(آپ سفارش کرنے والے، اطاعت کئے گئے، نبی، سخی، حسین، خوش قامت، شگفتہ رو، پاکیزہ اور خوبرو ہیں)

آپ شفیع تو آخرت کے اعتبار سے ہیں اور مطاع دنیا کے اعتبار سے۔ قرآن پاک میں ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (اور ہم نے تمام پیغمبروں کو خاص اسی واسطے مبعوث فرمایا ہے کہ بحکم خداوندی ان کی اطاعت کی جائے) اور آخرت میں آپ شفیع المذنبین (گنہ گاروں کی سفارش کرنے والے) ہوں گے۔ اور سب کی شفاعت آپ کی شفاعت پر موقوف ہوگی یعنی میدان حشر میں قیامت کے دن کی شدت اور سختی سے جب تمام خلائق گھبرا اٹھے گی تو لوگ

کہیں گے کہ جو بھی فیصلہ ہونا ہو ادھر یا اُدھر وہ ہو جائے تو بہتر ہے اور اس کے لئے تمام انبیاءٔ علیہم السلام سے درخواست کریں گے کہ وہ سفارش کرکے خلائق کے معاملے کی پیشی کرادیں مگر اللہ تعالےٰ کے دربار میں اُس وقت کوئی دم مارنے کی ہمت نہیں کر سکے گا نہ کوئی نبی اور نہ کوئی ولی، سب حضرات شفاعت سے انکار کردیں گے، تو شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگ درخواست کریں گے تو آپؐ فرمائیں گے کہ ہاں آج کے دن کی شفاعت میرے لئے ہے اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جائیں گے اور دربار الٰہی میں سجدہ فرمائیں گے اور ایسی تعریف اللہ تعالیٰ کی کرینگے جس کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا کہ مجھ کو نہیں معلوم کہ میں کیا تعریف کروں گا، پس اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائینگے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سر اٹھایئے آپ جو بھی سوال کریں گے پورا کیا جائے گا۔ اس کے بعد خلائق کا معاملہ پیش ہوگا اور حساب وکتاب شروع ہوگا۔ اس کے بعد پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گنہ گاروں کی شفاعت فرمائیں گے پھر کیسی کچھ شفاعت فرمائیں گے اس کا اندازہ بھی نہیں لگایا جاسکتا۔

دیکھئے کس قدر شفقت وعنایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے گنہ گار امتیوں کے حال پر۔ اس پر بیساختہ یہی شعر پڑھنے کو جی چاہتا ہے ؎

چہ غم دیوارِ امت را کہ دارد چوں تو پشتیباں ۔۔۔ چہ باک از موج بحر آں را کہ باشد نوح کشتیباں

(امت کی دیوار کو کیا غم جبکہ وہ آپ جیسا محافظ رکھتی ہے۔ اس شخص کو سمندر کی لہروں کا کیا اندیشہ جس کے کشتیباں نوح علیہ السلام ہوں)

بلندیٔ مراتب کمال | آگے فرماتے ہیں ؎

بَلَغَ الْعُلیٰ بِکَمَالِہٖ ۔۔۔ کَشَفَ الدُّجیٰ بِجَمَالِہٖ

حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہٖ ۔۔۔ صَلُّوْا عَلَیْہِ وَآلِہٖ

(یعنی آپؐ اپنے کمال کی وجہ سے بلندی پر پہونچے اور ایسے مقام پر فائز ہوئے کہ وہاں تک کسی نبی مرسل اور ملک مقرب کی رسائی نہیں ہوسکتی، اور اپنے جمال کے نور سے کفر وضلالت کی تاریکیوں کو دور فرمادیا اور آپ کی ساری ہی خصلتیں عمدہ ہیں اسلئے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اِنَّکَ لَعَلیٰ خُلُقٍ عَظِیْمٍ (بیشک آپ اخلاق کے اعلیٰ پیمانہ پر ہیں) اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ

كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ (آپ کا خلق قرآن (پر عمل کرنا) تھا) تو جب اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے خلق عظیم پر ہونے کی شہادت دی ہے تو پھر آپؐ کے اخلاق اور خصال کی خوبیوں کا کیا پوچھنا ہے، صَلُّوْا عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ یعنی آپؐ پر اور آپ کی اولاد پر درود بھیجو اس لئے کہ حق تعالیٰ کی جانب سے اور تمام ملائکہ کی جانب سے آپ پر درود نازل ہوتا رہتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا (بیشک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں ان پیغمبر پر، اے ایمان والو تم بھی آپ رحمت بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو)

نعت سعدی علیہ الرحمۃ | سعدی علیہ الرحمۃ نے یہاں گلستاں کے دیباچہ میں اجمالاً نعت بیان فرمائی ہے اور اس کی تفصیل بوستاں میں فرمائی ہے، اس لئے جی چاہتا ہے کہ اسکو آپ حضرات کے سامنے پیش کروں، فرماتے ہیں ؎

کَرِیْمُ السَّجَایَا جَمِیْلُ الشِّیَم — نَبِیُّ الْبَرَایَا شَفِیْعُ الْاُمَم

(آپ عمدہ خصال والے اور اچھے اخلاق والے ہیں — تمام خلائق کے نبی اور سب امتوں کے شفیع ہیں)

امامِ رُسُل پیشوائے سبیل — امینِ خدا مہبطِ جبرئیل

(اور آپ تمام رسولوں کے امام اور طریق کے مقتدا اور پیشوا ہیں، اللہ تعالیٰ کے امین اور جبرئیلؑ کے نازل ہونے کی جگہ ہیں)

شفیع الوریٰ خواجۂ بعث و نشر — امام الہدیٰ صدر دیوانِ حشر

(آپ مخلوق کے شفیع اور بعث و نشر (قیامت) کے سردار ہیں — ہدایت کے امام اور حشر کی کچہری کے صدر نشیں ہیں)

کلیمے کہ چرخِ فلک طورِ اوست — ہمہ نورہا پرتوِ نورِ اوست

(اور ایسے کلیم ہیں کہ آسمان انکا طور ہے (یعنی موسیٰؑ کیلئے تو کوہ طور محل مناجات منتخب ہوا اور آپکے لئے آسمان ہی کو محل مناجات بنایا گیا) اور جملہ انوار آپکے نور کے پرتو اور عکس ہیں)

یتیمے کہ ناکردہ قرآں درست — کتب خانۂ چند ملت بشست

(آپ ایسے یتیم کہ ابھی قرآن پورا نہیں اترا تھا کہ نہ معلوم کتنے مذاہب کے کتب خانوں کو دھو دیا یعنی جملہ ادیان کو منسوخ کر دیا

چو عزمش بر آہیخت شمشیر بیم بمعجز میان قمر زد دو نیم

(اور جب آپؐ کے ارادے نے خوف کی تلوار کھینچی تو معجزے سے چاند کے دو ٹکڑے کر دیئے (اسمیں معجزۂ شق القمر کی طرف اشارہ ہے، کہ آپؐ کے عزم میں اتنی قوت ہے کہ محض ارادہ فرمانے سے چاند کے دو ٹکڑے ہوگئے)

چو صیتش در افواہ دنیا فتاد تزلزل در ایوان کسریٰ فتاد

(جب آپؐ کی ولادت کا شہرہ دنیا والوں کی زبان پر آیا تو کسریٰ کے محل میں زلزلہ آگیا (اسمیں اس معجزے کی طرف اشارہ ہے کہ جس شب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی تو نوشیرواں کے محل میں زلزلہ آگیا اور چودہ کنگرے ٹوٹ کر گر پڑے)

بلا قامت لات بشکست خرد باعزاز دیں آب عزیٰ ببرد

(اور آپؐ نے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی لا سے لات کی قامت کو ریزہ ریزہ کر دیا اور دینِ اسلام کو عزت دیکر عزیٰ کی عزت کو خاک میں ملا دیا)

نہ از لات و عزیٰ برآورد گرد کہ توریت و انجیل منسوخ کرد

(اور صرف لات وعزیٰ ہی کی عزت کو ختم نہیں فرمایا بلکہ توریت وانجیل (یعنی تمام کتب سماویہ سابقہ) کو بھی منسوخ فرمایا)

لا سے مراد توحید ہے (یعنی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ) مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمۂ توحید کو ایسا بلند فرمایا کہ لات وعزیٰ بلکہ تمام ہی اصنام سرنگوں ہوگئے اور ان سب کی عزت خاک میں مل گئی۔ اس میں شک نہیں کہ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک کمال کو نہایت عمدہ اسلوب سے بیان فرما رہے ہیں۔

مولانا رومؒ کا نعتیہ شعر اور حضرت مصلح الامۃ کی تشریح درمیان میں مولانا رومؒ کا ایک شعر یاد آگیا جس میں انھوں نے حضورؐ کی نعت بہت ہی بلیغ انداز میں فرمائی ہے کہ توحید کی رعایت بھی باقی رکھی اور تعریف بھی حضورؐ کی شایان شان کر دی، فرماتے ہیں ؎

لاشدی پہلوئے الا خانہ گیر اے عجب تو ہم اسیری ہم امیر

(آپ لا ہوگئے مگر اِلَّا کے پہلو میں قیام فرما ہیں، عجیب بات ہے کہ آپ مقید بھی ہیں اور آزاد بھی)

یعنی لَا اِلٰہَ سے چونکہ تمام ماسوا کی نفی ہوتی ہے اس لئے آپ کی بھی ہوگئی، اسی کو فرما رہے ہیں کہ آپ لا ہوگئے مگر اِلَّا کے پہلو میں قیام فرما ہیں یعنی کلمۂ توحید میں اللہ تعالیٰ

کے ساتھ ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا بھی اثبات کیا جاتا ہے إلّا اللّٰہ کے بعد ہی مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ہے، اسی لئے ذکر نفی و اثبات میں مشائخ جمیع ماسوا اللہ کی نفی تو کراتے ہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نہیں، اس لئے کہ مقصود تو ان تعلقات کی نفی ہے جو کہ موصل الی اللہ نہیں ہیں، بلکہ مضر ہیں اور وصول الی اللہ سے مانع اور ایسے حاجب بنتے ہیں، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق تو عین موصل الی اللہ ہے بلکہ حق تعالیٰ کے قرب کا سب سے بڑا ذریعہ ہے اس لئے اس کی نفی مقصود نہیں ہے، اسی کو مولانا رومؒ یوں فرماتے ہیں کہ ؎ اے صفاتت در صفات ما دفیں

(اے وہ ذات کہ آپ کی صفات ہمارے صفات میں پوشیدہ ہیں)

واقعۂ معراج بہ زبان سعدیؒ | اس کے بعد شیخ سعدی علیہ الرحمۃ معراج کا ذکر فرماتے ہیں ؎

شبے بر نشست از فلک برگذشت | بتمکین و جاہ از مَلک درگذشت

چناں گرم در تیہ قربت براند | کہ در سدرہ جبریل ازو باز ماند

بدو گفت سالار بیت الحرام | کہ اے حاملِ وحی برتر خرام

چو در دوستی مخلصم یافتی | عنانم ز صحبت چرا تافتی

بگفتا فرا تر مجالم نماند | بماندم کہ نیروئے بالم نماند

اگر یک سرِ موئے برتر پرم | فروغِ تجلّی بسوزد پرم

(یعنی ایک رات آپ تشریف لے چلے اور آسمان سے بھی اوپر گزر گئے، عزت و مرتبہ میں فرشتہ سے بھی آگے بڑھ گئے۔ اور قرب الٰہی کے میدان میں ایسے تیزی سے براق دوڑایا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام سدرۃ المنتہیٰ پر پہونچ کر رُک گئے۔ تو ان سے بیت الحرام کے سردار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے حاملِ وحی اور اوپر تشریف لے چلئے جب آپ نے دوستی میں مجھ کو مخلص پایا تو اب میری رفاقت سے لگام کیوں موڑتے ہیں۔ یعنی مجھ کو تنہا کیوں چھوڑتے ہیں۔ تو جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ اس سے اوپر جانے کی مجال مجھ کو نہیں ہے۔ اس لئے کہ میں بالکل عاجز ہو گیا، میرے بازوؤں میں طاقت نہیں رہی۔ لہٰذا اگر میں ایک بال کے برابر بھی اوپر اڑوں تو انوار الٰہیہ کی تجلی

میرے پروں کو خاکستر کر دے گی، اس لئے کہ وہاں سے آگے ذات الٰہی کی تجلی ہے جس کو برداشت کرنے کی تاب جبرئیل علیہ السلام نہیں لا سکتے تھے۔ یہ مقام حضور ہی کا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی خصوصی تجلیات کو برداشت فرمایا۔

نوعیتِ معراج | حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس معراج کے بارے میں روایتیں مختلف ہیں، کہ معراج جسمانی ہوئی تھی یا روحانی مگر زیادہ تر اور راجح روایتیں یہی بتلا رہی ہیں کہ معراج جسمانی ہوئی تھی اور آپؐ بنفسِ نفیس اسی جسم کے ساتھ معراج میں تشریف لے گئے تھے لیکن جسم نے روح کا حکم اختیار کر لیا تھا، ایسا کہ روح الامین جبرئیلؑ سے بھی آگے جہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا تشریف لے گئے۔

جسدِ اطہر کا تاثر | حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ جبرئیل علیہ السلام سے فرمایا کہ اپنی اصلی صورت میں مجھے اپنے کو دکھایئے، انھوں نے عرض کیا کہ شاید آپ تحمل نہ فرما سکیں۔ بار بار اصرار کے بعد انھوں نے اپنے کو اصلی صورت میں پیش کیا تو حضور صلی اللہ پر غشی طاری ہو گئی۔

اسی طرح مروی ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی دفعہ جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا تو آپ مضطرب ہو کر حضرت خدیجہؓ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ (مجھے کمبل اڑھاؤ مجھے کمبل اڑھاؤ)

پس جب آپ معراج میں تشریف لے چلے اور سدرۃ المنتہی پر پہنچے تو جبرئیلؑ سے جو یہ ارشاد فرمایا کہ "اے حاملِ وحی اب اس سے اوپر چلئے" تو اس میں اسی واقعہ کو یاد دلایا ہے جس میں جبرئیل علیہ السلام نے اپنی اصلی صورت میں اپنے کو پیش کیا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر غشی طاری ہو گئی تھی اور خود جبرئیل علیہ السلام سے اس کا اقرار کروالیا کہ ؎

اگر یکسرِ موئے برتر پرم　　فروغِ تجلی بسوزد پرم

(اگر ایک بال برابر اوپر اڑوں گا تو تجلی کی روشنی میرے پر جلا دے گی، یعنی اب اس سے آگے آپ ہی کا مقام ہے۔ میں اسکی تاب نہیں لا سکتا۔

مولانا رومؒ کی توجیہ | امیر الروایات میں نقل کیا ہے کہ مولانا رومؒ نے مثنوی میں دفتر چہارم کے بالکل ختم کے قریب (حدیث زَمِّلُوْنِیْ کی جو توجیہ فرمائی ہے اس میں) حضور اقدسؐ کا تاثر جبرئیلؑ سے

ان لیا ہے لیکن متاثر حقیقت محمدیہ نہ تھی بلکہ جسد محمدیؐ تھا۔ اور حقیقت محمدیہ کی وہ شان ہے کہ خود جبرئیل علیہ السلام اس کا تحمل نہیں فرما سکتے۔ یہ حاصل ہے ان کی تقریر کا۔

اس مقام کے مناسب مولانا رومؒ کے چند متفرق اشعار نقل کرتا ہوں:۔

چو زبیم و ترس بیہوشش بدید — جبرئیل آمد در آغوشش کشید
قابل تغییر اوصاف تن است — روح باقی آفتاب روشن است
جسم احمد را تعلق بد بدان — آں تغیر آں تن باشد بداں
نقش احمد زاں نظر بیہوش گشت — بحر او از بہر کف پر جوش گشت
احمد ار بکشاید آں پر جلیل — تا ابد مدہوش ماند جبرئیل
چو گزشت احمد ز سدرہ مرصدش — وز مقام جبرئیل و از حدش
گفت او را ہیں بپر اندر پیم — گفت رو رو کہ حریف تو نیم

(حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جب خوف و ہراس (کے اثر) سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بیہوش دیکھا تو فوراً ہی آکر آپؐ کو اپنے آغوش میں لے لیا۔ (اور آپؐ کی یہ بیہوشی اس بنا پر ہوئی کہ) تغیر کا قبول کرنا بدن کے صفات میں سے ہے (نہ کہ روح کے بلکہ) روح جو کہ مثل آفتاب کے روشن ہے وہ تو باقی رہنے والی چیز ہے۔ (اور چونکہ) جسم احمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ان صفات بشریہ سے بھی تعلق تھا۔ اس لئے یہ تغیر (یعنی ظاہراً بیہوش ہونا) بدن کی تبعیت میں ہوا۔ اس کو خوب سمجھ لو۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک جبرئیلؑ کو دیکھ کر جو بیہوش ہوا (تو اس کی وجہ یہ ہوئی کہ) آپ کی روح مبارک جبریل کو دیکھ کر پر جوش ہو گئی (اس لئے کہ نقش جبرئیل میں ذات حق کی تجلی دیکھی اور مشاہدہ کے سمندر میں غرق ہو گئی اور بدن میں تصرف کر گئی جس کی وجہ سے آپ پر بیہوشی طاری ہوئی۔ (ورنہ حقیقت محمدیہ کی تو وہ شان ہے) کہ اگر آپؐ اپنے اس جلیل الشان پر کو کھول دیں (یعنی اپنی روحانیت اور ملکیت کو ظاہر فرما دیں) تو جبرئیل علیہ السلام ہمیشہ ہمیش کے لئے بیہوش ہو جائیں۔ (چنانچہ شب معراج میں) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی منزل سدرۃ المنتہیٰ سے آگے بڑھی اور حضرت جبرئیلؑ کے مقام اور ان کی حد سے تجاوز فرمانے لگے۔ تو ان سے فرمایا کہ آئیے اور میرے ساتھ اوپر اڑئیے تو حضرت

جبرئیلؑ نے جواب دیا کہ آپ تشریف لے جائیے اب میں آپ کا ساتھ نہیں دے سکتا۔)

حضرت حاجی صاحبؒ کی توجیہ | نیز حضرت حاجی صاحبؒ سے اس حدیث زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ کی توجیہ نہایت عمدہ نقل کی گئی ہے ایسی کہ اگر آپ اس کو پڑھیں اور سمجھیں تو وجد کرنے لگیں، چنانچہ اسی کتاب امیر الروایات میں ہے:۔

حکایت ۔ خانصاحب نے فرمایا کہ حضرت حاجی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے حدیث زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ کا تذکرہ آیا، جبکہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی دفعہ جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا تھا اور آپ مضطرب ہوکر واپس تشریف لائے اور فرمایا مجھے کمبل اڑھاؤ مجھے کمبل اڑھاؤ، عرض کیا گیا کہ کیا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جبرئیل سے خائف ہوگئے تھے؟ فرمایا کہ نہیں بلکہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت یکایک اپنی حقیقت کا تحمل نہیں فرما سکے جو جبرئیل علیہ السلام کو دیکھکر آپ پر منکشف ہوئی۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ غیر جنس میں رہ کر اپنی حقیقت محجوب رہتی ہے اور ہمجنس کو دیکھ کر منکشف ہوجاتی ہے، جیسے مشہور ہے کہ کسی شخص نے شیر کا بچہ پال لیا تھا اور اسے اپنی بکریوں میں چھوڑ رکھا تھا۔ شیر کو ان بکریوں میں رہ کر اپنی حقیقت کی خبر نہ تھی وہ بھی مثل بکریوں کے معصوم بنا ہوا تھا۔ اتفاق سے ایک دن پانی پیتے ہوئے اس نے اپنا چہرہ دیکھ لیا اور اپنی شجاعت و بسالت کی تصویر اسکی آنکھوں کے سامنے آگئی۔ اور پھر جو بکریوں کو دیکھا تو سمجھا کہ میں بکری نہیں ہوں کچھ اور ہی ہوں یہ حقیقت پاکر جو بکریوں میں گیا تو سب بکریوں میں غل غدر مچ گیا کسی کو پھاڑ ڈالا کسی کو کھا گیا۔ کسی کو مارا۔ پھر فرمایا کہ ایک جزیرے میں فرض کرو سب بدرو۔ بدشکل بستے ہوں، ایک خوبصورت پری پیکر پیدا ہوجائے تو ظاہر ہے کہ ان میں رہ کر وہ بھی اپنے کو ان ہی جیسا سمجھتا رہیگا اور اپنی خوبصورتی کی حقیقت اس پر بوجہ ناجنسوں سے اختلاط کے منکشف نہ ہوگی۔ اسلئے نہ ناز و انداز کرے گا نہ کرشمہ و غمزہ کی راہ چلے گا۔ لیکن اتفاق سے اگر وہاں اس جیسا کوئی دوسرا حسین آنکلے جس کے ساتھ ناز و کرشمہ اور ادائیں ہوں تو ضرور ہے کہ اسے دیکھ کر اسپر اپنی حقیقت فوراً منکشف ہوجائے گی اور وہ بھی ناز و انداز کرنے لگے گا۔

عرفانِ ذاتِ محمدیؐ | اسی طرح حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مثل اس شیر کے اور مثل اس حسین کے مکہ

ہے پوشیدہ

ء جاہلوں کے درمیان میں تھے اور آپ پر اپنی حقیقت منکشف نہ تھی۔ لیکن جونہی آپؐ نے جبرئیل
یہ السلام کو دیکھا (جو اس معنی کر آپ کے ہمجنس تھے کہ ان کی تربیت بھی صفت علم کرتی ہے،
ی لئے وحی رسانی کی خدمت ان کے سپرد ہوئی اور انبیاء علیہم السلام کی تربیت بھی صفت
ہ سے ہوا کرتی ہے) اور ان کے چہرہ میں آپؐ کو اپنی حقیقت نظر آگئی لیکن وہ اتنی
لیم الشان تھی کہ یکایک آپؐ اس کا تحمل نہ فرما سکے اور اضطراب میں زملونی زملونی
رمایا۔ یہ نہیں کہ آپؐ جبرئیلؑ سے خائف ہو گئے تھے۔ پھر حاجی صاحبؒ نے یہ شعر پڑھا
احقر کو یاد نہیں رہا) اس پر خانصاحب فرماتے ہیں میں نے یہ شعر پڑھا ؎

دیکھو مت دیکھیو کہ آئینہ — غش تمھیں دیکھ کر نہ آجائے

خاں صاحب فرماتے تھے کہ مولانا محمود الحسن صاحبؒ بار بار اس واقعہ کو مجھ سے سُنا
رتے تھے اور جھومتے تھے۔ (امیر الروایات ص۱۳۶)

اِن ہر دو بزرگوں نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق اس حدیث کی توجیہ فرمائی۔ حضرت
مولانا رومؒ نے تو جبرئیل علیہ السلام سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ اطہر کا تاثر مان لیا
اور یہ فرمایا کہ متأثر حقیقت محمدیہ نہ تھی بلکہ جسد محمدیؐ تھا اور حقیقت محمدیہ کی تو وہ شان
ہے کہ جبرئیل علیہ السلام بھی اس کا تحمل نہیں فرما سکتے ؎

احمد ار بکشاید آں پرِ جلیل — تا ابد مدہوش ماند جبرئیل

(حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگر اپنے عظیم الشان پروں کو کھول دیں تو جبرئیلؑ ہمیشہ ہمیش کیلئے بیہوش ہو جائیں)

اور حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ نے جبرئیل علیہ السلام سے تاثر کو نہیں تسلیم فرمایا،
بلکہ یہ فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت اپنی حقیقت کا جو جبرئیل علیہ السلام کو دیکھ
کر آپؐ پر منکشف ہوئی اور وہ اتنی عظیم الشان تھی کہ یکایک آپؐ اس کا تحمل نہ فرما سکے
اور اضطراب میں زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ فرمایا۔ یہ نہیں کہ آپؐ جبرئیل سے خائف ہو گئے تھے۔

وحی کی ابتدا اور مخصوص کیفیات

اس وقت میں اس مضمون کو ذرا تفصیل سے کسی قدر وضاحت کے ساتھ
آپ کے سامنے بیان کرنا چاہتا ہوں۔ یہ مسئلہ ہے تو بہت مشکل اور اس کا
سمجھانا بھی نہایت دشوار ہے، مگر حتی الوسع آپ کو سمجھانے کی کوشش کروں گا۔

سنئے بخاری شریف بدأ وحی کی کیفیت میں حضرت اُمّ المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا
سے روایت ہے انھوں نے فرمایا کہ:۔ اَوَّلُ مَا بُدِئَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ
وَسَلَّمَ مِنَ الْوَحْیِ الرُّؤْیَا الصَّالِحَۃُ فِی النَّوْمِ فَکَانَ لَا یَرٰی رُؤْیَا اِلَّا جَاءَتْ مِثْلَ
فَلَقِ الصُّبْحِ ثُمَّ حُبِّبَ اِلَیْہِ الْخَلَاءُ وَکَانَ یَخْلُوْ بِغَارِ حِرَاءٍ فَیَتَحَنَّثُ فِیْہِ وَ
ھُوَ التَّعَبُّدُ اللَّیَالِیَ ذَوَاتِ الْعَدَدِ قَبْلَ اَنْ یَّنْزِعَ اِلٰی اَھْلِہٖ وَیَتَزَوَّدُ لِذٰلِکَ
ثُمَّ یَرْجِعُ اِلٰی خَدِیْجَۃَ فَیَتَزَوَّدُ لِمِثْلِھَا حَتّٰی جَاءَہُ الْحَقُّ وَھُوَ فِیْ غَارِ حِرَاءٍ فَجَاءَہُ
الْمَلَکُ فَقَالَ اِقْرَاْ فَقَالَ فَقُلْتُ مَا اَنَا بِقَارِیٍٔ قَالَ فَاَخَذَنِیْ فَغَطَّنِیْ حَتّٰی بَلَغَ مِنِّی الْجُھْدَ
ثُمَّ اَرْسَلَنِیْ فَقَالَ اِقْرَاْ قُلْتُ مَا اَنَا بِقَارِیٍٔ فَاَخَذَنِیْ فَغَطَّنِی الثَّانِیَۃَ حَتّٰی بَلَغَ مِنِّی
الْجُھْدَ ثُمَّ اَرْسَلَنِیْ فَقَالَ اِقْرَاْ فَقُلْتُ مَا اَنَا بِقَارِیٍٔ قَالَ فَاَخَذَنِیْ فَغَطَّنِی الثَّالِثَۃَ ثُمَّ
اَرْسَلَنِیْ فَقَالَ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ
وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ ۝ فَرَجَعَ بِھَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَرْجُفُ فُؤَادُہٗ
فَدَخَلَ عَلٰی خَدِیْجَۃَ بِنْتِ خُوَیْلِدٍ فَقَالَ زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ فَزَمَّلُوْہُ حَتّٰی ذَھَبَ
عَنْہُ الرَّوْعُ فَقَالَ لِخَدِیْجَۃَ وَاَخْبَرَھَا الْخَبَرَ لَقَدْ خَشِیْتُ عَلٰی نَفْسِیْ فَقَالَتْ
لَہٗ خَدِیْجَۃُ کَلَّا وَاللّٰہِ مَا یُخْزِیْکَ اللّٰہُ اَبَدًا اِنَّکَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَحْمِلُ
الْکَلَّ وَتَکْسِبُ الْمَعْدُوْمَ وَتَقْرِی الضَّیْفَ وَتُعِیْنُ عَلٰی نَوَائِبِ الْحَقِّ فَانْطَلَقَتْ
بِہٖ خَدِیْجَۃُ حَتّٰی اَتَتْ بِہٖ وَرَقَۃَ بْنَ نَوْفَلِ بْنِ اَسَدِ بْنِ عَبْدِ الْعُزّٰی
اِبْنِ عَمِّ خَدِیْجَۃَ وَکَانَ امْرَأً تَنَصَّرَ فِی الْجَاھِلِیَّۃِ وَکَانَ یَکْتُبُ الْکِتَابَ
الْعِبْرَانِیَّ فَیَکْتُبُ مِنَ الْاِنْجِیْلِ بِالْعِبْرَانِیَّۃِ مَا شَاءَ اللّٰہُ اَنْ یَّکْتُبَ وَکَانَ شَیْخًا
کَبِیْرًا قَدْ عَمِیَ فَقَالَتْ لَہٗ خَدِیْجَۃُ یَا ابْنَ عَمِّ اِسْمَعْ مِنِ ابْنِ اَخِیْکَ فَقَالَ
لَہٗ وَرَقَۃُ یَا ابْنَ اَخِیْ مَاذَا تَرٰی فَاَخْبَرَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
خَبَرَ مَا رَاٰی فَقَالَ لَہٗ وَرَقَۃُ ھٰذَا النَّامُوْسُ الَّذِیْ نَزَّلَ اللّٰہُ عَلٰی مُوْسٰی
یَا لَیْتَنِیْ فِیْھَا جَذَعًا یَا لَیْتَنِیْ اَکُوْنُ حَیًّا اِذْ یُخْرِجُکَ قَوْمُکَ فَقَالَ
رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَوَمُخْرِجِیَّ ھُمْ قَالَ نَعَمْ لَمْ یَاْتِ رَجُلٌ

قَطُّ بِمِثْلِ مَا جِئْتَ بِهٖ اِلَّا عُوْدِیَ وَاِنْ يُّدْرِكْنِىْ يَوْمُكَ اَنْصُرْكَ نَصْرًا مُؤَزَّرًا ثُمَّ لَمْ يَنْشَبْ وَرَقَةُ اَنْ تُوُفِّیَ۔ (ترجمہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وحی کی ابتدا رویائے صالحہ سے ہوئی، چنانچہ آپ سوتے میں جو بھی خواب دیکھتے تھے وہ صبح کی روشنی کی مانند واقع ہوتا تھا (یعنی جو خواب دیکھتے تھے بعینہٖ اسی طرح اس کا ظہور ہوتا تھا) پھر آپؐ کو خلوت محبوب کر دی گئی، چنانچہ آپؐ غار حرا میں عبادت کے لئے خلوت اختیار فرماتے اور شب و روز وہیں قیام فرماتے، گھر واپس نہ آتے اور کئی کئی دن کا توشہ ہمراہ لے جایا کرتے تھے۔ جب توشہ ختم ہو جاتا تو حضرت خدیجہ کے پاس واپس آکر چند دنوں کی خوراک لے کر پھر تشریف لے جاتے تھے، یہانتک کہ ایک دفعہ جبکہ آپ غار حرا میں تشریف رکھتے تھے تو آپ کے پاس امر الٰہی آیا (یعنی وحی آئی) اس طور پر کہ حضرت جبرئیلؑ تشریف لائے اور آپ سے کہا کہ اِقْرَاْ (پڑھئے) آپؐ نے جواب دیا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ فرماتے ہیں کہ اس پر حضرت جبرئیلؑ نے مجھے پکڑ کر دبوچا یہانتک کہ میں جہد کو پہنچا، یا میری وجہ سے وہ جہد کو پہنچے، پھر مجھے چھوڑا اور کہا کہ پڑھئے۔ میں نے کہا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، انھوں نے پھر مجھے پکڑا اور مانند پہلی بار کے پھر دبوچا اور پوری قوت سے دبوچا، پھر چھوڑا اور کہا کہ پڑھئے، میں نے جواب دیا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ پھر مجھے تیسری بار دبوچا اور چھوڑ کر کہا کہ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ (اے پیغمبر آپ اپنے رب کا نام لیکر پڑھا کیجئے جس نے پیدا کیا، جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ آپ قرآن پڑھا کیجئے اور آپ کا رب بڑا کریم ہے) (اس واقعہ کے بعد) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے اس حالت میں تشریف لائے کہ آپ کا قلب مضطرب تھا، سیدھے حضرت خدیجہ کے پاس آئے اور ان سے فرمایا کہ زملونی زملونی یعنی مجھے کمبل اڑھادو مجھے کمبل اڑھادو۔ تو لوگوں نے آپؐ کو کمبل اڑھا دیا، یہانتک کہ آپ سے وہ کیفیت ختم ہو گئی۔ پھر آپؐ نے حضرت خدیجہ کو پورا واقعہ سنا کر ان سے کہا کہ مجھے اپنی ہلاکت کا اندیشہ ہے: خوف ہے حضرت خدیجہ نے جواب دیا کہ نہیں آپ کیا فرماتے ہیں بخدا اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی ضائع نہ فرمائیں گے۔ اس لئے کہ آپ تو صلہ رحمی کرتے ہیں، ضعیف

اور بے سہاروں کا بار برداشت کرتے ہیں، غریبوں اور محتاجوں کو مال عطا فرماتے ہیں۔ مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور جملہ امور خیر اور مواقع ضرورت میں امداد فرماتے ہیں۔ پھر حضرت خدیجہ آپ کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبد العزیٰ کے پاس لے گئیں جو زمانۂ جاہلیت میں نصرانی ہو گئے تھے اور عبرانی زبان لکھنا جانتے تھے۔ چنانچہ عبرانی زبان میں انجیل کو جس قدر اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوتی لکھا کرتے تھے اور ایک بوڑھے معمر شخص تھے جو نابینا ہو گئے تھے۔ تو حضرت خدیجہؓ نے ان سے کہا، اے میرے چچا زاد بھائی اپنے بھتیجے کی بات سنئے تو ورقہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اے میرے بھتیجے آپ کیا دیکھتے ہیں، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ دیکھا تھا اس کی خبر ان کو دی تو ورقہ نے آپؐ سے یہ کہا کہ یہی وہ فرشتہ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی لے کر نازل ہوتا تھا۔ کاشکہ میں اس وقت جوان ہوتا اور کاش کہ اس وقت میں زندہ رہتا جبکہ آپ کی قوم آپکو نکالے گی آپؐ نے تعجب سے فرمایا، کیا مجھ کو وہ لوگ نکالیں گے۔ انھوں نے کہا ہاں۔ کوئی شخص ایسا نہیں ہوا جو آپؐ کے مثل چیز لایا ہو، مگر یہ کہ اس سے عداوت اور دشمنی کی گئی۔ اور اگر میں نے آپ کا زمانہ پا لیا تو آپ کی زبردست نصرت کروں گا، پھر ورقہ ابن نوفل تھوڑے ہی دنوں بعد انتقال کر گئے۔)

اس حدیث میں تصریح ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم کے وحی کی ابتدا رؤیا صالحہ[۱] سے ہوئی ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام کو نبوت سے پہلے خواب میں ایسی چیزیں اس لئے پیش آتی ہیں تاکہ اُس عالم سے آہستہ آہستہ مناسبت بڑھتی جائے اور اس چیز کا تحمل ہوتا رہے تاکہ پھر جب بیداری کی حالت میں وحی آئے تو اس کا تحمل بآسانی کر لیں، اور بارِ نبوت کو بسہولت برداشت کر لیں۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کے بعد پھر حضور کو خلوت محبوب ہو گئی۔

ولایت کی ابتداء اتنی بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ اب بھی جن لوگوں کو اُدھر سے کچھ ملتا ہوتا ہے تو ابتداء ایسے ہی ہوتی ہے کہ پہلے رویائے صالحہ دیکھتے ہیں بعدۂ خلوت

[۱] اچھے خواب

اُن کو محبوب ہو جاتی ہے اور اس سے مناسبت بڑھتی جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نبوت کی ابتدا خواب سے ہوئی ہے تو ولایت کی ابتدا بھی اسی سے ہوتی ہے، اس لئے کہ ولایت تابع ہے نبوت کے تو جو چیزیں وہاں ہوئیں ہیں یہاں بھی ان کا ہونا ضروری ہے۔

اسی طرح چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتدا میں خلوت پسند ہوئی اس لئے صالحین کو بھی خلوت محبوب ہو جاتی ہے۔ بات یہ ہوتی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی طلب غالب ہوتی ہے تو بجز خلوت کے کوئی چیز پسند نہیں آتی، اسی بنا پر حضور کو خلوت پسند ہوئی اور غار حرا میں تشریف لے جانے لگے اور وہاں جا کر عبادت کرتے تھے۔ نماز پڑھا کرتے اور ذکر کیا کرتے تھے ؎

بکنج غار گزینیم خلوت از ہمہ خلق کہ شاید آں لطیف جہاں یار غار ما باشد

(غار کے ایک گوشہ میں تمام مخلوق سے ہم علیحدگی اختیار کرینگے کہ شاید وہ لطیف جہاں (محبوب حقیقی) ہمارا غار یار ہو جائے)

اب ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کو حضورؐ کی ان چیزوں سے ذرا بھی مناسبت باقی نہیں رہ گئی ہے البتہ حضورؐ سے محبت کا دعویٰ کرنے کے لئے ہر شخص تیار ہے ؎

وَكُلٌّ يَدَّعِي وَصْلًا بِلَيْلَىٰ وَلَيْلَىٰ لَا تُقِرُّ لَهُمْ بِذَاكَ

(ہر ایک لیلیٰ کے وصل کا دعوے دار ہے مگر لیلیٰ ان کی یہ بات ماننے کے لئے تیار نہیں) میں یہ کہہ رہا ہوں کہ ان چیزوں کا تعلق ڈینگ سے نہیں ہے بلکہ اس کے لئے اپنے کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں فنا کرنا ہوتا ہے، بغیر آپؐ کے واسطے کے اللہ تعالیٰ تک پہنچ نہیں سکتے تو ؎

مپندار سعدی کہ راہ صفا تواں رفت جز بر پئے مصطفیٰ

خلاف پیمبر کسے رہ گزید کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

(سعدی یہ مت خیال کرو کہ حق کا راستہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے بغیر چلا جا سکتا ہے پیغمبر کے خلاف جس نے راہ اختیار کی وہ کبھی منزل مقصود کو نہ پہونچے گا)

اب ہمارا کوئی مربی ایسا نہیں رہ گیا ہے جو ہم کو بتا وے اور سمجھاوے۔ سعدی علیہ الرحمۃ چونکہ اپنے زمانے کے مربی تھے اس لئے لوگوں کو بہت کچھ بتلا گئے اور خوب اچھی طرح سمجھا گئے ہیں (درمیان درمیان میں یہ باتیں اسلئے کہتا ہوں کہ آپ لوگوں کو اس طرف توجہ

کروں۔ اب پھر اسی مضمون کی طرف عود کرتا ہوں)

مومن کیلئے خوشخبری اس حدیث سے خواب کا درجہ بھی معلوم ہوا کہ نبوت کی ابتداء رؤیا رصالحہ سے ہی ہوتی ہے اور یہ بُشْرٰی مِنَ اللّٰہِ (اللہ کی جانب سے خوشخبری) ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمَاتِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ (یاد رکھو اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ مغموم ہوتے ہیں۔ وہ وہ ہیں جو ایمان لائے اور پرہیز رکھتے ہیں، ان کے لئے دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی خوشخبری ہے۔ اللہ کی باتوں میں کچھ فرق ہوا نہیں کرتا، یہ بڑی کامیابی ہے)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اولیاء اللہ وہ ہیں جو ایمان کامل اور تقویٰ کامل رکھتے ہیں، یوں دیکھنے میں تو یہ دو ہی لفظ ہیں مگر ایمان و تقویٰ کا اختیار کرنا پہاڑ اٹھانے سے بھی زیادہ مشکل امر ہے اور خصوصاً اس زمانہ میں تو اس سے بھی زیادہ دشوار تر ہے۔

روح المعانی میں ہے کہ عبادہ ابن صامتؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (ان کیلئے خوشخبری ہے دنیا کی زندگی میں) کی تفسیر دریافت کی تو آپؐ نے ارشاد فرمایا هِىَ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ يَرَاهَا الْمُؤْمِنُ اَوْ تُرٰى لَهٗ (حیات دنیا میں بشریٰ رؤیاء صالحہ ہے جس کو مومن خود دیکھتا ہے یا لوگ اس کے لئے دیکھتے ہیں۔

نیز دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اَمَّا قولہ تعالیٰ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فَهِىَ الرُّؤْيَا الْحَسَنَةُ تُرٰى لِلْمُؤْمِنِ فَيُبَشَّرُ بِهَا فِىْ دُنْيَاهُ وَاَمَّا قَوْلُهٗ سُبْحَانَهٗ وَفِى الْاٰخِرَةِ فَاِنَّهَا بِشَارَةُ الْمُؤْمِنِ عِنْدَ الْمَوْتِ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ غَفَرَ لَكَ وَلِمَنْ حَمَلَكَ اِلٰى قَبْرِكَ یعنی اللہ تعالیٰ کا ارشاد لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا سے مراد رؤیا رحسنہ ہیں جو مومن کیلئے دکھائے جاتے ہیں اور اس کے ذریعہ مومن کو دنیا ہی میں بشارت دی جاتی ہے۔ اور حق سبحانہٗ کے ارشاد وَفِى الْاٰخِرَةِ

سے مراد یہ ہے کہ مومن کو موت کے وقت یہ بشارت دیجاتی ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے تمہاری مغفرت فرمادی اور ان لوگوں کی بھی جو تم کو قبر تک اٹھا کر لائے۔

نیز حضرت عطار سے روایت ہے کہ دنیا میں بشارت یہ ہے کہ مومنین کے پاس موت کے وقت ملائکہ رحمت کو لے کر حاضر ہوتے ہیں (اور جنت کی بشارت دیتے ہیں) چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:- إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ (یعنی جن لوگوں نے اقرار کرلیا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر مستقیم رہے ان پر فرشتے اتریںگے کہ تم نہ اندیشہ کرو اور نہ رنج کرو اور تم جنت پر خوش رہو جس کا تم سے وعدہ کیا جایا کرتا تھا)

اور آخرت میں بشارت یہ ہے کہ ملائکہ ان سے اس طرح ملاقات کریں گے کہ سلام کرتے ہوں گے اور بشارت دیںگے فوز و کرامت اور ان کے چہروں کی نورانیت اور چمک پر جو ملائکہ دیکھیں گے اور اعمال نامے ان کے دائیں ہاتھوں میں دیئے جانے اور اعمال ناموں کو خوش ہو ہو کر پڑھنے پر۔

اور ایک قول یہ ہے کہ بُشریٰ عاجلہ[1] سے مراد مثلاً یہ ہے:- نصر و فتح اور غنیمت اور ثنارِ حسن[2] و ذکر جمیل اور لوگوں کی محبت، اور اس کے علاوہ دوسری چیزیں۔ اور رہا بشریٰ آجلہ[3] تو وہ محتاج بیان نہیں (انتہیٰ)

میرا مقصود تو صرف یہ تھا کہ لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا کی تفسیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رویارِ صالحہ سے فرمائی، مگر تتمیم فائدہ کے لئے میں نے اور دوسری روایات جو اس آیت کی تفسیر میں وارد تھیں ان کو بھی نقل کر دیا۔

اب مضمون سابق کی طرف جو اس وقت مقصود بالبیان ہے عود کرتا ہوں :-

مبادیاتِ وحی | فتح الباری شرح بخاری میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابتداءً خواب دیکھا کرتے تھے اور سب سے پہلے آپ نے جبرئیل ؑ کو اجیاد[4] پر دیکھا، جبرئیل ؑ نے آواز دی کہ یا محمد، حضور ؐ نے اپنے دائیں بائیں نظر ڈالا

لہ مژدہ، خوشخبری ٢ہ اچھی تعریف ٣ہ اخروی بشارت ٤ہ ایک جگہ کا نام ہے۔

وئی دکھائی نہیں دیا پھر آسمان کی طرف نظر اٹھائی تو جبرئیلؑ اُفق سماء پر نظر پڑے
انھوں نے عرض کیا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں جبرئیل ہوں جبرئیل
آپ بھاگے ہوئے گئے اور لوگوں کے درمیان داخل ہوگئے، پھر جب کچھ نہیں
کھا تو باہر تشریف لائے۔ پس جبرئیلؑ نے پھر اسی طرح ندا دی اور آپ پھر بھاگے
کے بعد غار حراء کی طرف سے جبرئیلؑ ظاہر ہوئے اور اقرأ کا قصہ جو حدیث میں کو
پیش آیا، جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا تو انکے
ت کے دو پر تھے، جن کی چمک ایسی تھی کہ آنکھوں کو اُچک لے رہی تھی (ایک
بہ تو آپؐ نے جبرئیل علیہ السلام کو اسوقت اپنی اصلی صورت میں دیکھا) اور پھر
بارہ معراج کے وقت آپؐ نے ان کو اپنی اصلی صورت میں دیکھا۔

یہ روایت صاف بتلا رہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہی دفعہ جبرئیلؑ
ن کی اصلی صورت میں دیکھا اور تحمل فرمایا۔ اور ان کے کلام کو سُنا اور سمجھا،
نچہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم معراج میں تشریف لے جا رہے تھے تو حضرت
رئیلؑ یہیں سے آپ کے ساتھ تھے اور اپنی اصلی حالت میں تھے اور حضور صلی اللہ
ہ وسلم بھی بشریت کے ساتھ اسی عالم سے ان کو دیکھ رہے تھے اور تحمل فرمالیے
ب اُس عالم میں پہنچے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ملکیت میں تھے اور جبرئیل
یہ السلام بھی۔ پھر جب سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے تو وہاں آپ کی ملکیت اور روحانی
ت اور جبرئیلؑ کی ملکیت میں تقابل اور تصادم ہوا، اور حضورؐ کی ملکیت ان پر
ب آگئی۔ چنانچہ آپ تو اس سے آگے تشریف لے گئے (اور اللہ تعالیٰ سے ملاقات
اور خصوصی قرب و مشاہدہ میں اللہ تعالیٰ کے رو برو بات چیت کی اور نہ معلوم
لیا باتیں ہوئیں، اس کو کون بیان کرسکتا ہے ؎

اکنوں کرا دماغ کہ پرسد ز باغباں　　بلبل چہ گفت گل چہ شنید و صبا چہ کرد

ب کس کی مجال ہے کہ باغبان سے پوچھے کہ بلبل نے کیا کہا اور پھول نے کیا سُنا اور صبا نے کیا کیا؟
مگر جبرئیل علیہ السلام سدرۃ المنتہیٰ پر ہی عاجز رہ گئے اور یہ کہہ دیا کہ اگر اس سے

آگے سرِ مو بھی بڑھوں تو جل کر بھسم ہو جاؤں گا۔ اس سے حضورؐ کا مرتبہ معلوم ہوا اور آپ کی قوت کا بھی اندازہ ہوا۔ اس لئے کہ جبرئیل علیہ السلام کی قوت تو معلوم ہی ہے کہ ان کو اتنی قوت تھی کہ حضرت لوط علیہ السلام کے قوم پر جب عذاب آیا ہے تو انکی تمام بستیوں کو حضرت جبرئیل علیہ السلام ایک انگلی پر اٹھا کر آسمان تک لے گئے اور وہاں سے اُلٹ دیا تو اتنی قوت کے باوجود بھی جبرئیل علیہ السلام سدرۃ المنتہیٰ سے آگے نہیں بڑھ سکے، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سے آگے اور بہت آگے تشریف لیگئے اسی سے اندازہ کیجئے کہ آپ کو کتنی قوت تھی اور کتنی زبردست آپ کی روحانیت تھی۔

اہلِ دنیا عالم بالا کے مشاہدہ کی تاب نہیں رکھتے

اور رہا پہلی مرتبہ جبرئیل علیہ السلام کو دیکھ کر آپؐ پر ایک خاص کیفیت کا طاری ہونا تو وہ اس عالم دنیا کے لوازم سے تھا، اس لئے کہ یہ دنیا اُس عالم کی چیزوں کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو وہ قوت عطا فرمائی ہے کہ اگر کوئی فرشتہ اس میں سے کچھ بھی اس عالم میں ظاہر کر دے تو یہ عالم ہی فنا ہو جائے۔

چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جنت کی کسی حور کے دوپٹہ کا ایک کونا بھی اگر اِس عالم میں جھلک جائے تو آفتاب و ماہتاب سب ماند پڑ جائیں تو جب اس عالم کی کسی چیز کا ظہور اِس عالم میں ہوگا تو اس کا تحمل کوئی آسان امر نہیں ہے۔ یہی وجہ تھی کہ موسیٰ علیہ السلام کی درخواست پر جب اللہ تعالیٰ نے اپنی تجلی پہاڑ پر فرمائی تو وہ برداشت نہ کر سکا، اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَلَمَّا جَآءَ مُوسٰى لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ (یعنی اور جب موسیٰ علیہ السلام ہمارے وقت مقرر پر آئے یعنی چالیس روز پورے ہو جانے کے بعد اور ان کے رب نے ان سے کلام فرمایا) تو وہ کلام ایسا لذیذ تھا اور اس میں ایسی چاشنی تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کو سُن کر بے اختیار ہو گئے۔ ان کو عشق پیدا ہو گیا اور دیدار کے مشتاق ہو گئے۔ چنانچہ حالت بیقراری میں یہ درخواست پیش کر دی قَالَ رَبِّ اَرِنِيْۤ اَنْظُرْ اِلَيْكَ (یعنی اے میرے رب اپنی ذات کو مجھے دکھا

میں آپ کو دیکھوں گا قَالَ لَنْ تَرَانِيْ ای لَا قَابِلِيَّةً لَكَ لِرُؤْيَتِيْ وَاَنْتَ عَلٰى مَا اَنْتَ عَلَيْهِ (یعنی آپ میں درآنحالیکہ آپ اپنی اسی حالت پر ہوں میرے دیکھنے کی قابلیت نہیں) یعنی بشریت کو اتنی صلاحیت نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو بلکہ فرشتہ ہی کو اپنی اصلی حالت پر دیکھ سکے۔ خواہ کوئی کسی درجہ کا ہو، اس لئے کہ یہ دنیا اسکی متحمل نہیں ہوسکتی، مگر چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مقام محبوبیت میں تھے اس لئے ان کی تسلی کی خاطر یہ فرمایا وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرَانِيْ (یعنی اور لیکن آپ پہاڑ کی طرف دیکھئے (ہم اس پر اپنی تجلی ظاہر کرتے ہیں سو اگر وہ اپنی جگہ پر برقرار رہ جائے اور تجلی اس کے پرخچے نہ اڑا دے تو پھر آپ بھی مجھ کو دیکھ سکیں گے فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا (پس جب ان کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو وہ ریزے ریزے ہو کر اڑ گیا اور موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہو کر گر پڑے)

دیدار اور تجلی کا فرق علماء نے لکھا ہے کہ پہاڑ پر تجلی ہوئی تھی وہ رویت نہیں تھی، تجلی اور رویت میں فرق ہے اس کو اس طور پر سمجھئے کہ ایک تو یہ کہ آپ کسی شخص کو خود دیکھئے اور دوسری صورت یہ ہے کہ اس کو آئینہ میں دیکھئے، تو آئینہ میں جو صورت نظر آتی ہے وہ اس شخص کا عکس و پرتو ہوتا ہے اسکی ذات نہیں ہوتی۔ اس کے دیکھنے کو رویت سے تعبیر نہیں کریں گے۔ اسی طرح پہاڑ پر اللہ تعالےٰ کی تجلی یعنی عکس و پرتو پڑا تھا جس کا وہ پہاڑ تحمل نہ کرسکا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو کر دریاؤں اور سمندروں میں جا گرا۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے تجلیٔ الٰہی کا پہاڑ پر یہ اثر ملاحظہ فرمایا اور اسکی یہ کیفیت دیکھی تو وہ ایسا ہولناک منظر تھا کہ اگر کوئی غیر نبی ہوتا تو معلوم نہیں کیا حال ہوتا۔ جان ہی نکل جاتی، مگر موسیٰ علیہ السلام کو تو دیکھئے اور ان کی قوت ملاحظہ فرمایئے کہ ایسے خوفناک منظر کو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرنے کے باوجود بھی صرف بیہوش ہی ہوئے اور پھر ہوش میں آ گئے۔ اس سے ان کی زبردست قوت و روحانیت کا اندازہ ہوتا ہے اور ان کے اس معمولی طبعی تأثر سے ان کے کمال میں کوئی فرق نہیں آتا۔ اسلئے کہ ایسی عظیم شے جس کی وجہ سے پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائے اور اس کا تحمل نہ کر سکے، اس کے مقابلہ میں موسیٰ علیہ السلام کا محض بیہوش ہو جانا

یا کوئی تاثر ہے؟

انبیاءؑ کی جسمانی اور روحانی قوت | انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی روحانیت کا کیا پوچھنا ہے، اللہ تعالیٰ انھیں جسمانی قوت بھی اعلیٰ درجہ کی عطا فرماتے ہیں۔ اسی طرح یہ سمجھئے کہ پہلی مرتبہ جبرئیل علیہ السلام کو دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جو اثر ہوا تھا اسکی وجہ یہ تھی کہ جبرئیل علیہ السلام ملاء اعلیٰ اور عالم علوی سے اس عالم کی طرف ایک امر عظیم لیکر آئے تھے یعنی اللہ تعالیٰ کا وہ کلام جس کی عظمت و جلالت کا اندازہ کیا ہی نہیں جاسکتا۔

خود اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ (یعنی اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تو اس کو دیکھتا کہ خدا کے خوف سے دب جاتا اور پھٹ جاتا۔)

نیز روایتوں میں تصریح موجود ہے کہ اگر کبھی ایسا اتفاق ہوتا کہ آپ اونٹنی پر سوار ہوتے اور اسی اثنا میں وحی آجاتی تھی تو اس کے بوجھ سے اونٹنی بیٹھ جاتی تھی اور سخت سردی کے ایام میں نزولِ وحی کے وقت آپ پسینہ پسینہ ہوجاتے تھے۔ اسی سے صحابہؓ معلوم کرلیتے تھے کہ اسوقت نازل ہورہی ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم الشان قوت | یہ تو حضور کی ہی قوت اور آپ ہی کا منصب تھا کہ جس کلام کی عظمت سے پہاڑ ریزے ریزے ہوجائیں اور جس کے تحمل سے آسمانؑ زمین اور جبال سب انکار کردیں اسکو آپؐ برداشت فرماتے تھے۔ اور جس رویت کی تاب جبرئیلؑ نہ لاسکے اس کا بھی حضورؐ ہی نے تحمل فرمایا اور جو کچھ آپ پر تاثر ظاہر ہوا وہ اس تجلی اور کلامِ الٰہی کی عظمت سے تھا۔ ظاہر ہے کہ جو چیز اثر والی ہے وہ اثر کریگی مثلاً جب کسی کو کلوروفارم سونگھا دیا جاتا ہے تو اتنی دیر تک دماغ کام نہیں کرتا۔ قویٰ ماؤف ہوجاتے ہیں، حواس معطل ہوجاتے ہیں اور آدمی بیہوش ہوجاتا ہے۔ اسی طرح جتنی دوائیں ہیں وہ سب اپنا اپنا اثر کرتی ہیں، اور اسی طرح اگر کوئی ماردے یا صدمہ پہنچادے تو صدمہ ہوتا ہے یا کسی کو بخار آجاتا ہے تو اس کا بھی اثر ہوتا ہے، اور سرد ہوا چلتی ہے تو ٹھنڈک محسوس ہوتی ہے، گرم ہوا چلتی ہے تو گرمی معلوم ہوتی ہے۔ خواہ کوئی ولی ہو یا اس سے بڑھ کر مرتبہ والا ہو۔ ان تاثرات میں کسی کی تخصیص

نہیں، لیکن یہ سب تاثرات موجب نقص نہیں ہیں۔ اس لئے کہ یہ لوازم بشریت سے ہے، جو اس عالم دنیا میں ناگزیر ہے، بلکہ اس قسم کے اثرات کو تاثر کہنا ہی نہیں چاہیئے، کیونکہ تاثر تو وہ تھا جو پہاڑ کو ہوا کہ وہ ٹکڑے ٹکڑے ہوکر دریاؤں میں جاگرا۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو بیہوش بھی نہ ہوئے اور نہ کوئی خاص اثر ہی ہوا تھا۔ اور پہلی مرتبہ جو کیفیت ہوئی وہ اس بنا پر ہوئی کہ آپ ابھی بشریت ہی میں تھے کہ اچانک ملکوت سے ایک عظیم الشان چیز اپنی پوری صولت اور شوکت کے ساتھ آئی جس کی وجہ سے بشریت اور ملکیت میں تصادم ہوگیا۔ مگر چونکہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو روحانی اور جسمانی دونوں قوتیں اعلیٰ درجہ کی عطا فرمائی تھیں اس لئے آپ فوراً ہی سنبھل گئے ورنہ کوئی دوسرا ہوتا تو ختم ہی ہوجاتا، اس لئے کہ اتنی عظیم الشان چیز کا یک بیک تحمل کرلینا کچھ آسان نہیں ہے۔

خواجہ باقی باللہ کا تصرف اس کی مثال میں اگر کوئی واقعہ پیش کیا جاسکتا ہے تو وہ حضرت خواجہ باقی باللہ نور اللہ مرقدہٗ کے باورچی کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت کے پاس چند مہمان آگئے۔ اتفاق سے کوئی چیز کھانے کے لئے موجود نہ تھی اور آپ انکی ضیافت کرنا چاہتے تھے۔ ایک باورچی نیچے رہتا تھا اُس نے اپنی طرف سے کھانا پکا کر حضرت کی خدمت میں پیش کیا تو اس سے بہت خوش ہوئے اور اس سے فرمایا کہ مانگو کیا مانگتے ہو اس نے عرض کیا کہ میں جو کچھ مانگوں گا وہ ملے گا، آپ نے فرمایا ہاں جو کچھ مانگو گے ملیگا اس نے پھر عرض کیا کہ واقعی جو کچھ مانگوں گا ملیگا، آپ نے فرمایا ہاں ملیگا، اسی طرح پھر تیسری مرتبہ اس نے یہی عرض کیا اور حضرت نے جواب میں یہی فرمایا۔ تب اس نے یہ عرض کیا کہ آپ مجھ کو اپنے جیسا بنا دیجئے تو فرمایا کہ یہ مت مانگو۔ حضرت نے پہلے یہ سمجھا ہوگا کہ غریب آدمی ہے زیادہ سے زیادہ بادشاہت مانگے گا وہ دیدوں گا مگر اس نے ایسی چیز کا سوال کردیا جس کے تحمل کی صلاحیت ابھی اس میں نہیں تھی، مگر جب اس نے باربار اصرار کیا تو حضرتؒ اس کو تنہا تنہا حجرے میں لے گئے اور دروازہ بند کرکے اس پر توجہ اتحادی ڈالی جب کمرہ کھول کر دونوں باہر نکلے تو اس باورچی کی شکل تک بدل گئی تھی اور وہ بالکل حضرت خواجہ باقی باللہ کے ہمشکل ہوگیا تھا، کوئی شخص بآسانی یہ تمیز نہیں کرسکتا تھا کہ ان میں سے کون

ے حاشیہ بالا

حضرت ہیں اور کون وہ باورچی۔ مگر انجام یہ ہوا کہ دو تین روز کے بعد وہ اس دار دنیا ہی سے رخصت ہوگیا۔

شاہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ جس چیز کو حضرت خواجہ باقی باللہ نور اللہ مرقدہ نے ساٹھ برس میں بتدریج حاصل کیا تھا، اس کو اس باورچی نے یک بیک لے لیا۔ اسی لئے برداشت نہیں کرسکا۔

حضرت مصلح الامتؒ کی تحقیق میں یہ کہہ رہا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم کو بھی تاثر نہیں ہوا بلکہ وہ جو خفیف اور ضعیف سا اثر ہوا تو وہ اس عالم کے خواص و لوازم سے تھا اور یہ کوئی نقص کی بات نہیں کہ حضورؐ کی شان میں کوئی فرق اس سے آسکے۔ بلکہ اور زیادہ کمال کی دلیل ہے کہ اتنی زبردست اور قوی شئے کا بس یہی ذرا سا اثر ہوا، اتنا اثر تو ہر نئی چیز سے ہوا ہی کرتا ہے مثلاً کورا گھڑا ہی ہے کہ جب اس میں ابتداءً پانی رکھا جاتا ہے تو اس میں سے سَن سَن کی آواز آتی ہے۔ اور پھر جب رفتہ رفتہ خوب پانی کو جذب کرلیتا ہے اور اچھی طرح اسکا اثر کرلیتا ہے تو وہ آواز نہیں آتی، تو جس طرح گھڑے کی سنسناہٹ اسکے نقص کی دلیل نہیں ہے، اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جبرئیل علیہ السلام کو دیکھ کر ایک خفیف سا اثر ہونا کوئی نقص کی بات نہیں اور اس سے آپ کی شان میں کوئی فرق نہیں لازم آتا۔ بس جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بیان کرنا چاہتا تھا اسکو بیان کردیا۔ اب اس سے زیادہ اس مقام کی وضاحت نہیں کی جاسکتی۔

واقعۂ اسراء و معراج چونکہ معراج کا ذکر آگیا ہے اس لئے جی چاہتا ہے کہ اس موقعہ آیتِ اسراء جس میں خود اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کی اس معراج کا ذکر فرمایا ہے، مفسرین کے سے اس کی تفسیر آپ حضرات کے سامنے پیش۔ سنئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَی الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ (وہ پاک ہے جو اپنے بندہ کو شب کے وقت مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جس کے گرداگرد ہم نے برکتیں کر رکھی ہیں لے گیا تاکہ ہم ان کو اپنے کچھ عجائبات قدرت دکھلادیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ بڑے سننے

والے بڑے دیکھنے والے ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کا ذکر فرمایا ہے۔ اس آیت کا ربط ما قبل سے یہ ہے کہ اخیر سورۂ نحل میں حق تعالیٰ جل شانہٗ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر کا امر فرمایا ہے اور کفار کے ایمان نہ لانے پر حزن اور ان کے مکر سے دل تنگ ہونے سے ممانعت فرمائی ہے، نیز تقویٰ و احسان اختیار کرنے والوں کی فضیلت بیان فرمائی اور اس پر اپنی معیت کا وعدہ فرمایا ہے۔

چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ ۝ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوا وَّالَّذِينَ هُم مُّحْسِنُونَ ۝ (اور آپ صبر کیجئے اور آپ کا صبر کرنا خاص خدا ہی کے توفیق سے ہے اور ان لوگوں کی مخالفت پر غم نہ کیجئے اور جو کچھ یہ تدبیریں کیا کرتے ہیں اس سے تنگدل نہ ہوجیئے، بیشک اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ جو پرہیزگار ہوتے ہیں، اور جو نیک کردار ہوتے ہیں)

ان آیات کے بعد واقعۂ اسراء کو بیان فرمانے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صبر و تقویٰ کا ثمرہ اللہ تعالیٰ نے اس دار دنیا میں اسراء و معراج عطا فرمایا اور اپنی معیت و ہم کلامی کا شرف بخشا اور اپنی آیات و عجائباتِ قدرت دکھلایا۔

اور چونکہ یہ واقعۂ اسراء نہایت عجیب و غریب ہے، اور قدرتِ عظیمہ پر دلالت کرتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اسکو لفظ سبحان سے شروع فرمایا اس لئے کہ یہ لفظ اللہ تعالیٰ سے جملہ قبائح و نقائص کی نفی پر دلالت کرتا ہے۔ تو کفار کا واقعۂ اسراء کی تکذیب و انکار کرنا اور اس کو مستبعد سمجھنا گویا اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا انکار اور ان کے بارے میں عجز ونقص کا اثبات ہے۔ اس لئے حق تعالیٰ نے سبحان کے لفظ سے شروع ہی میں یہ تعلیم فرمائی کہ واقعۂ اسراء حیرت انگیز اور تعجب خیز ضرور ہے مگر اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے کچھ بعید نہیں اور وہ ذات اس سے قطعاً عاجز نہیں۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ لفظ سبحان نے اس بات پر دلالت کیا کہ وہ تمام قبائح
ونقائص جن کی نسبت اللہ تعالیٰ کے دشمن ان کی طرف کرتے ہیں، سب سے اللہ تعالیٰ کی
ذات منزہ ہے۔ نیز حضرت طلحہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سبحان
کی تفسیر کے بارے میں سوال کیا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا تَنْزِیْہُ اللہِ تعالیٰ عَنْ کُلِّ سُوْءٍ
(ہر نقص اور عیب سے اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنا ہے)۔ اَلَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ کے تحت
ابو القاسم سلیمان انصاریؒ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم درجات عالیہ
اور مراتب رفیعہ پر پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی فرمائی کہ یَا مُحَمَّدُ بِــمَ
اُشَرِّفُكَ (یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں کس چیز سے آپ کو مشرف کروں، تو آپ نے
فرمایا کہ بِنِسْبَتِیْ اِلَیْكَ بِالْعُبُوْدِیَّةِ (یعنی میری نسبت اپنی عبودیت کی طرف کرکے مشرف
کیجئے) تو اللہ تعالیٰ نے سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ نازل فرمائی ـــ نیز اللہ تعالیٰ
نے بعبدہٖ سے جو تعبیر فرمایا بحبیبہٖ سے نہیں تاکہ حضورؐ کے بارے میں غلو کرنے کا سدباب
ہو جائے، جیسا کہ نصاریٰ نے اپنے نبی کے حق میں غلو کیا، یعنی عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا
بیٹا کہہ بیٹھے۔

مقام حبیبؐ وکلیمؑ | مفسرین فرماتے ہیں کہ سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ (جس میں حضور
کی معراج کا ذکر ہے) اور لَمَّا جَاءَ مُوْسٰی لِمِیْقَاتِنَا (اس میں گویا موسیٰ علیہ السلام
کی معراج کا ذکر ہے) ان دونوں عنوانوں میں تامل کرنے کے بعد مقام حبیب صلی اللہ علیہ
وسلم اور مقام کلیم علیہ الصلوۃ والسلام کا فرق صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے۔ یعنی یہ کہ
اللہ تعالیٰ نے اسریٰ کی نسبت بھی اپنی طرف فرمائی پھر بِعَبْدِہٖ میں عبد کی نسبت
بھی اپنی ہی جانب فرمائی۔ اس سے کسقدر خصوصیت آپ کی مفہوم ہوتی ہے۔ اور وہاں
آمد کی نسبت موسیٰ علیہ السلام کی طرف فرمائی، اور ان کا نام ذکر فرمایا۔
نیز ¹اور لَیْلاً کی تنکیر سے اِسْراء کی تقلیل مدت بیان کرنا مقصود ہے کہ رات کے
تھوڑے سے حصہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک پھر وہاں
سے ساتوں آسمانوں پر علاوہ ازیں جہاں تک اللہ تعالیٰ نے چاہا سیر کرائی اور محب

¹ بصورت نکرہ ذکر کرنا

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے محبوب سے قریب ہوئے اور شہود بالمطلوب کے مقام فائز ہوئے ـــ مسجد اقصیٰ سے مراد بیت المقدس ہے اور اقصیٰ سے اسکی دوری طرف اشارہ کرنا مقصود ہے اسلئے کہ اقصیٰ کے معنی اَبْعَدْ کے ہیں چنانچہ مسجد حرام سے بیت المقدس تک چالیس روز کی مسافت ہے اور وہاں سے سدرۃ المنتہیٰ تک ایک روایت کی بنا پر تین لاکھ برس کی مسافت ہے (کذا فی روح المعانی)

اَلَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ یہ صفت ہے مسجد اقصیٰ کی (یعنی وہ مسجد اقصیٰ جس کے گرد گرد ہم نے دینی و دنیوی برکتیں جمع کر رکھی ہیں) دینی برکت یہ ہے کہ تمام انبیاء سابقہ کا مَعْبَدْ اور ان کا قبلہ رہا ہے، اور ان کی جائے قرار اور ملائکہ کا مہبط (یعنی اترنے کی جگہ) ہے۔ نیز وہاں بکثرت انبیاء مدفون ہیں۔ اور دنیوی برکت یہ کہ وہاں اشجار و انہار اور پیداوار کی کثرت ہے۔

مختصر واقعہ معراج کا اس طور پر ہوا کہ ایک رات آپؐ حطیم کعبہ میں لیٹے ہوئے تھے کہ جبرئیل اور میکائیل علیہما السلام آئے اور کہا کہ ہمارے ساتھ چلئے۔ آپؐ کو براق پر سوار کیا گیا جس کی تیز رفتاری کا یہ حال تھا کہ جس جگہ اسکی نظر پڑتی تھی وہیں قدم پڑتا تھا اسی سرعت رفتار کے ساتھ اول آپؐ کو ملک شام میں مسجد اقصیٰ تک لے گئے۔

امامت انبیاء یہاں پر اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء سابقین کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اکرام کے لئے بطور معجزہ جمع فرما دیا تھا، جبرئیل علیہ السلام نے یہاں پہنچ کر اذان دی اور نماز کے لئے تمام انبیاء و رسل کی صفیں تیار ہو کر کھڑی ہوئیں۔ انبیاء علیہم السلام کی کل سات صفیں تھیں جن میں سے تین صفیں مرسلین کی تھیں اور ان حضرات کے ساتھ ملائکہ بھی نماز میں شریک تھے۔ صفیں تیار کھڑی تھیں لیکن سب اس کا انتظار کر رہے تھے کہ نماز کون پڑھائے۔ جبرئیل امین نے آپؐ کا دست مبارک پکڑ کر آگے کر دیا اور آپ نے تمام انبیاء و مرسلین اور ملائکہ کو دو رکعت نماز پڑھائی۔ پہلی رکعت میں قُلْ یٰاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ اور دوسری میں قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ تلاوت فرمائی۔

مقصد اسراء لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اس کی تفسیر صاحب روح المعانی یہ فرما رہے ہیں اِذْ

لے بہت دور ۲ے عبادت گاہ

لِنُرِیَہٗ اِلَی السَّمَآءِ حَتّٰی یَرٰی مَا یَرٰی مِنَ الْعَجَائِبِ الْعَظِیْمَۃِ" یعنی مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک عجیب طور پر اس واسطے لے گئے' تاکہ ہم ان کو آسمان تک لیجائیں. یہانتک کہ آپ وہاں بڑے بڑے عجائبات قدرت دیکھیں" جیساکہ احادیث میں وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انبیاء علیہم السلام سے مختلف آسمانوں پر ملاقات کی۔

چنانچہ پہلے آسمان پر آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اور دوسرے پر عیسیٰ ویحیٰ علیہما السلام سے۔ اور تیسرے پر یوسف علیہ السلام سے۔ اور چوتھے پر ادریس علیہ السلام سے، پانچویں پر ہارون علیہ السلام سے، چھٹے پر موسیٰ علیہ السلام سے اور ساتویں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات کی۔ اور جنت ونار کے احوال پر مطلع ہوئے اور بیشمار ملائکہ کو دیکھا۔

مقامات عالیہ کی اہلیت واستحقاق

اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ (بیشک وہ بڑے سننے والے اور بڑے دیکھنے والے ہیں) ھُوَ کی ضمیر میں دو احتمال ہے۔ اظہر تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے۔ اکثر مفسرین اسی پر ہیں اور یہ جملہ اسراء ومعراج کی دلیل ہے۔

پس مطلب اس کا یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس لئے مقرب فرمایا اور اس کرامت سے نوازا کہ وہ آپ کے احوال پر مطلع ہے اور اس بات کو بخوبی جانتا ہے کہ آپ اس مقام عالی کے مستحق ہیں۔ چنانچہ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ لِاَقْوَالِ ذٰلِکَ الْعَبْدِ، اَلْبَصِیْرُ بِاَفْعَالِہٖ بِکَوْنِھَا مُھَذَّبَۃً خَالِصَۃً عَنْ شَوَائِبِ الْھَوٰی مَقْرُوْنَۃً بِالصِّدْقِ وَالصَّفَا مُسْتَاْھِلَۃً لِلْقُرْبِ وَالزُّلْفٰی (یعنی اللہ تعالیٰ اپنے اس خاص بندے کے اقوال کو سننے والے ہیں اور آپ کے افعال کو دیکھنے والے ہیں کہ وہ مہذب اور آراستہ ہیں، خواہشات کی آمیزش سے پاک وصاف اور صدق وصفا سے مقرون ووابستہ ہیں اور مقام قرب وزلفیٰ کے لائق ہیں)

اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ ضمیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہو تو مطلب ہوگا اَلسَّمِیْعُ بِکَلَامِنَا اَلْبَصِیْرُ لِذَاتِنَا (یعنی آپ ہمارے کلام کو سننے والے اور ہماری ذات کو دیکھنے والے ہیں) اس کا مطلب یہ بیان فرمارہے ہیں کہ بیشک میرا وہ بندہ جس کو میں نے اس شرف وکرامت سے نوازا۔ وہ واقعی اس کا اہل تھا، اس لئے

کہ میرے اوامر و نواہی کو سننے والا اور اس کے مطابق عمل کرنے والا ہے۔ اور وہ بصیر ہے کہ نظر اعتبار سے میری مخلوق میں نظر کرتا ہے اور اس سے عبرت حاصل کرتا ہے۔ یا یہ کہ اُن آیات کو دیکھنے والا ہے جن کو میں نے معراج میں دکھایا جس کا ذکر اللہ تعالیٰ کے ارشاد مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی o لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْکُبْرٰی (نگاہ نہ تو ہٹی نہ بڑھی۔ انھوں نے اپنے پروردگار کے بڑے بڑے عجائبات دیکھے) میں ہے۔

یعنی آپ ان عجائبات کو دیکھ کر ذرا نہیں چکرائے اور نہ اصلا متحیر ہوئے. چنانچہ جن چیزوں کے رویت کا حکم تھا ان کی طرف نظر کرنے سے آپ کی نگاہ نہیں ہٹی. بلکہ ان چیزوں کو خوب دیکھا۔ اور جن چیزوں کے دیکھنے کا حکم جب تک نہ ہوا ان کی طرف دیکھنے کے لئے آپ کی نگاہ نہیں بڑھی اور قبل اذن نہیں دیکھا۔ یہ دلیل ہے آپ کے غایت استقلال کی کیونکہ عجیب چیزوں سے حیرت میں آکر آدمی یہی دو حرکتیں کیا کرتا ہے کہ جن کو دیکھنے کو کہا جاتا ہے ان کو تو دیکھتا نہیں اور جن کے لئے نہیں کہا گیا ان کو تکتا ہے، غرض اس میں انضباط نہیں ہوتا۔

ابن عطیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ کفار کے لئے وعید ہے اس بنا پر کہ انھوں نے اسرار کے معاملہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی۔ مطلب یہ ہے کہ بیشک جو کچھ تم کہتے ہو اس کو وہ سننے والا ہے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اس کو دیکھنے والا ہے، پس اسی کے مطابق تم کو عقاب و سزا دے گا۔

آپ کی بیت المقدس تشریف بری کی برکات

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دینے کا اور پھر بنی اسرائیل کے دو فسادوں کا ذکر فرمایا ہے، جس میں بیت المقدس کی تخریب اور بے حرمتی بھی ہوئی۔ اصل مقصود تو اسی کو بیان کرنا ہے، مگر معراج کے واقعہ سے ابتدا اس لئے فرمائی کہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بیت المقدس تشریف لیجانے کا ذکر ہے، جس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ

اب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے قدمِ میمنت لزوم بیت المقدس میں داخل ہو رہے رہیں لہذا یہ مقدمہ ہے اسکی دائمی تعمیر کا یعنی اب یہ مسجد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے آپ کے امتیوں کے ذریعہ قیامت تک آباد رہے گی. چنانچہ آج بھی وہاں جاکر دیکھ لیجئے کہ جس قدر اولیاء و اتقیاء اس سرزمین میں ہوتے ہیں کہیں بھی نہیں ہوتے. اور یہی وجہ ہے کہ اس کے اطراف و نواح میں اعدائے دین کا غلبہ ہونے کے باوجود بھی بیت المقدس ہمیشہ مسلمانوں ہی کے قبضہ میں رہا ہے اور برابر اس میں جماعت ہوتی چلی آتی ہے

تجلی طور اور واقعہ معراج میں مماثلت اور تفاوت

وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا ؀ (اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی. اور ہم نے اسکو بنی اسرائیل کے لئے ہدایت بنایا کہ تم میرے سوا کوئی کارساز مت قرار دو) مفسرین فرماتے ہیں کہ اس آیت کا عطف سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ پر ہے اور یہ دونوں آیتیں مربوط ہیں اس طرح کہ سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج کا ذکر ہے کہ آپ کو بیت المقدس کی سیر کرائی گئی پھر آسمان پر لے جایا گیا. اور اللہ تعالیٰ نے اپنی آیات کو دکھلایا، جو عطا فرمانا چاہا عطا فرمایا وغیرہ وغیرہ. اور اس آیت میں موسیٰ علیہ السلام جو نہایت اولوالعزم پیغمبر تھے انکی معراج کا ذکر فرمایا کہ آپ کو کوہ طور پر بلایا گیا. اور آپ کو کتاب توراۃ دی گئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کے بعد اگر کوئی واقعہ اس کے نظیر ہو سکتا تو یہی تھا اس لئے اس کو بیان فرمایا گو ان دونوں میں بہت زیادہ تفاوت ہے. چنانچہ اسی آیت کے تحت صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ اگر تم چاہو تو اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ (لے گیا اپنے بندے کو) اور اٰتَيْنَا مُوْسٰى (دیا ہم نے موسیٰ کو) کے درمیان اور اسی طرح هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ (ہدایت بنایا بنی اسرائیل کیلئے) اور يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِىَ اَقْوَمُ (ایسے طریقہ کی ہدایت کرتا ہے جو بالکل سیدھا ہے) کے مابین موازنہ کرو تو تم کو دونوں کتابوں کا تفاوت اور جن پر یہ کتابیں نازل ہوئی ہیں ان کے مراتب کا فرق معلوم ہو جائے گا کہ اَسْرٰى کی نسبت اپنی طرف فرمائی اور پھر بعد میں بھی اپنی ہی جانب اضافت کی بخلاف دوسرے عنوان کے کہ اس میں حضرت موسیٰ

[illegible]

السلام کا نام ہی ذکر فرمایا اسی طرح توریت کی ہدایت کو بنی اسرائیل ہی کے لئے خاص فرمایا، اور قرآن کی ہدایت کو کسی جماعت کے ساتھ خاص نہیں فرمایا بلکہ کافۃ الناس (تمام لوگوں) کے لئے عام فرمادیا

خدا کے سوا کسی کو کارساز نہ بناؤ

اَلَّا تَتَّخِذُوا مِنْ دُوْنِیْ وَکِیْلًا ۝ کے تحت صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ وکیل کا اطلاق ایسی ذات پر کیا جاتا ہے جس کی طرف تمام امور سپرد کئے جائیں۔ ظاہر ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہو سکتی ہے۔ اسی لئے وَکِیْلًا کی تفسیر یہ فرماتے ہیں کہ رَبًّا تَکِلُوْنَ اِلَیْہِ اُمُوْرَکُمْ غَیْرِیْ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم نے توریت میں یہ کہا ہے کہ "میرے سوا کسی دوسرے کو رب مت بناؤ کہ اپنے تمام امور اسکی طرف سونپ دو" امام رازیؒ نے بھی بعینہٖ یہی تفسیر کی ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ذُرِّیَّۃَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۝ ذریت کا نصب ندار کی وجہ سے ہے اور مطلب یہ ہے کہ "اے ذریت ان لوگوں کی جن کو ہم نے نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی پر سوار کیا۔ مت بناؤ میرے علاوہ کوئی رب جس کی طرف اپنے امور کی تفویض کرو۔

نوح علیہ السلام کا وصف شکر گذاری

پھر آگے اللہ تعالیٰ نوح علیہ السلام کی تعریف فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں اِنَّہٗ کَانَ عَبْدًا شَکُوْرًا ۝ (بیشک وہ بہت زیادہ شکر کرنے والے بندے تھے)

چنانچہ مروی ہے کہ جب وہ کھانا کھاتے تو یہ دعا پڑھا کرتے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنِیْ وَلَوْ شَاءَ اَجَاعَنِیْ (اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے کھانا کھلایا اور اگر چاہتا تو مجھے بھوکا رکھتا) اور جب پانی پیتے تو یہ دعا پڑھتے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَسْقَانِیْ وَلَوْ شَاءَ اَظْمَأَنِیْ (اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے سیرابی دی اور اگر چاہتا تو پیاسا رکھتا) اور جب کپڑا پہنتے تو یہ دعا پڑھتے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ کَسَانِیْ وَلَوْ شَاءَ اَعْرَانِیْ (اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے کپڑا پہنایا، اگر چاہتا تو ننگا رکھتا) اور جب جوتہ پہنتے تو یہ دعا پڑھتے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ حَذَانِیْ وَلَوْ شَاءَ اَحْفَانِیْ (اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے پاپوش عطا فرمایا اگر چاہتا تو مجھے برہنہ پا رکھتا) اور جب قضاء حاجت کر لیتے تو یہ دعا پڑھتے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَخْرَجَ عَنِّیْ اَذَاہُ

فی عَافِیَۃٍ وَلَوْشَاءَ حَبَسَہٗ (اللہ کا شکر ہے جس نے نکالا مجھ سے ناپاکی آسانی، اگر چاہتا تو
اسے روک دیتا)

اس آیت کا ربط ماقبل سے یہ ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا کہ میرے سوا کسی کو وکیل مت بناؤ اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، اسلئے کہ نوح علیہ السلام عبد شکور تھے اور کوئی شخص اس وقت تک عبد شکور نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ موحد نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں کو انھیں کے فضل و کرم سے سمجھے اور چونکہ تم ذریت ہو ان کے قوم کی لہٰذا تم بھی نوح علیہ السلام کی اقتدار کرو جیسا کہ تمھارے آباء واجداد نے ان کی اقتدار کی، واللہ اعلم

معصیت اور نافرمانی کا وبال | آگے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ وَقَضَیْنَا اِلٰی بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ فِی الْکِتَابِ لَتُفْسِدُنَّ فِی الْاَرْضِ مَرَّتَیْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا کَبِیْرًا ۝ (اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب میں یہ بتلادیا تھا کہ تم سرزمین میں دوبار (گناہوں کی کثرت سے) خرابی کروگے اور بڑا زور چلانے لگوگے یعنی دوسروں پر زیادتیاں کروگے)

امام رازیؒ ان آیتوں کا ماقبل سے یہ ربط بیان فرماتے ہیں کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر فرمایا کہ میں نے بنی اسرائیل پر توریت نازل کرکے ان کو اپنے زبردست انعام سے نوازا۔ اور توریت کو ان کے لئے ہدایت بنایا۔ تو اب یہ بیان فرمارہے ہیں کہ انھوں نے توریت سے ہدایت نہیں حاصل کی بلکہ فساد میں پڑگئے جس کا تفصیلی ذکر ان آیتوں میں خود بیان فرمارہے ہیں کہ ہم نے ان کو خبر دیدی تھی اور وحی بھیج دی تھی کہ تم ضرور ضرور فساد کروگے۔

صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ لَتُفْسِدُنَّ فِی الْاَرْضِ مَرَّتَیْنِ قسم محذوف کا جواب ہے اور مطلب یہ ہے کہ وَاللہِ لَتُفْسِدُنَّ یعنی "قسم اللہ کی تم ضرور ضرور فساد کروگے"

پہلا فساد اور سرکشی | فَاِذَا جَاءَ وَعْدُ اُوْلٰھُمَا بَعَثْنَا عَلَیْکُمْ عِبَادًا لَّنَا اُولِیْ بَاْسٍ شَدِیْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّیَارِ وَکَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ۝ (یعنی پھر جب ان

دو بار میں سے پہلی بار کی میعاد آ دیگی تو ہم تمہاری سزا کیلئے تم پر اپنے ایسے بندوں کو مسلط کریں گے جو بڑے جنگجو ہوں گے۔ پھر وہ گھروں میں گھس پڑیں گے۔ اور یہ ایک وعدہ ہے جو ضرور ہو کر رہے گا) یعنی اللہ تعالیٰ کی قضا اس کے بارے میں حتمی وقطعی ہے۔ نسخ ونقض کو قبول نہیں کر سکتی۔ اور بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ کا مطلب یہ ہے کہ اَرْسَلْنَا عَلَيْكُمْ وَخَلَّيْنَا بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ خَاذِلِيْنَ یعنی ہم ان کو تم پر مسلط کر دینگے اور اپنی مدد ونصرت سے محروم کر کے تم کو تمہارے حال پر چھوڑ دیں گے۔

مفسرین اس باب میں اختلاف کرتے ہیں کہ آیا وہ کون لوگ تھے۔ امام رازی فرماتے ہیں کہ ان اقوام کو معلوم کرنے سے کوئی خاص غرض متعلق نہیں ہے۔ بلکہ ان واقعات سے مقصود بالبیان محض یہ ہے کہ انھوں نے جب معاصی کی کثرت کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ایسی قوموں کو مسلط کر دیا جنھوں نے ان کو قتل وغارت کیا۔

حضرت مصلح الامۃؒ کی تحقیق میں کہتا ہوں کہ محض کثرت معاصی کی وجہ سے ان پر یہ عذاب مسلط نہیں ہوا بلکہ انھوں نے انبیاء کو قتل کیا، جس کا کفر ہونا ظاہر ہے۔ چنانچہ امام رازیؒ نقل فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کا پہلا فساد یہ ہے کہ وہ نہایت تکبر کرنے لگے اور محارم کو حلال سمجھا اور انبیاء کو قتل کیا، ناحق خونریزی کی ــــــ لہٰذا اسکی وجہ سے ان پر عذاب آیا، اور اللہ تعالےٰ نے کافروں کو کافروں پر مسلط فرمایا۔ کیونکہ اہل ایمان واہل توحید پر عذاب نہیں آتا، اور اس عذاب کی صورت یہ ہوئی کہ بنی اسرائیل کا جو رعب مجوس کے قلوب میں تھا اس کو اللہ تعالیٰ نے زائل فرما دیا، اور ان پر بخت نصر کو مسلط کیا جس نے ان لوگوں میں سے توریت پڑھنے والے چالیس ہزار آدمیوں کو قتل کیا۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ وہ لوگ گھروں میں گھس گھس کر تفتیش کرتے تھے کہ ایسا تو نہیں کہ کوئی اسمیں بچ رہا ہو جو قتل نہ ہوا ہو۔ اور بقیہ کو لیجا کر انتہائی ذلت میں رکھا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے دوسرے بادشاہ کو مقرر فرمایا اور اس نے اہل بابل سے غزوہ کیا اور اس کا نکاح بنی اسرائیل کی ایک عورت سے ہوا تو اس عورت نے بادشاہ سے مطالبہ کیا کہ بنی اسرائیل کے جو لوگ ہیں ان کو بیت المقدس واپس کرے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور ایک مدت کے بعد ان میں انبیاءؑ مبعوث ہوئے اور پھر وہ اچھی حالت پر لوٹے۔ علماء لکھتے ہیں کہ ان پر ذلت اور پستی کا جو زمانہ گذرا اس کی مدت سو برس تھی یعنی سو برس تک ذلیل وخوار رہنے کے بعد پھر ان کا وقت بدلا اور ان کی

دولت اور عزت لوٹی۔ اسی کو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ یعنی پھر ہم لوٹا دیں گے تمہارے لئے دولت اور غلبہ کو ان لوگوں پر جنھوں نے کیا تمہارے ساتھ جو کیا۔" مطلب یہ ہے کہ تمہارے دشمنوں کو ہلاک کر دینگے۔ وَاَمْدَدْنَاكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ" اور بہت سے اموال کے ذریعہ تمہاری امداد کرینگے" تاکہ تمہارے وہ اموال جو اس سے پہلے لوٹے گئے اس کا بدل ہو جائے اور لڑکوں سے بھی تمہاری مدد کرینگے" تاکہ تمہاری وہ اولاد جو قید کی گئیں اور تلف ہوئیں انکی مکافات ہو جائے۔ وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا۔ نفیر رجال کے لشکر کو کہتے ہیں۔ تو مطلب یہ ہوا کہ تم کو ہم رجال کے اعتبار سے زیادہ کر دینگے یعنی تمہاری جماعت بڑھا دینگے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

گناہ کا انجام اور توبہ کا ثمرہ یہ بنی اسرائیل اہل کتاب اور نبی زادے تھے، کتاب اللہ کے حامل تھے، مگر جب انھوں نے نافرمانی اور فساد کیا اور توریت کو بالکل پس پشت ڈال دیا، محارم کا ارتکاب کیا، حتیٰ کہ صلحاء امت اور انبیاء علیہم السلام کو قتل تک کر ڈالا تو اللہ کی جانب سے ان پر عتاب وعذاب نازل ہوا، دشمن مسلط کر دیئے گئے۔ اور نہایت ذلیل و خوار ہوئے، ایک زمانہ اسی حال میں گزرا، جیسا کہ اوپر روایت مذکور ہوئی کہ سو سال تک اسی ذلت وخواری میں رہے۔ مگر جب وہ پھر نادم و تائب ہوئے تو اللہ تعالیٰ کا فضل حسب وعدہ پھر ان کے شامل حال ہو گیا اور ان کو مال واولاد اور لشکر سبھی کچھ عطا فرمایا۔ اور دشمنوں کے قلوب میں انکا رعب پھر قائم فرما دیا۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ ان کو یہ بھی سنا دیا:

قانونِ خداوندی اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ وَاِنْ اَسَأْتُمْ فَلَهَا (یعنی اگر اچھے کام کرتے رہو گے تو اپنے نفع کے لئے اچھے کام کرو گے۔ اور اگر تم برے کام کرو گے تو بھی اپنے ہی لئے

امام رازیؒ اس کی تفسیر یہ فرماتے ہیں کہ اِنْ اَحْسَنْتُمْ بِفِعْلِ الطَّاعَاتِ فَقَدْ اَحْسَنْتُمْ اِلٰى اَنْفُسِكُمْ۔ یعنی اگر تم طاعات کر کے اچھا عمل کرو گے تو اپنے ہی ساتھ اچھائی کرو گے اسلئے کہ ان طاعات کی برکت سے اللہ تعالیٰ تم پر خیرات و برکات کے ابواب مفتوح فرما دینگے۔" وَاِنْ اَسَأْتُمْ بِفِعْلِ الْمُحَرَّمَاتِ اَسَأْتُمْ اِلٰى اَنْفُسِكُمْ۔ یعنی "اور اگر تم محرمات کا ارتکاب کر کے برا کام کرو گے تو اپنے ہی ساتھ برائی کرو گے، اسلئے کہ ان معاصی کی نحوست کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تم پر عقوبات کے دروازے کھول دے گا۔

غضب پر رحمت کا غلبہ | پھر فرماتے ہیں کہ اہل اشارات نے کہا ہے کہ یہ آیت اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ان کے غضب پر غالب ہے، اس لئے کہ جب اپنے بندوں کے احسان کی حکایت فرمائی تو اس کو دوبارہ ذکر فرمایا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا۔ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ (اگر بھلائی کروگے تو اپنے لئے بھلائی کروگے) اور جب بندوں کے اسائت کی حکایت فرمائی تو اس کو ایک ہی مرتبہ ذکر فرمایا۔ چنانچہ ارشاد ہوا وَ اِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا (اگر برائی کروگے تو اپنے ہی لئے) سو اگر جانب رحمت غالب نہ ہوتی تو ایسا نہ فرماتے۔

حضرتؒ کی تحقیق | میں کہتا ہوں کہ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ میں یہ بھی اشارہ ہو سکتا ہے کہ اگر تم عمل حسن کروگے تو سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ تمہارا نفس حسن ہو جائے گا اور آہستہ آہستہ امارگی سے نکل کر مطمئنہ ہو جائے گا اور پھر اسکی تکمیل ہو جائے۔ اور اسکے اندر حسنات کا ایک ملکہ پیدا ہو جائیگا۔ اس کے ثمرات و برکات جو آخرت میں حاصل ہوں گے ان کا تو پوچھنا ہی کیا دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ اسکو حیات طیبہ اور مزید کرامات عطا فرمائیں گے اور اسکے ساتھ ایسا معاملہ فرمائیں گے کہ لوگوں کے نزدیک بھی وہ معظم و مکرم سمجھا جائیگا اور سب لوگ اسکو صالحین میں شمار کرینگے، بخلاف بُرے اعمال کرنیوالے کے کہ اس کا نفس سیئہ ہی رہ جاتا ہے، اور اسکی امارگی باقی ہی رہ جاتی ہے اور دنیا میں اسکو اہانت و ذلت ہی ملتی ہے۔ اور سب لوگ اس کو اشرار میں سے شمار کرتے ہیں۔

دوسرا فساد | اس کے بعد اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کے دوسرے فساد کی خبر دیتے ہیں کہ:-

فَاِذَا جَاءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ۝ (یعنی پھر جب پچھلی بار کی میعاد آویگی ہم پھر دوسروں کو مسلط کردیں گے تاکہ تمہارے منہ بگاڑ دیں۔ اور جس طرح وہ لوگ مسجد میں گھسے تھے یہ لوگ بھی اسمیں گھس پڑیں، اور جس جس پر ان کا زور چلے سب کو برباد کر ڈالیں"

مفسرین فرماتے ہیں کہ ان کا دوسرا فساد دوسری مرتبہ اقدام کرنا تھا حضرت زکریا و یحییٰ علیہم السلام کے قتل کا۔ یہاں تک کہ ان پر روم کا بادشاہ جسکا نام قسطنطین تھا مسلط ہوا اور اس نے بنی اسرائیل کو قتل بھی کیا اور قید بھی۔ اور بیت المقدس کو ویران کر دیا جس کی وجہ سے رنج و الم

اور حزن وغم کے آثار بنی اسرائیل کے چہروں سے ظاہر ہونے لگے اس لئے کہ قتل و قید اور اہانت و تذلیل جو کہ جسمانی عذاب ہے اس کے ساتھ ساتھ روحانی اذیت بھی ان کو پہنچی یعنی ان کے گھروں میں گھسنے کے ساتھ ساتھ وہ لوگ ان کی مساجد اور عبادت خانوں میں بھی گھس پڑے اور اس کی بے حرمتی کی، اور تباہ و برباد کر ڈالا۔

جیسی کرنی ویسی بھرنی ہے ضرور | عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یَّرْحَمَکُمْ (یعنی پھر بعث ثانی کے بعد عجب نہیں کہ تمہارا رب تم پر رحم فرمائے) یعنی اس وقت جبکہ تم نے توبہ کر لی اور معاصی سے باز رہے تب ورنہ وَ اِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا (یعنی اور اگر تم پھر وہی کرو گے تو ہم بھی پھر وہی کریں گے) یعنی اگر تم فساد کی جانب لوٹو گے تو ہم بھی سزا و عقوبت کی طرف عود کریں گے۔ چنانچہ ہم نے تم کو پھر دنیا میں سزا دی۔ یہ اس لئے کہ انھوں نے پھر ناشائستہ حرکت کی اس طرح سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی اور معاذ اللہ آپ کے قتل کا ارادہ کیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے بھی پھر ان کو سزا دی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو ان پر مسلط فرما دیا۔ چنانچہ آپؐ نے بنو قریظہ کو قتل کیا اور بنو نضیر کو جلا وطن کیا اور بقیہ لوگوں پر جزیہ مقرر فرمایا اور وہ لوگ اس طرح پر مقہور و مغلوب رہے کہ نہ ان کا ملک تھا اور نہ سلطنت ہی تھی۔

صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ لفظ "اِنْ" سے تعبیر فرمانے میں اس بات کی جانب اشارہ ہے کہ اب تم کو لوٹنا نہیں چاہیئے۔ لیکن اگر بالفرض تم لوٹے تو یاد رکھو کہ پھر ہم بھی لوٹیں گے

عذاب اخروی کا دوام | وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْکٰفِرِیْنَ حَصِیْرًا۔ یعنی "اور ہم نے جہنم کو کفار کے لئے ایسا قید خانہ بنا رکھا ہے کہ اس سے پھر کبھی خلاصی پر قادر ہی نہ ہوں گے"۔

ایک قول یہ ہے کہ حصیر کے معنی بستر کے ہیں یعنی جس طرح کہ چٹائی بچھی ہوئی ہوتی ہے اسی طرح سے یہ لوگ جہنم میں لوٹے پوٹیں گے۔ اس سے باہر نہ نکل سکیں گے۔ ابن کثیرؒ میں ہے کہ حصیر کے معنی ایسے مستقر اور قید خانہ کے ہیں جس سے رہائی نہیں ہوتی۔

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ دنیا کا عذاب اگرچہ کتنا ہی شدید و قوی ہو مگر پھر بھی اس دنیوی عذاب سے آدمی چھوٹ سکتا ہے یا تو موت ہی آجائے یا کسی اور طرح سے لیکن آخرت کا عذاب ایسا ہوگا کہ ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہوگا۔ اس سے چھٹکارے کی امید

رہی نہ ہوگی۔ تو جن اقوام کا یہاں ذکر ہوا ان کے لئے دنیوی عذاب تو وہ ہوا جو بیان کیا گیا۔ یعنی قتل وغارت۔ ذلت واہانت وغیرہ۔ اور اس کے بعد پھر آخرت میں بھی اس سے زبردست عذاب ہوگا جو ان کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہوگا اور اس سے کبھی رہائی نصیب نہ ہوگی۔ اعاذنا اللّٰہ منہا

صفاتِ قرآن اس کے بعد اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ وَ یُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِیْرًاۙ وَّ اَنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا (بلاشبہ یہ قرآن ایسے طریقہ کی ہدایت کرتا ہے جو بالکل سیدھا ہے اور ان ایمان والوں کو جو کہ نیک کام کرتے ہیں یہ خوشخبری دیتا ہے کہ ان کو بڑا بھاری ثواب ملے گا۔ اور یہ بھی بتلاتا ہے کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، ہم نے ان کے لئے ایک دردناک سزا تیار کر رکھی ہے)

صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ اس کا تعلق ابتدا سورت سے ہے یعنی وَاٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ سے اس لئے کہ اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کتاب دیئے جانے کا ذکر ہے اب یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کتاب کا ذکر ہے، کہ بیشک یہ عظیم الشان قرآن جو ہم نے آپ کو دیا ہے، یہ ایسے راستے کی ہدایت کرتا ہے جو سب سے اقوم[1] اور تمام راستوں سے زیادہ درست ہے۔

اور امام رازیؒ فرماتے ہیں، جاننا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں قرآن پاک کی تین قسم کی صفتیں بیان فرمائی ہیں۔ اوّل یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ جس کی تفسیر اوپر گزر چکی دوسرے یہ کہ قرآن پاک ان مومنین کو جو عمل صالح کرتے ہیں، اجر کبیر کی بشارت دیتا ہے، یہ اس لئے کہ پہلی صفت چونکہ اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ قرآن اعتقادِ اصوب[2] اور عمل اصلح[3] کی ہدایت کرنے والا ہے تو واجب ہے کہ اس صواب وصلاح کا اثر ظاہر ہو۔ اور وہ اثر یہی اجر کبیر ہے اس لئے کہ طریق اقوم[4] کے لئے ضروری ہے کہ وہ ربح اکبر کا فائدہ دے اور نفع اعظم کا مثمر ہو، اور تیسری صفت یہ ہے اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا یعنی قرآن یہ بھی بتلاتا ہے کہ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک دردناک سزا تیار کر رکھی ہے، یہ اس لئے کہ جس طرح

---

[1] سب سے زیادہ درست [2] عقیدہ [3] سب سے زیادہ صالح عمل [4] سیدھا راستہ

اعتقاداتِ حقہ و اعمالِ صالحہ کے اختیار کرنے سے نفعِ اکمل حاصل ہوتا ہے، اسی طرح اسکے ترک کرنے کی صورت میں ضررِ اعظم بھی مرتب ہوتا ہے

صاحب روح المعانی باب الاشارات میں فرماتے ہیں قولہ تعالیٰ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ ای اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يُعَرِّفُ اَهْلَهٗ بِنُوْرِهٖ اَقْوَمَ الطُّرُقِ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى وَهُوَ طَرِيْقُ الطَّاعَةِ وَالْاِقْتِدَاءِ بِمَنْ اُنْزِلَ عَلَيْهِ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ فَاِنَّهٗ لَا طَرِيْقَ يُوْصِلُ الْاِدْرَاكَ وَلِلّٰهِ تَعَالٰى دَرُّ مَنْ قَالَ

وَ اَنْتَ بَابُ اللّٰهِ اَيُّ امْرِئٍ اَتَاهُ مِنْ غَيْرِكَ لَا يَدْخُلُ

(یعنی بیشک یہ قرآن اپنے اہل کو اپنے نور کے ذریعہ اللہ تعالیٰ تک پہونچانے کے طرق میں سے اقوم اور سب سے زیادہ درست طریقہ کی معرفت کراتا ہے اور وہ طریق طاعت ہے اور اس ذات کی اقتدا ہے جس پر قرآن کریم نازل ہوا یعنی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کیونکہ بجز آپ کی اقتدا و اتباع کے اور کوئی دوسرا طریق اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والا نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے اس شخص کی خوبی ہے جس نے یہ کہا ہے کہ "آپ باب اللہ ہیں جو شخص آپ کے غیر سے آوے گا وہ داخل نہیں ہو سکتا"

میرا مقصود صرف حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج کا واقعہ تھا مگر چونکہ آیات باہم مرتبط تھیں اور بہت سے فوائد و نکات پر مشتمل تھیں اس لئے ان آیات کی تفسیر بھی مختصراً نقل کردی امید ہے کہ ناظرین کرام اس سے محظوظ و منتفع ہوں گے۔

میں نے شیخ سعدی علیہ الرحمہ کی نعت سے کلام شروع کیا تھا، درمیان میں معراج کا آگیا اسلئے کلام طویل ہوگیا۔ اب انکی بقیہ نعت سنا کر مضمون کی تکمیل کرتا ہوں ؎

۱؎ نماند بعصیاں کسے در گرو   کہ دارد چنیں سید پیش رو

۲؎ چہ نعت پسندیدہ گویم ترا   علیک السلام اے نبی الوریٰ

۱؎ (گناہ کی بدولت کوئی شخص گرفتار نہ رہیگا جو ایسا سردار پیش رو رکھے گا ——

۲؎ (میں آپ کی پسندیدہ تعریف کیا کروں، اے مخلوق کے نبی! آپ پر سلام ہو ——

پھر کچھ دور کے بعد فرماتے ہیں کہ ؎

۱۔ خدایت ثنا گفت و تبجیل کرد زمیں بوسِ قدر تو جبریل کرد
۲۔ بلند آسماں پیشِ قدرت خجل تو مخلوق و آدم ہنوز آب و گِل
۳۔ تو اصلِ وجود آمدی از نخست دگر ہر چہ موجود شد فرعِ تست
۴۔ نہ دانم کدامیں سخن گویمت کہ والا تری زانچہ من گویمت
۵۔ ترا عزّ لولاک تمکیں بس ست ثنائے تو طٰہٰ و یٰسٓ بس ست
۶۔ چہ وصفت کند سعدیؔ ناتمام علیک الصلوٰۃ اے نبی والسلام

۱۔ (آپ کی خدا نے تعریف توصیف اور تعظیم و تکریم فرمائی ہے، جبرئیلؑ کو آپ کے عظیم الشان مرتبہ کی زمیں بوسی کرنے والا بنایا ہے)

۲۔ (آپکے رتبہ کے سامنے بلند آسمان بھی شرمندہ ہے، آپ پیدا ہو چکے تھے اور حضرت آدمؑ ابھی پانی اور مٹی کے درمیان تھے (یعنی ان کا خمیر تیار ہو رہا تھا)

۳۔ (آپ شروع ہی سے وجود کائنات کی اصل ہیں، دوسری جو چیز بھی موجود ہوئی وہ آپ کی فرع اور تابع ہے)

۴۔ (میں نہیں سمجھ سکتا آپ کی تعریف میں کیا کہوں، اسلئے کہ میں آپ کے متعلق جو کچھ بھی کہوں گا، آپ اس سے بالاتر ہیں)

۵۔ (آپ کو لولاک کی عزت کافی ہے، آپ کی تعریف طٰہٰ اور یٰسٓ (جو خدائے ذوالجلال کی فرمودہ ہے) کافی ہے)

۶۔ (ناقص سعدی آپ کی کیا تعریف کرے، اے نبی! آپ پر درود اور سلام ہو۔ رب کریم کی بے شمار رحمتیں اور کرامتیں نازل ہوں)

فالحمد للہ تعالیٰ اوّلاً و اٰخراً و ظاھراً و باطناً مادامت السمٰوٰت والارضون والصلوٰۃ والسلام علیٰ خاتم النبین وسید الانبیاء والمرسلین وعلیٰ اٰلہٖ الطیبین واصحابہ الطاھرین

وما توفیقی الا باللہ

فرمایا۔ شیخ سعدیؒ نے بوستاں کے شروع ہی میں جو نعت لکھی ہے اسمیں کس قدر عجز ی اور تواضع کے اشعار لائے ہیں کہ سبحان اللہ! ان کے پڑھنے سے ہی آدمی میں ایک حال پیدا ہو جاتا ہے اور اللہ و رسول کا مرتبہ اور اپنی پستی وحقارت سامنے آجاتی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں ؎

خدایا بحقِ بنی فاطمہ ۔۔۔ کہ بر قولِ ایماں کنم خاتمہ
اگر دعوتم رد کنی ور قبول ۔۔۔ من و دست و دامانِ آلِ رسول
چہ کم گردد اے صدرِ فرخندہ پے ۔۔۔ ز قدرِ رفیعت بدرگاہِ حے
کہ باشند مشتے گدایانِ خیل ۔۔۔ بہ مہمانِ دارالسلامت طفیل

(اے خدا حضرتِ فاطمہؓ کی اولاد کے طفیل میں یہ درخواست ہے کہ میرا خاتمہ ایمان پر ہو۔ آپ میری دعا کو خواہ رد کریں یا قبول، قیامت میں میں ہوں گا، میرا ہاتھ ہوگا اور آلِ رسول کا دامن ہوگا۔ اے مرتبۂ بلند کے صدر نشین حق تعالیٰ کی درگاہ میں جو آپ کا مرتبۂ عظیم ہے اسمیں کیا کمی آجائیگی اگر تھوڑے سے فقرا ر بھی آپکے دارالسلام کے مہمانوں کے ساتھ طفیلی ہو کر آجائیں) ۔۔۔۔۔۔ فرمایا ذرا قرآن حدیث سے ذوق پیدا کیجئے کہ اس سے جو حال پیدا ہوگا وہ سنت کے موافق ہوگا اور محمود ہوگا، اس سے ذوق و مستی کا ارادہ تو کرد ؎

شیخ پینے کا ارادہ تو کرے ۔۔۔ حوض کوثر سے منگا لی جائیگی

میں کہتا ہوں کہ حوض کوثر سے جو شراب منگائی جائیگی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، آپ سے مستی حاصل کرو اور آپ کی احادیث و تعلیمات کی طرف توجہ کرو تو محروم نہ رہوگے ؎

مستی کے لئے بوئے مئے تند ہے کافی ۔۔۔ میخانہ کا محروم بھی محروم نہیں ہے

ایک بزرگ یہ شعر بار بار پڑھ رہے تھے اور خوب جھومتے تھے مگر وہ واقعی صاحب حال تھے۔ تصنع نہیں کرتے تھے، وہ شعر یہ تھا ؎ محمدؐ پہ ول کو فدا کر چکے ہیں فقط فرضِ خدا تھا ادا کر چکے ہیں

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ فرائض صرف پانچ وقت کی نماز ہی ہے اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر دل فدا کرنے کو فرضِ خدا فرماتے تھے۔

حامل مضامین تصوف و عرفان • افادات وصی اللہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیر سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین حضرت مصلح الامۃ

مدیر:- احمد مکین

شمارہ ۱۰ ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ مطابق اکتوبر ۱۹۹۲ء جلد ۱۵

قیمت فی پرچہ:- پانچ روپیہ سالانہ زر تعاون پچپن روپیہ ششماہی تیس روپیہ

سالانہ بدل اشتراک:- پاکستان سو روپیہ۔ غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ

مولوی احمد مکین - ۲۳/۲۵ - بخشی بازار

الہ آباد ۲۱۱۰۰۳ فون ۶۰۴۷۹۸

پرنٹر - پبلشر:- صغیر حسن۔ :- اسرار کریمی پریس۔ جانسین گنج الہ آباد

ترتیب

۱	پیش لفظ	ادارہ	۳
۲	ارشادات	فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمد شفیع نور اللہ مرقدہ	۴
۳	مجالس مصلح الامۃ (بہترین مالدار کون؟)	مصلح الامۃ محی السنۃ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہ	۹
۴	گناہ بے لذت	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع نور اللہ مرقدہ	۱۷
۵	المجاہدہ	قطب العالم حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ	۲۵
۶	کمالات اشرفیہ	حضرت مولانا محمد عیسیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ	۳۳
۷	مکتوبات اصلاحی	مصلح الامۃ محی السنۃ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہ	۴۱

گزارش

رسالہ ہر ماہ کی دس تاریخ کو سپرد ڈاک کیا جاتا ہے۔ اگر رسالہ آخر ماہ تک موصول نہ ہو تو ادارہ کو فوراً مطلع فرمائیں تاکہ دوبارہ بھیجا جاسکے، ورنہ بصورت دیگر ادارہ ذمہ دار نہ ہوگا۔ منی آرڈر کوپن پر اپنا پورا پتہ اور خریداری نمبر ضرور لکھیں!

انتباہ

سال آئندہ یعنی سنہ ۹۳ء کا سالانہ زر تعاون ساٹھ روپیہ اور ششماہی پینتیس روپیہ مقرر کیا گیا ہے، سنہ ۹۳ء کا زر تعاون پیشگی ارسال فرما کر ادارہ کی معاونت فرمائیے

پیش لفظ :- ع "ایں چہ شور یست کہ در دور قمری بینم"

گذشتہ چند ماہ سے رسالہ "وصیۃ العرفان" آپ کی خدمت میں تاخیر سے پہنچ رہا ہے، اگرچہ ادارہ کی جانب سے اس بات کی کوشش ہوتی ہے کہ رسالہ بر وقت آپ کو دستیاب ہوتا رہے۔ لیکن پیش آمدہ مجبوریوں اور دشواریوں کی بنا پر ہماری ہر سعی لاحاصل ہوجاتی ہے، کتابت طباعت کے مراحل ہی "ایک آگ کا دریا اور ڈوب کے جانا ہے" کے مصداق تھے، اب ایک نئی افتاد محکمۂ ڈاک کی بدنظمی ہے جو ترسیل ابلاغ کی راہ میں سنگ گراں بن جاتی ہے جس پوسٹ آفس سے رسالہ کی روانگی منظور ہے اسمیں آجکل عموماً ڈاک کیلئے ٹرابیگ نہیں آتا جسکی بنا پر رسالہ بار با پندرہ دو بیس یوم تاخیر سے روانہ ہوتا ہے، بدنظمی، وعدہ خلافی، عدم ترتیب اور غیر ذمہ داری اس ماحول اور سماج کا ایک حصہ بن چکی ہیں، آج کی یہ ترقی پذیر دنیا اور بزعم خود مہذب دنیا جس کے لئے عہد رفتہ پسماندہ، دفرسودہ ہے جو رنگ و روغن کی تزئین اور روشنی اور نور کی جگمگاہٹ سے جتنی آباد اور بارونق ہے، اسکے دل کی دنیا اتنی ہی ویران اور بدنما ہے۔ اگر اخلاقی ذمہ داری اور ادائیگی فرائض کا کسی سے مطالبہ کیا جائے۔ تو خود ہی کو حیرت و استعجاب کا شکار ہونا پڑتا ہے، جیسے بازار میں وہ سکہ لے کر آگئے ہوں جس کا چلن متروک ہوچکا ہو۔ اور بطور سکہ اس کی شناخت بھی مشکل ہو۔ لہذا آپ سے گذارش ہے کہ آپ دشواریوں کے ازالہ کیلئے دعا فرمائیں! تاکہ آپ کو انتظار کی کلفتوں سے دوچار نہ ہونا پڑے۔

جن کے ذمہ ۹۲ء کی رقم واجب الادا ہے انھیں بذریعہ عریضہ مطلع کیا گیا ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ احباب نے اسکی جانب توجہ فرمائی ہے اور اپنے ذمہ واجب الادا رقم ارسال کرکے اپنے فرض سے سبکدوش ہوئے ہیں تاہم جن حضرات نے ابھی تک رقم ارسال کرنیکی زحمت گوارہ نہیں کی ان سے گذارش ہے کہ اولین فرصت میں واجب اللہ رقم ارسال فرماکر ادارے کے ساتھ تعاون فرمائیں۔

روزافزوں بڑھتی ہوئی گرانی کا اندازہ ہر کسی کو بخوبی ہے "عیاں را چہ بیاں" اگرچہ اشیاء کی قیمتیں دو چند نہیں بلکہ چہار چند ہوچکی ہیں اسکے باوجود ادارہ اپنے خریداروں کو زیادہ گرانبار نہیں کرنا چاہتا، اسلئے خطیر رقم کا نہیں بلکہ نہایت خفیف رقم کا بادل نخواستہ آئندہ ۹۳ء میں اضافہ کرلیا ہے یعنی صرف پانچ روپیہ، اگر آپ غور فرمائیں تو ماہانہ پچاس پیسے بھی نہیں پڑینگے۔ ہمیں امید ہے کہ آپ اپنے محبوب اور قیمتی رسالہ کیلئے اس معمولی اضافہ کو گوارہ فرمالینگے۔ انشاء اللہ جنوری ۹۳ء سے زر تعاون ساٹھ روپیہ سالانہ ہوا کرے گا۔

(ادارہ)

عذاب نقد قرآن کریم نے صاف صاف لفظوں میں بتلادیا کہ سامان دنیا کی فراہمی میں حیران و پریشان اور مشوش و سرگرداں رہنا ایک عذاب نقد ہے جو آخرت کے عذاب سے پہلے غافل اور نافرمان انسان پر منجانب اللہ مسلط کیا جاتا ہے، ارشاد ہے:۔

فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ۚ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ (توبہ آیت ۵۵) "ان کے اموال اور اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈالیں، اللہ کو صرف یہ منظور ہے کہ ان (مذکورہ) چیزوں سے دنیوی زندگی میں بھی ان کو عذاب میں رکھے اور ان کی جان کفر ہی کی حالت میں نکل جائے"۔

اس آیت کا حاصل یہی ہے کہ اہل ایمان کفار کی حالت ظاہری دولت اور ساز و سامان سے تعجب میں نہ پڑیں کیونکہ وہ ان کے لئے کوئی خوش ہونے کی چیز نہیں بلکہ اگر غور کریں تو دو وجہ سے نقد عذاب ہے۔ اوّل یہ کہ سامان و اسباب سے جو مقصود اصلی تھا یعنی راحت و سکون ان کو کبھی میسّر نہیں، دوسرے ان چیزوں میں لگ کر ان کی غفلت و نافرمانی اور بڑھتی جاتی ہے جو ان کی غیر فانی دائمی زندگی کو تباہ و برباد کرنے والی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل ایمان اگر عمل میں کوتاہی یا بے راہی اختیار کریں تو ان کو فوری تنبیہ کے لئے دنیا ہی میں ہر صلاح و فلاح اور ظاہری دولت و عزت سے محروم کر دیا جاتا ہے اور جس طرح نافرمانی کے باوجود دنیا کی دولت و عزت کا عطا ہونا کفار کے لئے نقد عذاب ہے اسی طرح اہل ایمان مبتلائے معاصی کے لئے ان چیزوں سے محروم ہونا عنایت حق جل و علا کی ایک لطیف صورت ہے تاکہ وہ اس فوری تنبیہ سے ہوشیار ہو کر نافرمانیوں سے باز آئیں۔

قرآن حکیم کا ارشاد ہے:۔

وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ (السجدہ آیت ۲۱) "اور البتہ ہم ان کو چکھا دیتے ہیں (دنیا میں) کچھ عذاب قریب، بڑے عذاب (آخرت) سے پہلے تاکہ وہ باز آجائیں"۔

دنیوی ترقی اور فلاح کیلئے مسلم قوم کو دوسری اقوام پر قیاس کرنا غلطی ہے یہاں یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ جس طرح افراد انسانی کے مزاج مختلف، ان کے امراض کی کیفیات مختلف

اور علاج و دوا کی صورتیں مختلف ہیں۔ ایک ہی مرض کے دو مریضوں میں سے ایک شخص کے لئے ایک دوا اکسیر کا کام دیتی ہے اور دوسرے کو بوجہ اختلاف مزاج اس سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا، بلکہ بعض اوقات مضر ہوتی ہے۔

اسی طرح اقوام عالم کے بھی مزاج مختلف ہیں ان کے امراض اور طریق علاج مختلف ہیں ان کے عروج و نزول اور ترقی و تنزل کے اسباب اور تدبیریں ایک دوسرے سے متغائر ہیں۔

غیر مسلم اقوام جس طریق عمل کو اختیار کرکے دنیا میں ظاہری ارتقا اور فلاح و بہبود، عزت و دولت حاصل کر لیتی ہیں، یہ ضروری نہیں کہ مسلمان بھی اس طریق کو اختیار کرکے دنیوی زندگی کی صلاح و فلاح حاصل کرلیں، بلکہ ممکن ہے کہ وہ طریق ان کے حق میں غیر مفید یا مضر ثابت ہو۔

ہندو اگر سود خواری سے اور انگریز چالاکی و مکاری سے دنیا میں عزت و دولت کا کوئی حصہ جمع کرلیں تو لازم نہیں کہ مسلمان بھی ان کی نقل اتار کر یہ چیزیں حاصل کر سکیں کیونکہ دوست و دشمن کے ساتھ یکساں معاملہ نہیں کیا جاتا۔ دشمن کو ڈھیل دی جاتی ہے جس کو اصطلاح شرع میں استدراج کہتے ہیں اور دوست پر فوری تنبیہ کی جاتی ہے۔ قرآن مجید میں جابجا اس کی تصریحات موجود ہیں کہ سرکشوں اور باغیوں کے لئے دنیا میں دولت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں جس میں وہ مست و مغرور ہوکر اور گمراہی میں پڑ جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے حق میں ارشاد ہے:۔

فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ۔ (الانعام آیت ۴۴) "ہم نے ان پر ہر شے کے دروازے کھول دیئے"

یہ ظاہری دولت و فراغت حقیقت میں خدا کا قہر و غضب ہوتا ہے جس کو یہ احمق ہی فلاح و بہبود سمجھتا ہے۔

اور اہل ایمان اگر کسی عملی خرابی اور گناہ میں مبتلا ہوں تو ان کو دنیا ہی میں یہ سزا دی جاتی ہے کہ وہ دولت و عزت سے محروم کردیئے جاتے ہیں اسلئے حلال و حرام

اور جائز وناجائز سے بالکل بے فکر ہو کر سود۔ رشوت ۔شراب ۔ قمار ۔ فواحش ۔ لہو ولعب میں مبتلا رہ کر غیرمسلم اقوام تو دنیوی فلاح وترقی سے محروم نہیں ہوتیں ،مگر مسلمان ان کی نقالی کریں اور ان محرمات اور خلاف شرع چیزوں کا ارتکاب کرتے ہوئے دنیا میں صلاح وفلاح کی امید رکھیں تو یہ ان کا خیال خام اور خواب خوش ہے جو کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہو گا ۔

اسلام کے ساڑھے تیرہ سو سال کا تجربہ ومشاہدہ گواہ ہے کہ قوم مسلم نے جب کبھی تعلیمات نبویہ اور سنت رسول ؐ کو اپنا اسوہ بنایا اور اس پر عامل ہوئی تو آخرت کے درجات جو اصل مقاصد ہیں وہ تو ان کو حاصل ہوئے ہی ہیں دنیوی اور ظاہری دولت وعزت بھی ان کے قدموں پر آگری اور کھلی آنکھوں اس وعدہ کا مشاہدہ کرنے لگے

یَاتِیْہِ الدُّنْیَا وَھِیَ رَاغِمَۃٌ ۔" اللہ سے ڈرنے والے کے پاس دنیا ذلیل ہو کر آتی ہے " اور جس وقت بھی انھوں نے اس اسوۂ حسنہ سے منہ موڑا آخرت کے عذاب کے علاوہ دنیا کی ہر صلاح وفلاح ، دولت وعزت نے بھی ان سے منہ موڑ لیا ؏ چوں از و گشتی ہمہ چیز از تو گشت

مسلمانوں کی ہر فلاح اتباع رسول میں منحصر ہے

فلاح آخرت | مذکورہ بالا تصریحات سے ثابت ہوگیا کہ آخرت کی صلاح وفلاح اور آرام وعیش کی زندگی تو مطلقاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے اتباع میں منحصر ہے ان سے جاہل یا غافل رہ کر کوئی انسان کتنی ہی محنت وجاں فشانی اور زہد وریاضت اختیار کرے وہ راستہ کے غلط ہونے کے سبب بالکل بیکار بلکہ مضر ہوگی ؎

مپندار سعدی کہ راہ صفا ۔ تواں یافت جز در پئے مصطفا

کیونکہ حسب تصریح قرآن کریم مطلق سعی ومحنت اور عبادت وریاضت کی ہر صورت رضائے خدا

ــــــــــــــــ

؎ جب تم نے اس سے منہ پھیر لیا تو ساری ہی چیزوں نے تم سے منہ پھیر لیا ۔

اور آخرت کی کامیابی حاصل کرنے کے لئے کافی نہیں۔ بلکہ خاص وہ سعی اور محنت درکار ہے جس کی تعلیم خود حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے بذریعۂ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمائی ہے۔

ارشاد ہے :- وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ۔ (بنی اسرائیل آیت ۱۹)

"آخرت کے لئے ایسی سعی کرے جو اسکے مناسب ہے اور وہ مومن بھی ہو"

عقلاً بھی یہ بات معمولی غور و فکر سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ کسی انسان کی پسند و ناپسند کا حال جب تک خود وہ بیان نہ کرے دوسرا شخص نہیں سمجھ سکتا کہ اس کو ترشی پسند ہے یا شیرینی، مجلس پسند ہے یا خلوت و تنہائی۔ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی بارگاہ عالی کی پسند و ناپسند، رضا و عدم رضا کا ادراک انسان کو بدون اسی کے بیان کے کیسے ہو سکتا ہے۔ اور اسی چیز کے بیان و تبلیغ کے لئے انبیاء علیہم السلام بھیجے جاتے ہیں، اسی کا نام دین و مذہب ہے۔ تو جو شخص عبادت و ریاضت میں کوئی محنت و مشقت محض اپنی رائے سے یا کسی ایسے شخص یا ایسی کتاب کے اتباع سے کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا ہوا نہیں ہے اسکی سعی و محنت رائیگاں اور باطل، اور اس جاہل کے مشابہ ہے جو کسی شخص کی رضا حاصل کرنے کے لئے خدمت کرنا چاہے اور سخت گرمی کے وقت انگیٹھی سلگا کر اسکے پاس رکھ دے یا سخت سردی میں پنکھا جھلنے لگے تو خدمت میں سعی تو بلاشبہہ اس نے بھی کی مگر وہ سب ضائع اور مستحق عتاب و ناراضی ہے۔ ؎

ہر کسے از ظنِ خود شد یارِ من
وز درونِ من نہ جست اسرارِ من

(ہر شخص اپنے خیال کے مطابق میرا دوست تو ہو گیا۔ لیکن اس نے میرے اندر سے (دل کے) اسرار کو تلاش نہ کیا)

رضا جوئی کے لئے کارگر خدمت اسی شخص کی ہو سکتی ہے جو پہلے اپنے محبوب کی مزاج شناسی کی کوشش کر کے اس کی پسندیدہ اور ناپسند چیزوں کو معلوم کر لے۔ اور حق سبحانہ و تعالیٰ کی پسند و ناپسندی کا حال بجز وحی اور تعلیمات نبوت کے کسی طرح نہیں پہچانا جا سکتا۔ اس لئے رضائے حق سبحانہٗ و تعالےٰ اور فلاح آخرت کے لئے کوئی

کوشش اور کوئی ریاضت وعبادت اور مجاہدہ ومشاہدہ بدون نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع اور آپ کی تعلیمات کو مشعل راہ بنانے کے ممکن نہیں۔ فلاح دنیا، دنیا کی چند روزہ اور ناقص زندگی میں بھی حقیقی راحت وسرور، آرام وعیش تو صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی تعلیمات کے اتباع ہی میں منحصر ہے۔

اسوۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل متبعین کے لئے جس طرح آخرت کی دائمی زندگی میں فلاح وصلاح اور ہر طرح کی راحت کا وعدہ ہے۔ اسی طرح دنیا میں بھی حقیقی راحت وسکون صرف انہیں کا حصہ ہے۔ اور جنت میں جانے سے پہلے دنیا ہی میں ایک طرح کی جنت ان کو دیدی جاتی ہے کہ قناعت اور تقدیر الٰہی پر رضا کے سبب وہ کسی حال میں پریشان وشوش نہیں ہوتے دنیا کے مصائب وآفات اور پریشانیوں کی صورتیں ان پر ضرور آتی ہیں۔ اور بسا اوقات دوسروں سے زیادہ آتی ہیں، لیکن ان کے قلوب اس وقت بھی اپنی جگہ پر مطمئن اور مسرور ہوتے ہیں۔ زمانہ کے بڑے سے بڑے حوادث ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ وہ مرنے میں بھی جیتے ہیں بگڑنے میں بھی بنتے ہیں ؎

نہ کچھ شوخی چلی باد صبا کی
بگڑنے میں بھی زلف اسکی بنا کی

راحت وعیش جس کا تعلق قلب کے سکون واطمینان سے ہے بلاشبہ سارے عالم سے زیادہ انہیں حضرات کو حاصل ہے۔ یہی وہ نشہ ہے جس کے سرور سے وہ شاہانہ ساز وسامان کو ذرا نظر میں نہیں لاتے ؎

زانگہ کہ یافتم خبر از ملک نیم شب
من ملک نیم روز بدانگے نمی خرم

(جب سے میں نے ملکِ نیم شب کا سُراغ پالیا ہے، اُسوقت سے ملکِ نیم روز کو ایک پیسہ کے عوض بھی خریدنا پسند نہیں کرتا)

(تسہیل مقدمہ حیوٰۃ المسلمین)

بہترین مالدار کون؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

ہم اس وقت ایک مسئلہ تمدنیہ کے متعلق جو تمدن کا بڑا زبردست اور اہم بلکہ تمام تمدنیات میں سب سے بڑھکر ہے اور عقلاء کے نزدیک مسلم ضروری بلکہ سب ضروریات سے بڑھکر ضروری ہے اور جس پر دنیوی ترقی و تنزل کا دارومدار بھی ہے اور اتنا ضروری ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام نے بھی اپنی تعلیمات میں اسکو ضروری قرار دیا ہے۔ اور جب حضرات انبیاء نے اسکو ضروری قرار دیا تو خدا تعالیٰ کی جانب سے اسکی ضرورت ثابت ہوگئی شرائع نے بھی اسکو مطلقاً ممنوع نہیں فرمایا البتہ اسمیں کچھ قیود و شرائط لگائی ہیں نصوص میں جہاں کہیں اسکا بیان ہے انکفیں قیود و شرائط کا ذکر ہے ہم اسی حیثیت سے اس پر کلام کرنا چاہتے ہیں۔ اب سنئے! شریعت نے مال کی مذمت بھی کی ہے اور مدح بھی اور کسی شے کی مذمت اور مدح اسکی ذات کی نہیں ہوا کرتی بلکہ افعال اور اسکے اثرات کی ہوا کرتی ہے شریعت میں جس طرح روبرو مدح کی ممانعت وارد ہے اسی طرح اسکی مدح بھی وارد ہے چنانچہ وارد ہے اِذَا مُدِحَ الْمُؤْمِنُ فِیْ وَجْہِہٖ رَبَا الْاِیْمَانُ فِیْ قَلْبِہٖ (جب مومن کی اسکے روبرو تعریف کیجاتی ہے تو اسکے قلب میں ایمان بڑھ جاتا ہے) اس میں علماء نے تطبیق دیجے کہ جہاں مدح سے فتنہ میں پڑنے کا اندیشہ ہو وہاں منع ہے اور جہاں اندیشہ نہیں بلکہ مدح سے اسکے کمال میں ترقی ہوگی وہاں محمود ہے۔ اسی طرح یہاں سمجھئے کہ جہاں مال کی مذمت ہے یہ اس وقت ہے جبکہ اس سے ضرر ہو خواہ وقت اکتساب (کمانا) یا بعد اکتساب اور جہاں مدح ہے مثلاً نعم المعونۃ ھو (مال بہترین مددگار ہے) یا نعم المال الصالح للرجل الصالح (طیب اور پاکیزہ مال صالح انسان کے لئے بہترین چیز ہے) جبکہ یہ دونوں

ضرر اس پر مرتب نہوں۔ یا یوں کہئے کہ مال طیب کو اسکے صحیح مصرف میں صرف کرنا۔ یہ ممدوح (قابل تعریف) ہے۔ اور اگر مال طیب نہو یا صحیح مصرف میں صرف نہو یہ مذموم ہے اسکے اہل کی مذمت یا مدح اسکی مذمت یا مدح پر مرتب ہے۔ قرآن شریف اور حدیث شریف دونوں میں دونوں قسم کے لوگوں کا بیان ہے۔ اہل اموال اور اغنیاء کی مدح کبھی ہے اور انکی مذمت کبھی ہے اور انکو صادق کبھی کہا گیا ہے اور برعکس کبھی چنانچہ ملاحظہ ہو حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ

کچھ سارا کمال اسی میں نہیں کہ تم اپنا منہ مشرق کو کرلو یا مغرب کو لیکن کمال تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ پر یقین رکھے اور قیامت کے دن اور فرشتوں اور کتب پر اور پیغمبروں پر اور مال دیتا ہو اللہ کی محبت میں رشتہ داروں اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور مسافروں کو اور سوال کرنے والوں کو اور گردن چھڑانے میں اور نماز کی پابندی کرتا ہو اور زکوٰۃ بھی ادا کرتا ہو اور جو اشخاص اپنے عہدوں کو پورا کرنے والے ہوں جب عہد کر لیں اور وہ لوگ مستقل رہنے والے ہوں تنگدستی میں اور بیماری میں اور قتال میں یہی لوگ ہیں جو سچے ہیں اور یہی لوگ ہیں جو متقی ہیں (بیان القرآن صہ ۸۹ ج ۱)

نیز ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ

پورے مومن وہ ہیں جو اللہ اور اسکے رسول پر ایمان لائے پھر شک نہیں کیا اور اپنے مال وجان سے خدا کے رستہ میں محنت اٹھائی یہ لوگ ہیں سچے۔ (بیان القرآن صہ ۴۳ ج ۱۱)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں۔

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا کَسَبْتُمْ وَمِمَّا اَخْرَجْنَا لَکُمْ مِنَ الْاَرْضِ	اے ایمان والو! خرچ کیا کرو عمدہ چیز کو اپنی کمائی میں سے اور اسمیں سے جو کہ ہم نے تمھارے لئے زمین سے پیدا کیا ہے۔ (بیان القرآن ص۱۵۱ ج۱)

نیز فرمایا ہے کہ:۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ	یعنی تم خیر کامل کبھی نہ حاصل کرسکو گے یہاں تک کہ اپنی پیاری چیز کو خرچ نہ کروگے اور جو کچھ بھی خرچ کروگے اللہ اسکو بھی خوب جانتے ہیں۔

نیز فرمایا کہ:۔

وَفِیْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ۔	یعنی ان کے مال میں سوالی اور غیر سوالی کا حق تھا۔

ان آیات میں انفاق (خرچ کرنا) پر ترغیب (شوق دلانا) ہے اور دوسرے مقام پر مال کی حرص وطمع سے ترہیب (ڈرانا) بھی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:۔

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنَّ کَثِیْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَیَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا یُنْفِقُوْنَهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝ یَوْمَ یُحْمٰی عَلَیْهَا فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُکْوٰی بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا	اے ایمان والو! اکثر احبار اور رہبان لوگوں کے مال نامشروع طریقے سے کھاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے باز رکھتے ہیں اور جو لوگ سونا چاندی جمع کرکے رکھتے ہیں اور انکو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے سو آپ ان کو ایک بڑی دردناک سزا کی خبر سنا دیجئے۔ جو کہ اس روز واقع ہوگی کہ ان کو دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا۔ پھر اس سے ان لوگوں کی پیشانیوں اور ان کی کروٹوں اور ان کی پشتوں کو داغ دیا جائے گا۔ یہ وہ ہے جس کو تم نے اپنے واسطے جمع کرکے رکھا تھا۔ سو اب اپنے جمع کرنے کا

مَا كَنَزْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُونَ مزہ چکھو۔ (بیان القرآن ص۱۱۰)

اور حدیث میں وارد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن عاص رضؓ سے فرمایا کہ اے عمرو میں چاہتا ہوں کہ تم کو لشکر پر امیر بنا کر بھیجوں تاکہ اللہ تعالیٰ تم کو مال غنیمت سے مالا مال کر دے اور تمھیں سلامتی سے رکھے اور مجھے تمھارے لئے مال میں رغبت صالحہ ہے۔ حضرت عمروؓ بن عاص نے عرض کیا یا رسول اللہ میں مال کے لئے مسلمان نہیں ہوا ہوں بلکہ میں نے آپ کی معیت کی خاطر اور اسلام کی خاطر اسلام قبول کیا ہے۔ آپ نے فرمایا:-

یا عمرو نعما بالمال الصالح للرجل الصالح	یعنی مال طیب صالح انسان کے لئے کیا ہی اچھی چیز ہے۔

ف۔ انکو مال کی طلب نہیں تھی اخلاص کامل تھا تو مال کی منفعت بیان فرما دی۔

اور ابن ماجہ میں ہے کہ :-

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان اناسا من امتی سیتفقھون فی الدین و یقرأون القرآن یقولون نأتی الامراء فنصیب من دنیاھم ونعتزلھم بدیننا ولا یکون ذلک کما لا یجتنی من القتاد الا الشوک کذالک لا یجتنی من قربھم الا قال محمد بن الصباح کانہ یعنی الخطایا۔ (ابن ماجہ ص۲۳)	حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک میری امت میں سے کچھ لوگ تفقہ فی الدین حاصل کریں گے اور قرآن پڑھیں گے اور کہیں گے کہ امیروں کے پاس آتے ہیں پس انکی دنیا سے بہرہ ور ہوتے ہیں اور اپنے دین کو ان سے بچا رکھتے ہیں حالانکہ یہ ناممکن ہے جیسا کہ خار دار درخت سے نہیں حاصل کیا جا سکتا مگر کانٹا اسی طرح ان کے قرب سے نہیں حاصل کیا جا سکتی مگر (محمد بن الصباح ہیں کہ الا کا مستثنیٰ ہے خطایا جسکا حاصل یہ ہوا کہ ا قرب سے خطایا کو کسب کریں گے)

ف۔ اس حدیث میں پیشین گوئی ہے کہ دین میں تفقہ حاصل کرنے والے ایسے ہوں گے ا

حیلے وبہانے بنا کر اپنے کو غیر مجرم قرار دیں گے۔ الحمد للہ کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا معمول اسی حدیث کے مطابق تھا۔

نیز ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :۔

تعوذوا باللہ من جب الحزن قالوا یا رسول اللہ وما جب الحزن قال وادی فی جھنم یتعوذ منہ جھنم کل یوم اربع مائۃ مرۃ قیل یا رسول اللہ ومن یدخلہ قال اعد للقراء المرائین باعمالھم وان من ابغض القراء الی اللہ الذین یزورون الامراء

(ابن ماجہ)

پناہ مانگو اللہ تعالیٰ سے جب حزن سے صحابہ رضؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ جب حزن کیا چیز ہے آپ نے فرمایا جہنم کی ایک وادی ہے جس سے جہنم روزانہ چار سو بار پناہ مانگتی ہے۔ دریافت کیا گیا کہ یا رسول اللہ اس میں کون داخل ہوگا آپ نے فرمایا کہ وہ ان قراء (علماء) کیلئے بنائی گئی ہے جو اپنے عمل میں ریاکار رہیں اور بیشک مبغوض ترین قراء اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ لوگ ہیں جو امیروں کی زیارت کرتے ہیں

وقال المحشی قولہ یزورون الامراء ای من غیر ضرورۃ تلجئھم بھم بل طمعا فی مالھم وجاھھم ولذا قال بئس الفقیر علی باب الامیر ونعم الامیر علی باب الفقیر فان الاول مشعر بانہ متوجہ الی الدنیا والثانی مشیر بانہ متقرب الی الاخریٰ (مرقاۃ)

محشی کہتے ہیں کہ امیروں کی زیارت سے مراد وہ زیارت ہے . . . . . جو بلا کسی شدید ضرورت کے ہو یعنی محض انکے مال وجاہ میں طمع کی خاطر ہو۔ اسی واسطے فرمایا ہے کہ برا ہے وہ فقیر جو امیر کے دروازے پر ہو اور کیا ہی اچھا ہے وہ امیر جو فقیر کے دروازے پر ہو اس لئے کہ اول سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ دنیا کی طرف مائل ہے اور ثانی سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ آخرت کا تقرب چاہتا ہے۔

ان روایتوں سے یہ معلوم ہوا کہ امراء کے پاس بلا ضرورت آنا جانا خالی از خطر

لہ ۔ یعنی حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

نہیں ان میں اس سے ترہیب ہے ۔ اسی طرح ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل دنیا کی مذمت فرمائی ہے چنانچہ ارشاد ہے کہ :-

تعس عبد الدینار وعبد الدرھم وعبد الخمیصۃ ان اعطی رضی وان لم یعط سخط (مشکوٰۃ شریف)	ہلاک ہو دینار کا بندہ اور درہم کا بندہ اور چادر (لباس) کا بندہ (وہ جو کہ) اگر دیا جائے تو راضی رہے اور نہ دیا جائے تو ناراض ہو جائے

نیز اخذ مال کی ایک شرط یہ ہے کہ سخاوت نفس کے ساتھ اسکو قبول کیا جائے اشراف نفس نہ ہو جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے (اخذ المال بسخاوۃ النفس)

عن حکیم بن حزام قال سئلت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاعطانی ثم سئلتہ فاعطانی ــــ	حضرت حکیم بن حزام کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو آپ نے مجھے عطا فرمایا پھر سوال کیا تو آپ نے عطا فرمایا ــــ
ــــ ثم قال یا حکیم ان ھذا المال خضر حلو فمن اخذہ بسخاوۃ نفس بورک لہ فیہ و من اخذہ باشراف نفس لم یبارک لہ فیہ وکان کالذی یاکل ولا یشبع والید العلیا خیر من الید السفلیٰ (بخاری شریف)	پھر فرمایا کہ اے حکیم! (دیکھو) یہ مال بہت خوشنما اور شیریں (واقع) ہوا ہے لہذا جو اس کو سخاوت نفس (یعنی زہد) کے ساتھ قبول کرے گا اسکے لئے تو اس میں برکت دی جائیگی ۔ اور جو شخص اسکو اشراف نفس (یعنی توقع و انتظار) کے ساتھ لے گا تو اسکے لئے اس میں برکت نہ دی جائیگی اور وہ اس شخص جیسا ہو جائیگا کھائے مگر بھوکے کا بھوکا رہ جائے اور (یہ خوب سمجھ لو) کہ اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہوتا ہے ۔

ف : چونکہ انھوں نے بار بار مال کا سوال کیا تھا اسلئے سوال کی مذمت اور سوال کا استغنا کے خلاف ہونا اور اس مال کا بے برکت ہونا اور حرص کا مزید ہونا وغیرہ بیان فرما کر ان کو استغنا کا سبق دیا ۔

یوں تو وہ آیات و روایات بکثرت وارد ہیں جن میں انفاق کی ترغیب اور مال سے متعلق مفاسد سے ترہیب ہے لیکن اوپر جن نصوص کا ذکر کیا گیا ہے ان میں ہمارے مدعا

کافی دلالت ہے۔ بالخصوص وہ حدیث جس میں سخاوۃ نفس کے ساتھ مال کے اخذ کو مشروط فرمایا ہے۔ اور اس طریق پر لینے کو خیروبرکت کا سبب قرار دیا ہے اور اشرافِ نفس کے ساتھ لینے کو سبب بے برکتی کا قرار دیا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ یہ شخص ایسا ہوگا جیسے کوئی کھائے اور بھوکے کا بھوکا رہے۔ اسمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن کی عزت و احترام کو کسقدر محفوظ فرمایا اور یہ فرمایا کہ اسکی عزت اس سے بالاتر ہے کہ وہ ایسی خست و دنارت اختیار کرے۔ چنانچہ ارشاد ہے:-

لا ینبغی للمومن ان یذل نفسہ　　　یعنی مومن کیلئے زیبا نہیں کہ اپنے آپ کو ذلیل کرے

حدیث شریف سے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی سیرچشمی اور استغنا کا ایک واقعہ بیان کرتا ہوں مفتاح السنۃ میں ہے کہ:-

کتب عبد العزیز بن مروان الیٰ ابن عمر ان ارفع الی حاجتك فکتب الیه ابن عمر ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم کان یقول ان الید العلیا خیر من الید السفلیٰ وابدأ بمن تعول ولست اسئلك شیئًا ولا ارد رزقا رزقنیه اللّٰہ منك (مفتاح السنۃ ص۵۵)	عبدالعزیز بن مروان نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لکھا کہ اپنی حاجات کو مجھ سے بیان فرمایا کیجئے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے انکو اس کے جواب میں لکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے اور یہ فرماتے تھے کہ ان لوگوں سے ابتدا کرو جو تمہاری کفالت میں ہوں (لہذا) میں تم سے کسی چیز کا سوال نہ کرونگا باقی اس رزق کو جسے اللہ تعالےٰ مجھے تمہارے ذریعہ سے دلائیں رد بھی نہ کروں گا۔

اس واقعہ سے حضرات صحابہؓ کے استغنار کا پتہ چلتا ہے۔ سبحان اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کی خوبی ملاحظہ فرمایئے کہ انکی کایا ہی پلٹ دی اس استغنا کی انتہا ہے جو ان صحابیؓ کو حاصل تھی یہی حالت تمام کی ہوگئی تھی۔ توکل، قناعت، استغنا عن غیراللہ کی دولت سے سب مشرف ہوئے تھے۔ ایک طرف تو لوگوں کو حرص وطمع و دستنگری

سے منع فرماکر سب کو غیور بنا دیا اور دوسری طرف اہل اموال کے لئے انفاق کے فضائل و برکات جوانکو دونوں جہاں میں ملنے والے تھے بیان فرمایا جس سے انفاق مال ان کے لئے نہایت سہل ہوگیا اور اس میں بطوع و رغبت کافی سے زیادہ حصہ لینے لگے اور اسکے مواقع تلاش کرنے لگے ؎

جود محتاج است خواہد طالبے	ہم چناں توبہ کہ خواہد تائبے

(سخاوت چاہتی ہے کہ کوئی طالب سوال کرے جس طرح توبہ چاہتی ہے کہ کوئی توبہ کرے) اور انکی سمجھ میں آگیا کہ اس کو ایسے طریقہ سے خرچ کرنا چاہئے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی حاصل ہو سکے اور یہ سمجھ میں آگیا تھا کہ مال فتنہ کی چیز ہے اور اس سے پناہ انفاق میں منحصر ہے۔

اس مجموعی تعلیم کا یہ نتیجہ ہوا کہ امرا طالب اور غربا مطلوب ہو گئے۔ امرا ان کے پیچھے پیچھے دوڑتے تھے اور یہ منہ نہ لگاتے تھے یہ تماشا کبھی کسقدر عجیب تھا کہ امیر غریب اور غریب امیر تھا۔

قرآن پاک میں تزہیدی مضامین اور نیز سنت میں بکثرت موجود ہیں سلف صالح اس پر عامل تھے اور نہایت سختی کے ساتھ عامل تھے اور ہر دور میں ایسے لوگوں کی کثرت تھی انکی تعلیمات و ارشادات کے برکات اوراق کتب میں موجود ہیں۔

سچے علماء و مشائخ کا فرض رہا ہے کہ اسکی تفریق کرتے رہیں کہ ان کے زمرہ میں کون صادق ہے اور کون کاذب۔ اور اپنے لوگوں کو اہل مذمت سے (یعنی جنکی مذمت وارد ہے) بچاتے رہیں کہ وہ ضرر مال سے دنیا و عقبیٰ میں محفوظ رہیں اور اسکے منافع دونوں جہاں میں حاصل کرتے رہیں اور اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ کا مصداق بن جائیں

قرآن و حدیث پر عمل اور مشائخ کی مساعی کا نتیجہ اور خاصکر باب اموال میں انکی سچی تعلیمات کا نتیجہ یہ ہوا کہ مال کی مطلوبیت و محبوبیت مسلمانوں کے دلوں سے نکل گئی اور اسکی محبت سے سب پاک و صاف ہو گئے۔ مسلمانوں کے پاس مال بہت ہوا مگر دل اس محبت سے خالی رہے دل کھولکر اللہ کیلئے خرچ کیا اور اللہ و رسول سے اپنی مدح کرالی۔

(باقی آئندہ)

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک صاحب آئے اور کسی شخص کی طرف کو بات نقل کی، آپ نے فرمایا دیکھو یا تو ہم اس بات کی تحقیق کریں اور تم جھوٹے ثابت ہو تو اس آیت میں داخل ہو اِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْا (اے ایمان والو اگر کوئی شریر آدمی تمہارے پاس خبر لادے) اور اگر تم سچے ہو تو اس آیت میں داخل ہو هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيْمٍ (یعنی غیبت کرنے والا اور چغلی کھانے والا) اور اگر چاہو تو ہم معاف کر دیں اور بات کو یہیں ختم کر دیں، اس شخص نے عرض کیا اے امیر المومنین میں معافی چاہتا ہوں،" آئندہ ایسا کام نہ کروں گا "۔

قرآن کریم کی بہت سی آیات میں چغلی کھانے کی حرمت و مذمت مذکور ہے۔

حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہیں بتلاتا ہوں تم میں بدتر انسان کون لوگ ہیں، فرمایا کہ وہ لوگ جو چغلی لے کر اِدھر سے اُدھر جاتے ہیں، جو دوستوں پر باہم فساد ڈلواتے ہیں، اور جو بے قصور لوگوں کے عیب ڈھونڈتے ہیں (احمد عن ابی مالک الاشعری از تخریج احیاء)

حدیث میں ہے کہ چغل خور جنت میں نہیں جائے گا (بخاری و مسلم)

حدیث میں ہے کہ جھوٹ منہ کالا کرنے والا ہے، اور چغلی عذاب قبر ہے (ابو یعلی طبرانی فی الکبیر بیہقی، از ترغیب)

احیاء العلوم میں ہے کہ جو شخص تمہارے پاس چغلی کی بات لائے، تو تم پر لازم ہے کہ چھ باتوں کا التزام کرو:۔

اوّل یہ کہ اسکی تصدیق نہ کرو کیونکہ وہ نمام ہے اسکی شہادت مقبول نہیں۔ دوسرے یہ کہ اس کو اس فعل سے روکو، اور نصیحت کرو، تیسرے یہ کہ اس کے اس فعل کو برا اور مبغوض سمجھو۔ چوتھے یہ کہ اس کی وجہ سے اپنے بھائی غائب سے بدگمان نہ ہو۔ پانچویں یہ کہ اُس کے کہنے کی وجہ سے تجسس اور تلاش میں نہ پڑو کہ یہ خود گناہ ہے۔ چھٹے یہ کہ اس چغل خور کا قول کسی سے نقل نہ کرو ورنہ تم خود چغلی کھانے میں مبتلا ہو جاؤ گے۔

لمحۂ فکریہ

آپ غور کریں کہ کتنے مسلمان ہیں جو اس کبیرہ گناہ اور آفت عظیمہ سے بچتے یا بچنے کی کوشش کرتے ہیں، ہماری محفلوں اور مجلسوں کا مشغلہ ہی چغلی،

عیب گیری، عیب جوئی، غیبت، بہتان رہ گیا ہے، اور یہ وہ گناہ کبیرہ ہیں جو ہم کو بلا وجہ برباد کر رہے ہیں نہ اُن میں کوئی فائدہ ہے نہ لذت، نہ کوئی حاجت ہماری اُن پر موقوف ہے صرف شیطان کی تلبیس اور غفلت و بے پروائی ہے کہ بے وجہ ہم اپنے آپ کو دین و دنیا کی بربادی کی طرف لے جا رہے ہیں۔

۱۱۔ بُرے القاب سے کسی کا ذکر کرنا

بُرے اور ناگوار القاب جو لوگوں میں مشہور ہو جاتے ہیں اُن کا چرچا کرنا، اور کسی کو ان القاب سے پکارنا یا اس کے پیچھے ان القاب سے ذکر کرنا سخت کبیرہ گناہ ہے جیسے کبڑا، بہرا، گنجا، کانا وغیرہ۔ البتہ اگر کسی کا لقب اس درجہ میں پہنچ گیا ہے کہ بغیر اسکے وہ پہچانا ہی نہیں جاتا تو مجبوراً اس کا ذکر کر دینا ضرورت کے وقت جائز ہے، عام طور پر اس لفظ سے ذکر و خطاب کرنا گناہ ہے۔ قرآن کریم میں ہے: ۔ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ (برے القاب ایک دوسرے پر نہ لگاؤ)

امام نوویؒ نے کتاب الاذکار میں فرمایا ہے کہ علمائے اُمت اس پر متفق ہیں کہ کسی شخص کو ایسے لقب سے یاد کرنا جس کو وہ ناپسند کرتا ہو حرام ہے خواہ اس میں اسکی ذات کا کوئی حال و وصف مذکور ہو یا اس کے ماں باپ وغیرہ کا (زواجر ص۱۸ ج۳)

یہ کبیرہ گناہ بھی انہی بے لذت گناہوں میں سے ہے جن میں نہ کوئی فائدہ ہے نہ کوئی دنیا کی حاجت اس پر موقوف ہے، مگر ہم غفلت و بے پروائی سے اپنی جانوں پر ظلم کر رہے ہیں۔ نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْهُ۔

۱۲۔ علماء اور اولیاء اللہ کی بے ادبی

حدیث۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین آدمی ہیں جن کی بے ادبی اور بے توقیری صرف منافق ہی کر سکتا ہے، ایک بوڑھا مسلمان، دوسرے عالم، تیسرے عادل بادشاہ (الطبرانی بسند حسنہ الترمذی عن ابن امامہ، از زواجر)

حدیث۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص ہم میں سے (یعنی مسلمانوں میں سے) نہیں جو ہمارے بوڑھوں کی تعظیم نہ کرے، اور ہمارے بچوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے عالموں کی قدر نہ کرے (احمد باسناد حسن، از زواجر ص، ج ۲)

بخاری نے حضرت انسؓ و ابی ہریرہؓ سے ایک حدیث قدسی میں روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو شخص میرے کسی ولی کی توہین کرتا ہے اُس نے گویا مجھے اعلانِ جنگ دیدیا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ میں اسکو اعلانِ جنگ دیدیتا ہوں (از زواجر)

علماء و اولیاء کی بے ادبی کو بہت سے حضرات نے کبیرہ گناہوں میں شمار کیا ہے (کذا فی زواجر) اور کسی شارح بخاری نے حدیث مذکور کی شرح میں فرمایا ہے کہ:۔

" اس حدیث میں غور کرو کہ علماء اور اولیاء کی بے ادبی کی سزا سود خوار کی برابر کردی گئی ہے، کیونکہ سود خوار کے متعلق قرآن میں ارشاد ہے فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ (یعنی سود کھانے والے اللہ اور رسول کی جنگ کیلئے تیار ہو جائیں)"

اور حافظ حدیث امام ابن عساکر نے فرمایا ہے:۔

" اے عزیز اللہ تعالیٰ تمہیں اور ہمیں توفیق کامل عطا فرمائیں اور صراط مستقیم کی ہدایت کریں، خوب سمجھ لو کہ علماء کے گوشت زہر آلود ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی یہ عادت معلوم و مشہور ہے کہ علماء کی تنقیص و توہین کرنے والوں کو رسوا و فضیحت کر دیتے ہیں، اور جو شخص علماء پر عیب گیری کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسکو مرنے سے پہلے دل کی موت میں مبتلا کر دیتے ہیں"

علماء کے گوشت زہر آلود ہونے سے اشارہ اس طرف ہے کہ کسی کی غیبت کرنے کو قرآن کریم میں اس کا گوشت کھانا قرار دیا ہے، تو جو شخص علماء کی غیبت کرتا ہے وہ گویا ان کا گوشت کھاتا ہے مگر ان کا گوشت زہر آلود ہے جو شخص اس کو کھائے گا اُس کا دین و دنیا تباہ ہو جائیگا اور دل کی موت سے مراد یہ ہے کہ اس میں نیکی بدی، بھلائی برائی کا احساس نہ رہے نیکی کو برا اور بدی کو اچھا سمجھنے لگے، والعیاذ باللہ العلی العظیم۔

غیبت و تحقیر کسی شخص کی بھی جائز نہیں، مگر جو شخص علماء کے ساتھ ایسا معاملہ کرے وہ

سخت غضب الہٰی کا مورد بنتا ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ ایسے شخص کا خاتمہ خراب ہونیکا اندیشہ ہے

تنبیھ :- غور کرو کہ آج کل کتنے مسلمان ہیں جو اس بے لذت و بے فائدہ گناہ کبیرہ میں مبتلا ہو کر اپنا دین و دنیا تباہ و برباد کر رہے ہیں اور بے فکری کے ساتھ اپنے آپ کو خدا تعالےٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غضب و غصہ کا مورد بنا رہے ہیں، اور اس معاملہ میں ایسی عام غفلت و بے پروائی ہے کہ ساری برائیاں بلا تحقیق کے علماء کی طرف منسوب کی جاتی ہیں "طویلہ کی بلا بندر کے سر" کسی کی خطا کسی کا گناہ، طعنے مولوی پر، اور کسی پر اعتراض ہونہ ہو علماء پر ضرور ہو۔ پھر اس وقت امت پر ایک بھاری عذاب پارٹی بندی کا مسلط ہو گیا ہے، ہر پارٹی کے لوگ تعظیم و تکریم کی ساری آیتیں، حدیثیں صرف اپنی پارٹی کے علماء کے لئے خاص سمجھتے ہیں، دوسرے علماء پر جتنی چاہیں زبان درازی کریں کوئی پرواہ نہیں ہوتی

اسمیں شبہ نہیں کہ آج کل دینی امور کا انتظام صحیح نہ ہونے کے سبب اور کچھ عوام کی دین سے لاپروائی و سہل انکاری کے سبب بہت سے لوگ جو درحقیقت علماء نہیں، علماء میں پیش ہونے لگے، عوام کا تو یہ حال ہو گیا کہ جس کے چہرہ پر ڈاڑھی اور نیچا کرتہ دیکھا اسے مولانا کا لقب دیدیا اور جو کسی تحریک میں جیل خانہ چلا گیا۔ یا کسی جلسہ میں کھڑا ہو کر بولنے لگا، وہ تو بھاری علامہ اور رجسٹرڈ مولانا ہو گئے۔

پھر ایسے لوگوں سے جو حرکات ناشائستہ صادر ہوئیں تو لگے علماء پر غصہ اتارنے خود ہی تو بلا کسی تحقیق و تجربہ کے کسی راستہ چلتے کو اپنا امام و مقتدا بنا لیا اور انھیں مولانا کہنے لگے، پھر خود ہی اُن کے افعال کو تمام علماء کے افعال قرار دے کر علماء پر سب وشتم اور لعن وطعن کر کے اپنا دین و دنیا تباہ کیا۔

عوام کی اس بے احتیاطی نے بہت سی بربادیاں پیدا کیں، اوّل تو جن لوگوں کو بلا کسی سند و تحقیق کے اپنا مقتدا بنایا اگر وہ فی الواقع عالم نہیں تو ہر قدم پر خود بھی گمراہ ہوں گے دوسروں کو بھی گمراہی میں ڈالیں گے، پھر جب لوگ ان کی گمراہی و بداعمالیوں پر متنبہ ہو کر بدگمان ہونگے تو یہ بدگمانی اُن کے ساتھ مخصوص نہ رہے گی، وہ سب علماء سے بدگمان ہو جائیں گے جس کا نتیجہ دین کی تباہی اور دنیا کی بربادی ہے۔

اس لئے ضروری ہے کہ اوّل تو کسی کو مولوی، مولانا عالم کہنے اور سمجھنے میں جلدی نہ کریں، اور جب تحقیق کر کے کسی شخص کے متعلق اہل علم و دیانت سے اُس کے عالم ہونے کی تصدیق ہو جاوے تو پھر اس پر اعتراض کرنے، اسکو بُرا کہنے میں جلدی نہ کریں، بلکہ اسکی کھلی بُرائی بھی دیکھیں تو اس بُرے فعل کو تو ضرور بُرا سمجھیں، مگر اس شخص کو برا نہ کہیں کہ شاید وہ کسی وجہ سے معذور ہو، عوام کے دین کی حفاظت اسی میں ہے۔ وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ وَبِیَدِہٖ التَّوْفِیْقُ۔

۱۳۔ آیات واحادیث اور اللہ کے نام کی بے ادبی

اس کا گناہ ہونا تو ظاہر اور معلوم و مشہور ہے، لیکن آجکل کتابت و طباعت کی کثرت اور بالخصوص اخبارات و رسائل کی بھرمار کے سبب یہ گناہ ایسا عام ہو گیا کہ کوئی گھر کوئی گلی کوچہ کوئی مسلمان اس سے خالی نہ رہا، جگہ جگہ کاغذات بکھرے نظر آتے ہیں جنمیں اللہ کا نام یا آیات واحادیث یا مسائل فقہیہ ہوتے ہیں جن کی تعظیم واجب اور بے ادبی گناہ ہے، خصوصاً قرآن مجید اور سیپاروں کے بوسیدہ اوراق عموماً لوگ مسجد کے طاقوں وغیرہ میں رکھ دیتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اسکے حق سے فارغ ہوگئے حالانکہ وہ ان طاقوں سے اڑکر ہوا سے گلی کوچوں میں پہنچتے ہیں، اور اس ساری بے ادبی کا گناہ رکھنے والے کو ہوتا ہے۔

ایسے قرآن مجید یا کتب دینیہ جو بوسیدہ و دریدہ ہو کر قابل انتفاع نہ رہیں اُن کے لئے یہ حکم ہے کسی پاک کپڑے میں لپیٹ کر کسی محفوظ زمین میں دفن کر دیا جائے یا کہیں تعمیر ہوتی ہو تو بنیادوں میں طاق بنا کر رکھ دیا جائے۔

اور جس طرح ایسے اوراق کو بے ادبی کی جگہ ڈالنا گناہ ہے اسی طرح ایسے اخبار و رسائل جن کے متعلق عادت غالبہ سے یہ معلوم ہے کہ وہ ردّی میں ڈالے جائیں گے، آیات قرآنی یا حدیث وغیرہ ان میں لکھنا بھی جائز نہیں، اگر ان اخبارات کی بے ادبی ہوئی تو اس کا گناہ جیسے بے ادبی کرنے والوں کو ہوگا، ایسے ہی اس کے لکھنے اور چھاپنے والوں کو بھی ہوگا۔

بلکہ ایسے اخبارات میں اگر کوئی مضمون اس قسم کا لکھنا ہے تو اصل عبارت کے بجائے

بہ لکھنے پر اکتفا کریں۔ اگرچہ ترجمہ بھی قابل تعظیم وادب ہے اور اسکی بے ادبی بھی بُری ہے لیکن پھر بھی کچھ فرق ہے۔

اسی طرح تمام خطوط میں بھی آیات واحادیث نہیں لکھنا چاہیئے کہ وہ بھی عموماً ردی میں ال دیئے جاتے ہیں، اور شاید اسی لئے اکابر سے یہ طریقہ منقول ہے کہ خطوط میں بجائے بسم اللہ کے اس کے عدد (۷۸۶) لکھتے ہیں اور بجائے اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کرنے کے "بفضلہ تعالیٰ" لکھتے ہیں۔

مسئلہ:۔ جس کاغذ پر قرآن کی کوئی آیت یا حدیث یا مسائل شرعیہ لکھے ہوئے ہوں، اس میں کسی چیز کو لپیٹنا، پیکنگ کرنا بھی بُرا ہے (عالمگیری) درمختار)

مسئلہ:۔ ایسے کاغذات کی طرف پاؤں پھیلانا بھی گناہ ہے (عالمگیری)

مسئلہ:۔ سادہ کاغذ بھی قابل ادب ہے، اس کو استنجا وغیرہ میں استعمال کرنا جیسے انگریزی رواج ہے، یہ بھی جائز نہیں۔

تنبیہ:۔ ہزاروں مسلمان آج ان بے لذت وبے فائدہ گناہوں میں مبتلا ہیں اور یہ ایسے گناہ ہیں کہ جن سے آخرت کی سزا کا تو خطرہ ہے ہی، ان کا وبال دنیا میں بھی عموماً آفات اور بلاؤں، قحط وگرانی کی صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے جن میں آجکل ساری دنیا مبتلا ہے، مگر افسوس کہ اُن کے ازالہ کے اصلی اسباب کی طرف کسی کی توجہ نہیں۔
وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَیْہِ التُّکْلَانُ

۱۴۔ لوگوں کے راستے یا بیٹھنے لیٹنے کی جگہ میں نجاست غلاظت ڈالنا

حدیث:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے مسلمانوں کے راستہ میں پاخانہ کیا، اس پر اللہ تعالیٰ اور فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہے (الطبرانی والبیہقی عن ابی ہریرۃ بضعف فی بعض رواتہ)

حدیث:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے مسلمانوں کو انکے

راستہ میں ایذا پہنچائی اس پر مسلمانوں کی لعنت ثابت ہوگئی (الطبرانی بسند حسن)

حدیث :۔ تین لعنت کی چیزوں سے بچو، صحابہ کرامؓ نے عرض کیا وہ تین لعنت کی چیزیں کیا ہیں، فرمایا پانی کے گھاٹ، یا راستہ، یا سایہ کی جگہ میں جہاں لوگ لیٹتے، بیٹھتے ہوں، پیشاب، پاخانہ کرنا (مسند احمد)

تنبیہ :۔ حدیث دوم سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ گناہ صرف پیشاب پاخانہ کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ ہر وہ چیز جس سے لوگوں کو ایذا پہنچے اس میں داخل ہے، تھوک سینک اور گھن ونفرت کی چیزیں ایسی جگہوں میں ڈالنا، گنا، سنترہ، کیلا کھا کر اس کے چھلکے راستہ یا بیٹھنے کی جگہ میں بکھیرنا یہ سب اسی میں داخل ہے۔

افسوس کہ کوئی مسلمان اس کو گناہ ہی نہیں سمجھتا، ریل میں، پلیٹ فارم پر مسافر خانوں میں جہاں دیکھو اسکی خلاف ورزی عادت بن گئی ہے۔ وَاللّٰہُ الْمُوَفِّقُ وَالْمُعِیْنُ۔

۱۵۔ پیشاب کی چھینٹوں اور قطرات سے نہ بچنا

حدیث :۔ اکثر عذاب قبر پیشاب کی چھینٹوں سے نہ بچنے کی وجہ سے ہوتا ہے اسلئے پیشاب کی چھینٹوں سے بہت احتیاط کرو (زواجر صفحہ ۱۰۲)

شریعت میں اسی لئے پیشاب پاخانہ کے بعد اول ڈھیلے سے استنجا مسنون کیا گیا پھر پانی سے دھونا مقرر کیا گیا، تاکہ پیشاب کے قطرات جو بعد میں عموماً گرتے ہیں ان کے منقطع ہو جانے کا اطمینان ہو جائے اور پیشاب پاخانہ کے بقیہ اجزا سے بدن کی پوری صفائی حاصل ہو جائے۔ اور اسی سے بچنے کیلئے مسنون کیا گیا کہ

۱۔ پیشاب کے لئے بیٹھے تو اونچی جگہ پر بیٹھے۔

۲۔ ایسی جگہ پر کرے جہاں سے چھینٹ اڑ کر بدن اور کپڑوں کو آلودہ نہ کرے۔

۳۔ جس طرف سے ہوا آرہی ہو اس طرف رخ کرکے پیشاب نہ کرے کہ ہوا سے چھینٹا لوٹ کر اس طرف آئے گا۔

لیکن افسوس کہ یورپین تمدن و معاشرت کے دل دادہ ان سب چیزوں سے بالکل بے پروائی کرتے ہیں اور اس گناہ شدید میں مبتلا ہیں، پیشاب پاخانہ کے لئے جو بہترین صورت ہمارے بلاد میں رائج ہے، اُسے چھوڑ کر پاٹ میں استنجا و پیشاب کی رسم پڑ گئی، جس سے کپڑوں اور بدن کا محفوظ رہنا سخت مشکل ہے۔ پھر ڈھیلے سے استنجا کو تہذیب کے خلاف سمجھ لیا گیا، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ محض اس فیشن کی بدولت اس شدید گناہ اور عذابِ قبر کو خریدا جاتا ہے، نَعُوْذُ بِاللّٰہِ۔

۱۶۔ بے ضرورت ستر کھولنا

حدیث میں ہے کہ ناف سے گھٹنوں تک مرد کا ستر ہے (حاکم)

حدیث میں ہے کہ اپنے ستر کو چھپاؤ، مگر اپنی زوجہ یا کنیز سے، بعض صحابہ نے عرض کیا کہ اگر کوئی شخص خالی مکان میں تنہا ہو؟ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ ان سے حیا کی جائے (ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ، نسائی، احمد، حاکم، بیہقی وغیرہ)

نیز حدیث میں ہے کہ ہمیں اس سے منع کیا گیا ہے کہ ہمارا ستر دیکھا جائے (حاکم، ازالہ صفحہ ۱۰۲ جلد ۱)

تنبیہ:۔ آجکل نئے فیشنوں نے صرف مردوں کو بلکہ عورتوں کو بھی نیم برہنہ کر دیا، مردوں نے انگریزی لنگوٹہ کا نام نیکر رکھ کر پہننا فخر سمجھ لیا آدھی رانوں تک کھلے ہوئے بیٹیوں کے سامنے، اور عام مردوں اور عورتوں کے سامنے پھرتے ہیں، کوئی پروا نہیں کہ اس میں ہمارے مالک کی ناراضی اور کبیرہ گناہ ہے۔ عورتوں نے ایسے لباس اختیار کر لئے کہ اول تو اُن میں بہت سے اعضاءِ ستر، گردن، بازو، سینہ تک کھلا ہی رہتا ہے، اور جو ڈھکے ہوئے بھی ہیں ان پر بھی لباس ایسا چست پہنا جاتا ہے کہ بدن کی ہیئت نظر آتی ہے وہ بھی کھولنے ہی کے حکم میں ہے۔

(باقی آئندہ)

اسی کی میں شکایت کر رہا تھا کہ یہ کیسی طلب دین ہے جس میں راحت کی طلب ہے حالانکہ طالب دنیا ذرا سی مردار دنیا کیلئے جان و دل سے مرتے کھپتے رہتے ہیں اور طالب دین کو بغیر مشقت کے حصول دین و اصلاح اعمال کا انتظار ہو رہا ہے، افسوس ہے

ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا

(دیکھ لو کہ راستہ کا فرق کہاں سے کہاں تک ہے)

بلا مشقت اصلاح صاحبو! اگر آپ اسی انتظار میں رہیں گے کہ بدون مشقت کے اعمال کی اصلاح ہو تو یہ شہوات نفسانیہ دل میں اپنی جڑیں ایسی مضبوط کر لیں گی کہ پھر واقعی اس کی اصلاح میں سخت مشقت کی ضرورت ہوگی کیونکہ ان شہوات سے جس قدر مسامحت و مساہلت کی جاتی ہے اسی قدر ان کی جڑیں مضبوط ہو جاتی ہیں۔

میں دیکھ رہا ہوں کہ بہت لوگ اسی کے منتظر ہیں کہ کسی بزرگ کی توجہ سے ہماری اصلاح ہو جائے یا وظیفہ سے یا تعویذ سے نفس مہذب ہو جائے، حاصل یہ کہ خود کچھ کرنا نہ پڑے۔ یاد رکھو سخت غلطی ہے نفس تمہاری راہ مار رہا ہے اور یہ شیطان کی بڑی رہزنی ہے، نفس کی اصلاح بدون مجاہدہ کے نہیں ہو سکتی، توجہ اور وظیفہ سے اصلاح شدہ نفس کی نورانیت میں ترقی ہو جاتی ہے، آگے کو راہ مفتوح ہو جاتا ہے، رذائل کی اصلاح تھوڑا ہی ہوتی ہے الا نادراً والنادر کالمعدوم۔ اور اس سے بڑھ کر ایک نہایت دقیق اور نہایت عمیق شیطان کی رہزنی یہ ہے کہ وہ بجائے اس کے کہ مشقت سے ترک معصیت میں کام لیتا خود معصیت کو ترک معصیت کا ذریعہ بناتا ہے یعنی جب کسی متقی کو بار بار نگاہ نیچی کرنے سے مشقت ہوتی ہے تو شیطان اس کو یہ سبق پڑھاتا ہے کہ میاں ایک دفعہ اسکو خوب جی بھر کے دیکھ لو اس سے ہوس پوری ہو جائے گی، پھر نہ دیکھنا تو یہ روز روز کا ارہ چلنا تو موقوف ہو جائے گا۔ مگر واللہ اس جی بھر کے تک کرنے سے تو اسکی جڑیں اور مضبوط ہو جائیں گی، پھر اس کا اس گناہ سے نکلنا بہت دشوار ہو جائے گا کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ شہوت کو نظر سے ترقی ہوتی ہے، پھر جب جی بھر کے دیکھنے سے بھی آگ نہیں بجھتی تو شیطان یہ سبق پڑھاتا ہے کہ ایک دفعہ جی بھر کے اس سے منہ کالا کر لو پھر توبہ کر لینا۔ اسکے بعد پھر ہر روز یہی ہوتا رہتا ہے کہ آج توبہ کر دوں کل توبہ کر دوں ابھی جی نہیں بھرا

کہ اب توبہ کروں گا تو پھر تقاضا ہوگا، چنانچہ بعض تو اسی انتظار میں ختم ہوگئے اور توبہ نصیب نہ ہوئی اور بعض کو سالہا سال کے بعد عنایت حق نے سنبھالا تو توبہ کی توفیق ہوئی، مگر ذخیرہ گناہوں کا جمع ہوگیا، یہ تو عملی خرابی ہوئی اور اعتقادی خرابی یہ ہے کہ یہ شخص ترک معصیت کا مقدمہ خیال کرکے معصیت کو طاعت سمجھنے لگتا ہے، پس یاد رکھو کہ ترک معصیت کیلئے بھی معصیت کا اختیار کرنا ہرگز جائز نہیں، بلکہ ابتدا ہی سے اس معصیت کے تقاضے کا مقابلہ کرنا چاہئے ؎

درختے کہ اکنوں گرفت ست پائے | بہ نیروئے شخصے بر آید ز جائے
وگر ہمچناں روزگارے ہلی | بگردونش از بیخ بر نگسلی
سر چشمہ باید گرفتن بہ میل | چو پُر شد نہ شاید گذشتن بہ پیل

(۱) (جو درخت ابھی جلد ہی لگا ہے ایک آدمی کی قوت سے جڑ سے اکھڑ جائے گا)
(۲) (اور اگر ایک مدت اسکو اسی حالت پر چھوڑ دوگے تو مشین سے بھی اسے جڑ سے نہیں اکھاڑ سکتے)
(۳) (شروع میں چشمہ کا منہ سلائی سے بھی بند کیا جا سکتا ہے، لیکن جب بڑھ کر کشادہ ہو جائے گا تو ہاتھی پر چڑھ کر بھی اسے پار نہیں کر سکتے) اور جو شخص ترک معصیت کیلئے اختیار معصیت کو ذریعہ بناتا ہے اس سے بھی یہی غلطی ہوئی کہ اس نے مشقت سے بچنا چاہا مگر ؎

سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجاست

(جناب! آپ بات سمجھتے نہیں ہیں غلطی یہیں سے ہوتی ہے)

مرد کون ہے؟ | خوب سمجھ لو کہ مشقت سے بچنا ہی غلطی ہے۔ مرد ہوکر رہو نامرد نہ بنو، اور مرد اسی کا نام ہے جو شیطان کا مقابلہ کرے پھر گناہوں سے بچنے میں مشقت اول اول ہی ہوتی ہے پھر ذرا مشقت نہیں ہوتی جو اس سے بھی گھبراتے ہیں ان کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی بچہ گلستاں پڑھنے سے گھبرائے۔ اس کو سب عقلا یہی جواب دیتے ہیں کہ یہ مشقت چند روزہ ہے پھر تم کو گلستاں میں وہ لطف آئے گا کہ تم اسکو خود نہ چھوڑ وگے اور اگر آج ذرا سی مشقت سے گھبراؤگے تو پھر جاہل رہوگے اور اس سے زیادہ مشقت اٹھانا پڑے گی، یعنی پھاوڑہ چلانا پڑیگا اسی طرح گناہ کے چھوڑنے میں جو ذرا سی مشقت ہے اگر اس سے گھبراؤگے تو اس سے بڑھ کر مشقت کا سامنا ہوگا، ایک تو اسوقت جبکہ گناہ کا ارتکاب کروگے کیونکہ گناہ کرنے میں علا

عذاب آخرت کے دنیا میں بھی عذاب ہوتا ہے، گناہ سے دونوں جہان میں تکلیف ہوتی ہے
شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ گناہ کرنے میں کیا مشقت ہے تو صاحبو! واللہ جو لوگ گناہوں میں
مبتلا ہیں وہ سخت مصیبت میں گرفتار ہیں سکونِ قلب و اطمینان کا ان کو خواب بھی نہیں
نظر آتا ہر وقت ان کا دل وحشت زدہ رہتا ہے اور گناہ کرکے اس کو یہ معلوم ہوتا ہے
کہ میرا کہیں ٹھکانا نہیں وہ خود اپنی نظر میں بہت ذلیل ہوجاتا ہے اور جب اس کو کوئی
مصیبت پیش آجاتی ہے، اس وقت تو اس کو ایسی پریشانی ہوتی ہے کہ بدحواس ہوجاتا
ہے تو واللہ! گناہ کرنے والے بڑی غلطی میں ہیں کہ گناہ سے جو غرض تھی یعنی مسرت
وہ بھی ان کو حاصل نہیں ہوتی، یہ تو دنیا کی تکلیف ہے اور آخرت کا عذاب اسکے
علاوہ ہے جو بہت سخت ہے، مگر بعض لوگ سیر بھر بوجھ اٹھانے کا تجربہ کرکے من بھر تو
اٹھانے کو تیار ہوجاتے ہیں، یہ ان کی حماقت ہے، ان کی یہ پہلوانی اسی وقت تک ہے جبتک
کئی من کا بوجھ سر پر رکھا نہیں گیا، جس دن بڑا بوجھ سر پر رکھا جائے گا ان کا کوہ ہی نکل
جائے گا ایسے ہی بعض لوگ جہنم کے پہلوان معلوم ہوتے، مگر اس کو دیکھا نہیں اسلئے ساری
پہلوانی ہے اور جس دن دیکھ لیں گے اس دن یہ حالت ہوگی یَوْمَ یَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰی یَدَیْہِ
یَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِیْلًا ○ یٰوَیْلَتٰی لَیْتَنِیْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا
خَلِیْلًا ○ لَقَدْ اَضَلَّنِیْ عَنِ الذِّکْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِیْ وَکَانَ الشَّیْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا
(اور جسدن ظالم اپنے ہاتھ کاٹ کاٹ کھائیگا، کہے گا کیا اچھا ہوتا میں رسول کے ساتھ راہ پر لگ
لیتا، ہائے میری شامت کیا اچھا ہوتا کہ میں فلاں شخص کو دوست نہ بناتا اس نے مجھ کو نصیحت
آئے پیچھے اس سے بہکا دیا، اور شیطان تو انسان کو امداد کرنیسے جواب دے ہی دیتا ہے)

علاج امراض باطنہ | جس امراض باطنہ کے بھی علاج کا وہی طریقہ ہے جو امراض جسمانیہ کا ہے کہ
جب مرض لاحق ہو اسی وقت اس سے دور رہنے اور بچنے کی تدبیر کرو اسکے لپٹانے کا نام بھی لو
اور گو گناہ سے بچنے میں کسی قدر مشقت ہوتی ہو مگر وہ تھوڑی دیر کی مشقت ہے پھر
راحت ہی راحت ہوگی، مثلاً کسی کو حسن پرستی کا مرض ہو تو اسکو چاہیے کہ حسین سے باتیں کرنا
ملنا ملانا، اسکو گھورنا بالکل چھوڑ دے کہ یہ سخت مضر ہے گو اسوقت ٹھنڈک پہونچتی ہے مگر اسکے

بعد جڑ مضبوط ہوجاتی ہے اور عمر بھر کی مصیبت جان کو لگ جاتی ہے چونکہ اسوقت مجھے زیادہ تر فروع ہی کا بیان مدنظر ہے اسلئے چند فروع مجاہدہ کی اور بھی بیان کرتا ہوں، مثلاً غضب کے روکنے میں بعض وقت تکلیف ہوتی ہے، اور یہ مجاہدہ ہے، مگر اس کے بعد ایک خاص فرحت و راحت ہوتی ہے، اور اگر غصہ کو نہ روکا گیا بلکہ جو زبان پہ آیا کہتا گیا تو اس وقت تو نفس خوش ہوتا ہے مگر تھوڑی ہی دیر کے بعد دل میں کدورت ہوتی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہی نفس جو پہلے بہکا رہا تھا بعد میں ملامت کرتا ہے اور اس کے بعد غصہ کے نتائج بد دیکھ کر تو بہت ہی قلق ہوتا ہے گو نفس ان کی تاویلات بھی کرے مگر پھر بھی اس کو کدورت ضرور ہوتی ہے تجربہ کرکے دیکھا گیا ہے کہ غصہ روکنا ہمیشہ اچھا ہوا اور جب اس کو جاری کیا گیا تو اس کا انجام ہمیشہ برا ہوا اور دل کو قلق بھی ہمیشہ ہوا جیسے مریض کو طبیب کہتا ہے کہ پرہیز کرو دوا پیو تو اس کو بدپرہیزی سے ہمیشہ ندامت ہوتی ہے کیونکہ بدپرہیزی کا برا انجام بہت دنوں تک رہتا ہے، اسی طرح گناہ کرکے ہمیشہ ندامت ہوتی ہے، ایسا کبھی نہیں ہوسکتا کہ گناہ کے بعد نفس خود اپنے کو ملامت نہ کرے پھر بعضے اس ندامت کے بعد ہمیشہ کیلئے گناہ سے توبہ کرلیتے ہیں اور بعضے ایک بار توبہ کرکے پھر گناہ کرتے ہیں، پھر توبہ کرتے ہیں تو یہ تو دل لگی ہوئی اگرچہ یہ ثابت ہے کہ توبہ اگر سو بار بھی ٹوٹ جائے تب بھی قبول ہوجاتی ہے مگر یہ شرط تو ضروری ہے کہ توبہ کی حقیقت تو پائی جائے مگر اکثر حالت تو یہ ہے کہ جو لوگ ایک گناہ سے بار بار توبہ کرتے ہیں ان کی توبہ صرف زبانی ہوتی ہے ورنہ عین توبہ کے وقت بھی ان کا یہ عزم ہوتا ہے کہ یہ گناہ پھر بھی کریں گے میں اسی کو دل لگی کہہ رہا ہوں۔ اس لئے جب کوئی شخص اعمال صالحہ کا قصد کرے یا اصلاح نفس کا ارادہ کرے تو وہ اپنے کو اس کام کے لئے پہلے تیار کرلے کہ اول اول مشقت برداشت کرنا اور نفس کی مخالفت کرنا پڑے گی، پھر مجاہدہ و مخالفت نفس کے مراتب مختلف ہیں۔ ایک مرتبہ مبتدی کے مجاہدہ کا ہے ایک منتہی کے مجاہدہ کا ہے۔ مبتدی کو تو مجاہدہ میں اول اول دشواری زیادہ ہوتی ہے اور منتہی چونکہ اپنے نفس کو مہذب کرچکا ہے اس

سے اعمال صالحہ بلا تکلف صادر ہونے لگتے ہیں۔

نگرانی نفس مگر ایک مجاہدہ کی ان کو بھی ضرورت ہے یعنی نفس کی نگہداشت کی کہ ہر وقت اس کے افعال و حرکات پر نگاہ رکھے غافل نہ ہو اور یہ مجاہدہ کچھ زیادہ دشوار نہیں اسکی ایسی مثال ہے جیسے ایک تو وہ سوار ہے جس کے نیچے ایسا گھوڑا ہے جس پر ابھی سواری شروع کی گئی ہے اس کو زیادہ ہوشیاری کی بھی ضرورت ہے اور زیادہ مشقت کا بھی سامنا ہے کیونکہ نیا گھوڑا بہت شرارت کرتا ہے اور قابو سے باہر ہو جاتا ہے۔ دوسرا وہ شخص ہے جو ایسے گھوڑے پر سوار ہے جو سواری میں شائستہ ہو چکا ہے اس کو زیادہ مشقت کا تو سامنا نہیں، مگر ہوشیار بیٹھنے کی اسکو بھی ضرورت ہے کیونکہ شائستہ گھوڑا بھی کبھی کبھی بمقتضائے حیوانیت شوخی کرنے لگتا ہے مگر وہ شوخی ایسی ہوتی ہے کہ سوار کی ذراسی دھمکی اسکے دفع کرنے کو کافی ہے لیکن اگر سوار بالکل غافل رہا تو کسی وقت یہ شائستہ گھوڑے کے اوپر سے بھی ضرور گرے گا۔ پس نفس کی نگہداشت کا مجاہدہ منتہی کو بھی لازم ہے۔

فطرت نفس اب یہاں سے میں سالکین کی ایک غلطی پر متنبہ کرتا ہوں وہ یہ کہ آپ کو معلوم ہو گیا کہ بعض دفعہ مہذب نفس بھی شوخی شرارت کرنے لگتا ہے سو بعض لوگ یہ حقیقت معلوم نہ ہونے کی وجہ سے نفس میں کوئی بُرا میلان دیکھ کر بڑے گھبراتے ہیں کیونکہ ان کے ذہن میں یہ جم گیا ہے کہ مجاہدہ سے اخلاق رذیلہ بالکل زائل ہو جاتے ہیں اور منشا اس خیال کا یہ ہے کہ اکثر وسط طریق میں وہ یہ محسوس کرتے تھے کہ تقاضائے معاصی گویا بالکل نہیں رہا حالانکہ اخلاق طبعیہ مجاہدہ سے زائل نہیں ہوتے بلکہ مغلوب و مضمحل ہو جاتے ہیں اور اکثر سلوک کے وسط میں غلبۂ حالات و کیفیات کی وجہ سے بہت زیادہ مغلوب و مضمحل ہو جاتے ہیں۔ اس طرح کہ زائل معلوم ہونے لگتے ہیں۔ پھر انتہا میں جب غلبۂ حالات کم ہو جاتا ہے اور تمکین حاصل ہوتی ہے تو اخلاق طبعیہ پھر ابھرتے ہیں، اس وقت سالک گھبراتا ہے اور رنج کرتا ہے کہ افسوس ہنوز روز اوّل ہی ہے میرا تو سارا مجاہدہ ہی بیکار گیا نفس تو اسی حالت میں ہے جس حالت میں پہلے تھا اور یہ رنج اسلئے مضر ہے کہ اس کے اس رنج و غم سے شیطان کو راستہ ملتا ہے کہ وہ اسکو تعطل کی طرف لے جاتا ہے اور اس حالت میں اس شخص میں شکستگی

بھی بیحد ہو جاتی ہے کہ بات بات میں کہتا ہے کہ میں کسی قابل نہیں ہوں اور ظاہر میں تو یہ تواضع ہے مگر اس میں رنگ شکایت کا ہے گویا خدا تعالیٰ کی تمام نعمتوں کو بھلا کر یہ سمجھتا ہے کہ جب میرے اندر گناہ کا تقاضا موجود ہے تو اب میرے پاس کوئی نعمت نہیں حالانکہ یہ سخت ناشکری ہے پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ یہ شخص اپنی تمام ریاضات گذشتہ کو یاد کرکے اپنے دل میں یوں کہتا ہے کہ میں بڑا بدقسمت ہوں کہ اتنی محنت کے بعد بھی مجھے ناکامی ہی رہی۔ بس اب میرے واسطے کیا رہا کچھ نہیں۔ اور بعض اوقات یہ شخص اپنی کامیابی سے مایوس ہو کر نفس کو بالکل آزادی دیدیتا ہے کہ جب مجاہدات کے بعد حاصل یہی ناکامی ہی ہے تو نفس کو مصیبت میں کیوں ڈالا جائے، یہ شخص اس غلطی میں اس لئے مبتلا ہوا کہ اس نے یہ سمجھ لیا تھا کہ میں مجاہدہ کرکے تقاضائے گناہ سے بھی معصوم ہو گیا اور اب میرے اندر سے اخلاق رذیلہ بالکل نکل گئے، حالانکہ یہ بالکل غلط ہے کشاکش ہمیشہ رہتی ہے ہاں مبتدی جیسی نہیں رہتی۔ اس لئے میں کہتا ہوں کہ اعمال صالحہ کا جب قصد کرے تو اوّل ہی نفس کو یہ سمجھا لے کہ ان اعمال میں مشقت ہمیشہ رہیگی اور عمر بھر مجاہدہ کرنا ہوگا۔ اور یہاں سے آپ کو معلوم ہوا ہوگا کہ شیخ کتنی بڑی نعمت ہے کہ وہ کیسے کیسے عقبات سے سالک کو نکالتا ہے اور اس کا عقبات سے نکالنا یہی ہے کہ وہ حقائق صحیحہ پر مطلع کرتا اور غلط اعتقادات سے بچاتا ہے۔ اسی کو فرماتے ہیں ؎

۱؎ گر ہوائے ایں سفر داری دلا	دامنِ رہبر بگیر و پس بیا
۲؎ بے رفیقے ہر کہ شد در راہِ عشق	عمر بگذشت و نشد آگاہِ عشق

۱؎ (اے دل! اگر اس راہ میں چلنے کا حوصلہ پیدا ہو گیا ہے تو کسی رہبر کامل کا دامن پکڑ لے اور اسکے پیچھے پیچھے چل پڑ)

۲؎ (کیونکہ جس کسی نے بغیر رفیقِ غمگسار کے راہِ عشق میں قدم اٹھایا اسکی عمر اکارت گئی اور احوال سے کچھ میسر نہ آیا)

اور فرماتے ہیں ؎

صد ہزاراں دام و دانہ ست اے خدا | ما چو مرغان حریص و بے نوا

بے عنایاتِ حق و خاصانِ حق　　گر ملک باشد سیہ ہستش ورق

(اے اللہ (اس ناپائیدار دنیا میں) لاکھوں جال پھیلے اور دانے پڑے ہوئے ہیں اور ہمارا حال ایسا ہے جیسے مرغانِ حریص بے سروسامان کا (کہ ہر وقت جال میں پھنس جانے کا قوی اندیشہ ہے) (اللہ کی رحمت و فضل اور اللہ والوں کی ہمت و توجہ کے بغیر اگر فرشتہ بھی ہو تو اس کا نامۂ اعمال سیاہ ہی رہے گا (اس لئے کہ کوئی عمل آمیزش ریا اور اغراض دنیوی سے خالی نہ ہوگا)

خدا کے خاص بندوں کی کسی پر عنایت ہو جائے تو یہ بہت بڑی بات ہے۔ بہرحال خوب سمجھ لو کہ اعمال صالحہ میں مشقت ہمیشہ رہتی ہے کیونکہ وہ اعمال نفس کی خواہش کے خلاف ہیں نفس ان میں منازعت ضرور کرتا ہے قلیل یا کثیر، اس لئے مخالفتِ نفس کی عمر بھر ضرورت ہے اور یہی مجاہدہ کی حقیقت ہے۔

کسل نماز یہاں سے بعض واعظین کی غلطی معلوم ہوگئی کہ وہ آیت یعنی وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى (اور جب نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو بہت ہی کاہلی کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں) کو مسلمانوں کے حق میں پڑھ دیتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ جو نماز میں کسل کرے وہ منافق ہے، بات یہ ہے کہ ان لوگوں کو قرآن کے معنی سمجھنے میں غلطی ہوئی حقیقت مسئلہ کی یہ ہے کہ کسل کی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ عمل میں مشقت کا سامنا ہو مگر عقیدہ میں ضعف یا شک نہ ہو تو وہ کسل نہیں ہے جو منافقین کی شان تھی یہ تو کسل طبعی ہے اور طبعی کسل اعمال شرعیہ میں مخلصین کو بھی ہو سکتا ہے کیونکہ یہ اعمال نفس پر گراں ہیں نفس ان میں بعض دفعہ کسل کرنے لگتا ہے اور اعمال شرعیہ میں مشقت کا سامنا ہونا آیت وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ (اور تم پر دین میں کسی قسم کی تنگی نہیں کی) کے خلاف نہیں کیونکہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ دین فی نفسہ آسان ہے دشوار نہیں یہ اور بات ہے کہ منازعتِ نفس کی وجہ سے اسمیں دشواری آجائے کیونکہ یہ ضرور ہے کہ اعمال شرعیہ میں نفس کی خواہشوں کو پامال کیا جاتا اور اسکی مخالفت کی جاتی ہے اور یہ نفس کو ضرور گراں ہے تو اس منازعت و کشاکشی کی وجہ سے دشواری آجانا یسر فی نفسہ[1] کے خلاف نہیں اسی لئے قرآن میں وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ سے پہلے وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ (اور اللہ کے کام میں خوب

---

[1] اپنی ذات میں آسان ہونا۔

ـش کیا کرو جیسا کوشش کرنے کا حق ہے، بھی آیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ دین میں مجاہدہ
بھی ضرورت ہے پس ایک ہی جز و کو مت دیکھو دونوں جزوں کو ملاؤ تو حاصل وہی نکلے گا
یں نے عرض کیا ہے۔

ل کی قسمیں | اب سنئے! ایک تو طبعی کسل ہے جس کا منشا منازعت نفس ہے، یہ منافقین کے
تھ خاص نہیں اور دوسرا اعتقادی کسل ہے کہ اس شخص کو نماز کی فرضیت پر اور خدا اور رسول
ہی ایمان نہیں ہے محض کسی مصلحت کی وجہ سے نماز پڑھ رہا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ دل سے نہ
ھے گا بلکہ بیگار سی ٹالے گا اور کسل کے ساتھ نماز ادا کرے گا، یہ کسل منافقین کی شان ہے
ر خدا نہ کرے کہ کسی مسلمان کی شان ہو۔

بہر حال اعمال شرعیہ میں مجاہدہ کی ضرورت عمر بھر کے لئے ہے مبتدی کو بھی اور منتہی کو بھی
ور دونوں کو کبھی نہ کبھی اعمال میں منازعت نفس کی وجہ سے کسل بھی پیش آتا ہے مبتدی کو زیادہ
نتہی کو کم اس کسل ہی کے رفع کے لئے مجاہدہ کی ضرورت ہے، نیز کسی وقت دونوں کا نفس معاصی
ا تقاضا کرتا ہے اس کے مقابلہ کے لئے بھی مجاہدہ کی دونوں کو ضرورت ہے۔ تو ایک غلطی تو مبتدی
رتا ہے کہ وہ اپنے کو مشقت سے بچانا چاہتا ہے اور مجاہدہ کرتا ہی نہیں بلکہ اسی انتظار میں ہے کہ
سارا کام بدون مشقت کے ہو جائے۔ اور ایک غلطی منتہی کرتا ہے کہ وہ ابتدا میں مجاہدہ کرکے
ئندہ کے لئے مجاہدہ سے اپنے کو مستغنی سمجھتا ہے اور یہ سخت غلطی ہے کیونکہ طبائع بشریہ پھر عود کرتی
یں اور اس وقت منتہی کو بھی معاصی کا تقاضا ہوتا ہے اور اس کا نفس بھی طاعات میں بعض دفعہ
کسل کرنے لگتا ہے۔ اس وقت اس کو بھی مجاہدہ کی ضرورت ہوتی ہے مگر مبتدی اور منتہی کے مجاہدہ
میں بڑا فرق ہے جس کی مثال اوپر گزر چکی ہے کہ جیسے ایک شخص تو شائستہ گھوڑے پر سوار
ہو اور ایک ایسے گھوڑے پر سوار ہو جس پر آج ہی سواری کی گئی ہے۔ شائستہ گھوڑے کے
سوار کو بھی ہوشیار بیٹھنے کی ضرورت ہے کیونکہ شائستہ گھوڑا بھی کبھی شوخی شرارت کرنے لگتا ہے
مگر اس کے دبانے میں اس قدر مشقت نہیں ہوتی جس قدر نئے گھوڑے کے دبانے میں ہوتی
اس لئے منتہی کا اپنے گذشتہ مجاہدہ و ریاضت کو بیکار و بے سود سمجھنا بھی غلط ہے اور آئندہ
کے لئے بھی وہ مجاہدہ سے مستغنی نہیں اور اعمال صالحہ کا کرنا کسی وقت بھی مشقت سے خالی نہیں ہے۔

(باقی آئندہ)

چنانچہ جن لوگوں نے حضرات صحابہ کی ترقی کا حال تاریخ میں دیکھا ہے، وہ خوب جانتے ہیں کہ ان حضرات کو محض دین کی اتباع کی وجہ سے ترقی ہوئی وہ دین میں پختہ تھے۔ انکے معاملات و معاشرت و اخلاق بالکل اسلامی تاریخ کے مطابق تھے اسلئے دوسری قوموں کو خودبخود اسلام کی طرف کشش ہوتی تھی اور کسی نے مقابلہ کیا تو چونکہ انھوں نے خدا تعالیٰ کو راضی کر رکھا تھا اسلئے خدا تعالیٰ انکی مدد کرتا تھا۔ یہی تو وجہ ہے کہ باوجود بے سروسامانی اور قلتِ عَدد و عُدد (تعداد و سامان) کے بڑی بڑی سلطنتوں کو ان سے آنکھ ملانے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔

(۴۰۵) فرمایا کہ تم شریعت پر چل کر دیکھو انشاءاللہ سب تمھاری عزت کریں گے جس کی بیّن دلیل یہ ہے کہ جو پکے مسلمان ہیں انگریز، پارسی، ہندو وغیرہ سب انکی عزت کرتے ہیں۔ تم دین پر قائم رہو ساری قومیں تمھاری مسخر ہو جائیں گی۔

(۴۰۶) فرمایا کہ اتفاق و اتحاد کی بنیاد ہمیشہ دین کی حدود پر قائم کرو اور کسی عالم سے مشورہ کرکے کام کرو۔ یہ اتحاد انشاءاللہ مضبوط ہوگا اور یہ اتحاد باقی جب رہے گا جب تقویٰ کی رعایت ہوگی کیونکہ جب تقویٰ کی رعایت ہوگی تو خدا کا خوف ہوگا اور دوسروں کے حقوق ادا کرنے کا خیال ہوگا اور جب دوسروں کے حقوق ادا ہوتے رہیں گے تو پھر نااتفاقی پیدا نہیں ہوسکتی۔ نااتفاقی جبھی پیدا ہوتی ہے جب کسی کو ضرر پہونچایا جاوے یا اسکے حقوق تلف کیے جاویں۔

(۴۰۷) فرمایا کہ دیندار سے زیادہ تعلقات کے حقوق کوئی کلی ادا نہیں کرسکتا کیونکہ جب بندہ کا تعلق خدا سے مستحکم ہوجاتا ہے تو دنیا کے تعلقات کے حقوق پہلے سے زیادہ مستحکم ہوجاتے ہیں کیونکہ پہلے تو ان حقوق کو حظ نفس کے لئے ادا کیا جاتا تھا اور حظ نفس اپنی اختیاری شئے ہے جب چاہو اس سے قطع نظر کرلو تو وہ حقوق ضائع ہوجاتے ہیں اور اب رضائے الٰہی کیلئے ان حقوق کو ادا کیا جاتا ہے اور رضائے حق سے قطع نظر نہیں ہوسکتی اسلئے حقوق کی ادائیگی یقینی ہوجاتی ہے اور جو لوگ دیندار بنکر حقوق متعلقین میں کمی کرتے ہیں وہ دین سے ناواقف ہیں حقیقت میں وہ دیندار نہیں گو دنیا انکو دیندار سمجھتی ہے۔

(۴۰۸) فرمایا کہ مخلوق کے عیوب پر نظر نہونا فی نفسہ بہت بڑی نعمت ہے۔

(۴۰۹) فرمایا کہ جب کسی عمل کو دائماً متروک رکھا جاتا ہے تو باطن پر اسکا اثر ضرور رہتا ہے بدون عمل کے اعتقاد کی جڑ نہیں کٹتی چنانچہ جب سے نکاح ثانی پر عمل ہونے لگا اسوقت سے اعتقاد بھی درست ہونے لگا۔

(۴۱۰) فرمایا کہ رعایا کے سلطنت کی ہوس کرنے کا نتیجہ سوائے پریشانی کے اور کچھ نہیں بس انکی وہ حالت ہے جیسے چیونٹی کے مرنے کے دن جب قریب آتے ہیں تو اسکے پر لگتے ہیں اس وقت تو وہ خوش ہوتی ہے کہ آہا میں بھی ہوا میں اڑنے لگی۔ چنانچہ اسکی یہ حالت ہوتی ہے ؎

چیونٹی کے لگے پر تو وہ کہنے لگی اڑ کر میں مثل سلیماں ہوں ہوا میں کئی دن سے

مگر اسکو یہ خبر نہیں کہ اسکی ہلاکت کے دن قریب آگئے ہیں اسکا منشا محض حرص ہے اور کچھ نہیں مگر یہ لوگ اسکو دین سمجھتے ہیں اور اسکا نام ترقی اسلام رکھا ہے۔ صاحبو! نام کے بدلنے سے کچھ نہیں ہوتا نتائج اور آثار کو دیکھنا چاہئے کہ اس ہوس خام کے آثار ونتائج کیا ہیں کیا اس سے اسلام کو کچھ ترقی ہوئی ہے یا کفر کو صوفیہ بڑے محقق ہیں اور ان سے زیادہ کون دیندار ہوگا انکی تعلیم یہ ہے ؎

آرزو میخواہ لیک اندازہ خواہ بر نتابد کوہ را یک برگ کاہ

(آرزو کرو لیکن اپنے حوصلہ کے بقدر کرو اسلئے کہ گھاس کا تنکا پہاڑ کو نہیں اٹھا سکتا)

چنانچہ نص قرآنی ہے لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ (اور اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں تباہی میں مت ڈالو) جس سے معلوم ہوا کہ جس ہوس کا نتیجہ ہلاکت ہو وہ ممنوع ہے۔ وہ دین نہیں خلاف دین ہے اور حدیث میں ہے لَا یَنْبَغِیْ لِلْمُؤْمِنِ اَنْ یُّذِلَّ نَفْسَہٗ (مومن کے لئے یہ بات نازیبا ہے کہ اپنے آپ کو بے عزت کرے) جس سے معلوم ہوا کہ اپنے آپ کو ذلیل کرنا بھی جائز نہیں گو ہلاکت نہو۔ یہ سب تو شریعت کی تعلیم متعلق مصائب اختیاریہ کے ہے اور مصائب غیر اختیاریہ کے متعلق یہ تعلیم ہے وَالَّذِیْنَ اِذَا اَصَابَتْھُمْ مُّصِیْبَۃٌ قَالُوْا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ (ان پر جب کوئی مصیبت پڑتی

ہے تو وہ (دل سے سمجھکر) کہتے ہیں کہ ہم تو اللہ تعالیٰ ہی کی مِلک ہیں اور ہم سب اللہ تعالیٰ ہی کے پاس لوٹ کر جانے والے ہیں) یعنی اس آیت کا تفکر اس کا علاج ہے نہ کہ صرف زبانی پڑھنا

(۴۱۱) فرمایا کہ ساری پریشانی کا مدار یہی تجویز ہے کہ انسان اپنے لئے یا اپنے متعلقین کے لئے ایک خیالی پلاؤ پکا لیتا ہے کہ یہ لڑکا زندہ رہے اور تعلیم یافتہ ہو اور اسکی اتنی تنخواہ ہو پھر وہ ہماری خدمت کرے اور اسی طرح یہ مال ہمارے پاس رہے اس میں یوں ترقی ہو اور اتنا نفع ہو اسیطرح شیخ چلی کیطرح ہر چیز کے متعلق کچھ نہ کچھ منصوبے قائم کر لئے جاتے ہیں اگر پہلے سے کوئی تجویز نہ ہو تو پریشانی کبھی پاس نہ پھٹکے۔ اسی لئے اہل اللہ سب سے زیادہ آرام و راحت و مسرت میں ہیں انکو کسی واقعہ سے پریشانی اور غم نہیں ہوتا کیونکہ وہاں تجویز کا نشان ہی نہیں ہے بلکہ تفویض کلی ہے۔ بس انکو غم آخرت کا تو ہے اور کسی بات کا غم نہیں مگر غم آخرت ایسا نورانی اور لذیذ ہے کہ اسکے بدلہ میں سلطنت بھی لینا نہیں چاہتے ؎

غم دین خور کہ غم غم دین است　　　همہ غمہا فرو تر از این است

(دین کی فکر کرو کیونکہ دین ہی کا غم، غم کہلانے کا مستحق ہے اسلئے کہ تمام غم اس سے کمتر درجہ رکھتے ہیں)

غم دنیا مخور کہ بیہودہ است　　　هیچ کس در جہاں نیاسودہ است

(دنیا کا غم مت کھاؤ کیونکہ یہ غم عبث اور بیکار ہے کوئی آدمی دنیا میں آسودہ حال نہیں رہا ہے)

(۴۱۲) فرمایا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى "کیا بھلا انسان کی ہر آرزو پوری ہو سکتی ہے" یہی وجہ ہے کہ حریص کو کبھی راحت نہیں مل سکتی

ما کل ما یتمنی المرء یدرکہ　　　تجری الریاح بما لا تشتہی السفن

ایسا نہیں کہ آدمی جس چیز کی بھی تمنا کرے وہ پوری ہی ہو جائے۔ دیکھو ہوائیں کشتیوں کے خلاف بھی چلا کرتی ہیں) یہاں سے معلوم ہو گیا کہ آجکل جو لوگ ترقی متعارف کے معلم ہیں وہ درحقیقت پریشانی کی تعلیم دے رہے ہیں کیونکہ جس چیز کا نام انھوں نے ترقی رکھا ہے اسکی حقیقت حرص ہے اور جو لوگ ترقی متعارف سے مانع ہیں وہ

راحت کے معلم ہیں کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ ہر حال میں شریعت کے موافق چلو اور اسمیں راحت ہی راحت ہے۔

(۴۱۳) فرمایا کہ حرص تمام پریشانیوں کی جڑ ہے یہ ایسا مرض ہے کہ اسکو ام الامراض کہنا چاہئے کیونکہ اسی وجہ سے جھگڑے فساد ہوتے ہیں۔ اسی کی وجہ سے مقدمہ بازیاں ہوتی ہیں۔ اگر لوگوں میں حرص مال نہو تو کوئی کسی کا حق نہ دبائے بدکاری اور چوری کا منشا بھی لذت کی حرص ہے۔ اخلاق رذیلہ کی جڑ بھی یہی حرص ہے کیونکہ عارفین کا قول ہے کہ تمام اخلاق رذیلہ کی اصل کبر ہے اور کبر ہوس جاہ ہی کا نام ہے۔ پس کبر کا منشا بھی یہی حرص ہوا۔

(۴۱۴) فرمایا کہ افسوس ان لوگوں کو خبر نہیں کہ شریعت میں سلطنت خود مقصود نہیں بلکہ ملّاپن ہی مطلوب ہے اور سلطنت سے مقصود بھی ملّاپن ہی کا پھیلانا ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ یعنی اگر انکو ہم دنیا میں سلطنت دیتے تو یہ خوب نماز پڑھتے اور خوب زکوٰۃ دیتے اور خوب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے"

(۴۱۵) فرمایا کہ حرص کے مقتضا پر عمل کرنے سے جی بھر نہیں سکتا کیونکہ انسان کا طبعی خاصہ ہے کہ اگر اسکے پاس مال کے دو جنگل بھی ہوں جنمیں سونا چاندی پانی کیطرح بہتے ہوں پھر وہ تیسرے کا طالب ہوگا۔ پس یہ خیال ہی غلط ہے کہ ہوس کے پورے کرنے سے ہوس بجھ جاوے گی بلکہ جتنا اسکو پورا کردگے اتنا ہی بڑھے گی انسان کی ہوس کے پیٹ کو مٹی کے سوا کوئی چیز نہیں بھر سکتی ؎

گفت چشم تنگ دنیا دار را یا قناعت پُر کند یا خاک گور

ان بزرگ نے کہا کہ دنیا دار کی تنگ نگاہ کو قناعت ہی بھر سکتی ہے یا پھر قبر کی مٹی

(۴۱۶) فرمایا کہ اگر کوئی مسلمان یہ کہے کہ جہنم میں کوئی کافر نہ جائیگا تو اسکو یہ تاویل ہوسکتی ہے کہ ممکن ہے اس نے کفر لغوی کا ارادہ کیا ہو کفر شرعی مراد نہ لیا

اور کافر جب مرتا ہے تو خدا پر ایمان لاتا ہے گو وہ ایمان مقبول و معتبر نہو کیونکہ حالت
اس کا ایمان مقبول نہیں ہوتا جبکہ آخرت کے امور نظر آنے لگیں اسلئے وہ کافر ہے
لہٰذا اسکا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ جہنم میں جو بھی جائیگا وہ لغۃً مومن ہوگا کافر نہو گا۔

(۴۱۷) فرمایا کہ فلسفی مسئلہ ہے کہ کسی قوت سے جتنا کام لیا جاتا ہے اتنا
ہی وہ قوت زور پکڑتی ہے اور راسخ ہو جاتی ہے پس نگاہ بد کرنے سے نگاہ بد کو
سکون نہوگا بلکہ اسکی جڑ مضبوط ہوگی اور ایک بار گھور لینے سے جو سکون ہو جاتا ہے اس
سے دھوکا نہ کھایا جاوے کیونکہ یہ عارضی سکون ہے جیسے تمبا کو کھانے والے کو
ایک بار کھا لینے سے کچھ دیر کو سکون ہو جاتا ہے لیکن طلب زیادہ ہو جاتی ہے یا یوں
سمجھو کہ جیسے درخت کی جڑ میں جب پانی دیا جاتا ہے تو وہ تھوڑی دیر نظروں
سے غائب ہو جاتا ہے مگر واقع میں غائب نہیں ہوتا بلکہ وہ اب شاخوں اور
پتوں میں رطوبت بڑھا کر ظاہر ہوگا اور جڑ کو پہلے سے زیادہ مضبوط کردے گا
پس جو لوگ مقتضائے تقاضا پر عمل کرتے ہیں وہ حقیقت میں تقاضے کو کم نہیں
کرتے بلکہ اسکی آبیاری کرتے ہیں۔

(۴۱۸) فرمایا کہ صاحبو! نور اسی میں ہے کہ تم کو گناہ کا تقاضا ہو اور تم
اس تقاضے کا مقابلہ کرو اس تقاضے ہی سے تو تقوے کا حمام روشن اور تقوی کا کمال
ظاہر ہوتا ہے سه

شہوت دنیا مثال گلخن است — کہ ازو حمام تقوی روشن است

(دنیوی خواہشات کی مثال بھٹی جیسی ہے کیونکہ اسی سے تقوی کا حمام روشن ہے)
ہمت تقاضا سے یہ تقاضا زائل تو نہوگا مگر ضعیف ضرور ہو جائیگا جس کے بعد پھر
ہمت سہل ہو جائے گی اور یہ بھی بڑا نفع ہے کہ دشمن ضعیف ہو جاوے۔

(۴۱۹) فرمایا کہ کمیشن جو کاریگر بائع سے لیتا ہے اس میں احتیاط اور جواز
کی یہ ہے کہ کاریگر بائع سے یہ کہدے کہ ہم تم سے مال خریدنے میں کوئی رعایت
نہیں کرینگے مگر حسب عرف تجار تم کو کمیشن دینا ہوگا اگر اس پر بھی بائع کمیشن دے تو

اصل مشتری یعنی مالک ثمن کی رضامندی سے جائز ہوگا کیونکہ اس کمیشن کی حقیقت حط ثمن (یعنی قیمت کم کرنا) ہے بائع کی جانب سے اور وہ حق ہے اصل مشتری کا بدون اسکی اجازت کے کارندہ کو لینا جائز نہ ہوگا۔

(۴۲۰) فرمایا کہ توکل کی حقیقت ہے غیر متصرف حقیقی سے قطع نظر کرنا اور قطع نظر اعتقاداً کرنا تو فرض ہے اور عملاً اسباب ظنیہ کے ترک سے بشرط تحمل مستحب ہے ہے اور جو اسباب عادۃً یقینی یا مثل یقینی کے ہیں انکا ترک کرنا معصیت ہے بجز اہل حال کے کہ انکو اسکی بھی اجازت ہے اور یہ سب تفصیل اسباب دنیویہ میں ہے اور اسباب دینیہ کو ترک کرنا توکل نہیں۔

(۴۲۱) فرمایا کہ اصلاح کا کوئی منتہا نہیں اس لئے جب ایسا خیال ہو کہ اب میری اصلاح ہو چکی ہے اور اس پر اطمینان بھی ہو تو یہ غلط ہے۔

(۴۲۲) فرمایا کہ معصیت کا علاج قبل صدور ہمت اور بعد صدور توبہ ہے سوا اسکے اور کوئی علاج نہیں۔

(۴۲۳) فرمایا کہ تقلیل طعام کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ جس وقت خوب اشتہا ہو اس وقت کھانا کھا کر اشتہا کو ختم کرنا چاہیئے بلکہ اسکو باقی رکھکر ہاتھ روک لینا چاہیئے لیکن تقلیل طعام فی نفسہ مقصود نہیں، مقصود کسر قوت بہیمیہ ہے اور اس کسر سے بھی مقصود كَفُّ النَّفْسِ عَنِ الْمَعَاصِيْ (نفس کو گناہوں سے روکنا) پس اگر یہ کف عن المعاصی بدون تقلیل طعام میسر ہو جائے تو تقلیل طعام ضروری نہیں بلکہ اس زمانہ میں اس سے ضعف ہو جاتا ہے جس سے دوسری مضرتیں جسمانی و نفسانی پیدا ہو جاتی ہیں اسلئے بلا ضرورت مناسب نہیں۔

(۴۲۴) فرمایا کہ اس قسم کے مسائل جنکا تعلق اصلاح نفس سے ہے کسی تصوف کی کتاب میں دیکھکر اس پر عمل کرنا اس شرط سے درست ہے کہ فہم میں یا حدود و شروط میں غلطی نہ ہو لیکن ان غلطیوں کا احتمال عادۃً غالب ہے اس لئے بدون مشورہ کسی شیخ مبصر کے خود عمل مناسب نہیں، البتہ مناسب ہے کہ اس علاج

کو نقل کر کے مشورہ کرلے

(۴۲۵) فرمایا کہ نماز میں بلاضرورت غیر نماز کا خیال نہ لانا چاہیئے ہاں اگر کسی ضرورت کی وجہ سے مشروع یا مباح امر کا خیال قصداً لائے اور اسکو قصداً باقی رکھے تو اس میں مواخذہ نہیں۔ اور اگر یہ شبہ ہو کہ اس سے صلوٰۃ میں تو خلل آئے گا اسلئے کہ غیر صلوٰۃ ہے تو یہ سمجھ لو کہ خلل کا ہر درجہ موجب مواخذہ نہیں، یہ خلل بمعنی نقص ثواب ہے جیسے تین بار تسبیح کہنے میں پانچ بار کہنے سے ثواب کم ہے بمعنی فساد یا کراہت نہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ قصداً خیالات منکرہ و معاصی سے تو نماز میں ظلمت پیدا ہوتی ہے اور خیالات معروفہ وطاعات سے اگر وہ نماز ہی کے متعلق ہیں نور بڑھتا ہے اور اگر وہ غیر نماز ہیں تو نور بڑھتا ہے نہ گھٹتا ہے اور جو منکر ہو نہ معروف بلکہ مباح ہو اگر بضرورت ہو (اور ضرورت وہ ہے کہ اگر اس وقت اسکو موخر کیا جاوے تو کوئی ضرر یا حرج لاحق ہو جاوے گا یا کوئی ضروری منفعت فوت ہو جاوے گی) تو اسکا بھی یہی اثر ہے کہ نور نہ بڑھتا ہے نہ گھٹتا ہے اور اگر غیر ضروری ہے تو نور گھٹتا ہے مگر ظلمت پیدا نہیں ہوتی۔

(۴۲۶) فرمایا کہ عبادات جسمانیہ خود شرط ہیں ترقی روح کی اور وہ عبادات موقوف ہیں تعلق جسمی پر پس جسم اگر متبوع ہو تو وہ مانع عن الآخرۃ ہے روح کے لئے اور اگر تابع ہو تو وہ موصل الی الآخرۃ ہے

(۴۲۷) کسی نے ادائیگی قرض کے لئے کوئی موثر وظیفہ پوچھا تھا اس پر فرمایا کہ دعا سے زیادہ کوئی وظیفہ موثر نہیں۔

(۴۲۸) فرمایا کہ کام میں لگنا چاہیئے یہ دیکھنے کی ضرورت نہیں کہ کیفیات بھی ہیں یا نہیں حظوظ و لذائذ بھی ہیں یا نہیں۔ اور نہ یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ کچھ ہوا یا نہیں۔ اسکو ایک مثال سے سمجھئے کہ جیسے رات کو پنہاری آٹا پیستی ہے مگر اس پیسنے والی کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ آٹا چکی سے گر رہا ہے یا نہیں اور نہ یہ خبر ہوتی ہے کہ کس قدر جمع ہو گیا پیسنے ہی کی دھن لگی رہتی ہے صبح کو جب دیکھتی ہے تو معلوم

ہوتا ہے کہ تمام چکی کے گرد آٹا جمع ہوگیا۔ اگر رات بھر یہ کرتی کہ ایک چکر چکی کا گھما کر آٹے کو ٹٹولا کرتی تو پاؤ بھر بھی آٹا نہ پیس سکتی۔ علاوہ اسکے اپنے کو جس کے سپرد کیا ہے اس پر بغیر اعتماد اور انقیاد و اعتقاد کے کام نہیں چل سکتا جب جاننے والا یہ کہہ رہا ہے کہ کام ہو رہا ہے بس اطمینان کرنا چاہیئے۔

(۴۲۹) اہل اللہ پر طعنہ زنی کے متعلق یہ دونوں شعر پڑھے ؎

ہیچ قومے را خدا رسوا نہ کرد	تا دل صاحبدلے نامد بدرد

(کسی قوم یا فرد کو خدا نے اس وقت تک رسوا نہیں کیا جب تک اس نے کسی اللہ والے کا دل نہ دکھایا)۔

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد	میلش اندر طعنۂ پاکاں برد

(جب اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ کسی کی پردہ دری ہو تو اسکی رغبت اور میلان اللہ والوں کی عیب گیری اور برائی کرنے کی طرف کر دی جاتی ہے)

(۴۳۰) فرمایا کہ ایک مرتبہ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اہل جاہل کے تکفیر کا ذکر تھا اسی روز جوش میں شان رحیمی کا ظہور ہو رہا تھا یہاں تک فرمایا کہ کافر کافر لئے پھرتے ہو قیامت میں دیکھو گے کہ ایسوں کی مغفرت ہوگی جنھیں تم دنیا میں کافر قطعی کہتے ہو اور واقع میں وہ کافر نہونگے مگر نہایت ضعیف الایمان ہونگے پھر فرمایا لیکن اگر ڈرانے دھمکانے کے لئے شرعی انتظام کے لئے کسی وقت کافر کہہ دیا جاوے تو اسکا مضائقہ نہیں اسمیں انتظامی شان کا ظہور ہوگیا۔

(۴۳۱) فرمایا کہ اس طریق میں سب سے زیادہ جو مضر چیز ہے وہ معلم پر اعتراض ہے اسکا ہمیشہ خیال چاہیئے

(۴۳۲) فرمایا کہ اللہ سے محبت رکھنے والا تو کسی کافر کسی بلی کتے کے ساتھ بھی مظالم کو گوارا نہ کرے گا۔

(۴۳۳) فرمایا کہ وہمی کیلئے بڑی دوا حلال غذا کا کھانا ہے کیونکہ وہ باطن کو منور کرتی ہے اور جب باطن منور ہو جاتا ہے تو آدمی حق و باطل میں تمیز کرنے لگتا ہے۔ (باقی آئندہ)

(مکتوب نمبر ۷۳۵)

حال: حضرت کا مبارک مکتوب طرح طرح اور قسم قسم کی دعاؤں سے بھرا ہوا ٹھیک پانچویں دن مجھے مل گیا چونکہ پانچ ہی دن ہوئے تھے اسلئے کوئی خاص انتظار نہ تھا، بغیر انتظار کے مل جانے سے ڈبل خوشی ہوئی کہ الحمدللہ اسقدر جلدی! حضرت نے جو دعائیں تحریر فرمائی ہیں وہ میرے لئے بہت ہی زیادہ خوشی کی چیز ہے کیونکہ وہ دعائیں میرے پورے گھرانے کو شامل ہیں۔ سبحان اللہ! اسقدر حضرت کی شفقت اور عنایت و توجہ۔ اللہ اکبر! حضرت کی شفقت و توجہ پورے کنبہ کو محیط ہے۔ فجزاکم اللہ احسن الجزاء۔ خوشی کے ہاتھوں میں ان دعاؤں کو اس عریضہ پر لکھتا ہوں کہ اس میں بھی حلاوت محسوس کرتا ہوں **تحقیق**: الحمدللہ

حال: پھر مزید حضرت کی توجہ اور شفقت کا بھی باعث ہے۔ حضرت ارقام فرماتے ہیں "اللہ تعالیٰ آپ کی محبت میں ترقی عطا فرمائے اور معرفت عطا فرمائے۔ مولوی حاجی صاحب آئے تھے میں ان سے خوش رہا۔ الحمدللہ (سبحان اللہ)۔ اللہ تعالےٰ آپ کے گھر کے ہر ہر فرد کو ٹھیک کر دیں۔ اور دنیا اور آخرت دونوں درست کر دیں" (الحمدللہ ثم الحمدللہ)۔ الحمدللہ، الحمدللہ کیسی دعائیں حضرت نے دیں اور کس قدر حضرت نے اپنی عنایت و شفقت سے آخری دعاؤں کو عام فرمایا ہے۔ فجزاکم اللہ احسن الجزاء۔ مجھے تو حضرت کیلئے یہی ایک دو دعائیں یاد ہیں۔ **تحقیق**: یہ کیا کم ہیں۔

حال: اور مجھے اچھی لگتی ہیں کہ اللہ تعالےٰ حضرت کو قرب کا اعلیٰ اور سب سے اونچا مقام عطا فرمائیں۔ آمین۔ **تحقیق**: آمین۔

حال: درجات عالیہ و رفیعہ مرحمت فرمائیں۔ آمین۔ حضرت کی دعوت، حضرت کی تعلیمات کو، حضرت کے فیوض و برکات کو عام فرما دیں اور تام کلی۔ اور حضرت کے سرچشمۂ فیض کو الیٰ یوم الدین جاری و باقی رکھیں، آمین۔ حضرت کے فیوض

کے چشمے قیامت تک دنیا میں جاری رہیں، باقی رہیں۔ آمین۔ **تحقیق:** آمین
ل: بس یہی دعائیں مجھے آتی ہیں اپنے فہم کے مطابق اسی پر کاربند ہوں۔ اور
یہ دعائیں دل کی گہرائیوں سے نکلتی ہیں صرف الفاظ کی حد تک اور وقتی طور پر
نہیں ہیں بلکہ برابر دل کی گہرائیوں سے شوق و محبت کے ساتھ کیا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ
قبول فرمائیں۔ آمین۔ اور ان کو حضرت کے حقوق میں سے ایک حق سمجھتا ہوں۔
رب کریم کا احسان عظیم ہے کہ حضرت کی توجہ کی برکت سے اتنی سمجھ مل گئی ہے فللہ الحمد
تحقیق: الحمد للہ۔
حال: الحمد للہ کہ حضرت کی کتابوں کو اکثر دیکھا کرتا ہوں اور یہاں بہت سے احباب
کو لاکر مختلف کتابیں دی ہیں جنکو بیحد پسند کیا گیا ہے۔ توقیر العلماء کو خاص توجہ
سے لوگ پڑھ رہے ہیں یوں تو حضرت کی ساری کتابیں نور سے بھری ہیں اور نہایت
ضروری ہیں مگر مجھے سب سے زیادہ "وصیۃ الاخلاق" کے بعد حضرت کی مبارک کتاب
"فوائد الصحبۃ" پسند ہے اسلئے کہ اس میں وہ ضروری باتیں اور مضامین ہیں
جنکی آج بیحد ضرورت ہے اور عموماً لوگ اس سے غافل ہیں۔ فوائد الصحبۃ
میں مجھے یہ مضمون بیحد پسند ہے اور بڑا ضروری بموثر ترین حالات بلکہ افضل ترین
عبادات اہل اللہ کی صحبت ہے اور مقربان خدا کی ہمنشینی۔ **تحقیق:** بیشک
حال: حضرت نے جو اسکی وجہ بیان فرمائی ہے وہ بھی عجیب بھی ہے خاص بھی ہے
حضرت نے فرمایا کہ اہل کمال کی مصاحبت اس لئے افضل عبادت ہے کہ یہ
موجب جذب ہے۔ سبحان اللہ۔ پھر حضرت نے فرمایا کہ تاثیر شیخ تاثیر عبادات
سے بڑھکر ہے یہ پورا صفحہ بار بار پڑھنے کے قابل اور یاد رکھنے کے قابل ہے
یہ مضمون بے حد پسند ہے کہ صحبت شیخ عبادت سے افضل ہے۔ بیشک
ایسا ہی ہے کیونکہ مجھے تو تجربہ ہوگیا ہے کہ ایسا ہی ہے۔ میں نے تو اپنے اوپر
خوب اسکو دیکھ لیا ہے کہ سارے امور شرعیہ حضرت کی صحبت کی برکت ہی سے
کرنے کا ڈھنگ آیا۔ نماز کے پڑھنے کا ڈھنگ بھی حضرت کی صحبت سے ہی

آیا۔ الحمدللہ کہ پہلے کی نماز میں اور اسوقت کی نماز میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ غرضیکہ واقعی حضرت کی صحبت عجیب کبریت احمر ہے۔ اللہ تعالے تادیر باقی رکھیں۔ آمین۔ **تحقیق**: آمین۔

حال: حضرت اب رخصت ہوتا ہوں۔ دعا ر چاہتا ہوں اپنے اہل کے لئے بھی

تحقیق: حافظ صاحب آپ نے خوب لکھا ہے۔ جزاکم اللہ تعالیٰ۔

(مکتوب نمبر ۳۶۷)

حال: ایک بار (خواب) دیکھا کہ بندہ قرآن شریف کی تفسیر سمجھ رہا ہے، کون سورۃ، کونسی آیت پتہ نہیں اتنا یاد آتا ہے کہ دو جگہ جہاں اللہ میاں کے اپنے دست یا قدم یا کلام وغیرہ کے متعلق ذکر ہے کچھ اسی کے متعلق ہے۔ پھر دیکھا کہ بندہ حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہے جبکہ . . . . صاحب بھی حاضر تھے . . . . صاحب پیالی میں کوئی چیز از قسم شربت یا چائے تیار کر رہے تھے پیالی بہت خوبصورت سبز رنگ کی تھی۔ بندہ خود کو حقیر و نااہل سمجھ رہا تھا دل میں یہ خیال آرہا تھا کہ بندہ اسمیں شریک نہیں ہوگا لیکن حضرت والا نے اپنے دست کرم سے بندے کو ایک پیالی مرحمت فرمائی۔ پیالی حضرت کی ہتھیلی پر تھی پیالی ہتھیلی سے اٹھاتے وقت بندے کو محسوس ہوا کہ اٹھانے میں دیر لگ رہی ہے کہیں حضرت چھوڑ نہ دیں چیخ اٹھا کہ بندہ ابھی پورے طور سے پکڑے نہیں ہے۔ خیر پیالی لیکر بندہ نوش کر گیا اخیر میں دیکھا کہ شکر کی طرح کوئی چیز جمی ہوئی ہے جیسے کھانا کھالینے کے بعد رکابی کو چاٹ کر صاف کرتے ہیں کر لیا۔ **تحقیق**: بہت عمدہ خواب ہے فائدہ ہوگا۔

حال: پھر دیکھا کہ بندہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر ہے۔ کبھی خود کہتا یا سنتا ہے کہ عبدالقادر جیلانی کبھی عبدالقادر گیلانی۔ پھر سمجھتا ہے کہ گیلانی شاید فارسی زبان میں کہتے ہیں۔ **تحقیق**: ٹھیک ہے۔

(مکتوب نمبر ۳۷)

حال: غفلت بہت زیادہ ہے قلب اکثر گرفتہ رہتا ہے ثقل سا معلوم ہوتا ہے

تحقیق: گرفتہ کا کیا مطلب اور ثقل کا کیا مطلب ہے لکھئے۔ کتنے دنوں کے بعد یاد فرمایا ہے۔

حال: مزاج میں وحشت ہے۔ تنہائی مرغوب ہے۔ اپنے کو اچھا جانتا تھا اور عقلمند سمجھتا تھا اب بہت برا اور حد درجہ کا بیوقوف سمجھ رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے اپنی سدھار اور عقل کے ملنے کیلئے برابر دعا کرتا رہتا ہوں کہ اسکی کمی کے باعث دین و دنیا کا بہت خسارہ ہوگیا۔ **تحقیق:** بیشک

حال: زمینداری والی خُوبُو اپنے اندر بدرجۂ اتم موجود ہے۔ اپنے کو اچھا سمجھنا اور دوسروں کو حقیر سمجھنا اس مرض کے نکالنے کی کوشش کر رہا ہوں

تحقیق: نکالو

حال: کبھی کبھی مجھے یہ خیال ہوتا ہے کہ میں احساس کمتری میں تو نہیں مبتلا ہو رہا ہوں۔ رات کو میں نے خواب دیکھا کہ میں ایک بڑے ہاتھی پر بغیر زین کے سوار ہوں۔ حضرت والا اسکی تعبیر سے مطلع فرمائیں۔

تحقیق: تعبیر معلوم کرکے کیا کروگے۔

حال: عقل و فہم صحت و عافیت کے لئے دعاء فرما دیجئے

تحقیق: دعاء کرتا ہوں۔

حال: جناب عالی! اپنے ظاہری تقدس اور باطنی کفر سے کبھی کبھی بہت پر ہو جاتا ہوں۔ نفس کو بری عادت و خصائل و معاصی سے انس ہوگیا ہے جسے چھوڑنا نہیں چاہتا حتیٰ کہ ایمان کے ضایع کرنے والی باتوں کے کہنے سے بھی دریغ نہیں کرتا **تحقیق:** اسکا کیا مطلب ہے؟

حال: اسکی سرکشی سے میں حیران و پریشان ہوں۔ دعاء فرما دیجئے کہ یہ مسلہ

ہو جاوے۔ **تحقیق**: کون؟

حال: نفس کی سرکشی اور اپنے معائب پر نظر کرتا ہوں اور ادھر اپنی بے چارگی کو سوچتا ہوں تو در بارِ خداوندی میں بہت روتا ہوں اور انہیں سے امداد و اعانت طلب کرتا ہوں۔ **تحقیق**: الحمد للہ۔

(مکتوب نمبر ۳۸)

حال: بیمار ہوا۔ الم و کرب کی شدت رہی لیکن الحمد للہ کہ قلب کی مشغولی اور تصور کے تسلسل میں فرق نہیں آیا۔ کچھ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ میں پڑا ہوں اور کسی کی چشمِ کرم نگراں ہے۔ اس مراقبہ کی لذت نے تکلیف کے احساس میں بڑی بھاری اور بیّن کمی کر دی۔ اللہ کا شکر ہے محض آپ کی نظرِ کرم سے اور فیضِ صحبت سے اس عمل کی توفیق ہوئی اور اس کے دوام و تجربے سے مشاہدہ ہوا کہ اہلِ دل کا تصور۔ انکی یاد۔ انکی طرف دھیان، دفعِ انتشار۔ قطعِ وساوس اور تحصیلِ جمعیت قلب میں۔ ذکر اللہ کی خاصیت رکھتے ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ نافع ہیں

تحقیق: الحمد للہ۔

حال: اس شغلِ پاک کی برکت ہے کہ معاصی کی طرف میل بہت کم ہو گیا ہے۔

تحقیق: الحمد للہ۔

حال: خیال ہوتا ہے کہ "نفس را انکشد الاّ ظلِ پیر" کی ایک صورت یہ بھی ہے جو اس احقر کو نصیب ہو رہی ہے۔ حضرت والا کی بے نہایت شفقت اور سعی سے اللہ تعالےٰ نے اس آوارہ کو گمراہی سے نکال کر ہدایت مرحمت فرمائی۔

تحقیق: الحمد للہ۔

حال: بہرحال خوب واضح ہوا اور شرحِ صدر ہو گیا کہ نیابتِ انبیاء کے حق کے ادائیگی کی سبیل حضرت والا کے طرزِ تعلیم اور طریقِ اصلاح میں متعین و منحصر ہے۔

تحقیق: الحمد للہ۔

ل : خوب سمجھ میں آتا ہے کہ عالم اور فاضل ہونا ، زاہد اور متقی ہونا ، درویش اور بزرگ ہونا اور ہے اور مصلح و ہادی ہونا اور ۔ **تحقیق** : بیشک ۔

ل : اللہ تعالیٰ کا بے حد کرم وفضل ہے کہ اس نے ساری کوتاہیوں کے باوجود اس مرکز اصلاح و ہدایت سے نسبت نصیب فرمائی ہے ۔ **تحقیق** : الحمد للہ

ال : بس اسی میں پختگی و اخلاص کی سعی ہے ۔ **تحقیق** : الحمد للہ

تال : دعاؤں سے دستگیری کا محتاج ہوں ۔ **تحقیق** : دعا کرتا ہوں ۔

تال : حضرت والا دعا فرمادیں کہ تعلق کا معتبر حصہ نصیب ہو ۔ **تحقیق** : آمین

(مکتوب نمبر ۳۹ ۷)

حال : ضروری گزارش یہ ہے کہ بندہ عرصہ سے حضور والا کی خدمت میں کوئی خط روانہ نہ کرسکا جسکی وجہ سے میں بجد شرمندہ ہوں امید ہے کہ حضرت والا مجھے معاف فرمائیں گے اور میری غلطیوں سے درگذر فرمائیں گے اور حضور والا میرے لئے دعا فرمائیں کہ میں حضور والا سے برابر خط وکتابت کا سلسلہ رکھوں کہ یہ میرے اندر بہت ہی خامی ہے ۔ حضور والا دعا فرمائیں کہ خداوند کریم میری اس خامی کو دور فرمائیں ۔ حضور والا کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ ہے امید ہے کہ حضور والا اجازت مرحمت فرمائیں گے ۔

تحقیق : حالات معلوم ہوئے یہ بھی غنیمت ہے کہ آپ نے اجازت لی پٹھان لوگ تو باوجود صریح ممانعت کے بھی زبردستی آجاتے ہیں ۔ جیسے معلوم ہوتا ہے کہ انقیاد و اطاعت کا مادہ ہی نہیں ہے ۔

خیر اب آپ سنیئے کہ آپ نے جو کچھ لکھا ہے شاید پہلے بھی لکھ چکے ہیں تو پہلے اور اب کے لکھنے میں فرق کیا ہے ؟ اور میں نے طریقہ اب بدل دیا ہے ۔ پہلے جیسا نہیں ہے جن لوگوں کو دین مطلوب نہیں ان سے ملنے جلنے کو تضیع اوقات سمجھتا ہوں ۔ رسمی طور پر ملنے سے کیا فائدہ ، اسکا کیا اعتبار ہے ؟ ایسے

ملنے کو تو عقلاً اور عرفاً بھی مذموم سمجھا جاتا ہے۔ خیر اب اسکو سمجھئے۔

(مکتوب نمبر ۷۴۰)

(ایک مقام کے کچھ لوگوں نے آنے کی اجازت مانگی تو جواب میں یہ تحریر گیی)

مؤذن صاحب سنیئے! آپ لوگوں کو تو معلوم ہی ہے کہ جو کوئی آتا ہے اسکو دین وایمان کی باتیں بتلاتا ہوں۔ یہی میرا کام ہے تو پھر میں کسی کو آنے سے بھلا کیوں منع کروں گا؟ یہ تو میرے لئے نہایت ہی سعادت ومسرت کی بات ہے کہ میرے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کے بندوں کو دینی یا دنیوی نفع پہونچ جائے اور انکو رشد وہدایت ہو جائے۔ مگر سنو! عوام الناس جو آتے جاتے ہیں ان سے بھی تلخ سے تلخ تجربات ہو رہے ہیں جس سے یہ سمجھ میں آرہا ہے کہ بہتیرے ایسے لوگ بھی آجاتے ہیں جو آنے میں سچے اور مخلص نہیں ہوتے۔ ظاہر ہے کہ جب ایسے لوگ کسی کے پاس بھر جائیں گے تو اسکا کام اور جگہ کے دن درست رہ سکتی ہے؟ نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ جگہ فاسد ہو جائیگی چنانچہ بہت سی جگہیں فاسد ہوگئیں۔ میں اپنی دانش میں اپنی اس جگہ کو اس سے بچانا چاہتا ہوں۔ عوام الناس کو اب دین مطلوب نہیں ہے بغیر سمجھے بوجھے بھی گرتے ہیں انکا گرنا دلیل فہم ومعرفت کی نہیں ہے جہاں کہیں نفس کے خلاف پڑا سب عقیدت ومحبت کو بالائے طاق رکھدیتے ہیں۔ میں کہاں تک لکھوں اگر آپ لوگ سمجھیں تو یہ کافی ہے ورنہ تو دفتر کا دفتر بھی ناکافی ہے خلاصہ کے طور پر یہ سمجھئے کہ آنے والوں سے طلب وصدق کا مطالبہ کرتا ہوں اسلئے ہر ہر فرد یا کوئی سمجھدار آدمی سب کی طرف سے اطمینان دلا دے تو اجازت آمد کی دے سکتا ہوں ورنہ مجھے معاف فرمادیں۔

(مکتوب نمبر ۷۴۱)

سال: الحمد للہ حضرت والا کی دعا، وتوجہ کی برکت سے بندہ معمولات پر کاربند

ہے۔ تحقیق : الحمدللہ۔

حال : اور حضرت والا سے برائے مواظبت معمولات دعا کا خواستگار۔

تحقیق: دعا کرتا ہوں۔

حال : حضرت والا نے گذشتہ والا نامہ میں دریافت فرمایا ہے کہ کیا ہو رہا ہے بتلاؤ؟ احقر عرض رساں ہے کہ شرکت مجلس بابرکت سے قلب میں فکر و ہمت و استقلال اور ایمان میں تقویت و نورانیت کا ورود محسوس ہو رہا ہے۔

تحقیق: غنیمت ہے۔

حال : حضرت والا دعا فرمائیں کہ مجلس بابرکت کے طفیل جو کچھ نعمت اللہ تعالیٰ نے عنایت فرمایا ہے اس میں ترقی عنایت فرماوے تحقیق : آمین۔

حال : اور حضرت والا کی سچی اتباع اور آپ کی پکی عقیدت اور قوی نسبت عنایت فرماکر گوہر مقصود سے مالا مال فرماوے۔ اور نفس و شیطان کے مکر و کید سے بچائے۔ تحقیق : آمین۔

(مکتوب نمبر ۴۲۷)

حال : ہمہ وقت حضور والا کی دعاؤں اور توجہ کا محتاج ہوں اور انھیں کے بھروسہ پر جی رہا ہوں۔ قدموں سے لگا ہی اسی لئے ہوں کہ حضور والا بیڑا پار لگا دیں ورنہ کہیں ٹھکانا نہ لگے گا۔ تمام رذائل اپنے اندر بدرجہ اتم موجود ہیں۔ بدنگاہی اور غیبت میں بہت مبتلا تھا لیکن الحمدللہ اب بہت نفع ہے قصداً بدنگاہی نہیں غیبت کے کرنے اور سننے دونوں سے نفرت ہے البتہ قلب میں غیبت رہتی ہے گو لسانًا نہیں کرتا۔ غیبت کے تصور کے وقت اپنے عیوب کا استحضار ہو جاتا ہے کہ جب ہمارے اندر یہی سب عیوب ہیں تو پھر ہم دوسروں کی عیب جوئی وغیرہ گوئی کیا کریں۔ اپنا مرض حدت تیجز کا ایسا ہے کہ اسکی وجہ سے عقل کے متقاضی پر عمل نہیں کر پاتا ورنہ گنا ہوں اور انکی مضرت کا علم ہے۔ (باقی آئندہ)

حامل مضامین تصوف و عرفان • افادات وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیر سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین حضرت مصلح الامۃ

مُدیر :- احمد مکین

شمارہ ۱۱ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ مطابق نومبر ۱۹۹۲ء جلد ۱۵

قیمت فی پرچہ :- پانچ روپیہ سالانہ زر تعاون پچپن روپیہ ششماہی تیس روپیہ

سالانہ بدل اشتراک :- پاکستان سو روپیہ۔ غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ
مولوی احمد مکین - ۲۵/۲۳ - بخشی بازار
الٰہ آباد ۲۱۱۰۰۳ فون ۶۰۴۷۹۸

پرنٹر۔ پبلشر : صغیر حسن۔ : اسرار کریمی پریس۔ جانسین گنج الٰہ آباد

ترتیب

١	گناہوں کی پاداش	حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالحی عارفی رحمۃ اللہ علیہ	٣
٢	ارشادات	فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمد شفیع نور اللہ مرقدہٗ	٤
٣	مجالس مصلح الامۃ (بہترین سالدار کون؟)	مصلح الامۃ محی السنۃ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہٗ	٩
٤	گناہ بے لذت	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع نور اللہ مرقدہٗ	١٤
٥	المجاہدہ	قطب العالم حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ	٢٥
٦	کمالات اشرفیہ	حضرت مولانا محمد عیسیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ	٣٣
٧	مکتوبات اصلاحی	مصلح الامۃ محی السنۃ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہٗ	٤١

گذارش

رسالہ ہر ماہ کی دس تاریخ کو سپرد ڈاک کیا جاتا ہے۔ اگر رسالہ آخر ماہ تک موصول
نہ ہو تو ادارہ کو فوراً اطلاع فرمائیں تاکہ دوسرا پرچہ بھیجا جاسکے، ورنہ بصورت دیگر ادارہ ذمہ
دار نہ ہوگا۔ منی آرڈر کوپن پر اپنا پورا پتہ اور خریداری نمبر ضرور لکھیں!

التماس

[illegible] روپیہ اور ششماہی پچیس روپیہ مقرر
[illegible] فرما کر ادارہ کی معاونت فرمائیے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گناہوں کی پاداش

حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بادشاہوں کا مالک میں ہوں۔ بادشاہوں کے دل میرے ہاتھ میں ہیں اور جب بندے میری اطاعت کرتے ہیں، میں ان کے بادشاہوں کے دلوں کو ان پر رحمت اور شفقت کے ساتھ پھیر دیتا ہوں۔ اور جب بندے میری نافرمانی کرتے ہیں، میں ان (بادشاہوں) کے دلوں کو غضب اور عقوبت کے ساتھ پھیر دیتا ہوں، پھر وہ ان کو سخت عذاب کی تکلیف دیتے ہیں (ابونعیم)

حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قریب زمانہ آ رہا ہے کہ کفار کی تمام جماعتیں تمہارے مقابلے میں ایک دوسرے کو بلائیں گی جیسے کھانے والے اپنے خوان کی طرف ایک دوسرے کو بلاتے ہیں۔ ایک کہنے والے نے عرض کیا اور ہم اس وقت (کیا) شمار میں کم ہوں گے؟ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ تم اس روز بہت ہوگے، لیکن تم کوڑا (ناکارہ) ہوگے، جیسے ہوا کی رَو میں کوڑا اڑ جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہاری ہیبت نکال دے گا اور تمہارے دلوں میں کمزوری ڈال دے گا۔ ایک کہنے والے نے عرض کیا کہ یہ کمزوری کیا چیز ہے (یعنی اس کا سبب کیا ہے؟) آپ نے فرمایا دنیا کی محبت اور موت سے نفرت۔ (ابوداود و بیہقی) حیٰوۃ المسلمین)

(بحوالہ اسوۂ رسول اکرمؐ)

نقد جنت | ان (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع کرنیوالوں) کی بے سر و سامانی کے باوجود ساز و سامان ان کی راحت کو نہیں پا سکتے ؎

خوش فرش بوریا و گدائی وخواب من
کیں عیش نیست در خور اورنگ خسروی

(بوریئے کا فرش فقیری اور میری نیند کیا ہی خوب ہے، اسلئے کہ یہ عیش و آرام سلطنت کے تخت پر میسر نہیں ہوگا)

ان کا رشتہ نیاز ایک ایسی بارگاہ عالی سے جڑ جاتا ہے کہ وہ ان کو سارے عالم سے بے نیاز کر دیتی ہے ؎ فقر میں بھی سر بسر کبر و غرور و ناز ہوں
کس کا نیازمند ہوں سب سے جو بے نیاز ہوں

یہی وہ نقد جنت ہے جو اللہ والوں کو دنیا ہی میں مل جاتی ہے۔ اس کو بعض ائمہ تفسیر نے آیت ذیل کی تفسیر میں لیا ہے:- وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ (الرحمٰن آیت ۴۶) (جو شخص ڈرے اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے اسی کے لئے دو جنتیں ہیں)

یعنی ایک جنت آخرت میں اور ایک اسی دنیا میں اور بعض روایات حدیث میں جو دنیا کو مومن کے لئے سجن (یعنی قید خانہ) فرمایا ہے، یہ جنت اس کے منافی نہیں۔ ظاہری اسباب ساماں اور صورت کے اعتبار سے دنیا ان کے لئے قید خانہ، لیکن باطنی راحت و سکون کے اعتبار سے یہ قید خانہ بھی ان کے لئے جنت ہی ہے۔ لَهٗ بَابٌ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ (الحدید آیت ۱۳) (اس کا ایک دروازہ ہے کہ اس کے اندر تو رحمت ہی رحمت ہے، اور باہر کی جانب عذاب ہے)

الغرض دنیا کی ظاہری زندگی میں بھی حقیقی راحت و سکون صرف انہیں حضرات کا حصہ ہے جو وحی الٰہی اور تعلیمات نبوی کے پیرو ہیں۔

البتہ اس دنیوی زندگی میں اتنا فرق ضرور ہے کہ تعلیمات نبویہ سے اعراض کرنے والے اگر بالکل کافر اور خدا کے باغی ہیں ان کو استدراج (ڈھیل) کے طور پر اور ظاہری سامانِ راحت، عزت و دولت سے محروم نہیں کیا جاتا۔ اور اگر وہ اہل ایمان

ہیں تو فوری تنبیہ کے لئے اکثر ان کو اس زندگی میں عزت و دولت سے محروم کر دیا جاتا ہے۔

مسلمانوں کے لئے دنیا کی عزت و دولت بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں منحصر ہے

اس سے ثابت ہوا کہ مسلمانوں کے سوا دوسری قومیں خدا تعالےٰ کی مرضی و نامرضی اور حلال و حرام سے بے فکر ہو کر دنیوی ترقی کے لئے کوئی اسکیم بنا دیں تو دنیا کی ظاہری حیات میں اس کا کامیاب ہو جانا ممکن ہے۔ گو حقیقی راحت حاصل نہ ہو مگر ظاہری سامان راحت اور عزت و دولت ان کو اختراعی نظام نازی ازم اور کمیونزم اور سوشل ازم وغیرہ کے ذریعہ حاصل ہو جائے تو بعید نہیں۔

غرض جن لوگوں نے متاعِ دنیا اور اس کے چند روزہ ظاہری سامان ہی کو اپنا محبوب حقیقی اور قبلۂ مقصود بنا لیا ہے اور جن کی حالت قرآن نے یہ بیان کی ہے کہ:۔

اَلَّذِیْنَ رَضُوْا بِالْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَ اطْمَاَنُّوْا بِهَا (وہ لوگ جو صرف حیات دنیا پر راضی اور مطمئن ہو گئے)۔ حقیقت شناس صاحب بصیرت تو ان کو یہی کہیں گے ؎

آنانکہ بجز روئے تو جائے نگرانند
کوتہ نظرانند چہ کوتہ نظرانند

(جو لوگ تیرے چہرے کے سوا کسی اور جگہ نگاہ ڈالتے ہیں یہ کوتاہ نظر ہیں اور بہت کوتاہ نظر ہیں)

لیکن بہرحال ان کا یہ مقصود برلن اور امریکہ کی منڈیوں میں چین و جاپان کے بازاروں میں اسٹالن اور مارکس کی چوکھٹ پر جبہ سائی کرنے میں حاصل ہو جانا ممکن ہے۔

لیکن مسلمان جو اللہ تعالےٰ اور اس کے رسولؐ پر ایمان رکھنے والا ہے وہ ان بے دینوں کی نقل اُتار کر کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اس کیلئے دنیوی عزت و دولت کے حصول میں بھی بجز سبز گنبد میں آرام فرمانے والے تاجدار مدینہ سید الانبیاء والمرسلین سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ کے کہیں جائے پناہ نہیں ہمارے خواجہ صاحب مرحوم نے خوب فرمایا ہے ؎

بنیں ہم نہ ہندی نہ روسی نہ نازی ‌ ‌ ‌ بنا لیں بس اپنے کو سچا حجازی
ہمیں پھر بہر حال لے جائیں بازی ‌ ‌ ‌ مریں تو شہید اور ماریں تو غازی

تاریخ اسلام کا مجری اس پر شاہد ہے کہ مسلمان قوم نے جب کبھی اسوۂ حسنہ نبویہ سے منہ موڑا تو دنیا کی عزت و دولت نے بھی اس سے منہ موڑ لیا۔ جس وقت وہ تعلیمات نبویہ کے حامل اور ان پر پورے عامل تھے تو ان کے عروج و اقبال کا یہ عالم تھا کہ جنگل میں سر کے نیچے اینٹ رکھ کر سو جانے والے امیرالمومنین کے نام سے کسریٰ وقیصر کے محلات میں زلزلہ پڑ جاتا تھا ؎

قباؤں میں پیوند پیٹوں پہ پتھر قدم کے تلے تاجِ کسریٰ وقیصر

اور جب انھوں نے اس میں غفلت و کوتاہی شروع کی تو چار دانگ عالم میں انکی پھیلی ہوئی سلطنت وحکومت خود بخود سمٹنا شروع ہوگئی نہ اندلس کے قصر حمراء وزہراء ان کو بچا سکے اور نہ مصر و قاہرہ کی قوت قاہرہ کام آسکی۔ پھر جب کبھی سنبھلے تو حکومت سنبھل گئی اور بہکے تو سلطنت وحکومت میں بھی زوال آگیا۔

غرض مسلمانوں کی دنیوی مصائب وآفات اور عزت و دولت اور حکومت وغیرہ سے محرومی بھی ان کے بُرے اعمال کے نتائج اور تعلیمات قرآن وحدیث سے غفلت اور اعراض کے ثمرات ہیں۔ اگر ماضی کا تجربہ مستقبل کے لئے مشعلِ ہدایت اور درس عبرت ہو سکتا ہے تو مسلمانوں کے عہد ماضی کا طویل و عریض زمانہ اور اسکی تاریخ کا ہر موقع ان کو ان کی ہر صلاح و فلاح کے لئے صرف ایک سبق دیتا ہے جو بالکل واضح اور جلی ہے، جس کو امام مدینہ حضرت مالکؒ بن انس کے الفاظ میں اس طرح بیان کیا جاتا ہے:

لَنْ يُّصْلِحَ اٰخِرَ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اِلَّا مَا صَلَحَ بِهٖ اَوَّلُهَا (اس امت کے آخری دور کی اصلاح کوئی چیز بجز اس طریق کار کے نہیں کر سکتی جس کے ذریعہ اس امت کے دور اول کی اصلاح ہوئی تھی)

اور یہ ظاہر ہے کہ وہ طریق کار جس نے عرب کے بدوؤں کو تہذیب انسانی کا معلم وحشیوں کو سیاست مندوں کا مجدد، گمراہوں کو دنیا کا رہبر، بداخلاقوں کو خوش اخلاقی کا پیکر، مریضوں کو مسیحا بنا دیا، وہ کیا تھا، صرف قرآنی نظام اور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات وارشادات کا اتباع۔

اعمال شرعیہ کو قومی صلاح و فلاح میں دخل و تاثیر

قرآن و حدیث کی تصریحات اور تاریخی تجربہ و مشاہدہ سے مذکورہ بالا تحریر میں یہ امر واضح ہو چکا ہے کہ مسلمان قوم کا ایک خاص مزاج ہے کہ اس کی دنیوی ترقی و بہبود بھی اطاعت خداوندی اور اتباع احکام شرعیہ میں منحصر ہے۔ اس کو چھوڑ کر وہ کتنا ہی سامان جمع کر لیں اور کتنی ہی تدبیریں کام میں لائیں ان کی کامیابی ناممکن ہے

لیکن عقلی طور پر یہ سوال ہو سکتا ہے کہ اعمال شرعیہ بالخصوص عبادت نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ کو فلاح و ترقی میں کیا دخل ہے اور ان چیزوں سے کسی قوم کا گرنا یا ابھرنا کیسے ممکن ہے؟

سو ظاہری معالجات اور ادویہ کی ایک مثال سے اس کو بآسانی سمجھا جا سکتا ہے۔ اطباء کی تصریحات کے موافق دواؤں کی دو قسمیں ہیں۔ ایک مؤثر بالکیفیۃ دوسرے مؤثر بالخاصہ دوسری قسم کی وہ دوائیں ہیں جو تجربہ سے کسی مرض کے ازالہ میں مؤثر و مفید ثابت ہوئی ہوں لیکن یہ کسی کو معلوم نہیں ہو سکا کہ ان کی تاثیر کا سبب کیا ہے؟

مثلاً دانۂ فرنگ (جواہرات میں سے ایک قسم کا پتھر ہے) کا منہ میں یا ہاتھ وغیرہ میں رکھنا درد گردہ کے لئے مسکن و مفید ہے، یہ کسی معلوم نہیں کہ ان چیزوں اور امراض میں باہمی تعلق کیا ہے اور کیوں یہ دوائیں ان امراض کے ازالہ میں مؤثر ہیں۔ اسی طرح اور بہت سی دوائیں ہیں جن کو خاص کیفیت حرارت و برودت کے سبب نہیں، بلکہ محض بالخاصہ مؤثر مانا گیا اور تجربہ کیا گیا ہے۔

اور مؤثر بالکیفیۃ کے یہ معنی ہیں کہ ایک دوا اپنی کیفیت، اپنے مزاج کے اعتبار سے گرم خشک ہے تو وہ طبعی طور پر ایسے امراض کے ازالہ میں مؤثر ہو گی جو سردی اور رطوبت سے پیدا ہوئے ہیں، یا کسی دوا کا مزاج سرد اور خشک ہے تو وہ ان امراض کیلئے مفید ہو گی جو اس کی ضد یعنی گرمی اور رطوبت سے پیدا ہوں۔ ان کی تاثیر بالکیفیۃ کہلاتی ہے

پھر مؤثر بالکیفیۃ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک مؤثر بلا واسطہ دوسرے مؤثر بواسطہ اول کی مثال جیسے ایک مرض خالص سردی سے پیدا ہو تو اس کا علاج ایسی دوا سے کیا جائے

خالص گرم ہے اور دوسری صورت یعنی مؤثر بواسطہ کی مثال یہ ہے کہ کسی خاص خلط
(مادّہ) کے سبب سے گرمی خشکی پیدا ہوئی، دواسے اس مادّہ کا ازالہ کیا گیا، اس کے ازالہ
سے گرمی خشکی کا بھی ازالہ ہوگیا۔ تو یہ دوا گرمی خشکی کے ازالہ میں بواسطہ مؤثر ہوئی۔

ٹھیک اسی طرح احکام شرعیہ کو ایک مطب روحانی سمجھئے، پھر اس میں صلاح
فلاح انسانی کے لئے بالخاصہ مؤثر یا مفید ہونا تو تمام احکام شرعیہ کے لئے نصوص سے
ثابت ہے اور حکمائے امت اور اطبائے ملت کو اپنے ذوقِ نورانی اور ادراکِ وجدانی
سے مکشوف ہوا ہے کہ تمام احکام شرعیہ کو مسلمانوں کی دینی و دنیوی صلاح و فلاح اور ہر ترقی
میں دخل خاص اور تاثیر عجیب ہے گو وجہ اور کیفیتِ تاثیر معلوم نہ ہو۔

اور بہت سے اعمال وہ بھی ہیں جو انسانی صلاح و فلاح کے لئے مفید بالکیفیت
ہیں۔ یعنی ان کی تاثیر کی کیفیت اور سبب ذرا غور سے معلوم ہوسکتا ہے۔

پھر ان میں سے بعض بلا واسطہ مؤثر قریب ہیں۔ اور بعض بواسطہ یا بوسائط مؤثر ہیں
مثلاً احکام شرعیہ میں سے صدق القول۔ امانداری۔ عہد اور وعدہ کی پابندی۔ خوش خلقی
شیریں کلامی۔ انسانی ہمدردی وغیرہ وہ اعمال ہیں جو انسان کو ہر دلعزیز اور محبوب بنانے
میں بلاواسطہ مؤثر ہیں۔ پھر اس کے واسطہ سے معاشی ترقیات میں اور اس کے واسطہ سے مجموعۂ قوم
کی خوش حالی میں مؤثر ہیں۔

اسی طرح بقدر وسعت و قدرت اپنی حفاظت اور مدافعت کا سامان جمع کرنا دشمنوں کے
شر سے محفوظ و مامون رہنے میں بلا واسطہ مؤثر ہے اور اس کے واسطہ سے قومی وقار
اور رفاہیت میں مؤثر ہے۔

اسی طرح معاصی (برے اعمال) کوئی بواسطہ اور کوئی بلا واسطہ اور کوئی بالخاصہ
مسلمانوں کے لئے دنیا میں مصائب و آفات اور عزت و دولت سے محرومی کے اسباب
ہیں جو بار بار کے تجربہ اور مشاہدہ سے ثابت ہیں۔

(تسہیل مقدمہ حیٰوۃ المسلمین)

یہ دور بھی جو دور ضلالت اور دور الحاد و زندقہ کہلانے کا مستحق ہے مگر علمار ربانی اور مشائخ حقانی سے خالی نہیں رہا انکی خدمات منصہ شہود پر جلوہ گر ہیں سب کو معلوم ہیں مشاہد ہیں مگر اس وقت ہم حضرت حکیم الامۃ قدس سرہٗ کی خدمات جلیلہ بالخصوص استغنار از اہل اموال وامرار جو کہ انکی ایک امتیازی شان تھی اور اللہ تعالیٰ سے تعلق اور اللہ تعالیٰ پر توکل جو اہل اللہ کاملین کی شان ہوا کرتی ہے ہویدا اور ظاہر و باہر تھی جو انکار کی گنجائش نہیں رکھتی جو ان سے صحیح طور سے منتسب ہیں اور جنھوں نے خلوص کے ساتھ وہاں آمد و رفت رکھی ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ حضرت کا قدم اس میں کسقدر راسخ تھا اور زہد و قناعت، توکل میں سیرتِ سلف صالح کے نمونۂ کامل تھے۔ دنیا اور اہل دنیا ہیچ نظر آتے تھے۔ طبیعت نہایت غیور واقع ہوئی تھی اور اپنے متوسلین میں یہ غیرت دیکھنا چاہتے تھے اور اسکے خلاف پر طبیعت کسی طرح راضی نہیں ہوتی تھی۔ یہ فطری امر بن گیا تھا بلکہ علمار و مشائخ اور عامۂ مومنین میں بھی اسکو چاہتے تھے اسی لئے ہدایا و تحائف کے باب میں بہت کچھ معمولات تھے۔ دین کی عزت اور اہل دین کی عزت نظروں میں پھرتی تھی اور چاہتے تھے کہ دین و اہل دین معزز ہوں اہل دین مطلوب ہوں اور دوسرے طالب ہوں۔ انکی تصانیف اس تعلیم سے مملو ہیں (بھری ہوئی) جسکا جی چاہے ملاحظہ فرمائے۔ سرمو خلاف نہ پائیگا۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا معمول جو ہدیہ کے متعلق تھا کہ ہر شخص کا ہدیہ قبول نہ فرماتے تھے بلکہ مخلص اور غیر مخلص میں فرق فرماتے تھے مخلص صادق سے قبول فرماتے اور دوسروں سے نہیں تو اس مسئلہ میں بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا معمول سنت سے ماخوذ تھا۔ چنانچہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتاوے میں اس مسئلہ پر مفصل بحث کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس کا ہدیہ قبول فرماتے تھے اور کس کا نہیں اسکا اقتباس ہم یہاں درج کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ :۔

روایات دربارۂ قبول ہدیہ متعارض ہیں بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ان (مشرکین) سے ہدیہ قبول فرمایا ہے اور بعض سے یہ پتہ چلتا ہے کہ نہیں قبول فرمایا علمار کے اقوال ان کی وجہ تطبیق میں مختلف ہیں۔

چنانچہ ابوجعفر سندواتی نے ان دونوں میں وجہ تطبیق یہ بیان فرمائی ہے کہ آپ نے
اس شخص سے قبول نہیں فرمایا جس کے متعلق آپ کو خیال ہوتا کہ یہ شخص یہ سمجھتا ہے کہ میری
ساری کوشش اعلائے کلمۃ اللہ کیلئے نہیں بلکہ (معاذ اللہ) تحصیل مال کے لئے ہے
اور اس قسم کے لوگوں کا ہدیہ اس زمانہ میں بھی قبول کرنا جائز نہیں ہے اور جن روایتوں
سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ہدایا مخالفین قبول فرمائے ہیں تو یہ وہاں تھا جہاں آپ سمجھتے
تھے کہ یہ شخص یہ جانتا ہے کہ میری مساعی صرف اسلئے ہیں کہ دین کا اعزاز ہو اور اعلائے
کلمۃ اللہ ہو۔ آگے فرماتے ہیں کہ اور اس قسم کے لوگوں سے ہدیہ قبول کرنا آج بھی جائز ہے
اور بعض لوگوں نے انکی تطبیق یوں دی ہے کہ آپ وہاں قبول نہ فرماتے تھے
جہاں یہ سمجھتے تھے کہ اسکی وجہ سے اسکے ساتھ معاملہ میں نرمی اور اپنی صلابت وعزت میں
کمی کرنی پڑے گی اور جہاں اس سے اطمینان ہوتا تھا قبول فرماتے تھے (امداد الفتاویٰ تتمہ ثالثہ)
ف: ہدایا کے قبول ورد میں کیا عمدہ اور ضروری تحقیق ہے حرز جان بنانے کے قابل ہے۔
حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے سارے قواعد وضوابط کی اصل یہی حدیث ہے۔

اب اسکے بعد ہم تتمیماً للفائدہ احیاء العلوم سے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے
اس مسئلہ کے متعلق جو کچھ بیان فرمایا ہے اسکا کچھ اقتباس ذکر کرتے ہیں۔ بیان معنیٰ
اخوۃ فی اللہ کے ذیل میں فرماتے ہیں:-

الا انه يمتحن الحب بالمقابلة بحظوظ النفس۔	مگر یہ کہ محبت کا امتحان نفس کے حظوظ کے ساتھ مقابلہ کرنے ہی سے ہوا کرتا ہے (یعنی اگر محبت کل حظوظ نفس ترک کرا دے تو محبت کامل ہے اور بعض حظوظ ترک کرا سکے بعض نہیں تو محبت ناقص ہے)۔
وقد يغلب بحيث لا يبقى للنفس حظ الا فيما هو حظ المحبوب وعنه عبر قول من قال ؎	اور کبھی محبت ایسی غالب آجاتی ہے کہ نفس کے لئے کوئی دوسرا حظ ہی باقی نہیں رہتا سوا اسکے کہ جس میں محبوب کا حظ ہو اسی کو شاعر نے شعر میں ادا کیا ہے کہ میں تو اسکے

ارید وصاله ویرید هجری — وصال کو چاہتا ہوں اور وہ میرے فراق کو چاہتا ہے لہٰذا
فاترک ما ارید لما یرید — میں اپنے ارادہ کو اسکے ارادہ کی خاطر ترک کرتا ہوں۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

میلِ مَن سوئے وصال و میلِ او سوئے فراق — ترک کام خود گرفتم تا برآید کام دوست

(میری رغبت وصال کی ہے اور اسکی خواہش فراق کی میں اپنے مقصد سے دست بردار ہوتا ہوں تاکہ دوست کا مقصد پورا ہو)۔

فراق و وصل چہ باشد رضائے دوست طلب — کہ حیف باشد از و غیرا و تمنا ئے

(فراق و وصل ہے ہی کیا چیز دوست کی رضا طلب کرنا چاہئے اسکو چھوڑ کر کسی اور کی تمنا کرنا بڑے افسوس کی بات ہے)

وفیہ من قال وما لجرح اذا ارضاکم الم وقد یکون الحب بحیث یترک بہ بعض الحظوظ دون بعض کما تسمح نفسہ بان یشاطر محبوبہ فی نصف مالہ او فی ثلثہ او فی عشرہ فمقادیر الاموال موازین المحبۃ اذ لایعرف درجۃ المحبوب الا بمحبوب یترک فی مقابلتہ فمن استغرق الحب جمیع قلبہ لم یبق لہ محبوب سواہ فلایمسک

اور اس قول میں بھی یہی مضمون ہے جو زخم کہ اے محبوب تم کو راضی کرے وہ موجب الم نہیں اور کبھی محبت ایسی ہوتی ہے کہ اسکے سبب آدمی صرف بعض ہی حظوظ کو ترک کرتا ہے اور بعض کو نہیں مثلاً یہ کہ اسکا نفس اس پر راضی ہو کہ محبوب کیلئے صرف اپنے آدھے مال یا تہائی یا اسکے دسویں حصہ میں شریک کریگا تو اموال کی مقدار محبت کی ترازو ہے (یعنی جتنی مقدار کہ محبوب کے لئے صرف کی اتنی ہی محبت ہے) اسلئے کہ کسی محبوب کا درجہ اسکے مقابلہ میں کسی دوسری محبوب شے کے ترک کرنے ہی سے معلوم ہوتا ہے چنانچہ جس شخص کے پورے قلب میں کسی کی محبت سما جائیگی اسکے لئے بجز اپنے محبوب کے کوئی دوسرا محبوب نہ رہ جائیگا پس وہ اپنے لئے کچھ بھی نہ رکھے گا مثلاً حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں کہ آپ نے اپنے نفس کے لئے نہ اہل کو چھوڑا نہ مال کو حتیٰ کہ اپنی

لنفسه شیئاً مثل ابی بکر الصدیقؓ فانه لم یترک لنفسه اهلا ولا مالا فسلم ابنته التی هی قرة عینه وبذل جمیع ماله

صاحبزادی کو جو کہ ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا اور اپنا سارا مال آپ کے لئے صرف کر دیا۔

ف: لوگ اس واقعہ سے سبق لیں کہ مشائخ و علماء کیلئے کیا کیا کہتے ہیں۔

حملہ برخود میکنی اے سادہ مرد ہمچو آں شیرے کہ برخود حملہ کرد

(تو اپنے ہی اوپر حملہ کر رہا ہے اے نادان جیسے وہ شیر کہ اس نے خود اپنے اوپر حملہ کر کے اپنی جان گنوا دی) اور مرید کے لئے تو سچے اور جھوٹے ہونے کا خوب معیار اور بہترین کسوٹی ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان اخوۃ میں حب کی چار قسمیں بیان کی ہیں اول یہ کہ کسی سے محبت اسکی ذات کی بناء پر ہو یعنی اس سے کسی دوسرے محبوب کا واسطہ سمجھکر نہ محبت کرتا ہو۔ دوسرے یہ کہ کسی سے اس لئے محبت ہو کہ وہ اسکے دیگر محبوبات و مطلوبات (دنیویہ) کا واسطہ بنتا ہے۔ اسکے بعد تیسری قسم یہ بیان فرماتے ہیں:۔

القسم الثالث۔ ان یحبه لا لذاته بل لغیره وذلک الغیر لیس راجعاً الی حظوظه فی الدنیا بل یرجع الی حظوظه فی الاخرة فهذا ایضا لاغموض فیه وذلک کمن یحب استاذه وشیخه لانه یتوسل به الی تحصیل العلم وتحسین العمل ومقصوده من العلم والعمل الفوز فی الاخرة فهذا من

تیسری قسم یہ ہے کہ کسی انسان کو اس کی ذات کی وجہ سے نہیں بلکہ کسی دوسری وجہ سے محبت ہو اور اس غیر کا مآل حظوظ دنیویہ نہوں بلکہ حظوظ اُخرویہ ہوں پس اس میں بھی کوئی پوشیدگی نہیں ہے۔ اور اسکی مثال یہ ہے کہ جیسے کسی شخص کو اپنے استاد یا شیخ سے محبت ہوتی ہے تو وہ اس لئے کہ وہ استاذ اسکے لئے تحصیل علم اور تحسین عمل کا ذریعہ ہوتا ہے اور اس کا مقصود عمل سے آخرت کی کامیابی حاصل کرنا ہے لہٰذا یہ شخص بھی مجملہ

فی جملۃ المحبین فی اللہ۔

ہیں فی اللہ کے ہے۔

وکذالک من یحب تلمیذہ لانہ یتلقف منہ العلم وینال بواسطتہ رتبۃ التعلیم و یرقی الی درجۃ التعظیم فی ملکوت السماء اذ قال عیسیٰ صلی اللہ علیہ و سلم من علم وعمل و علم فذلک یدعی عظیما فی ملکوت السماء ولا یتم التعلیم الا بمتعلم فھو اذا الۃ فی تحصیل ھذا الکمال فان احبہ لانہ الۃ لہ اذ جعل صدرہ مزرعۃ لحرثہ الذی ھو سبب ترقیہ الی رتبۃ التعظیم فی ملکوت السماء فھو محب فی اللہ۔

اور اسی طرح جو شخص اپنے شاگرد سے اس لئے محبت کرتا ہے کہ وہ اس سے علم حاصل کرتا ہے اور یہ اسکی وجہ سے تعلیم کا مرتبہ حاصل کرتا ہے اور آسمانوں میں درجۂ تعظیم کو پہونچتا ہے اسلئے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے جو شخص علم سیکھے اور عمل کرے اور دوسروں کو سکھائے تو وہ آسمانوں میں عظیم کے (لقب) سے پکارا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ تعلیم بغیر متعلم کے نہیں ہو سکتی پس طالب علم ہی اسکے لئے اس کمال کی تحصیل کا آلہ ہوا، تو اگر اس سے اس لئے محبت کرتا ہے کہ وہ ذریعہ ہے کیونکہ اس نے اپنے سینہ کو اس کے لئے کھیتی قرار دے رکھا ہے جو کہ آسمانوں میں اس کے رتبۂ عظیم تک پہونچنے کا ذریعہ ہے لہٰذا یہ محب فی اللہ سے ہے

بل الذی یتصدق باموالہ للہ و یجمع الضیفان و یھیئ لھم الاطعمۃ اللذیذۃ الغریبۃ تقربا الی اللہ فاحب طباخا لحسن صنعتہ فی الطبخ فھو من جملۃ المحبین فی اللہ۔

بلکہ جو شخص اپنے اموال کو اللہ کے لئے صدقہ کرتا ہے اور مہمانوں کو جمع کرتا ہے اور ان کے لئے لذیذ کھانے تیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لئے پس باورچی سے محبت کرتا ہے اسکے اس صنعت میں اچھے ہونے کی وجہ سے۔ پس وہ محبین فی اللہ میں سے ہے۔

ف: دیکھئے حضرت امام تصریح فرماتے ہیں کہ باورچی سے محبت اس کے اچھے پکانے کی

بہ سے ہے مگر حب فی اللہ ہے کیونکہ یہ بواسطہ تقرب الی اللہ ہے۔

وکذا لو احب من یتولی ایصال صدقتہ الی المستحقین فقد احبہ فی اللہ

ایسے ہی جو شخص کسی کا صدقہ مستحقین تک پہونچانے کی ذمہ داری قبول کرلے اور وہ اس شخص سے محبت کرے تو یہ حب فی اللہ ہے۔

ف: اس پر آج کل کے معترضین غور کریں۔

بل نزید علی ھذا ونقول اذا احب من یخدمہ بنفسہ فی غسل ثیابہ وکنس بیتہ وطبخ طعامہ ویفرغہ بذلک للعلم او العمل ولیس مقصودہ من استخدامہ فی ھذہ الا الفراغ للعبادۃ فھو محب فی اللہ

بلکہ ہم اس پر زیادتی کرکے کہتے ہیں جبکہ وہ دوست رکھے اس شخص کو جو اسکی خدمت کررہا ہے اس کے کپڑے دھونے میں اور گھر کے جھاڑو دینے میں اور کھانا پکانے میں اور اسکو اس طور سے علم یا عمل کیلئے فارغ کرتا ہے اور مقصود اس (خدمت لینے والے) کا ان کاموں میں خدمت لینے سے بجز عبادت کے لئے فارغ کرنا ہے پس وہ بھی محب فی اللہ ہے۔

ف: یہاں بھی ملاحظہ ہو اوپر کا فائدہ۔

بل نزید علیہ ونقول اذا احب من ینفق علیہ من مالہ ویواسیہ بکسوتہ وطعامہ ومسکنہ وجمیع اغراضہ التی یقصدھا فی دنیاہ ومقصودہ من جملۃ ذلک الفراغ للعلم والعمل المقرب الی اللہ فھو محب فی اللہ فقد کان جماعۃ من السلف تکفل بکفایتھم

بلکہ ہم ترقی کرکے کہتے ہیں جب دوست رکھے اس شخص کو جو اس پر مال خرچ کرتا ہے اور لباس سے اسکی مواسات کرتا ہے اور طعام اور مسکن سے اور تمام اغراض دنیوی سے اور مقصود اس کا اس تمام میں اس کا فارغ ہونا ہے علم و عمل کے لئے جو مقرب الی اللہ ہے، یہ بھی محب فی اللہ ہے۔ اصحاب ثروت کی ایک جماعت سلف کی کفالت کرتی تھی اور

جماعة من اولى الثروة وكان بين فى الله المواسى والمواسى جميعا من المتقين فى الله۔ — موآسی اور مواسیٰ دونوں تھا بین فی اللہ تھے (یعنی مخلص تھے)۔

ف: اس میں تو حد کردی اب تو معترضین چادر سے منہ چھپالیں۔

بل نزيد عليه ونقول من نكح امراة صالحة ليتحصن بها عن وسواس الشيطان ويصون بها دينه او ليولد منها له ولد صالح يدعوله واحب زوجته لانها الة الى هذه المقاصد الدينية فهو محب فى الله۔ (احياء العلوم ص ۱۴۳ ربع العادات) — بلکہ ہم اور زیادتی کرکے کہتے ہیں کہ جس شخص نے کسی نیک عورت سے نکاح کیا تاکہ اسکی وجہ سے شیطانی وساوس سے محفوظ رہے اور اس کے ذریعہ اپنے دین کو بچائے، یا یہ کہ اس سے کوئی ولد صالح پیدا ہو جو اسکے لئے دعا کرے۔ اور اپنی بیوی سے اس لئے محبت کرتا ہے کہ وہ اسکے لئے ان دینی مقاصد کی تحصیل کا ذریعہ ہے تو وہ بھی محب فی اللہ ہے۔

ف: دیکھئے بیوی بھی حب فی اللہ سے خالی نہ رہی۔ اس نے تو سب شبہات کا قلع قمع کردیا۔

بس اسی پر مضمون کو ختم کرتا ہوں۔ وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ
وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ وَصَلَّى اللّٰهُ
تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِكَ
يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔

اقسام رزق

حضرت مصلح الامۃ رحؒ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ من جعل ھمہ ھما واحداً ھم الاٰخرۃ جعل اللہ غناءہ فی قلبہ وجمع شملہ واتتہ الدنیا وھی راغمۃ ومن جعل ھمہ ھم الدنیا جعل فقرہ بین عَیْنَیْہِ وشتت امرہ ولا یاتیہ الاما کتب لہٗ ۔ یعنی جس شخص نے اپنا سارا غم ایک غم کو بنالیا اور وہ غم، غم آخرت ہے تو اللہ تعالیٰ اسکے قلب میں غنیٰ ڈالدینگے اور اسکی پراگندگیوں کو مجتمع فرمادیں گے ۔ رہی دنیا تو وہ اسکے پاس ناک رگڑتی ہوئی آئیگی اور جس نے اپنا سارا غم، غم دنیا ہی کو بنالیا تو اللہ تعالےٰ اسکی آنکھوں کے سامنے فقر کو کردیں گے اور اسکے سب کاموں میں انتشار اور تشتت پیدا فرمادیں گے ۔ رہا رزق المقدور وہ تو جتنا مقدر ہے جس اتنا ہی ملے گا اس سے زیادہ تو ملنے سے رہا ۔

علماء نے لکھا ہے کہ رزق کی کئی قسمیں ہیں ۔ ایک رزق مضمون ہوتا ہے یعنی حق تعالےٰ کی رحمت عامہ ہر جاندار کے لئے اپنے فضل سے جسکی ضامن ہے آیۃ وَمَا مِنْ دَآبَّۃٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا (اور کوئی (رزق کھانیوالا) جاندار روئے زمین پر چلنے والا ایسا نہیں کہ اسکی روزی اللہ تعالےٰ کے ذمہ نہو) میں اسی کی جانب اشارہ ہے اور ایک رزق موعود ہوتا ہے یعنی اللہ تعالےٰ نے متقیوں کے لئے جس کا وعدہ فرمایا ہے جوکہ ان کے پاس بے گمان بدون مشقت کے پہنچتا ہے ۔ وَیَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ (اسکو ایسی جگہ سے رزق پہونچاتا ہے جہاں اسکا گمان بھی نہو) میں اسی کا بیان ہے اور ایک رزق مقسوم یعنی مضمون یا موعود جسکے لئے جتنا مقدر فرما چکا ہے اسکو وہ مقدار پہونچکر رہے گی ۔ اس سے نہ زیادہ ملیگا نہ کم ۔

علماء نے فرمایا ہے کہ سب سے پہلا فرض جو مسلمان پر عائد ہوتا ہے، وہ ستر چھپانا ہے جو صرف نماز میں نہیں بلکہ عام حالات میں یہاں تک کہ تنہائی وخلوت میں بھی باستثناء مواقع ضرورت ضروری ہے، مگر کچھ لوگوں نے مغربی فیشن کی رَو میں بہہ کر اس فرض کو نظر انداز کر دیا، اور کچھ لوگ جو مزدور پیشہ یا زراعت پیشہ ہیں انھوں نے دھوتی وغیرہ کی رسم اختیار کر لی جس میں ستر کھل جاتا ہے اور یہ سب کبیرہ گناہوں کا ذخیرہ محض بے فائدہ ہے کہ دنیا کی کوئی حاجت وضرورت اور لذت اس پر موقوف نہیں

وَاللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَاءُ اِلٰی سَوَاءِ السَّبِیْلِ۔

۱۷۔ پاجامہ، تہبند وغیرہ ٹخنوں سے نیچا پہننا

حدیث۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو حصہ تہبند (پاجامہ) کا ٹخنوں سے نیچے ہو وہ جہنم میں ہے (بخاری)

اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، میرا تہبند کچھ ٹخنوں سے نیچے لٹک رہا تھا، آپؐ نے فرمایا یہ کون ہے، میں نے عرض کیا، عبداللہ بن عمر، آپؐ نے فرمایا اگر تم عبداللہ ہو تو اپنا تہبند اونچا کرو، میں نے اونچا کر لیا، یہاں تک کہ نصف پنڈلی تک آگیا، پھر ہمیشہ میں نے اپنا یہی دستور العمل رکھا (احمد بسند رواتہ ثقات از زواجر)

حدیث۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف نظر نہ فرمائیں گے جو اپنے کپڑے کو فخر وتکبر کے ساتھ کھینچے اور دراز کرے (بخاری ومسلم)

حدیث۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین آدمی ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام نہ فرمائیں گے اور ان کی طرف نظر نہ کریں گے اور نہ ان کو پاک کریں گے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

راوی حدیث کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی کلمات تین مرتبہ دہرائے

تو حضرت ابو ذر غفاریؓ بول اٹھے کہ یہ لوگ تو بڑے خائب وخاسر (تباہ و برباد) ہوگئے آخر وہ کون ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ٹخنوں سے نیچے پاجامہ تہبند وغیرہ لٹکائے۔ اور جو شخص نیکی یا احسان کر کے جتلائے۔ اور جو شخص جھوٹی قسم کھا کر اپنا سامان فروخت کر دے (ابوداؤد، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ از زواجر)

اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تہبند اور پاجامہ کے بارہ میں ارشاد فرمایا وہی حکم کرتہ اور عبا وغیرہ کا بھی ہے کہ ٹخنوں سے نیچے لٹکانا ان کا بھی گناہ ہے (ابوداؤد از زواجر)

مسئلہ۔ جو شخص فخر وتکبر سے اپنے تہبند یا پاجامہ وغیرہ کو ٹخنوں سے نیچا رکھتا ہے وہ باتفاق سخت گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے، اور جو بلا خیال فخر وتکبر کے ویسے ہی عادت پڑ گئی ہے جب بھی گناہ سے خالی نہیں (عالمگیری، اشباہ وغیرہ) ہاں کسی شخص کا تہبند یا پاجامہ بے اختیار کسی وقت لٹک جائے، وہ اس میں داخل نہیں جیسے حضرت صدیق اکبرؓ کو پیش آیا، اور انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا، آپ نے ان کو معذور قرار دیا۔

تنبیہ۔ کتنی ذرا سی بات ہے جس کے لئے سید الاولین والآخرین اپنی امت کو سخت تاکید فرماتے ہیں، مگر امت ہے کہ اپنی اتنی سی بے فائدہ اور لغو خواہش کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو راضی کرنے کے لئے نہیں چھوڑتی اور ایسا گناہ سر پر لینے کو تیار ہے جو خاص رحمت ومغفرت کے اوقات میں بھی معاف نہیں کیا جاتا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ:

"شب برأت یعنی نصف شعبان کی رات میں اتنے گنہگاروں کی مغفرت ہوتی ہے جتنے قبیلۂ بنی بکر کے بھیڑوں کے بال، قبیلۂ بنی بکر کا نام خاص طور سے اسلئے ذکر کیا کہ اس قبیلہ کے ہر شخص کے پاس بکریوں، بھیڑوں کے بہت بہت گلے تھے"

اب اندازہ لگائیں کہ ایک بھیڑ کے بال کتنے؟ اور پھر ایک گلّے کے کتنے؟ اور پھر سینکڑوں گلّوں کی بھیڑوں کے بال کتنے ہوں گے؟ لیکن اس حدیث میں ہے کہ ایسی رحمت ومغفرتِ عامہ کے وقت بھی چند بدنصیب مغفرت سے محروم رہیں گے، ان میں ایک وہ کم

جو فخر و تکبر سے اپنا پاجامہ وغیرہ ٹخنوں سے نیچا رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو بلائے عظیم اور وبائے عام سے بچائے۔ آمین

۱۸۔ صدقہ دے کر احسان جتلانا

اللہ تعالیٰ سبحانہ نے فرمایا ہے لَا تُبْطِلُوْا صَدَقَاتِکُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰی یعنی اپنے ...ات کو احسان جتلا کر اور فقراء کو تکلیف پہنچا کر باطل نہ کرو۔

اور دوسری آیت میں ارشاد ہے۔ اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ ... ثُمَّ لَا یُتْبِعُوْنَ مَا اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَا اَذًی الآیہ" یعنی اجر و ثواب ان لوگوں کے ...ہے جو اللہ کے راستہ میں خرچ کریں، پھر اس کے پیچھے احسان جتلانا اور تکلیف نہ ہو۔

دوسری آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ احسان جتلانے کی ممانعت صرف صدقات ...ا تھ مخصوص نہیں، بلکہ جو کچھ بھی عبادت و طاعت اور نیکی کی راہ میں خرچ کیا جائے ...پنے ہی نفس پر یا بیوی بچوں پر، یا اعزار و اقربار پر، ان سب کا یہی حکم ہے کہ ...جتلانے سے اس خرچ کرنے کا ثواب باطل ہو جاتا ہے۔

اور کسی ایسے آدمی کے سامنے اپنے احسان یا صدقہ کا ذکر کرنا جس کے سامنے ذکر ...و وہ شخص پسند نہیں کرتا جس پر احسان کیا گیا ہے یہ بھی مَنًّا وَّلَا اَذًی میں داخل ... (زواجر ص۱۵۲ ج۱)

اس لئے علماء نے فرمایا ہے کہ ہدیہ یا صدقہ دے کر اس کے ساتھ دعاء کی درخواست ...دعاء کی طمع بھی مناسب نہیں کیونکہ یہ بھی اپنے احسان کا ایک معاوضہ لینا ہے جس سے ...باطل ہو جانے کا خطرہ ہے (از زواجر)

حدیث مذکور جو ص۱۷ میں گذری ہے اس کی وعید شدید میں احسان جتلانے والا بھی ...ہے اسی لئے بہت سے علماء نے اس کو کبیرہ گناہوں میں شمار کیا ہے (زواجر)

ر تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس گناہ بے لذت و بے فائدہ سے محفوظ رکھے، آمین۔

۱۹. کسی جاندار کو آگ میں جلانا

حدیث۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چیونٹیوں کے ایک بِل کو دیکھا جس میں ہم نے آگ لگا دی تھی، آپؐ نے دریافت فرمایا، اس کو کس نے جلایا ہے، عرض کیا گیا، یا رسول اللہ ہم نے، آپؐ نے فرمایا کہ آگ سے عذاب دینا صرف آگ کے خالق اللہ تعالیٰ کا حق ہے، اس کے سوا کسی کو حق نہیں (زواجر)

اور صحیح بخاری کی حدیث میں ہے کہ آگ کے ساتھ سزا دینے کا سوا اللہ تعالیٰ کے کسی کو حق نہیں،

احادیث مذکورہ سے معلوم ہوا کہ جاندار خواہ انسان ہو یا چوپایہ یا کوئی جانور خواہ حلال ہو جیسے اکثر پرندے۔ یا حرام ہو، جیسے چوہا، بلی، کتا وغیرہ، ان میں سے کسی کو آگ میں جلانا جائز نہیں۔ یہانتک کہ سانپ، بچھو،   کا بھی یہی حکم ہے، اور کھٹمل کو گرم پانی سے جلانے کا بھی یہی حکم ہے۔ اور علماء نے جاندار چیز کو آگ میں جلانے کو کبیرہ گناہوں میں شمار کیا ہے (کذا فی الزواجر)

البتہ اگر موذی جانور، سانپ، بچھو، تیتے وغیرہ کی ایذار سے بچنے کا اور کوئی طریقہ ممکن نہ ہو، تو مجبوری میں جلانے کی اجازت ہے (کذا قالہ الزرکشی از زواجر)

۲۰. نابینا کو راستہ غلط بتا دینا

حدیث۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس شخص پر لعنت فرمائی ہے جو کسی نابینا کو راستہ سے گمراہ کردے (غلط راستہ پر ڈال دے) زواجر میں اسکو بھی کبیرہ گناہوں

میں شمار کیا ہے۔

تنبیہ:۔ کسی شخص کو غلط راستہ بتا کر پریشان کرنا جیسے بعض لوگ دل لگی کیا کرتے ہیں، یہ بھی بعید نہیں کہ اس گناہ میں شامل ہو۔

۲۱۔ بیوی کو شوہر کے یا نوکر کو آقا کے خلاف اُبھارنا

حدیث۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی کی بیوی کو شوہر کے خلاف یا نوکر کو آقا کے خلاف برآمادہ کرے یعنی بیوی یا غلام یا نوکر کے دل میں مخالفت وعداوت کے جذبات پیدا کرے یا اُن کو تقویت پہنچائے وہ ہم میں سے نہیں (رواہ احمد بسند صحیح والبزار وابن حبان فی صحیحہ عن بریدۃ)

اسی طرح کسی عورت کے شوہر کو اس کی بیوی سے ناراض کرنا، اور اُسکے دل میں بغض پیدا کرنا بھی اسی کے حکم میں داخل ہے (زواجر) اس کو علماء نے کبیرہ گناہوں میں شمار کیا ہے اور حدیث میں اس کام کو شیطان کا سب سے بڑا کارنامہ بتلایا گیا ہے (مسلم)

تنبیہ:۔ آجکل عام عادت ہوگئی ہے کہ کسی کی بیوی یا نوکر کو ذرا اس کے شوہر یا آقا سے شکایت ہوئی، تو سننے والے بجائے اس کے کہ دل سے شکایت کو دور کرنے اور اس کو اپنے شوہر و آقا سے نیک گمان قائم رکھنے کی کوشش کرتے اور طرح طرح سے اس کے بغض ونفرت کو بڑھاتے ہیں، اسی کو اس عورت یا نوکر کی ہمدردی و دوستی سمجھا جاتا ہے ہاں ہمدردی و دوستی اس میں ہے کہ ان کو تو یہ سمجھایا جائے کہ اس کو کوئی عذر تھا، وہ مجبور تھا، اور دیکھو اگر تمھیں اس سے ایک تکلیف پہنچی تو ہزاروں راحتیں بھی تو پہنچی ہیں، ان کا خیال کر کے اس تکلیف کو نظر انداز کر دو، اور شوہر و آقا کو کسی نرم عنوان سے ایسے طریقہ پر سمجھائے کہ اس کو کوئی بدگمانی کہنے والے پر یا بیوی و نوکر پر پیدا نہ ہو، علیٰ ہذا شوہر کو بیوی سے شکایت ہو تو اسکے دل سے اتارنے اور نفرت وبغض کم کرنے کی تدبیر کریں، اور بیوی کو کسی مناسب عنوان سے اطاعت وموافقت کی تلقین کریں۔

۲۲۔ جھوٹی گواہی

حدیث :۔ حضرت ابوبکرہؓ فرماتے ہیں کہ ہم ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی
رمت میں بیٹھے ہوئے تھے، آپؐ نے فرمایا کہ میں تمھیں تین اکبرکبائر (یعنی کبیرہ گناہوں میں
ی بہت بڑے گناہ) بتلاتا ہوں، اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا، والدین کی نافرمانی
رنا، اس ارشاد کے وقت آپ تکیہ لگائے ہوئے تھے، اس جملہ پر پہنچ کر آپؐ بیٹھ گئے
ر فرمایا (تیسرا گناہ) جھوٹا قول اور جھوٹی شہادت ہے، پھر اسی جملہ کو بار بار فرماتے
ہے، یہاں تک کہ (ہم دل میں) کہنے لگے کہ کاش آپ اب سکوت فرمالیں (بخاری و مسلم)
حدیث :۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جھوٹی شہادت تین مرتبہ شرک
کے برابر ہے (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)
حدیث :۔ جو شخص کسی مسلمان پر ایسی شہادت دے جس کا وہ اہل نہیں، اس کو
ہئے کہ اپنا ٹھکانا جہنم میں سمجھ لے (مسند احمد بسند رواۃ ثقات)
تنبیہ ۔ اس زمانہ میں جھوٹ اور جھوٹی شہادت ایسی وبا رعام کی طرح
یل گئی ہے کہ عوام تو عوام خواص کو بھی اس سے بچنا مشکل ہوگیا ہے، بہت سے تو مستقل
یشے اور کارخانے ایسے ہیں کہ جن کی بنیاد ہی جھوٹ اور جھوٹی شہادتوں پر ہے، اس کے
ادہ بہت سے کام ایسے ہیں جن کو عموماً لوگ شہادت اور گواہی نہیں سمجھتے، اس لئے
ے دھڑک اُن میں مبتلا ہوتے ہیں، مثلاً ڈاکٹری سرٹیفکٹ بیماری وغیرہ کا یہ ایک شہادت
ہے، اس میں خلاف واقعہ لکھنا جھوٹی گواہی ہے۔
مدرسوں، اسکولوں، کالجوں کے پرچوں پر نمبر لگانا ایک شہادت ہے اس میں کسی کو
راز سے بڑھانا یا گھٹانا جھوٹی شہادت ہے۔ مدارس اور کالجوں کی سند و سرٹیفکٹ
ں جو الفاظ کسی طالب علم کے متعلق لکھے جاتے ہیں، اگر وہ واقعہ کے خلاف ہیں تو یہ ایک
وٹی شہادت ہے، جس پر دستخط کرنے میں علماء وصلحاء تک مبتلا ہیں۔

آج کل کنٹرول اور راشن کے معاملات میں جن مجسٹریٹوں یا اہلِ محلّہ کی سفارش پر عمل کیا جاتا ہے، وہ ایک شہادت ہے اس میں خلافِ واقعہ لکھنا جھوٹی گواہی ہے، میونسپل بورڈ کے ممبروں کے پاس جو جانور ذبح کرنے کیلئے صحت وغیرہ کی تصدیق کے لئے لائے جاتے ہیں، ان میں مرے گرے بیمار جانوروں کو پاس کرنا بھی جھوٹی شہادت ہے، ان رسیدوں، بیعناموں پر دستخط کرنا جن کا معاملہ دستخط کرنے والوں کے سامنے نہیں ہوا یہ بھی جھوٹی شہادت ہے۔ اسی طرح رات دن کے کاروبار میں ہزاروں مثالیں ہیں جو شہادتِ کاذبہ میں داخل اور گناہ کبیرہ اور وعید شدید کی مورد ہیں، مگر ہم ہیں کہ شیرِ مادر کی طرح سب کو حلال جان کر بے فکری سے ان میں مبتلا ہیں۔

اُن میں سے کچھ شہادتیں تو شاید ایسی ہوں جن میں انسان کسی اپنی دنیوی غرض و مجبوری سے مبتلا ہوتا ہے، لیکن بکثرت وہ بھی محض گناہ بے لذت اور وبال بے فائدہ ہیں جن میں لوگ محض لااُبالی اور بے فکری و غفلت سے مبتلا ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان بلاؤں سے بچنے کی توفیق کامل بخشیں، آمین۔

۲۳۔ غیر اللہ کی قسم کھانا

حدیث:۔ جس شخص نے غیر اللہ کی قسم کھائی، اس نے کفر و شرک کا کام کیا (الترمذی عن ابن عمر، جمع الفوائد)

حدیث:۔ اللہ تعالیٰ اس سے منع فرماتے ہیں کہ تم اپنے باپ (یا بیٹے) کی قسم کھاؤ (رواہ الستۃ الا مالکا، جمع الفوائد)

حدیث:۔ جس شخص نے قسم کھائی کہ اگر فلاں بات اس طرح نہ ہو تو میں اسلام سے خارج ہوں، تو اگر اس نے جھوٹ بولا ہے تو وہ ایسا ہی ہوگا، جیسا اس نے کہا (یعنی خارج از اسلام) اور اگر سچا بھی ہے، جب بھی اسلام کی طرف صحیح سالم نہ لوٹے گا (نسائی ابو داؤد)۔۔۔ حدیث کے ظاہری الفاظ سے مستفاد ہوتا ہے کہ ان گناہوں کا ارتکاب کرنیوالا

کافر ہو جاتا ہے، لیکن علماء نے دوسری روایات کی بنا پر اس کا مطلب یہ قرار دیا ہے کہ یہ شخص کفر کے قریب پہنچ جاتا ہے، گو اس پر فتویٰ کفر کا نہ دیا جائے اور معاملہ کفار کا سا نہ لیا جائے، نعوذ باللہ منہ

۲۴۔ جھوٹ بولنا یا جھوٹی قسم کھانا

حدیث :۔ حضرت صدیق اکبرؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے تو آپؐ پر گریہ طاری ہو گیا۔ پھر فرمایا کہ جھوٹ بولنے سے بچو کہ جھوٹ اور فجور ساتھ ساتھ ہیں، اور یہ دونوں جہنم میں ہیں (ابن ماجہ، نسائی، فی الیوم و اللیلہ، تخریج الاحیاء)

حدیث :۔ جھوٹ رزق کو کم کر دیتا ہے (ابو الشیخ عن ابی ہریرۃ، اسنادہٗ ضعیف تخریج الاحیاء)

حدیث :۔ تین شخص ہیں جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض ہیں، ایک تاجر و سوداگر جو بکثرت قسمیں کھائے، دوسرے مفلس متکبر، تیسرے بخیل احسان جتلانے والا۔

حدیث :۔ بربادی ہے اُس شخص کے لئے جو لوگوں کو ہنسانے کے لئے جھوٹ بولے بربادی ہے اس کے لئے، بربادی ہے اس کے لئے (ابو داؤد و ترمذی وحسنہ والنسائی فی الکبریٰ، تخریج الاحیاء)

حدیث :۔ عبد اللہ بن جرادؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا مؤمن سے یہ ممکن ہے کہ زنا میں مبتلا ہو جائے، فرمایا ہاں کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے، پھر میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ کیا مومن جھوٹ بول سکتا ہے، فرمایا نہیں، پھر یہ آیت پڑھی، اِنَّمَا یَفْتَرِی الْکَذِبَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ (جھوٹ افتراء وہی لوگ بولتے ہیں جو اللہ کی آیت پر ایمان نہیں رکھتے)

چنانچہ فروع میں اس کی ایک اور مثال یاد آئی، مثلاً کسی شخص کے اندر کبر ہے تو اس کے دو علاج ہیں، ایک علمی اور ایک عملی۔ علمی علاج تو مثلاً یہ ہے کہ اپنے عیوب کو سوچا کرے اور یوں سمجھے کہ مجھے اپنے عیوب کا یقین کے ساتھ علم ہے اور دوسروں کے عیوب کا ظن کے ساتھ علم ہے اور جو شخص یقینی معیوب ہے وہ معیوب ظنی سے بدتر ہے اس لئے مجھے اپنے کو سب سے کمتر سمجھنا چاہیئے، اور عملی علاج یہ ہے کہ جس کو تم اپنے سے چھوٹا سمجھتے ہو اس کے ساتھ تعظیم و تکریم سے پیش آؤ۔ اور یہ عملی علاج جزو اعظم ہے بدون اس کے علمی علاج تنہا کافی نہیں، مگر اس کا بجالانا دشوار ضرور ہے۔ ہر شخص سے آسان نہیں مگر تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ جب تک یہ عملی علاج نہ کیا جائے گا تکبر دور نہ ہوگا۔ ایسے ہی حسد کا علاج یہ ہے کہ جس سے حسد ہو اس کیلئے ترقی خیر کی خوب دُعا کیا کرے اور اس کے ساتھ احسان بھی کرتا رہے، چند دن میں حسد دور ہو جائے گا، مگر یہ بات آسان نہیں، گو فی نفسہ یہ سب اعمال آسان ہیں مگر نفس کی منازعت کی وجہ سے دشوار ہو رہے ہیں۔ مگر ان میں دشواری اوّل اوّل ہی ہے کیونکہ نفس کی کشاکشی ابتدا میں زیادہ ہوتی ہے۔ پھر زیادہ منازعت نہیں رہتی مگر ایک دو مرتبہ عملی علاج کر کے بے فکر نہ ہونا چاہیئے بلکہ اس کو مدت دراز تک جس کو شیخ محقق تجویز کرے، کرنا چاہیئے، کیونکہ ایک دو دفعہ سے مرض کی جڑ نہیں جاتی، اسی کو ایک عارف فرماتے ہیں ؎

صوفی نہ شود صافی تا درنکشد جامے   بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے

(صوفی باصفا نہیں ہوتا جبتک (مجاہدہ کے) تلخ گھونٹ کا جام حلق سے نہ اُتارے، بہت سفر (اور مشقت و مجاہدہ) درکار ہے تاکہ کوئی خام پختہ ہو سکے)

غرض یہ طریقہ ہے اعمال کی اصلاح کا اور باطن کی اصلاح کا کہ نفس کے جذبات کی مخالفت کی جائے اور اسکو مشقت کا عادی بنایا جائے، مگر آجکل لوگوں سے مشقت تو ہوتی نہیں، یوں چاہتے ہیں کہ ہمارے آرام میں بھی خلل نہ آئے اور اعمال کی بھی اصلاح ہو جائے، باطن کی بھی اصلاح ہو جائے۔

اصلاحِ نفس ایک شخص مجھ سے کہنے لگے کہ مجھے ایسا وظیفہ بتلا دو جس سے نماز قضا نہ ہو، میں نے کہا کہ اگر وظیفہ قضا ہونے لگا تو اس کے واسطے دوسرا وظیفہ پڑھو گے پھر اس کے واسطے تیسرا یہ تو سلسلہ غیر متناہی چلے گا۔ اس کا علاج تو یہ ہے کہ جس دن نماز قضا ہو اس دن بھوکے رہو یا ۴ر، ۸ر صدقہ کرو اور یہ صدقہ نہ تو اتنا زیادہ ہو جس کا تحمل نہ ہو نہ اتنا کم ہو جس کی نفس کو خبر بھی نہ ہو بلکہ درمیانی درجہ کا ہو جس سے نفس پر کسی قدر گرانی ہو اور اس سے کہدو کہ جب تو نماز قضا کرے گا میں تجھکو یہی سزا دوں گا۔ اور یہ علاج میں نے یا صوفیہ نے اپنی طرف سے اختراع نہیں کیا بلکہ نصوص سنت میں اسکی اصل موجود ہے۔ حدیث میں ہے مَنْ قَالَ تَعَالَ اُقَامِرْكَ فَلْيَتَصَدَّقْ یعنی جس کی زبان سے یہ کلمہ نکل جائے کہ آؤ جوا کھیلیں وہ صدقہ کرے" اسی طرح حیض کے زمانہ میں غلطی سے جماع ہو جائے تو وہاں بھی صدقہ کا حکم ہے ابتداءِ حیض میں ایک دینار اور آخر میں نصف دینار۔ اور اس میں راز یہ ہے کہ صدقہ کرنے سے نفس پر زیادہ مشقت پڑتی ہے، وہ اس سے بچنے کے لئے تھوڑی مشقت کو برداشت کر لیتا ہے۔ اور یہ کام اس سے چھوٹ جاتے ہیں۔

تو دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مواقع کیلئے کوئی وظیفہ نہیں بتلایا بلکہ ایسا علاج بتلایا جس میں نفس کو مشقت ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ اصلاح نفس کا طریقہ مجاہدہ ہی ہے وظیفوں سے اصلاح نہیں ہوا کرتی۔

شاید طلبہ کو یہاں یہ شبہہ ہو کہ امام ابو حنیفہؒ تو غرامت مالیہ (مالی تاوان) کو ناجائز فرماتے ہیں پھر تم یہ جرمانہ کیونکر بتلاتے ہو۔ اس شبہہ کا جواب یہ ہے کہ اپنے اوپر جرمانہ کرنا جائز ہے دوسروں پر جائز نہیں، اور ہم یہی تو تعلیم کرتے ہیں کہ جب عمل میں کوتاہی ہو تم خود اپنے اوپر جرمانہ کیا کرو یہ تو نہیں کہتے کہ مریدوں سے کوتاہی ہو تو ان پر جرمانہ کرکے تم وصول کیا کرو اگر کوئی شیخ ایسا کرے تو بیشک ناجائز کا مرتکب ہوگا۔

فضولیاتِ مستورات یہ تو وہ امراض تھے جو مردوں اور عورتوں میں مشترک تھے۔ اب میں بعض ان امراض کا علاج بتلاتا ہوں جو مستورات کے ساتھ خاص ہیں کہ

اس وقت مستورات کا مجمع بھی موجود ہے، سو مستورات میں ایک مرض یہ ہے کہ جب چند عورتیں جمع ہوں گی تو ہمیشہ دنیا کی باتیں کریں گی، مرد کبھی جمع ہوتے ہیں تو کبھی خدا اور رسول کی باتیں بھی کر لیتے ہیں مگر عورتوں کے مجمع میں خدا ورسول کی باتیں کبھی سننے میں نہیں آتیں، بلکہ ان کی تمام تر گفتگو زیور، کپڑے، روپے، پیسے کے متعلق ہوتی ہے جس سے معلوم ہوا کہ ان میں زیور کی محبت اور لباس کی محبت زیادہ ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ زیور کا استعمال کم کر دیا جائے۔ یہ مطلب نہیں کہ اپنے گھر میں استعمال کم کر دو، کیونکہ اپنے گھر میں تو عموماً عورتیں زیور پہنتی ہی نہیں اور لباس بھی معمولی ہی پہنتی ہیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب کسی دوسرے کے گھر جاؤ تو زیور کم پہنکر جاؤ اور لباس بھی معمولی پہنکر جاؤ، باقی سارے زیور کو اور قیمتی جوڑوں کو اپنے گھر میں پہنو کیونکہ شریعت نے عورتوں کو چاندی سونے کا زیور اور ریشم کا کپڑا صرف اسی لئے حلال کیا ہے تاکہ وہ شوہر کے سامنے اس سے زینت کر سکیں، تو ان کے استعمال کا اصلی محل اپنا ہی گھر ہے، مگر اب عورتوں نے اس تعلیم کے خلاف یہ وطیرہ (تمیز دردستی) اختیار کیا ہے کہ شوہر کے سامنے تو معمولی حالت میں رہیں گی اور دوسرے کے گھر بن ٹھن کر جائیں گی۔ تو یہ عمل خلافِ شریعت بھی ہے اور اس سے زیور و لباس کی محبت بھی بڑھتی ہے۔ اس لئے عورتوں کو شریعت کی اصل تعلیم پر عمل کرنا چاہئے کہ اپنے گھر میں سب زیور لباس پہنا کریں اور دوسرے کے گھر میں معمولی زیور و لباس پہنکر جایا کریں، اس سے زیور و لباس کی محبت ان کے دل سے کم ہو جائے گی۔ اور سب سے بڑا مجاہدہ یہ ہے کہ شادی اور دوسری تقریبات کے موقع پر سادے کپڑے اور سادا زیور پہنکر جایا کریں۔ اصلاح تو اسی طرح ہوگی بغیر اس کے کتابیں پڑھنے اور وعظ سننے سے کچھ نہ ہوگا۔ رہا یہ کہ یہ تو بہت دشوار ہے دل پر آرہ چل جائے گا کہ بھری برادری میں سب تو اچھے زیور عمدہ لباس سے آئیں اور ہم سادے لباس، معمولی زیور میں ہوں۔

تو صاحبو! دنیا کا بھی تو کوئی کام بدون محنت کے نہیں ہوتا۔ اے اللہ کے بندو!

بینداری ایسی سستی کیوں ہے کہ لوگ دیندار بدون محنت کے بنا چاہتے ہیں ؎

نازپروردہ بہ تنعم نہ بردراہ بدوست عاشقی شیوۂ رندانِ بلاکش باشد

(نازونعمت میں پلا ہوا محبوب تک رسائی نہیں پاسکتا۔ عاشقی محنت ومشقت برداشت کرنے والے رندوں کا شیوہ ہے)

میرا یہ مطلب بھی نہیں کہ اتنی محنت کرو جس سے نفس تھک جائے، بعضے اہل مجاہدہ ایسے بھی ہیں، چنانچہ ہمارے ساتھ سفر حج میں جہاز میں ایک شخص تھے وہ کئی کئی دن تک کچھ نہ کھاتے اور جب کھانے بیٹھتے تو کئی دن کی خوراک ایک ہی وقت میں کھا جاتے۔ لوگوں نے ان سے کہا کہ یہ کیا واہیات ہے کہ ایک وقت میں تم کئی دن کی خوراک کھا جاتے ہو، کہا میں مجاہدہ کرتا ہوں، کیونکہ مجاہدہ کی ایک قسم تو ترکِ اکل ہے اور ایک قسم اکثارِ اکل بھی ہے کہ اتنا کھائے کہ نفس پریشان ہو جائے کیونکہ مجاہدہ سے مقصود نفس کو پریشان کرنا ہے اور وہ جس طرح ترکِ طعام سے پریشان ہوتا ہے بہت کھانے سے بھی پریشان ہوتا ہے۔

سو یہ قول غلط ہے مجاہدہ سے مقصود نفس کو پریشان کرنا نہیں ہے بلکہ نفس کو مشقت کا خوگر بنانا اور راحت وتنعم کی عادت سے نکالنا ہے اور اس کے لئے اتنا مجاہدہ کافی ہے جس سے نفس پر کسی قدر مشقت پڑے، بہت زیادہ نفس کو پریشان کرنا اچھا نہیں ورنہ وہ بالکل معطل ہو جائے گا، تو خوب سمجھ لو کہ محنت ہمیشہ مستحسن نہیں بلکہ جب اعتدال سے ہو اور اس پر نتیجہ اچھا مرتب ہو اسی وقت مستحسن ہے۔

اس پر مجھے مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ یاد آیا کہ آپ نے ایک مدرس کو مدرسہ سے الگ کرنا چاہا اور مہتمم صاحب نے ان کی سفارش کی کہ یہ محنتی بہت ہیں تو مولانا نے فرمایا کہ اگر محنت ہی مطلوب ہے تو مجھے چالیس روپے تنخواہ دے کر مدرسِ اوّل کیوں بنایا، بلکہ ایک پسنہاری کو چکی دے کر درسگاہ میں بٹھلا دو وہ مجھ سے زیادہ محنت کرے گی اور مزدوری صرف دو آنہ لیگی۔

پس مجاہدہ میں افراط بھی مذموم ہے بلکہ اعتدال کی رعایت لازم ہے، اسی کو

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

نہ چنداں بخور کز دہانت برآید نہ چنداں کہ از ضعف جانت برآید

(نہ اتنا زیادہ کھاؤ کہ منہ سے باہر آنے لگے، اور نہ اتنا کم کہ کمزوری سے جان ہی نکلنے لگی)

اعتدال مجاہدہ | اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَالَّذِیْنَ اِذَا اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا وَکَانَ بَیْنَ ذٰلِکَ قَوَامًا ہ (یعنی خدا کے خاص بندے وہ ہیں کہ جب وہ خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں نہ تنگی کرتے ہیں، بلکہ وہ خرچ اسکے درمیان میں معتدل ہوتا ہے)

پس مجاہدہ میں بھی اعتدال کی رعایت کرنا چاہیئے. مگر اس اعتدال کو بھی آپ اپنی رائے سے تجویز نہ کیجئے کیونکہ بیمار کی رائے بیمار ہوتی ہے، اس طریق میں اپنی رائے سے کامیابی نہیں ہوتی ؎

فکر خود و رائے خود در عالم رندی نیست کفر ست دریں مذہب خود بینی و خود رائی

(اپنی فکر اپنی رائے کو اچھا سمجھنا عالم رندی (طریق عشق و محبت) میں بیکار سی چیز ہے، اس مشرب میں خود بینی اور خود رائی کفر ہے) بلکہ کسی محقق سے درجۂ اعتدال معلوم کیجئے اللہ تعالیٰ نے ہر زمانہ میں علمائے قوانین ظاہرہ و باطنہ پیدا کئے ہیں ان سے رجوع کرو اور ان سے طریق مجاہدہ معلوم کرو. پھر جیسے طالبان عمل میں دو فرقے ہیں. ایک وہ جو محنت سے بچنا چاہتے ہیں دوسرے وہ جو محنت میں غلو کرتے ہیں، اسی طرح طالبان علم میں بھی دو فرقے ہیں. ایک وہ جو یوں چاہتے ہیں کہ ہم کو کچھ کرنا بھی نہ پڑے اور عالم ہو جائیں. اس کی ترکیب انھوں نے یہ نکالی کہ مدرسہ میں داخل ہو کر کسی جماعت میں شریک ہو گئے. اور کبھی کبھی درس میں شریک ہو گئے پھر دس دن بارہ دن کو غائب ہو گئے، نہ مطالعہ ہے نہ تکرار، نہ سبق کے وقت توجہ ہے، جماعت نے کتاب ختم کر لی تو ان کی بھی ختم ہو گئی وہ درسیات سے فارغ ہو گئے تو یہ بھی فارغ کہلانے لگے گو واقع میں بالکل ہی فارغ ہوں یعنی کورے، تو یاد رکھو اس طرح علم نہیں آیا کرتا. حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایسوں ہی کے واسطے فرمایا ہے ؎

لَوْ کَانَ ھٰذَا الْعِلْمُ یُدْرَکُ بِالْمُنٰی مَا کَانَ یَبْقٰی فِی الْبَرِیَّۃِ جَاھِلٗ

فَاجْھَدْ وَلَا تَکْسَلْ وَلَا تَکُ غَافِلًا فَنَدَامَۃُ الْعُقْبٰی لِمَنْ یَّتَکَاسَلُ

ترجمہ: اگر یہ علم تمنا اور آرزو سے حاصل ہوا کرتا تو دنیا کے اندر کوئی بھی آدمی جاہل نہ رہ جاتا۔
۲۔ اس لئے کوشش کرو کاہلی وسستی نہ کرو اور غفلت بھی نہ برتو، اسلئے کہ آخرت کی ندامت اور شرمندگی اسی کو ہوگی جو سستی کرتا رہا ہوگا۔"

اور بعضے محنت میں افراط کرتے ہیں کہ اتنی محنت کرتے ہیں کہ دماغ ہی خراب ہو جائے۔ افراط تفریط دونوں بُرے ہیں۔ شریعت کو ہر شئے میں اعتدال مطلوب ہے۔ اہل مجاہدہ کا ایک افراط یہ بھی ہے کہ بعضے تقلیل غذا میں غلو کرتے ہیں، بعضے ہاتھ کو سکھاتے ہیں بعضے باس نہیں پہنتے بلکہ آگ سلگا کر سردی گذارتے ہیں۔ یہ وہ مجاہدے ہیں جو آجکل جوگیوں میں رائج ہیں اور غضب یہ ہے کہ بعضے مسلمان بھی ان مجاہدات کو کمال اور جوگیوں کو باکمال سمجھتے اور ان کے معتقد ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ کچھ کمال نہیں کیونکہ بدن کو مارنے سے کیا ہوتا ہے مطلوب تو وہ مشقت ہے جس سے نفس پر مشقت ہو یہ ضرور ہے کہ مشقت نفس میں بعض دفعہ مشقت جسم کو بھی دخل ہوتا ہے مگر اس میں اعتدال ضروری ہے مثلاً روزہ رکھ لیا جائے اعتکاف کر لیا جائے۔ بس یہ مشقت کافی ہے اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں۔

صاحبو! جس طرح طبیب دوا تجویز کرکے اس کی مقدار بھی خود ہی تجویز کرتا ہے اسی طرح آپ کو مجاہدہ کی مقدار بھی شریعت ہی سے معلوم کرنا چاہیئے جبکہ اصل مجاہدہ کو آپ نے شریعت ہی سے معلوم کیا ہے۔

مخالفتِ نفس اب یہاں ایک بات اور سمجھئے کہ مجاہدہ کی دو قسمیں ہیں، ایک مجاہدہ جسمانی کہ نفس کو مشقت کا عادی کیا جائے، مثلاً نوافل کی تکثیر سے نماز کا عادی کرنا، اور روزہ کی کثرت سے حرص طعام وغیرہ کم کرنا اور ایک مجاہدہ بمعنیٰ مخالفتِ نفس ہے کہ جس وقت نفس معصیت پر داعی ہو اس وقت اسکے تقاضے کی مخالفت کرنا اصل مقصود یہ دوسرا مجاہدہ ہے اور یہ واجب ہے اور پہلا مجاہدہ بھی اسی کی تحصیل کے واسطے کیا جاتا ہے کہ جب نفس مشقت برداشت کرنے کا عادی ہوگا تو اس کو اپنے جذبات کے ضبط کرنے کی بھی عادت ہوگی، لیکن اگر کسی کو بدون مجاہدۂ جسمانیہ

کے مخالفتِ نفس پر قدرت ہو جائے تو اس کو مجاہدۂ جسمانیہ کی ضرورت نہیں، مگر ایسے لوگ شاذ و نادر ہیں۔ اسی واسطے صوفیہ نے مجاہدۂ جسمانیہ کا بھی اہتمام کیا ہے۔ اور ان کے نزدیک اس کے چار ارکان ہیں۔ ترکِ طعام، ترکِ کلام، ترکِ منام و ترکِ اختلاط مع الانام۔ اور ترک سے مراد تقلیل ہے ترکِ کلی مراد نہیں جو شخص ان ارکان اربعہ کا عادی ہو جائے گا واقعی وہ اپنے نفس پر قابو یافتہ ہو جائے گا کہ تقاضائے معصیت کو ضبط کر سکے گا، مگر میرا مقصود اس وقت مجاہدۂ جسمانیہ کا بیان کرنا نہیں ہے بلکہ مجاہدۂ نفسانیہ کا بیان مقصود ہے کہ گناہ کے وقت نفس کو روکو، اور اس میں جو مشقت لاحق ہوتی ہے اس کو برداشت کرنا چاہئے کیونکہ بدون مشقت کے کوئی کام نہیں ہو سکتا نہ دنیا کا نہ دین کا۔

یہ ہے وہ مسئلہ جس کی ضرورت تھی اور لوگ اس سے غافل ہیں یعنی مخالفتِ نفس کہ جب نفس گناہ کا تقاضا کرے اسکی مخالفت کرو۔ اور یہ بات اس وقت آپ کو حاصل ہوگی جبکہ نفس کی جائز خواہشوں کی بھی مخالفت کیا کرو۔ مثلاً کسی لذیذ چیز کو جی چاہا تو فوراً اس کی خواہش کو پورا نہ کیا جائے بلکہ اس کی درخواست کو رد کر دیا جائے، دس دفعہ میں سے ایک دفعہ اس کی جائز خواہش پوری کر دی اور نو دفعہ ٹال دی۔ جب مباحات میں تم مخالفتِ نفس کے عادی ہو گئے اس وقت معاصی کے تقاضے کی مخالفت پر آسانی سے قادر ہو گئے اور جو شخص مباحات میں نفس کو کھلا آزاد رکھتا ہے وہ بعض اوقات تقاضائے معصیت کے وقت اس کو نہیں دبا سکتا، تجربہ کرکے دیکھ لیا جائے۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ صوفیہ نے جو ارکان اربعہ مجاہدہ کے تجویز کئے ہیں انہیں انھوں نے ابتداع[1] نہیں کیا، اوّل تو احادیث میں غور کرنے سے ہر رکن کی اصل مل سکتی ہے۔ دوسرے انھوں نے تسہیل مخالفت نفس عند ارادۃ المعصیۃ[2] کیلئے یہ نوع مجاہدہ کی بطور تدبیر کے تجویز کی ہے تدبیر میں نصوص کی بھی حاجت نہیں، البتہ نصوص کے خلاف نہ ہونا چاہئے۔ خلاصہ یہ کہ لوگوں نے جو یہ سمجھ لیا ہے کہ دین کے کاموں میں مشقت برداشت کرنے کی ضرورت نہیں، غلط ہے، بلکہ اصل یہ ہے کہ دین سارا مجاہدہ ہی ہے کیونکہ

---

[1] بدعت اور نئی بات ایجاد کرنا۔ [2] ارادۂ گناہ کے وقت نفس کی مخالفت کا آسان کرنا۔

دین نام ہے پابندی کا اور پابندی نفس کو گراں ہے۔ پس بدون مجاہدہ کے دین کامل نہیں ہو سکتا۔

رجاء و امکان اب میں اس مسئلہ کو ان آیات پر منطبق کرنا چاہتا ہوں جو میں نے شروع میں تلاوت کی ہیں۔ میں نے تین آیتیں تلاوت کی ہیں۔ ایک مَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ اللهِ فَإِنَّ أَجَلَ اللهِ لَآتٍ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ یہ آیت راجع الی العقیدہ ہے، ترجمہ اس کا یہ ہے کہ "جو لوگ اللہ سے ملنے کی امید رکھتے ہیں تو اللہ کا وہ وقت معین ضرور آنے والا ہے اور اللہ تعالیٰ (ان کے اقوال کو) خوب سننے اور (ان کے افعال واحوال کو) خوب جانتے ہیں"۔

مطلب یہ ہے کہ اوپر بعض مسلمانوں کو جو کفار کی ایذاء سے گھبراتے تھے، تنبیہ کی گئی ہے کہ کیا ان کا یہ خیال ہے کہ ان کو صرف اتنی بات پر چھوڑ دیا جائے گا کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کی آزمائش نہ کی جائے گی، حالانکہ ہم ان سے پہلے مسلمانوں کو بھی آزمائش سے پرکھ چکے ہیں۔ اس کے بعد جملہ معترضہ کے طور پر کفار کو یہ مضمون سنایا گیا ہے کہ کیا ان کا یہ خیال ہے کہ وہ ہم سے بچ کر بھاگ جائیں گے، سو ان کی یہ تجویز بہت بیہودہ ہے۔

اس جملہ معترضہ میں کفار کی تنبیہ کے ساتھ مسلمانوں کی ایک گونہ تسلی بھی کر دی گئی کہ کفار کی یہ ایذائیں چند روزہ ہیں، پھر ہم ان کو اچھی طرح پکڑنے والے ہیں۔ اسکے بعد پھر مسلمانوں کی طرف روئے سخن ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ملنے کی امید رکھتے ہیں ان کو تو ایسے واقعات سے پریشان نہ ہونا چاہیئے کیونکہ اللہ کا وہ وقت معین ضرور آنے والا ہے (اس وقت سارا غم غلط ہو جائے گا) اور اللہ تعالیٰ سننے والے جاننے والے ہیں (تو وہ ان کی باتوں کو سنتے اور کاموں کو جانتے ہیں، اس وقت ان کی طاعاتِ قولیہ اور طاعاتِ فعلیہ سب کا اجر دے کر ان کو خوش کر دیں گے)

(باقی آئندہ)

(۴۳۴) فرمایا کہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مدعی نبوت کو ولی کہنا بلکہ صرف مسلمان کہنا بھی کفر ہے۔ اور جب مرزا (غلام احمد) صاف صاف اپنے کو نبی بلکہ انبیاء سے بھی افضل کہتا ہے تو اس کو ولی ماننا ان سب باتوں میں سچا ماننا ہے اور دعویٰ نبوت میں اس کو سچا ماننا کفر ہے، خوب سمجھ لو۔

(۴۳۵) فرمایا کہ صوفیوں کو اکثر اوقات اس قسم کا دھوکا ہوتا ہے کہ اگر عُجب پیدا ہوتا ہے تو اس کا علاج کسی گناہ سے کیا جاتا ہے اور مصلحت یہ سمجھی جاتی ہے کہ ایسا کرنے سے ہم اپنی نظروں میں گنہ گار اور ذلیل رہیں گے اور اس کے عُجب کی جڑ کٹ جائیگی، لیکن یہ تو ایسا علاج ہے جیسا کہ کوئی شخص اپنے بدن سے پاخانہ کو پیشاب سے دھونے لگے۔

(۴۳۶) فرمایا کہ خشوع و تواضع کے آثار یہ ہیں کہ جب چلے گردن جھکا کر چلے۔ بات چیت میں، معاملات میں سختی نہ کرے۔ غصہ اور غضب میں آپے سے باہر نہ ہو۔ بدلہ لینے کی فکر میں نہ رہے وغیرہ وغیرہ۔

(۴۳۷) فرمایا کہ محققین تمام عبادات و عادات میں اعتدال کی رعایت رکھتے ہیں، اور اسی پر دوام کی امید ہوسکتی ہے جو دین میں مطلوب ہے۔ باقی غلو سے ملال و کلال پیدا ہوتا ہے اور اس سے کبھی ترک عمل کی نوبت آجاتی ہے، غلو فی الحال تو عمل کی تکثیر ہے اور فی المآل عمل کی تقلیل۔

(۴۳۸) فرمایا کہ صوفیہ علم کے اہتمام سے زیادہ عمل کا اہتمام کرتے ہیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اے امت میں تمہارے متعلق اُن چیزوں سے زیادہ اندیشہ نہیں کرتا جن کا تم کو علم نہیں۔ کیونکہ علم کی کمی میں جو کوتاہی ہو جاتی ہے وہ بے باکی کی دلیل نہیں، اس لئے جرم خفیف ہے۔ لیکن یہ دیکھو کہ جن چیزوں کا تم کو علم ہے ان میں تم کیا عمل کرتے ہو۔ اس حدیث کی تفریع میں حضرت قشیریؒ نے تشریح کی ہے کہ جتنی نظر عالم کی دقیق ہوگی مواخذہ بھی اتنا ہی شدید ہوگا۔ لہٰذا کسی عالم کیلئے فرح و ناز مناسب نہیں، بلکہ خشیت و ہیبت سے اس کی تعدیل مناسب ہے۔ اس وقت وہ البتہ فرح و نیاز کا مستحق ہوگا۔

(۴۳۹) فرمایا کہ حدیث میں ہے کہ تقدیر پر ایمان رکھنا سب افکار وغموم کو دور کردیتا ہے۔

(۴۴۰) فرمایا کہ اخلاق کی حقیقت یہ ہے کہ ہم سے کسی کو کسی قسم کی ایذائے ظاہری یا باطنی حضور یا غیبت میں نہ پہنچے۔

(۴۴۱) فرمایا کہ نہ دعا کے بھروسے اسباب کو چھوڑے اور نہ اسباب میں ایسا انہماک ہو کہ مسبب الاسباب پر نظر نہ رہے۔ اعتدال اصل طریقۂ نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اور یہ بدون تحصیلات وتبحر علوم دین کے حاصل ہونا مشکل ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال سے تو یہاں تک اس اعتدال کا پتہ چلتا ہے کہ معجزات میں بھی جو کہ بالکل خرق عادت ظہور میں آتے ہیں ان میں بھی تدبیر اور اسباب کی صورت کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت جابرؓ کی دعوت کا قصہ جو جنگ احزاب میں خندق کھودنے کے وقت ظہور میں آیا اس کا شاہد ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فرمایا تھا کہ ہانڈی چولھے پر سے مت اُتار: پھر اس میں آکر آپ دہن ملا دیا اور وہ چند آدمی کی خوراک لشکر کے لشکر کو کافی ہوگئی۔

(۴۴۲) فرمایا کہ حکم شرعی یہ ہے کہ اگر تقوی کے کسی خاص درجہ پر عمل کرنے سے دوسرے کی دل شکنی ہو تو فتوی پر عمل کرنا چاہیئے۔ ایسے موقع پر تقوی کی حفاظت جائز نہیں چنانچہ کسی چیز کے نہ لینے میں اگر اپنی عزت ہو اور اپنے بھائی کی ذلت ہو، اور لینے میں اپنی تو ذلت ہو لیکن بھائی کی عزت ہو تو بھائی کی عزت کو اپنی عزت پر ترجیح دے یعنی اپنی آبرو وعزت کو لات مارے اور اپنے بھائی کی بات کو اونچا رکھے، یہ ایثار نفس ہے

(۴۴۳) فرمایا کہ تکبر کا حاصل یہ ہے کہ کسی کمال دنیوی یا دینی میں اپنے کو باختیار خود دوسرے سے اس طرح بڑا سمجھنا کہ دوسرے کو حقیر سمجھے تو اس میں دو جزو ہوں گے، اپنے کو بڑا سمجھنا اور دوسرے کو حقیر سمجھنا، یہ اس کی حقیقت ہے جو حرام ہے اور معصیت۔ ا ایک اسکی صورت ہے کہ اس میں سب اجزاء ہیں بجز ایک جزو یعنی اختیار کے، یعنی بلا اختیار ان اجزا کا خیال آگیا، یہاں تک تو معصیت نہیں۔ لیکن اگر اس کے بعد اس خیال کو باختیار خود اچھا سمجھا یا باوجود اچھا نہ سمجھنے کے باختیار خود اس کو باقی رکھا تو یہ حقیقت کبر کی ہے

اور معصیت ہوگی۔ اور یہ جو قید لگائی گئی ہے کہ دوسرے کو حقیر سمجھے، یہ اس لئے کہ اگر کوئی واقعی بڑائی چھٹائی کا اس طرح معتقد ہو کہ دوسرے کو ذلیل نہ سمجھے تو وہ تکبر نہیں، جیسے ایک شخص بیس برس کی عمر والا دو برس کے بچے کو سمجھے کہ یہ مجھ سے عمر میں چھوٹا ہے۔ یا ایک ہدایہ پڑھنے والا طالب علم نحو پڑھنے والے طالب علم کو سمجھے کہ یہ مجھ سے پڑھائی میں کم ہے۔ یا ایک مالدار آدمی کسی مسکین کو یہ سمجھے کہ مجھ سے مال میں کم ہے مگر اس کو حقیر نہیں سمجھتا تو وہ کبر نہیں، البتہ اگر یہ تفاوت واقع کے خلاف ہو تو ایسا اعتقاد کذب ہوگا، مگر کبر و کذب متغائر ہیں۔ مگر ایسی بڑائی چھٹائی کا اعتقاد گو کبر تو نہیں لیکن اگر وہ محل تفاوت عرفاً یا شرعاً کمال ہو تو یہ اعتقاد احیاناً مفضی الی الکبر ہو جاتا ہے۔ اس لئے سدِّ ذرائع کے طور پر اس کا بھی وہی علاج کرنا چاہئے جو حقیقت کبر کا علاج ہے، اور وہ ایک خاص مراقبہ ہے جس کی ایسے ہر وقت میں تجدید کر لی جائے جبکہ اس تفاوت کی طرف التفات ہو۔ وہ مراقبہ یہ ہے:۔

(الف) گو میرے اندر یہ کمال ہے مگر میرا پیدا کیا ہوا نہیں۔ حق تعالیٰ کا عطا فرمایا ہوا ہے۔

(ب) عطا بھی کسی استحقاق سے نہیں ہوا بلکہ محض موہبت اور رحمت ہے۔

(ج) پھر عطا کے بعد اس کا بقاء میرے اختیار میں نہیں، بلکہ حق تعالیٰ جب چاہیں سلب کر لیں۔

(د) اور گو اس دوسرے شخص میں فی الحال یہ کمال نہیں ہے مگر فی المآل ممکن ہے کہ میرے کمال سے زیادہ اس کو یہ کمال اس طرح حاصل ہو جائے کہ میں اس کمال میں اس کا محتاج ہو جاؤں۔

(ہ) اور اگر فی المآل کمال نہ بھی حاصل ہو جیسا بعض اوقات ظاہری اسباب سے اس کا گمان غالب ہوتا ہے تو فی الحال ہی اس شخص میں کوئی کمال ایسا ہو جو مجھ سے مخفی ہو اور دوسروں پر ظاہر ہو یا سب ہی سے مخفی ہو اور اللہ تعالیٰ کو معلوم ہو، جس کے اعتبار سے اس کے اوصاف کا مجموعہ میرے اوصاف کے مجموعہ سے اکمل ہو۔

(س) اگر کسی کے کمال کا بھی احتمال قریب ذہن میں نہ آئے تو اس احتمال کو ذہن

، حاضر کرے کہ شاید یہ علم الٰہی میں مقبول ہو اور میں غیر مقبول ہوں، یا اگر میں بھی بول ہوں تو یہ مجھ سے زیادہ مقبول ہو تو مجھ کو کیا حق ہے کہ اس کو حقیر سمجھوں۔

(ہ) اور اگر بالفرض سب امور میں یہ مجھ سے کم ہی ہے تو ناقص کا کامل پر ن ہوتا ہے جیسا کہ مریض کا صحیح پر، ضعیف کا قوی پر، فقیر کا غنی پر۔ تو مجھکو چاہئے کہ ں پر شفقت و ترحم کروں، اس کی تکمیل میں کوشش کروں۔ اور اگر کسی طرح قدرت ہو یا ہمت نہ ہو یا فرصت نہ ہو تو دعائے تکمیل ہی سہی۔ اور اس خیال کے بعد تکمیل ں سعی شروع کر دے تو اس تدبیر سے اس کے ساتھ تعلق شفقت کا پیدا ہو جائیگا ر طبعی خاصہ ہے کہ جس کی تکمیل اور تربیت میں سعی کرتا ہے، اس سے محبت ہو جاتی ہے در محبت کے بعد تحقیر نہیں ہوتی۔

(ز) یہ بھی نہ ہو تو اس کے ساتھ لطف و اخلاق کے ساتھ کبھی کبھی بات چیت ریا کرے، اس کا مزاج پوچھ لیا کرے۔ اس سے جانبین سے تعلق ہو جاتا ہے، اور یسے تعلق کے بعد تحقیر معدوم ہو جاتی ہے، البتہ اگر وہ شخص ایسا ہے کہ شرعاً اس سے بغض رکھنا مامور بہ ہے تو تدابیر مذکورہ میں سے بعض کا استعمال اس عارض کے سبب نہ کیا جائے گا، مگر بعض کا پھر بھی بعض کے ساتھ اجتماع ہو سکتا ہے۔ ان بعض کو استعمال کرے۔

یہ سب کلام تو تکبر کے متعلق تھا، اور عُجب میں صرف ایک قید کم ہے، باقی سب اجزاء وہی ہیں یعنی اس میں دوسروں کو چھوٹا سمجھنا نہیں صرف اپنے کو بڑا سمجھنا اس میں بھی حقیقت اور صورت، ویسے ہی درجے ہیں اور وہی احکام ہیں اور معالجات مذکورہ میں سے جن کا دوسرے سے تعلق نہیں وہ سب معالجات اس میں بھی ہیں۔

اور حب جاہ کا حاصل یہ ہے کہ جیسا اپنے کو اپنے دل میں بڑا سمجھتا ہے اس کی بھی کوشش کرتا ہے کہ دوسرے بھی مجھ کو بڑا سمجھیں اور میرے ساتھ تعظیم و اطاعت و خدمت کا معاملہ کریں۔ چونکہ اس کا منشاء بھی تکبر یا عجب ہی ہے اس لئے اس کے اقسام و احکام و درکات و معالجات وہی ہیں جو کبر میں گذرے۔

اور ریا کا حاصل یہ ہے کہ کسی عمل دنیوی یا دینی کو لوگوں کی نظر میں بڑائی حاصل کرنے کا ذریعہ بنائے۔ کبر وعجب وحبِّ جاہ میں یہ ذریعہ بنانے کی قید نہ تھی چونکہ یہ بھی کبر وعجب ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ اس میں بھی سب وہی درجات واقسام و احکام و معالجات ہیں۔ اور یہ سب احکام کلی ہیں۔ کبھی کبھی خصوصیت مقام سے بعض نئی صورتیں یا نئے معالجات بھی ثابت ہوتے ہیں جو مربّی کی رائے سے متعین کئے جاتے ہیں۔

اور خجلت ایک طبعی انقباض ہے جو خلاف عادت کام کرنے سے یا حالت پیش آنے سے بلا اختیار نفس پر وارد ہوتی ہے اور سالک کو بعض اوقات غایت احتیاط کے سبب اس پر شبہہ ہو جاتا ہے کبر وغیرہ کا، مگر واقع میں وہ کبر نہیں ہوتا۔ اور معیار اس کا یہ ہے کہ جس طرح یہ شخص ایک دنی یا خسیس کام کرنے سے شرماتا ہے، اگر کوئی شخص اس کے ساتھ غایت درجہ کی تعظیم وتکریم کا معاملہ دل سے کرے تب بھی اس کو ویسا ہی انقباض ہوتا ہے یا نہیں۔ اگر ہوتا ہے تو خجلت ہے ورنہ کبر۔ یہ تو اس کی حقیقت ہے جو غیر اختیاری ہونے کے سبب مذموم نہیں۔ اور ایک یہ صورت ہے کہ واقع میں تو کبر وغیرہ ہے، مگر نفس نے تاویل کر کے اس کو خجلت میں داخل کر کے تسلی حاصل کر لی یہ اختیاری ہونے کے سبب مذموم ہے، بلکہ دوسرے ذمائم مذکورہ سے اشنع ہے کیونکہ تاویل کر کے غیر مباح کو مباح بنایا ہے جو اعلیٰ درجہ کی تلبیس وتدلیس ہے۔ تو اور اقسام میں تو حقیقت مذموم تھی اور صورت غیر مذموم۔ اور اس میں بالعکس جیسا مع الدلیل گزر چکا۔

اب اخیر میں ایک معالجہ ممتدہ ذکر کرتا ہوں کیونکہ معالجات مذکورہ دفتی تھے، جن پر اثر کا رسوخ نہیں ہوتا اِلَّا نَادِرًا۔ اور مبتدی کو ایک معتد بہا مدت تک اس معالجہ کی ضرورت ہے، وہ یہ کہ بہ تکلف اوضاع واطوار وعادات قلیل الجاہ لوگوں کے اختیار کرے، حتیٰ کہ تواضع راسخ ہو جائے، مگر اس میں بھی اس کا خیال رکھے کہ غایت درجہ کی دنائت اور خسّت کو اختیار نہ کرے جس سے تواضع کی شہرت ہو جائے، یعنی وہ امور اختیار کئے جائیں جس سے ایک گونہ نفس کو انقباض ہو مگر دوسروں کی نظر میں وہ قابلِ التفات نہ ہوں جن سے شہرت تواضع کا احتمال ہو۔

(۴۴۴) ایک عورت نے لکھا کہ حضرت اقدس! میرا دل یہ چاہتا ہے کہ اچھے اور صاف ستھرے کپڑے پہنا کروں، اللہ تعالیٰ نے دے بھی رکھا ہے اور نیت یہ بھی ہوتی ہے کہ میرے شوہر خوش رہیں۔ اور میرے شوہر بھی یہ چاہتے ہیں۔ مگر مرض یہ ہے کہ جب کسی عورت کو کوئی عمدہ کپڑے پہنے دیکھتی ہوں، دل یہ چاہتا ہے کہ اس قسم کا میں بھی لے لوں۔ اکثر تو خاموش رہتی ہوں، مگر کبھی فرمائش بھی کر دیتی ہوں اور پھر بل بھی جاتا ہے۔ اگر یہ مرض ہو تو علاج ارشاد فرمادیں۔

فرمایا کہ زینت کے کئی درجے ہیں، افراط و تفریط مذموم ہے، اور اعتدال محمود ہے صورتِ مذکورہ میں اعتدال یہ ہے کہ کسی کو دیکھ کر اس وقت مت بناؤ، اگر توقف کرنے سے ذہن سے نکل جائے فبہا، اور اگر نہ نکلے تو جس وقت نئے کپڑوں کے بنانے کی ضرورت ہو اس وقت وہی پسند آیا ہوا کپڑا بنالو۔ اگر اتفاقاً اس وقت نہ مل سکے تو جانے دو۔ اور اگر دیکھو کہ اس مدت تک طبیعت مشغول رہے گی تو پسند کے وقت خرید کر رکھ لو، مگر بناؤ مت، بناؤ اُس وقت جب نئے کپڑوں کے بنانے کی ضرورت ہو، تاکہ اس کے عوض کا کپڑا بچ جائے کہ شوق بھی پورا ہو جائے اور اقتصاد بھی فوت نہ ہو۔ اور اگر تمہارے شوہر تم کو علاوہ ضروری نان ونفقہ کے جیب خرچ کے واسطے کچھ دیدیتے ہوں تو پھر اس انتظام میں اتنا اور اضافہ کیا جائے کہ ایسا کپڑا اپنے جیب خرچ کی رقم سے خرید دتا کہ نفس حدود میں محصور رہے۔

(۴۴۵) فرمایا کہ تعلق فی اللہ والے کی رضا کا قصد اللہ ہی کے رضا کا قصد ہے اور وہ عین اخلاص ہے۔ مثلاً شیخ کے خوش کرنے کے لئے تہجد پڑھنا خلاف اخلاص نہیں۔

(۴۴۶) فرمایا کہ اگر اپنی بیوی کے پاس ہو اور صحبت کے وقت کسی اجنبیہ کا قصداً تصور کرے تو وہ حرام ہوگا۔

(۴۴۷) فرمایا کہ اگر قدرت ہو تو قتال، اور اگر قدرت نہیں تو صبر شرعی دستور العمل ہے۔ اور درمیانی صورتیں مثلاً جتھوں کا جیل جانا، پٹنا، بھوک ہڑتال سب نصوص کے مقابلہ میں اجتہاد ہے۔ اجتہاد کا حق ہم کو نہیں۔ اور نصوص کے خلاف

کرنا حرج عظیم ہے۔ یہ سب جیل جانا وغیرہ خودکشی کے مرادف ہیں۔ اور اگر خودکشی سے کسی کو فائدہ پہونچے تب بھی تو باوجود موجب فوائد ہونے کے جائز نہیں ہے چہ جائیکہ کوئی فائدہ بھی نہ پہونچے تو اس کا درجہ ظاہر ہے۔ یعنی اگر یہ معلوم ہوجائے کہ خودکشی کرنے سے کفار پر اثر ہوگا تو خودکشی کرنا کیا جائز ہوجائے گا۔ اگر کوئی نفع بھی خودکشی پر مرتب ہو تو یہ خود ہی اتنا زبردست نقصان ہے کہ جس کا پھر کوئی بدل کبھی نہیں حضرت! ہر منفعت کا اعتبار نہیں۔ اس کی تو بالکل ایسی مثال ہے کہ کوئی شخص یوں کہے کہ فلاں شخص کی جان بچ سکتی ہے اگر تم کنوئیں میں گر جاؤ تو اس کی جان بچانے کی غرض سے کیا کنوئیں میں گرنا جائز ہوگا؟

(۴۴۸) فرمایا کہ قُدْرَتْ عَلٰی اِضْرَارِ الْخَصْمِ یہ ہے کہ جس میں خصم کو کوئی ضرر معتدبہ ہو اور اس کے ساتھ اپنا کوئی ضرر یقینی نہ ہو۔ اور ظاہر ہے کہ جیل وغیرہ میں اپنا ضرر ہے اور ان کا کوئی ضرر معتدبہ نہیں۔ قدرت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ جو کام ہم کرنا چاہیں اس پر تو قدرت ہے لیکن اس کے کرلینے کے بعد جن خطرات کا سامنا ہوگا ان کے دفع کرنے پر قدرت نہیں دوسرے یہ کہ فعل پر بھی قدرت ہے اور پھر جو خطرات پیش آویں گے ان کی مدافعت پر بظنِ غالب عادۃً بھی قدرت ہے۔

پہلی صورت استطاعتِ لغویہ ہے۔ اور دوسری صورت استطاعتِ شرعیہ جس کو اس حدیث نے صاف کردیا ہے مَنْ رَاٰی مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِہٖ (تم میں سے جب کوئی کسی منکر اور برائی کو دیکھے تو ہاتھ سے ہٹا دے، اگر ہاتھ سے نہیں قادر ہے تو زبان سے، زبان سے بھی نہ روک سکے تو دل سے برا سمجھے)۔

غرضیکہ قدرت عادی شرط ہے محض کامیابی کی خیالی توقع قدرت نہیں ہے

(۴۴۹) فرمایا کہ جس موقع کے لئے قتال شرعاً مقصود اور منصوص ہے، وہاں مقصود اور منصوص ہونے کی وجہ سے اس کا ضرر معتبر نہیں۔ اور یہ تدابیر مخترعہ (جیل وغیرہ جانا) غیر منصوص ہیں اس لئے اس کے ضرر کو دیکھا جائے گا۔ وجہ فرق دونوں میں یہ ہے کہ اصل مقصد یہ ہے کہ فتنہ نہ ہو، قتال فتنہ نہیں ہے، کیونکہ قتال میں طبیعت یکسو

باقی ہے اور سکون ہوتا ہے اور ان امور میں تشتت اور پراگندگی اور اضاعتِ اوقات ہے۔

(۴۵۰) فرمایا کہ مسائل ذو جہتین میں اہل اغراض بزرگوں کو ایک رخ دکھلا کر اپنے ساتھ کر لیتے ہیں جس کا منشا حسن ظن ہوتا ہے۔ دوسرے رُخ کی طرف اس وقت التفات نہیں رہتا، لیکن اگر خصوصیت کے ساتھ کوئی شخص ان حضرات کو دوسرا رُخ دکھلا کر استفتا کرے تو وہ ضرور نکیر فرمائیں گے۔ کیونکہ ان کے عقائد صحیح ہوتے ہیں۔

(۴۵۱) فرمایا کہ کسی دوست یا دشمن کے زوالِ نعمت سے اگر اندر سے دل خوش ہو اگرچہ بظاہر اس سے اظہار افسوس بھی کیا جائے۔ یہ چونکہ غیر اختیاری ہے اور اسکو مذموم بھی سمجھا جاتا ہے اس لئے معصیت نہیں، البتہ نقص ہے۔ اس کا علاج بہ تکلف اس شخص کے لئے دعا کرنا ہے، بکثرت ایسا کرنے سے انشاء اللہ یہ نقص زائل ہو جائے گا۔

(۴۵۲) فرمایا کہ تدبیر کی حقیقت ہے سبب مرض کا ازالہ، اور اختلاج قلب کا سبب ضعفِ قلب ہے اس لئے ضعفِ قلب کا ازالہ جس طریق سے ہو یہی تدبیر ہے اس کے طرق مختلف ہیں۔ مقویات قلب، مفرحات قلب کا استعمال۔ ایسے مریض کو جب کوئی امر خلاف مزاج پیش آئے، مثلاً بچہ بیمار ہو جائے یا مر جائے تو ایسے وقت کسی عاقل کا پاس ہونا جو اس وقت اس کے دل کو بہلائے، تسلی آمیز گفتگو کرے، بزرگوں کے تذکرے حق سبحانہ تعالیٰ کی حکمت اور رحمت ایسے واقعات میں گوش گذار کرے، ضرور ہے۔

(۴۵۳) فرمایا کہ سن کی زیادتی سے بیوی کی محبت میں کمی نہیں ہوتی۔ جس چیز میں سن کی زیادتی سے کمی ہو جاتی ہے وہ ہیجانِ نفسانی ہے اور محبت کی خاصیت تو شراب جیسی ہے۔

خود قوی تر می شود خمرِ کہن

(پرانی شراب تو خود تیز اور قوی ہو جاتی ہے)

(۴۵۴) فرمایا کہ اصل بیعت تو انقیاد و اعتقاد ہے کہ ایک شخص راہ بتانے والا ہو اور تم اس کا اتباع لازم سمجھو، بیعت صوری کی ضرورت نہیں۔

(۴۵۵) فرمایا کہ ارے میاں قیامت کے دن انبیاء کا پتہ پانی ہو جائے گا، پیر بیچارے کی کیا ہستی ہے۔

ے دو رُخ والے

(باقی آئندہ)

اپنا مرض حدت تبخیر کا ایسا ہے کہ اسکی وجہ سے عقل کے مقتضا پر عمل نہیں کرپاتا ورنہ گناہوں اور ان کی مضرت کا علم ہے۔ اس مرض کی وجہ سے ہذیان، عدم سکون، چڑچڑا پن، خیالات فاسدہ، ہنسنے اور بولنے اور تفریحات ہی میں آرام، کام کاج میں جی نہ لگنا وغیرہ عوارضات ہیں۔ دنیا و دنیا کے سب کام بادلِ ناخواستہ کرتا ہوں۔

تحقیق:- پھر یہاں کا آنا جانا اور خط وکتابت یہ بھی بادلِ ناخواستہ ہی ہوگا۔

حال:- حضور والا کی دعاؤں اور معیت کی بدولت قلب میں ایک تقاضا حق تعالیٰ نے پیدا کیا ہے کہ سب کام کراتے ہیں ورنہ کام کوئی بھی نہ ہو پاتا۔ حضور والا سے علم وعمل، استقامتِ دین وصلاح و فلاح دارین و مداومت توبہ اور مخالفین کے ضرر سے محفوظ رہنے کے لئے دعا کی درخواست کرتا ہوں۔

تحقیق:- پہلے سوال کا جواب مرحمت فرمائیے۔

[مکتوب نمبر ۳۴۴]

حال:- حال ہی میں اپنے وطن دریاباد گیا تھا، وہاں عموی قبلہ عبد الماجد صاحب سے گفتگو ہوئی، انھوں نے آپ کے متعلق فرمایا کہ ان سے رجوع کیا جائے چنانچہ حسب الحکم جناب کو زحمت دے رہا ہوں:-

میرا لڑکا جس کی عمر ۱۰ سال کی ہے، درجہ ششم میں تعلیم پاتا ہے، اس کے غصہ کی یہ حالت ہے کہ جس وقت کوئی خلاف مزاج بات ہوتی ہے اس پر وہ ضد کرتا ہے اور اگر اس کو کوئی سزا دیدی گئی تو پھر کئی دن تک اس کا اثر اس قدر رہتا ہے کہ خود مرنے اور دوسروں کو مارنے کے لئے تیار رہتا ہے۔ کسی طرح اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا ہے، جب تک کہ اس سے بدلہ نہیں لے لیتا ہے یوں پڑھنے میں ماشاء اللہ کافی ذہین ہے اور ذرا سے اشارہ کو بھی اچھی طرح سمجھ لیتا ہے، پڑھنے میں یہ حالت ہے کہ اگر ایک بار سبق پڑھ لیتا ہے تو اسکو یاد ہوجاتا ہے۔ ہر امکانی کوشش کیجارہی ہے کہ اس کا غصہ کسی طرح کم ہوجائے

اکثر یہ ہوتا ہے کہ جس قدر بھی ضد کرے نہیں بولا جاتا ہے کہ ضد اور سوار ہو جاتی ہے اسی چیز کو پھر تمام دن دُہراتا رہتا ہے۔ جس چیز سے وہ منع کیا جاتا ہے، اپنے بڑے بھائی بہنوں سے ہر وقت لڑتا رہتا ہے۔ اگر کسی وقت غصہ میں آکر اس کو سزا دیدی جاتی ہے تو اس کو اس درجہ جلال آجاتا ہے کہ کوئی حد نہیں رہتی ہے، بڑے چھوٹوں کا پھر خیال نہیں رہتا ہے۔ جو جی میں آتا ہے بکتا رہتا ہے، یہاں تک کہ گالیاں بھی دینا شروع کرتا ہے، جو ایک شریف بچوں کے زبان سے سُنی نہیں جاسکتی ہیں۔ معمولی بچوں کے ساتھ کبھی اٹھتا بیٹھتا بھی نہیں ہے، کسی ایسے اسکول میں بھی نہیں تعلیم دلائی گئی ہے جہاں گندے قسم کے لڑکے پڑھتے ہوں۔ آپ کو اسلئے یہ زحمت دیرہا ہوں کہ آپ خدا تعالےٰ سے اس کے لئے دعا فرمائیں کہ راہ راست پر آجائے۔

تحقیق :۔ میں نے آپ کا سب خط بڑے غور سے پڑھا، بچوں کے اخلاق کی اصلاح بڑی مشکل ہے دل سے اس کے اصلاح کے لئے دعا کرتا ہوں، اللہ تعالےٰ اسکی اصلاح فرمائے، دوسرے بچوں کا حال بھی معلوم ہوا، ماشاء اللہ تعالےٰ سب اچھے ہیں، ایک دوسرے پرچہ پر کچھ لکھ رہا ہوں ملاحظہ فرمائیے :۔

یہ تحریر بھی بھیجی گئی :۔ "رذائل نفس میں سے غصہ اور وہ بھی جبکہ اس حد کو پہنچ جائے کہ اس کا مریض مثل مجنون کے ہو جائے بہت ہی سخت مرض ہے۔ اور ہم لوگ بھی اسکے علاج میں حیران ہو جاتے ہیں، کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کس طرح سے اسکی اصلاح کی جائے، کیونکہ جہاں ذرا سا بھی اس کو چھیڑا گیا وہ اور زیادہ بھڑک اٹھتا ہے اور پہلے سے بھی زیادہ معلوم ہونے لگتا ہے اس لئے بہت زیادہ غور وفکر بلکہ تجربہ کے بعد متعین طور پر جو علاج سمجھ میں آیا، وہ یہ ہے کہ جس کسی کا ایسے لوگوں سے سابقہ مقدر ہو جائے اس کو چاہئے کہ صبر کرے یعنی غصہ ور کی جانب سے جو امور پیش آئیں ان کو نہایت صبر وتحمل کے ساتھ برداشت کیا جائے اور اس کو کچھ نہ کہا جائے اور اگر کسی گھر میں ایسا شخص ہو تو سارے گھرانے کو صبر کا یہ تلخ گھونٹ پینا پڑے گا اور دو چار دن نہیں بلکہ ایک معتد بہ مدت تک کے لئے اس پر تیار ہونا

پڑے گا۔ اور اس میں شک نہیں کہ یہ کوئی آسان چیز نہیں ہے، مگر کیا کیجئے کہ علاوہ اس کے اور کوئی علاج عملی سمجھ میں نہیں آتا، اور ان یا گھر والے یہ سمجھ کر اس کو برداشت کریں کہ جس طرح ہم پر یہ صبر شاق ہے اسی طرح سے اس پر اس خصلت کا ترک شاق ہے۔ جب ہم ہی برداشت کرنے سے بھاگ نکلیں گے تو اس سے کیا امید کہ وہ ترک کردیگا۔

بہرحال عملی طور پر صبر کا یہ تلخ گھونٹ ایک مدت تک پینے کے بعد اگر یہ نہ ہوگا کہ اس کا غصہ بالکل زائل ہوجائے تو یہ بھی نہ ہوگا کہ اس میں کچھ بھی فرق نہ آئے اور وہ علیٰ حالہٖ قائم رہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ اسکے اس مجاہدہ کا اس پر اثر ضرور ہوگا اور پہلے کے مقابلہ میں وہ بہت کچھ بدل چکا ہوگا۔ نیز اس عملی مجاہدہ کے ساتھ ساتھ دعا بھی کی جائے اور بزرگوں سے دعا کرائی جائے، اور موقع ہو تو کبھی کبھی اس کو بزرگوں کی خدمت میں لے جایا کریں ان سب باتوں سے بھی امید کی جاتی ہے کہ یہ مرض ختم یا نہیں تو کم ضرور ہی ہوجائیگا یوں تو اس سخت مرض نے ہم لوگوں کو عاجز سا کردیا، مگر تجربہ سے جو عمل مفید ثابت ہوا آپ سے عرض کردیا، گو یہ سخت ہے مگر ہے واقعی علاج، ہمت ہو تو کیجئے۔ حضرت عبدالماجد صاحب کی خدمت میں بھی اس کو پیش کرکے استصواب فرمالیجئے امید ہے کہ مولانا بھی اسکی تائید فرمائیں گے اور اسکو پسند کریں گے"۔

مکتوب نمبر ۴۴

حال :۔ آخر میں آپ کی ہدایات درکار ہیں، دینی ہدایات اور دنیوی بھی۔ دنیوی ابھی صرف تعلیمی کیریر کے سلسلے میں، کیونکہ بغیر اعلیٰ تعلیم حاصل کئے ہوئے میں اپنے والدین کے لئے اتنا کچھ نہیں کرسکتا جتنا مجھے کرنا چاہیئے۔ میں ان ہدایات پر عمل کروں گا (خدا مجھے ایسا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین)

تحقیق :۔ دینی، دنیوی ہدایات کے لئے لکھا ہے تو سنئے :۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان سے بڑھ کر کوئی نعمت اور دولت نہیں ہے جس نے اپنے ایمان کو اخیر تک محفوظ رکھا وہی فائز اور کامیاب ہے، بس اس کے حفاظت کی فکر رکھنی چاہیئے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہنا چاہیئے۔ یہ تو اصل ہی ہے۔

دوسری بات سنئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اعمال میں سب سے افضل نماز کو فرمایا ہے اس پر مواظبت کرنی چاہیئے اور حتی الوسع جماعت سے پڑھنا چاہیئے، اگر کسی وجہ سے نماز قضا ہو جائے تو اس کو ادا کر لینا چاہیئے۔ تیسری بات یہ ہے کہ ماں باپ کی دل جوئی اور خدمت ضروری ہے ان کے بہت سے حقوق ہیں اگر کچھ بھی ادا ہو جائیں تو یہ بہت بڑی سعادت ہے، اور دونوں جہان میں سُرخ روئی اور کامیابی کا موجب ہے۔ چوتھی بات یہ ہے کہ پڑھنے میں محنت کریں جو کام کریں دل جمعی اور استقلال سے کریں۔

مکتوب نمبر ۵۴۵

حال :- سیدی! ایک عرصہ سے ذکر اسم ذات بوجہ ضعف دماغ سراً ہی کیا کرتا تھا ان دنوں مزید درد سر کی وجہ سے دوازدہ تسبیح بھی سراً ادا کرتا ہوں ان ایام میں تکلیف کی وجہ سے بسا اوقات تہجد کے لئے بھی نہ اٹھ سکا۔

تحقیق :- معذور تھے ــــ حال :- مگر جب کبھی ایسا ہوا تو بعد طلوع آفتاب بارہ رکعتیں پڑھتا رہا۔ تحقیق :- اچھا کیا۔

حال :- دست بستہ ملتجی ہوں کہ اس ناکارہ کی صلاح و فلاح کے لئے دعا فرماتے رہیں

تحقیق :- دعا کرتا ہوں۔ حال :- اور یہ کہ اللہ تعالیٰ صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق بخشیں اور اس پر دوام و استقامت نصیب فرمائیں۔

تحقیق :- آمین۔ حال :- مولوی صاحب..... بستوی حضرت والا کی خدمت سے واپسی میں یہاں ہوتے ہوئے مکان گئے ہیں، حضرت والا

کی خدمت اقدس سے جو باتیں سنکر آئے تھے ان میں سے خصوصیت سے نمیمہ کے متعلق بہت باتیں ذکر کیں بعد کہا کہ حضرت والا نے فرمایا تھا کہ.. ..... سے جاکر تکرار کر لینا، چنانچہ پہلے زبانی تکرار کیا گیا، اس کے بعد میں نے نمیمہ کا وہ مبسوط مضمون جو حضرت والا دامت برکاتہم کی خدمت سے نقل کر کے لایا تھا ان کو دکھلایا بہت محظوظ ہوئے اور پورا مضمون بغور بڑی دلچسپی سے پڑھا۔ **تحقیق**:۔ الحمدللہ۔ **حال**:۔ کہہ رہے تھے کہ چونکہ میں کچھ دنوں سے اپنے یہاں ایک آدمی کی مخاصمت کی وجہ سے خصوصیت سے اس مرض کا شکار ہوں، معلوم ہوتا ہے اسی لئے حضرت والا نے بڑی خصوصیت سے اس پر تنبیہ فرمایا ہے۔ **تحقیق**:۔ ہاں ہاں یہی بات ہے۔

مکتوب نمبر ۲۴۶

حال:۔ حضرت والا کی دعاؤں کی برکت سے گاڑی میں نہایت آرام دہ جگہ مل گئی اور بڑے اطمینان سے سفر طے ہو گیا۔ **تحقیق**:۔ الحمدللہ۔

حال:۔ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے توفیق دیا کہ حضرت کے یہاں ڈیڑھ دن قیام کرنے کا موقع مل گیا اور الحمدللہ کہ فائدہ محسوس کیا۔

تحقیق:۔ الحمدللہ۔ **حال**:۔ حضرت! میں نے جب آپ کو شیخ تسلیم کیا ہے تو جی چاہتا ہے کہ دل کی ہر حالت ظاہر کر دوں، اگر صحیح ہے تو دل کو تسلی ہو جائے گی، غلط ہوگا تو تصحیح ہو جائے گی۔ حضرت والا! جب میں پہلے دن مجلس میں بیٹھا تو حضرت نے اثنائے مجلس میں احقر کا خط منگا کر حاضرین مجلس کو سنایا تو کچھ میرے دل میں عُجب اور خود پسندی کا جوش ابھرا بلکہ عروج پر آگیا، اسلئے کہ بعض لوگوں نے پہلے بھی سراہا تھا، گو میں عُجب کو بُرا سمجھ رہا تھا، لیکن ابھرتا رہا حتیٰ کہ مجلس میں عروج پر پہنچ گیا، لیکن اللہ تعالیٰ حضرت کی عمر دراز کرے اور یہ سایہ بہت دنوں تک قائم رکھے کہ حضرت نے اس کو کس طرح زائل

کیا کریں حیرت میں پڑ گیا۔ یعنی حضرت کے اس جملہ سے کہ یہ خط میں جو تحقیق ہے آپ کی نہیں ہے بلکہ صاحب "الیواقیت" بہت پہلے لکھ چکے ہیں۔ اسی طرح مسئلہ تلفیق کو علماء حقانی بہت پہلے حل کر چکے ہیں تو میرے ندامت کی کوئی حد نہ رہی اسلئے نہیں کہ صاحب "الیواقیت" نے کیوں لکھا۔ بلکہ اس لئے کہ حضرت نے میرا مرض معلوم کر لیا اور اس کا یہ علاج ہے تو بحمداللہ اسی وقت عجب غائب ہوگیا۔

تحقیق: الحمدللہ یہی فائدے ہیں مشائخ کے یہاں آنے کے۔

حال: پہلے خود میں نفس کو سمجھا رہا تھا تو نہیں سمجھ میں آیا، لیکن آپ کے دو لفظوں نے تیز نشتر کا اثر کیا اللہ تعالیٰ یہ اثر تادیر قائم رکھے۔ **تحقیق:** آمین۔

حال: حضرت! یہ شیطانی دھوکا ہے کہ ذرا خوبی دکھلا کر غفلت میں ڈالنا چاہتا ہے، **تحقیق:** بیشک۔ **حال:** حضرت! آپ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ شیطان کے مکر سے بچائے۔ **تحقیق:** آمین۔ **حال:** اور عجب جیسے مہلک مرض سے نجات دلائے۔ **تحقیق:** آمین۔ **حال:** اور پھر جو حضرت نے فرمایا کہ علماء میں آج کل اخلاص نہیں ہے یہ بالکل حقیقت ہے، حضرت یہ بالکل صحیح ہے کہ عوام الناس تو بزرگوں کے یہاں صرف گنڈے اور تعویذ کیلئے آتے ہیں، اور علماء اس لئے کہ تملق کر کے اپنی عظمت شیخ کے دل میں بٹھائیں **تحقیق:** صحیح کہتے ہو۔ **حال:** اور اس کے ذریعہ سے لوگوں میں مقبولیت حاصل کریں۔ **تحقیق:** ٹھیک ہے۔

حال: صرف عوام الناس کو دھوکہ دینے کے لئے۔ **تحقیق:** بیشک۔

حال: اللہ تعالیٰ ان کو سمجھ دے کہ چاہیئے تو یہ تھا کہ شیخ کی عظمت اپنے دل میں بٹھائیں۔ **تحقیق:** بیشک۔ **حال:** تاکہ کچھ فائدہ حاصل کریں نہ یہ کہ اس کے خلاف کرتے رہیں، حضرت دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو عظمت شیخ کی توفیق دے۔ **تحقیق:** آمین۔ **حال:** حضرت والا دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ہر کام میں اخلاص دے اور اپنی محبت کی راہ

ہمارے لئے کھول دے تاکہ معرفت میں آسانی ہو۔ **تحقیق**:۔ آمین۔

حال:۔ حضرت دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ایمان کامل کیساتھ خاتمہ فرمائے۔ **تحقیق**:۔ آمین

مکتوب نمبر ۲۴۷

حال:۔ حال یہ ہے کہ چند روز سے بالالتزام یہ دعا کرتا ہوں اَللّٰهُمَّ زِدْنِیْ وَلَا تَنْقُصْنِیْ وَاَکْرِمْنِیْ وَلَا تُهِنِّیْ الخ (اے اللہ مجھے زیادہ کر، گھٹا مت، اور آبرو دے مجھے اور خوار نہ کر) مقصود یہ ہے کہ اللہ مجھے سب سے زیادہ عزت سے رکھے میری عزت بلند ہو، مقبول خاص و عام ہو جاؤں، اس ارادہ سے ایسا کرتا ہوں باربار خیال ہوتا ہے کہ یہ دعا کہیں حب جاہ میں تو داخل نہیں ہے، اس خیال کے باوجود اپنی عزت بلند ہونے کی خواہش میں یہ دعا کرلیتا ہوں۔ دل ہمیشہ یہی چاہتا ہے کہ لوگوں میں میں معزز ہوں، لوگ مجھے عزت کی نگاہ سے دیکھیں، کسی جگہ بھی میری تحقیر نہ ہو، اور یہی دعا کرتا ہوں کہ اللہ میری ستاری فرما مجھے کہیں ذلیل نہ کر وغیرہ کیا یہ حب جاہ ہے؟ اگر یہی حب جاہ ہے تو یہ خیال تو میرے دل سے دور ہونے والا نظر نہیں آتا۔ بے اختیار یہ عزت کا خیال پیدا ہو جاتا ہے۔ اب اس کا علاج کیا کیا جائے آپ ہی فرمایئے کہ نفس کو کس طرح قابو میں لاکر اس قسم کا خیال فاسد ختم ہو۔

تحقیق:۔ آپ کے شبہ کا جواب تو خود آپ کی عبارت میں موجود ہے وہ یہ کہ اَللّٰهُمَّ زِدْنِیْ وَلَا تَنْقُصْنِیْ وَاَکْرِمْنِیْ الخ سے جب مقصود آپ کا یہ ہو کہ لوگ مجھے عزت کی نگاہ سے دیکھیں یعنی لوگوں میں میری تحقیر نہ ہو تو یہ مقصد تو برا نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور دوسری دعاؤں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ محمود ہے بلکہ شرعاً مطلوب ہے جیسا کہ ایک جگہ ارشاد ہے کہ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ فِیْ عَیْنِیْ صَغِیْرًا وَّفِیْ اَعْیُنِ النَّاسِ کَبِیْرًا (اے اللہ کردے مجھے میری نظر میں چھوٹا اور لوگوں کی نظر میں بڑا)

نیز دوسری جگہ یہ فرمایا کہ وَفِیْ نَفْسِیْ لَکَ فَذَلِّلْنِیْ وَفِیْ اَعْیُنِ النَّاسِ فَعَظِّمْنِیْ (اور میرے دل میں اپنے مقابلہ میں فرمانبرداری ڈال دے اور لوگوں کی نظر میں مجھے عظمت دے) ظاہر ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دعا منقول ہے تو یہ طلب جاہ کیسے ہو سکتی ہے جو کہ ایک رذیلہ ہے، مگر ساتھ ہی ساتھ اِجْعَلْنِیْ فِیْ نَفْسِیْ صَغِیْرًا (کردے مجھے میرے دل میں چھوٹا) بھی فرما دیا جس سے جاہ سے احتراز ہو گیا، کیونکہ آدمی جاہ میں دوسروں کو اپنے سے کمتر اور خود کو اپنی نظر میں بھی برتر سمجھتا ہے۔ پس جاہ میں اور اس امر مطلوب میں فِیْ عَیْنِیْ صَغِیْرًا ہی فارق ہے، یعنی آدمی یہ چاہتا ہو کہ دوسروں کی نظر میں بڑا ہو، اور خود کو بھی اپنی نظر میں بڑا سمجھتا ہو تب تو یہ طلب جاہ ہے جو منع ہے۔ اور اگر خود کو اپنی نظر میں حقیر و ذلیل سمجھتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ دوسرے میری تحقیر نہ کریں میں ان کی نظر میں باعزت رہوں، یہ جاہ نہیں ہے۔ امید کہ فرق سمجھ لیا ہوگا۔ والسلام

مکتوب نمبر ۴۸

حال:۔ حضرت والا کی تحریر پر غور کیا جس سے اس نتیجہ پر پہونچا کہ بیعت تو آسان ہو سکتا ہے مگر اس کا نباھنا مشکل۔ میں نے اپنے کو اور مضبوط کیا اور ارادہ پختہ کیا کہ انشاء اللہ نباھوں گا اور صحیح معنیٰ میں نباھنے کی کوشش کروں گا۔

تحقیق:۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ارادے میں اور پختگی اور برکت عطا فرمائے، اپنے کام اور اصلاح کی فکر میں لگے رہئے۔ اس کے لئے بیعت کچھ شرط تو نہیں۔ آپ دیکھتے ہوں گے کہ بہت سے لوگ علم کیساتھ متصف ہیں اور پڑھنے پڑھانے میں لگے ہوئے ہیں، مگر ان کا علم رسمی ہی ہے، تو جب فکر اصلاح کی ہوتی ہے تو کسی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اسی طرح بیعت بھی آج کل رسمی ہی ہو کر رہ گئی ہے ایک رسمی سے نکل کر دوسری رسمی میں آجاتے ہیں لہٰذا یہ بیکار ہو کر رہ گئی ہے۔

حامل مضامین تصوف و عرفان • افادات وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیر سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہٗ العالی جانشین حضرت مصلح الامۃؒ

مدیر:۔ احمد مکین

شمارہ ۱۲ جمادی الاخریٰ ۱۴۱۳ھ مطابق دسمبر ۱۹۹۲ء جلد ۱۵

قیمت فی پرچہ: ۵ روپیہ سالانہ زر تعاون ۶۰ روپیہ ششماہی ۳۰ روپیہ

سالانہ بدل اشتراک:۔ پاکستان ۱۰۰ روپیہ غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ
مولوی احمد مکین ۔ ۲۳/۲۵ ۔ بخشی بازار
الہ آباد ۲۱۱۰۰۳ فون ۶۰۲۷۹۸

پرنٹر ۔ پبلشر [illegible] ۔ اسرار کریمی پریس [illegible] الہ آباد

ترتیب

	نکما آدمی اللہ تعالیٰ کو بھی پسند نہیں	حضرت مصلح الامتؒ	۳
۱	افاداتِ عارفی	حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی رحمۃ اللہ علیہ	۴
۲	مجالس مصلح الامۃ (ایمان و عمل کے ثمرات)	مصلح الامۃ محی السنۃ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہٗ	۹
۳	گناہ بے لذت	فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہٗ	۱۷
۵	المجاہدہ	قطب العالم حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ	۲۵
۶	کمالاتِ اشرفیہ	حضرت مولانا محمد عیسیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ	۳۳
۷	مکتوباتِ اصلاحی	مصلح الامۃ محی السنۃ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہٗ	۴۱

گذارش

رسالہ ہر ماہ کی دس تاریخ کو سپرد ڈاک کیا جاتا ہے۔ اگر رسالہ آخر ماہ تک موصول نہ ہو تو ادارہ کو فوراً مطلع فرمائیں تاکہ دوبارہ بھیجا جاسکے، ورنہ بصورت دیگر ادارہ ذمہ دار نہ ہوگا۔ منی آرڈر کوپن پر اپنا پورا پتہ اور خریداری نمبر ضرور لکھیں!

سالِ آئندہ یعنی [illegible] کا سالانہ زرِ تعاون ساٹھ روپیہ اور ششماہی کا پینتیس روپیہ مقرر کیا گیا ہے [illegible] کا زرِ تعاون پیشگی ارسال فرما کر ادارہ کی معاونت فرمائیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نکما آدمی اللہ تعالیٰ کو بھی پسند نہیں

فرمایا کہ بہت دنوں سے ایک بات لوگوں سے کہتا تھا اور سمجھتا تھا کہ صحیح کہہ رہا ہوں اور کام کی بات بتا رہا ہوں۔ لیکن یہ خیال بھی ہوتا تھا کہ اور علماء تو اس کو بیان نہیں کرتے میں ہی کہہ رہا ہوں۔ مگر اب تو شاہ اہل اللہ صاحبؒ برادرِ خورد حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ کے کلام سے بھی اسکی تائید مل گئی۔ جس سے مجھے بڑی ہی مسرت ہوئی اور میں نے سمجھا کہ میں جو لوگوں سے اس قدر زور کے ساتھ یہ مضمون بیان کرتا تھا تو یہ ضروری تھا اور خدا کی طرف سے قلب میں یہ آیا تھا

نصیحت | حضرت شاہ صاحبؒ اپنی کتاب "چہار باب" میں ارقام فرماتے ہیں کہ: خود را معطل و مہمل نگذارند کار عقبیٰ بسازند و اگر نتوانند کارِ دنیا از دست ندہند یعنی منجملہ نصائح کے ایک نصیحت یہ فرماتے ہیں کہ اپنے کو معطل اور مہمل نہ چھوڑیں بلکہ آخرت کا اور دنیا کا کام کریں۔ اور اگر عقبیٰ کا کام نہ کرسکیں تو دنیا ہی کا کام کریں۔ یعنی کوئی ہنر یا پیشہ ہی سیکھیں تاکہ کم از کم دنیا ہی کی جانب سے مطمئن ہو جائیں۔ باقی یہ کہ آدمی نہ دین کا ہو نہ دنیا کا، یہ شخص نکما، ناکارہ اور بطّال ہے۔ یہ وصف عند الشرع منکر ہے حضرت عمرؓ سے منقول ہے کہ اِنِّیْ لَاَکْرَہُ اَنْ اَرٰی اَحَدَکُمْ سَبَہْلَلًا لَا فِیْ عَمَلِ دُنْیَا وَلَا فِیْ عَمَلِ اٰخِرَۃٍ یعنی حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں تم میں سے کسی شخص کو سبہلل دیکھنا پسند نہیں کرتا۔ اور سبہلل ہونا یہ ہے کہ آدمی نہ دین کا کام کرے نہ دنیا کا۔

یہی میں لوگوں سے کہتا تھا کہ بھائی تم سے اگر دین نہیں سدھرتا تو دنیا ہی کما لو۔ دنیا کی جانب سے جب مطمئن ہو گے تو دین بھی حاصل کر لوگے۔ ورنہ جب تمہارا ہوش و حواس اور عقل و فکر ہی درست نہ رہیگی تو تم دین بھی نہ اختیار کرسکوگے۔ چنانچہ آج جن لوگوں کو دنیا کی طرف سے فارغ دیکھتا ہوں انھیں کو دین کے کام میں بھی لگا ہوا دیکھتا ہوں۔ اور جس کی دنیا تباہ ہے اس کا دین اس سے زیادہ برباد ہے۔ یہ امر مشاہد ہے اسلئے شاہ صاحبؒ کی یہ نصیحت بہت پسند آئی۔ ضرورت ہے کہ لوگ اسکو پیشِ نظر رکھیں اور حرزِ جان بنائیں۔

(ارشاد مصلح الامتؒ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

افاداتِ عارفی

اتباعِ سنت حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب عارفی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مجالس میں اتباعِ سنت پر بہت زور دیا کرتے تھے اور بہت کثرت سے اس کا بیان فرماتے اور اسکی اہمیت ذہن نشین فرماتے۔ کبھی فرماتے کہ ہمارے سلسلہ میں باطنی نفع جلد شروع ہونیکی وجہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں اتباعِ سنت اصل چیز ہے، اوّل بھی یہی ہے اور آخر بھی یہی ہے، اس کا بہت اہتمام کر چاہیئے۔ کبھی فرماتے بھئی! اتباع سنت ایسی عظیم نعمت ہے کہ اگر بلا قصد وارادہ بھی اس پر عمل ہو جائے تب بھی نفع سے خالی نہیں ہے ــــ اتباعِ سنت حق تعالیٰ تک پہونچنے اور ا نزدیک محبوب ہونے کا سب سے زیادہ محفوظ و مامون اور سہل ترین راستہ ہے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ اور اتباعِ سنت حضرت مجدد الف ثانیؒ جب تمام علوم ظاہرہ پڑھ کر فارغ ہو اور قرآن وسنت کے تمام علوم پر یدِ طولیٰ حاصل کر چکے تو ایک روز فرمانے لگے تمام علوم ہم نے حاصل کر لئے، ان خانقاہوں میں بیٹھنے والے درویشوں کے پاس کون سے علوم ہیں؟ چل کر دیکھنا چاہیئے

چنانچہ سب سے پہلے حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت آپکے یہاں وہ کون سے علوم ہیں جن کا آپ درس دیتے ہیں؟ فرمایا، ہماری خانقاہ میں رہو، علم ہو جائیگا، حضرت مجدد الف ثانیؒ ان کی خانقاہ میں رہ پڑے اور حضرت باقی باللہؒ سے بیعت ہو کر ان کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے اور ان کی رہنمائی میں ذکر و شغل اور اصلاحِ نفس میں مشغول ہو گئے جس سے ان پر ایسے ایسے علوم آشکارا ہوئے جنھیں دیکھ کر حضرت مجدد الف ثانیؒ دنگ رہ گئے اور بالآخر اس مقام کو پہنچ گئے کہ ان کا باطن چمک گیا۔ اور قلب ذکر الٰہی کے انوار سے منور ہو گیا اور حضرت باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو خلافت سے نواز دیا۔

اس کے بعد حضرت مجدد صاحبؒ دوسرے سلسلہ کے کسی بزرگ کی خانقاہ میں تشریف لے گئے، اور ان سے بھی دریافت کیا کہ حضرت! آپ کون سے علوم کی تعلیم دیتے ہیں؟ فرمایا رہو پتہ چل جائیگا، چنانچہ حضرت مجدد صاحبؒ ان بزرگ سے بیعت ہو گئے اور ان کی خانقاہ

یں رہ پڑے اور ان کی ہدایات کے مطابق تربیت باطن میں مشغول ہوگئے جس کے نتیجہ میں باطن میں ایسی ترقی ہوئی جو اس سے پہلے کبھی نہ ہوئی تھی اور ایسے ایسے علوم قلب پر وارد ہوئے جو نہ کسی کتاب میں پڑھے اور نہ آج تک کسی سے سُنے۔ بالآخر ان بزرگ نے بھی حضرت مجددصاحبؒ کو اپنا خلیفۂ مجاز بنادیا۔

اب حضرت مجددصاحبؒ تیسرے سلسلے کے کسی بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے بھی یہی پوچھا کہ حضرت! تمام علوم کا درس تو اہلِ مدارس اور اہلِ علم دیا کرتے ہیں، آپ کے یہاں کون سے علوم کی تعلیم ہوتی ہے، فرمایا ہمارے علوم کا تعلق حال سے ہے قال سے نہیں، اگر آپ انھیں سمجھنا ور حاصل کرنا چاہتے ہو تو کچھ عرصہ ہماری خدمت میں رہو، انشاء اللہ تعالیٰ آپ کو بھی ان کا علم ہوجائے گا بنانچہ حضرت مجددصاحبؒ ان سے بھی بیعت ہوگئے اور انکی خانقاہ میں مقیم ہوگئے اور انکی ہدایات کیمطابق سلاحِ قلب اور تربیتِ ظاہر وباطن میں مشغول ہوگئے، اور چند ہی روز میں پہلے سے کہیں زیادہ حق تعالےٰ ا قرب محسوس ہونے لگا، اور باطنی علوم کا دریا دل میں بہنے لگا جس کا آجتک دل میں خیال بھی نہ گزرا تھا ر ان بزرگؒ نے بھی حضرت مجددصاحبؒ کو خلافت ونیابت سے سرفراز فرمایا۔

اس کے بعد حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ چوتھے سلسلے کے بزرگ کی خدمت میں تشریف لے گئے اور ان سے بھی عرض کیا کہ حضرت! آپ کن علوم کا درس دیتے ہیں، آپکے یہاں کون کون سی کتابیں ھائی جاتی ہیں؟ ان بزرگ نے جواب دیا اگر ہمارے یہاں رہ جاؤ تو ان علوم کا کچھ اندازہ ہوسکتا ہے ض زبانی بات چیت سے سمجھ میں آنا مشکل ہے، چنانچہ حضرت مجددصاحبؒ ان سے بھی بیعت ہوگئے، ر انکی خانقاہ میں ٹھہر گئے اور جس جس طرح انھوں نے ذکر وشغل اور مراقبہ کرنے کو کہا اسی طرح کرنے لگے ر ان کی رہنمائی میں مقاماتِ باطن طے کرنے لگے، اور بہت جلد تمام مقامات طے کرلئے، اور ان بزرگ بھی حضرت مجددصاحبؒ کو خلافت سے نوازا۔

اس طرح حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو تمام علومِ ظاہرہ حاصل کرنے کے بعد تربیتِ باطن چاروں سلسلوں چشتیہ، نقشبندیہ، قادریہ اور سہروردیہ کے مشائخ کی جانب سے خلافت عطا ہوئی کے بعد حضرت مجددصاحبؒ نے قربِ خدا کی لامتناہی منزلیں طے کرنی شروع کیں اور بے پناہ علوم ندر دل میں ٹھاٹھے مارنے لگا اور پیغمبرانہ علوم کا مشاہدہ ہونے لگا جیسے حضرت عارف رومیؒ کا

شعر ہے ؎

بینی اندر خود علوم انبیاء — بے کتاب و بے معید و اوستا

(جب تم کسی شیخ کامل کے قدموں میں اپنے کو مٹا دوگے تو بلا کسی کتاب پڑھے اور بغیر استاد کے اپنے اندر انبیاء علیہم السلام کے علوم موجزن دیکھوگے)

مجدد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ خود سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے میرے سر پر پگڑی باندھی اور مجدد ہونے کی خلعت سے نوازا۔ اس کے بعد بہت تیزی سے عروج ہوا، اور اس قدر ترقی ہوئی کہ بیان نہیں کر سکتا، تمام حجابات مرتفع ہوگئے۔ بس ایک حجاب۔ حجاب اکبر میرے اور حق تعالیٰ کے درمیان رہ گیا، اور میں ایسے مقام نازک پر پہنچ گیا کہ اگر زبان کھولوں اور اپنے مافی الضمیر کو ظاہر کردوں تو علماءِ ظاہر مجھ پر کفر کا فتویٰ دیں، اور علماءِ باطن مجھے ملحد و زندیق کہیں، لیکن مجھے سوائے خدا کے کسی کی پرواہ نہیں۔

پھر فرمایا، اس بلند مقام پر پہنچ کر مجھے جو چیز سب سے اہم اور باطن کی تمام کامیابیوں کا سرچشمہ اور حق تعالیٰ تک پہنچنے کا سب سے آسان اور اسلم راستہ معلوم ہوا، اور جو میری سب سے بڑی آرزو اور تمنا رہی وہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ مرتے دم تک صرف اور صرف رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے اتباع کی توفیق عطا فرمائے اور اسی پر خاتمہ ہو، آمین ؎

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے — یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

مجدد ملت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور اتباعِ سُنّت

ایک بار حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اتباعِ سنت کے موضوع پر وعظ کہا، دورانِ وعظ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی کھانے کی چیزیں بھی ذکر کیں جن میں آپ کی ایک مرغوب اور پسندیدہ غذا لوکی بھی بیان کی، اسکے بعد حضرت تھانویؒ نے دیکھا کہ ان کے گھر میں روزانہ لوکی پکنے لگی، جب کئی روز گزر گئے تو ایک روز حضرتؒ نے اہلیہ محترمہ سے دریافت کیا کہ کیا بات ہے روزانہ لوکی پک رہی ہے؟ اہلیہ محترمہ نے عرض کیا آپ ہی نے وعظ میں بیان فرمایا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لوکی بہت پسند تھی یہ سُن کر اسی دن سے میں نے بھی اس کا اہتمام شروع کردیا اور خادم سے کہدیا کہ جبتک لوکی کی فصل چلے تم لوکی ہی لاتے رہنا، یہ سُنکر حضرت رحمۃ اللہ علیہ لرز گئے اور دل دل میں سوچنے لگے کہ ہم صبح سے شام تک قرآن و سنت کا درس دیتے ہیں مگر ہم میں کبھی اتباعِ سنت کا ایسا جذبہ بیدار نہ ہوا جیسا

اس خاتون کے دل میں پیدا ہوا اسی وقت سے حضرت تھانوی نے اپنی نشست و برخاست، چال ڈھال، وضع قطع، بول چال غرض کہ ہر ہیئت و حالت کا جائزہ لینا شروع کیا اور تین دن تک اپنی ہر ہر بات کو سنت کے معیار پر جانچا اور سنت کے مطابق پا کر حق تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

سلسلۂ اشرفیہ سے وابستہ حضرات پر لازم ہے کہ اتباعِ سنت کو مضبوطی سے تھامیں اور اس میں ذرا سی کوتاہی نہ ہونے دیں، اگر اتباعِ سنت نہیں ہے تو کچھ نہیں ہے خواہ ہوا پر اڑتا ہو یا پانی پر چلتا ہو۔

انعام اتباعِ سنت فرمایا کہ اتباعِ سنت کا اہتمام کرو۔ کیا آپ کے باپ دادا میز کرسی پر کھاتے تھے۔ اب کیا ہو گیا ہے کہ آپ کو فرش پر سنت کے مطابق کھانے میں عار ہے؟ محمد علی جناح کی انگریزی تقریر سے انگریز بھی شرما جاتے تھے کہ ہم ایسی نہیں بول سکتے مگر آخر میں شیروانی پاجامہ ٹوپی پہنتے تھے اور ہمارے نوجوانوں کو کیا ہو گیا ہے کہ کوٹ پتلون ٹائی اور ڈاڑھی صاف؟ معلوم نہیں ہوتا ہے کہ یہ مسلمان ہیں یا عیسائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب قیامت کے دن حاضری دو گے تو کیا پسند کرتے ہو؟ کہ بابو بن کر کوٹ، ٹائی پتلون، ڈاڑھی مونچھ صاف۔ اس طرح سے پیش ہو کر کہو گے کہ یا رسول اللہ! میں آپ کا امتی ہوں۔ ارے کس منہ سے کہو گے؟ جلدی اصلاح کر لو۔ اور فرمایا کہ کھانے پینے سونے جاگنے، استنجا کرنے اور ہر کام میں سنت کا خیال رکھو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو سیکھنے اور ان پر عمل کرنے کے لئے ہماری کتاب "اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم" کا مطالعہ کرو۔ ایک ایک سنت کو اپناؤ۔ اتباعِ سنت کو معمولی عمل نہ سمجھو۔ اللہ تعالیٰ کا اتباعِ سنت پر وعدہ ہے يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (اللہ تعالیٰ تم سے محبت فرمائیں گے) عجیب انعام ہے ہماری اتباعِ سنت ناقص ہوگی، مگر اللہ تعالیٰ جب محبت فرمائیں گے تو کامل فرمائیں گے، کیونکہ وہ کامل ہیں۔ ان کا کوئی کام ناقص نہیں ہو سکتا۔

رجوع الی اللہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اتباعِ سنت کے بعد جس اہم بات کی طرف توجہ دلایا کرتے تھے وہ ہے رجوع الی اللہ یعنی ہر کام میں حق تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا اور دعا کرنا۔ بہت کثرت سے حضرت اس کو بیان فرمایا کرتے تھے۔ کبھی فرماتے ہر طرف حادثات ہیں، سانحات ہیں آفات ہیں، پریشانیاں ہیں، دشواریاں ہیں، تکلیفیں ہیں، مصیبتیں ہیں، خطرناک بیماریاں ہیں منکرات و فواحش اور بے حیائی و بے غیرتی کا سیلاب ہے ایسے حالات میں نجات کا صرف ایک

صرف یہی راستہ ہے کہ حق تعالیٰ جل شانہٗ کی طرف رجوع کیا جائے، اسی سے عافیت مانگی جائے، کیونکہ سب کچھ اسی کی مشیت کے مطابق ہو رہا ہے اور وہی ہر طرح قادر ہے جو اسکی طرف رجوع ہوگا اس کو ضرور پناہ ملے گی۔

بہتر یہ ہے کہ شب کے آخر حصہ میں اٹھکر بیٹھ جائیں اور بارگاہِ الٰہی میں نیازمندانہ ہاتھ پھیلا دیں اور التجا کریں یا اللہ! آپ ان سب پریشانیوں سے نجات عطا فرمائیے اور حفاظت فرمائیے اور ہمارے قلوب کی صلاحیتیں درست فرما دیجئے، ایمان میں تازگی عطا فرمائیے، تقاضائے ایمانی بیدار فرمائیے، ہمارے دلوں میں گناہوں سے نفرت دیجئے اور غیرت پیدا فرما دیجئے۔

یا اللہ! ہمیں ظاہری و باطنی ہلاکتوں سے بچا لیجئے۔ یا اللہ! اپنی مغفرت و رحمت کا مورد بنا لیجئے اور عذاب نار سے بچا لیجئے۔ جب بھی کوئی کام کرنا ہو بڑا ہو یا چھوٹا، آسان ہو یا مشکل علمی ہو یا عملی، دینی ہو یا دنیوی فوراً دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہو جائیں، اور عرض کریں یا اللہ! آپ میری مدد فرمائیے آسان فرما دیجئے، پورا فرما دیجئے، قبول فرما لیجئے پھر دیکھئے آپ کے کاموں میں کیسی آسانی اور سہولت پیدا ہوتی ہے۔

ایک مرتبہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا معمول بیان فرمایا کہ حضرتؒ کا معمول تھا کہ جب کوئی شخص حضرت سے کوئی بات دریافت کرتا تو جواب سے پہلے حضرت دل ہی دل میں فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوتے اور جواب دینے میں حق تعالیٰ سے مدد چاہتے۔

چنانچہ اس کے بعد بتوفیق اللہ جو جواب مرحمت فرماتے وہ ہر لحاظ سے کامل ہوتا، یہ سب رجوع الی اللہ کی برکت تھی، آج بھی جو شخص چاہے اس نسخہ کو آزما لے۔

آجکل لوگ بیماریوں میں، پریشانیوں میں، تکالیف وغیرہ میں ظاہری تدابیر تو بہت کرتے ہیں مگر حق تعالیٰ جو قادر مطلق ہیں انکی طرف رجوع نہیں کرتے اور جو رجوع ہوتے ہیں وہ پوری توجہ اور یقین سے رجوع نہیں ہوتے جس کے نتیجہ میں وہ رجوع الی اللہ کی برکات سے محروم رہتے ہیں حق تعالیٰ کی طرف بالکل عاجز و محتاج بن کر بھکاری اور سوالی بنکر رجوع ہونا چاہئے، اور پورے یقین و اعتماد کے ساتھ دعا کرنی چاہئے۔

(ماخوذ از "البلاغ")

ایمان و عمل کے ثمرات

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے کفار کو مخاطب کرکے ان کے دنیوی تمتع پر نکیر کرتے ہوئے ایک مقام پر ارشاد فرمایا قُلْ تَمَتَّعُوْا قَلِیْلًا فَاِنَّ مَصِیْرَکُمْ اِلَی النَّارِ (آپ کہدیجئے کہ چندے عیش کرلو، کیونکہ اخیر انجام تمہارا دوزخ میں جانا ہے)

اسی طرح سے ایک اور جگہ یہ ارشاد فرمایا کُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا قَلِیْلًا اِنَّکُمْ مُّجْرِمُوْنَ (تم تھوڑے دن (دنیا میں) اور کھالو برت لو عنقریب کم بختی آنے والی ہے کیونکہ تم بیشک مجرم ہو) اسی طرح سے ایک اور مقام پر فرمایا ہے کہ ذَرْھُمْ یَاْکُلُوْا وَیَتَمَتَّعُوْا وَیُلْھِھِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ (آپ ان کو ان کے حال پہ رہنے دیجئے کہ وہ کھالیں اور چین اڑالیں اور خیالی منصوبے ان کو غفلت میں ڈالے رکھیں، ان کو ابھی حقیقت معلوم ہوئی جاتی ہے) ظاہر ہے کہ ان نصوص میں انھیں تمتع کا امر فرمایا گیا ہے۔ اور امر وجوب کے لئے ہوتا ہے۔ لہٰذا اس دار دنیا میں ان کے لئے تمتع واجب ہے۔ اور یہ اس لئے کہ یہی انکے دخول نار کا سبب ہوگا جو کہ ان کے حق میں واجب ہے۔

پس اس تمتع پر نکیر فرمائی گئی ہے۔ بلکہ سخت وعید آئی ہے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں سے ایک دعا یہ بھی ہے کہ اَللّٰھُمَّ مَتِّعْنَا بِاَسْمَاعِنَا وَاَبْصَارِنَا وَقُوَّتِنَا مَا اَحْیَیْتَنَا (اے اللہ کار آمد رکھئے ہماری شنوائیاں، ہماری بینائیاں اور ہماری قوت جبتک ہمیں زندہ رکھئے آپ)

اس میں رسول اللہ علیہ وسلم نے اسماع سے تمتع کی اور ابصار سے تمتع کی اور قوت سے تمتع کی دعا مانگی ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعض تمتع شرعاً محمود بلکہ مطلوب بھی ہے۔

اقسام تمتع | اس کے متعلق کہتا ہوں کہ آیات میں اور اس حدیث کے مضمون میں کوئی

۱؎ [illegible] ۲؎ [illegible]

تعارض نہیں ہے، اس لئے کہ دنیا سے تمتع دو طرح کا ہوتا ہے، چنانچہ کفار کا اور طرح پر ہے اور مومن کا اور نوع کا ہے۔ کفار چونکہ آخرت کے قائل نہیں ہیں بلکہ منکر ہیں اسلئے وہ دنیوی تمتع ہی کو تمتع سمجھتے ہیں۔ چنانچہ ان کا تمتع سببِ غفلت بن جاتا ہے اور اسکے ذریعہ سے وہ کفر پر تقوی (قوت) حاصل کرتے ہیں، اس لئے وہ مذموم و منکر ہے اور اسپر وعید آئی ہے۔ بخلاف اس کے مومن کا آخرت پر اور اس کی نعمتوں اور ان سے تنعم پر چونکہ ایمان ہوتا ہے اس لئے ان کے مقابلہ میں وہ دنیوی تمتع کو کچھ بھی نہیں سمجھتا، بلکہ طالب آخرت ہی رہتا ہے، بلکہ دنیوی تنعم کو آخرت کے لئے مذکر ہی سمجھتا ہے، اس کا تمتع سببِ غفلت بھی نہیں بنتا، بلکہ شکر کا باعث ہوتا ہے بغرض مومن دنیا میں نعمت کا جو استعمال کرتا ہے تو اس سے اس کا مقصد تقوی علی الطاعۃ ہوتا ہے۔ پس مقصود بدل جانے سے ایک ہی چیز کے دو حکم ہو سکتے ہیں چنانچہ وہی تمتع کفار کے لئے سبب عتاب بنا۔ اور مومن کیلئے ذریعۂ اجر و ثواب۔

جب یہ بات ذہن نشین ہوگئی کہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے نفس تمتع منع نہیں، بلکہ اس کا ایسا استعمال منع ہے کہ جو بندہ کو منعم ہی سے غافل کر دے۔ چنانچہ ایک مقام پر ارشاد فرماتے ہیں کہ

كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى (ہم نے جو نفیس چیزیں تم کو دی ہیں اُن کو کھاؤ اور اس (کھانے) میں حد (شرعی) سے مت گذرو، کہیں میرا غضب تم پر واقع ہو جائے، اور جس شخص پر میرا غضب واقع ہوتا ہے وہ بالکل گیا گذرا ہوا)

اس میں تصریح ہے کہ نعمتوں کو پاکر بغاوت اور سرکشی جائز نہیں، جیسا کہ کفار کا طریقہ ہے کہ وہ ان سب تمتعات کی نسبت اپنی جانب کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ خود انھوں نے اپنے ذاتی کمال سے اس کو حاصل کیا ہے إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلٰى عِلْمٍ۔ اور مومن اس کو مالک کا عطیہ سمجھتا ہے۔ اور یہ سمجھتا ہے کہ یہ مالک کی جانب سے مستعار ہے۔ پس ان کو ڈرتے ہوئے استعمال کرتا ہے اور ان کو پاکر شکر

(مالک کی چیز)

[illegible] ... قوت حاصل کرنا۔

ادا کرتا ہے۔

تحریم حلال پر ناگواری | تو اب یہ سمجھئے کہ نہ صرف یہ کہ دنیوی نعمتوں سے تمتع جائز ہی ہے بلکہ اگر کسی قوم نے اللہ تعالیٰ کے منشار کے خلاف کسی طعام یا لباس کو اپنے اوپر حرام کر لیا ہے تو اس کو پسند نہیں کیا گیا۔ بلکہ اس پر غصہ کا اظہار فرمایا گیا ہے۔ جیسا کہ ایک جماعت نے بعض حلال چیزوں کو مثلاً سدِ رمق سے زیادہ کھانا یا چربی وغیرہ کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ تو ان کو نہایت ہی سختی کے ساتھ ڈانٹا گیا۔

چنانچہ ارشاد فرمایا کہ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ (یعنی آپ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے کپڑوں کو جن کو اس نے اپنے بندوں کے واسطے بنایا ہے اور کھانے پینے کی حلال چیزوں کو کس شخص نے حرام کیا ہے؟ آپ ہی کہدیجئے کہ یہ اشیار اس طور پر کہ قیامت کے دن بھی خالص رہیں۔ دنیوی زندگی میں خاص اہل ایمان ہی کے لئے ہیں) دیکھتے ہیں آپ کہ اللہ تعالیٰ نہ کھانے اور نہ پینے پر خفا ہو رہے ہیں۔ اب اسے کیا کہئے گا، آج اسی ایک بات کو سمجھ لیجئے تو کام ہی بن جائے۔

دامِ فریب | اصل بات یہ ہے کہ انسان کا بڑا دشمن شیطان ہے اور اس کے بہکانے کا کوئی ایک ہی راستہ نہیں ہے۔ ایک صورت اغوار کی یہ بھی تھی کہ کھانے اور کپڑے میں اتنا زیادہ منہمک کر دے کہ انسان اللہ تعالیٰ ہی کو بھول جائے۔ اور ایک طریقہ اس نے یہ بھی اختیار کیا کہ لوگوں سے کپڑے اتروا دیئے۔ اور اس کو ان کی نظروں میں ایسا مزین کیا کہ اس کو دین اور خدا کا حکم سمجھنے لگے۔

چنانچہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اہل عرب کی ایک جماعت بیت اللہ کا طواف ننگے ہو کر کرتی تھی، یہاں تک کہ عورتیں بھی ننگی ہی طواف کرتی تھیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ (یعنی اے اولاد آدم کی ہم نے

تمہارے لیے لباس پیدا کیا جو تمہارے پردہ دار بدن کو بھی چھپاتا ہے اور موجب زینت بھی ہے۔ اور تقویٰ کا لباس یہ اس سے بڑھ کر ہے)

اس کے آگے بیان فرمایا ہے کہ یہ شیطانی فتنہ ہے۔ اور اسی قسم کی حرکت ہے جیسی کہ وہ جنت میں تمہارے والدین کے ساتھ کر چکا ہے کہ ان دونوں کا لباس اتروا کر ہر ایک کو دوسرے کا ستر دکھلا کر انہیں رسوا کیا۔ پھر اس کے چند آیتوں کے بعد ارشاد فرمایا کہ یَا بَنِیْٓ آدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ وَّکُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ۝ (یعنی اے اولاد آدم کی تم مسجد کی ہر حاضری کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو۔ اور خوب کھاؤ اور پیو، اور حد سے مت نکلو، بیشک اللہ تعالیٰ حد سے نکل جانے والوں کو پسند نہیں کرتے)

مؤمن اور کافر کے تمتع کا فرق دیکھیے یہاں بھی کھانے، پینے اور پہننے کی عام اجازت دی گئی ہے اور اسراف سے منع کیا گیا ہے۔ بس یہی فرق ہے مومن اور کافر کے تمتع میں، کہ مومن بندہ بنکر مالک کے انعامات کو استعمال کرتا ہے اور کافر باغی بنکر کھاتا ہے اور مُسرف[ل] ہوتا ہے۔ یہاں ایک لطیفہ یاد آیا۔ کسی شاعر نے ازراہِ تمسخر یہ کہا کہ ؎

ہم توبہ جب کریں گے شراب و کباب سے قرآن میں جو آیا کُلُوْا وَاشْرَبُوْا نہ ہو

کسی نے اس کا خوب ہی جواب دیا، کہا کہ ؎

تسلیم قول آپ کا جب ہم کریں جناب گر وَاشْرَبُوْا کے بعد وَلَا تُسْرِفُوْا نہ ہو

ایمان کی برکت کُلُوْا وَاشْرَبُوْا (کھانے پینے) کا بیشک امر ہے، لیکن اسراف منع ہے، بغاوت اور سرکشی منع ہے، اللہ تعالیٰ کو بھول جانا منع ہے۔ مؤمن اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کو بندہ بنکر استعمال کرتا ہے باغی ہو کر نہیں، اور اسی کھانے اور پہننے کو جو کہ اسباب غفلت میں سے ایک بڑا سبب ہے، مؤمن سبب قرب بنا لیتا ہے، کیونکہ مسنون ہے کہ کھانا کھانے سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھے اور کھا چکنے کے بعد یوں دعا کرے کہ

[ل] فضول خرچ، حد سے تجاوز کرنے والا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنِیْ وَسَقَانِیْ وَجَعَلَنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ (شکر ہے اُس خدا کا
جس نے مجھ کو کھلایا اور پلایا اور مسلمان بنایا) اسی طرح سے کپڑا پہننے کے وقت پہلے تو
بسم اللہ پڑھے اور بعد میں یہ دعا پڑھے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ کَسَانِیْ مَا اُوَارِیْ
بِہٖ عَوْرَتِیْ وَاَتَجَمَّلُ بِہٖ فِیْ حَیَاتِیْ (شکر ہے اُس خدا کا جس نے مجھے ایسا لباس
پہنایا جس سے اپنی شرم کی چیز چھپاتا ہوں اور اپنی زندگی میں اس کے ذریعہ خوبصورتی
حاصل کرتا ہوں) اوّل بھی خدا کی یاد اور آخر بھی۔

زینت بھی مطلوب ہے | یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجمّل کا لفظ ہی استعمال فرمایا
ہے جس کے معنیٰ زینت کے آتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ لباس سے تستّر کے ساتھ
ساتھ تزیّن بھی مطلوب ہے اور اس میں کچھ حرج نہیں ہے۔ جیسا کہ آج ابنائے زمانہ
کا خیال ہے کہ وہ اچھے لباس اور اچھے طعام کو بزرگی کے خلاف سمجھتے ہیں۔ جہاں کسی
کو خوش پوشاک دیکھا اور انھوں نے اس کو بزرگی سے اُتارا۔ ان کے نزدیک معیار بزرگی
یہ ہے کہ آدمی کو تن بدن کا ہوش نہ رہے۔ میلے کچیلے کپڑے ہوں، ناک تھوک نکل رہا
ہو، وہ اِن کے یہاں پہونچا ہوا اور کامل شخص ہے۔ اور اگر کہیں اس نے کپڑے بالکل
اتار دیئے تب تو اس کے ہو جانے کلام ہی نہیں، لاحول ولا قوۃ۔

جس لباس اتروانے کو اللہ تعالیٰ نے شیطان کی حرکت قرار دیا ہو اور امکانشا
اس کی سابقہ عداوت کو فرمایا ہو، وہی ان جاہلوں کے نزدیک سبب بزرگی ہے، جہالت
انتہا ہو گئی ؎

تو نہ دیدی گہے سلیماں را | چہ شناسی زبانِ مرغاں را

(تم نے کبھی سلیمان علیہ السلام کو دیکھا نہیں، تم پرندوں کی زبان کیا سمجھ سکتے ہو)

دنیا کی حقیقت | ان مسکینوں کو معلوم ہی نہیں کہ بزرگی کس چیز کا نام ہے اور کیا
چیزیں اس کے منافی ہیں اور کیا نہیں۔ یہ لوگ مطلق طعام و لباس یا اہل و عیال
سے تعلق کو دنیا سمجھتے ہیں، حالانکہ دنیا اس کا نام نہیں ہے ؎

چیست دنیا از خدا غافل بُدن | نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

---

(۱) پردہ پوشی

(جانتے ہو دنیا کسے کہتے ہیں؟ سنو دنیا خدا سے غافل ہونے کا نام ہے، اچھے کپڑے، سونا چاندی، بال بچّوں کا نام نہیں ہے)

یعنی دنیا دراصل حق تعالیٰ سے قلب کے غافل ہو جانے کا نام ہے۔ اچھے کپڑے چاندی سونا اور بال بچّوں سے تعلق کا نام فی نفسہٖ نہیں ہے۔ چنانچہ دیکھئے اسی آیت کے تحت آپ کے علماء کیا فرماتے ہیں۔

اسلاف کا طرزِ عمل روح المعانی میں ہے کہ مطاعم، ملابس اور تجملات میں اصل اباحت ہے۔ چنانچہ حضرت زین العابدینؒ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ آپ نے اون کی ایک چادر پچاس دینار کی خریدلی، اور جب گرمی کا موسم آگیا تو اسے صدقہ کردیا۔ اور اس میں کچھ مضائقہ نہ سمجھتے تھے اور اسی آیت سے استدلال فرماتے تھے کہ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِیْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ۔

اسی طرح حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں بھی روایت ہے کہ جب آپ شہید ہوئے تو آپ پر ایک ادنی ریشمی چادر تھی (جو قیمتی چادر ہوتی ہے)

اسی طرح حضرت ابن عباسؓ کو جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خوارج کی طرف بھیجا تو انھوں نے سب سے عمدہ کپڑا پہنا اور بہترین خوشبو لگائی۔ اور نفیس گھوڑے پر سوار ہوئے اس شان سے ان کے پاس گئے۔ ملاقات ہوتے ہی ان لوگوں نے کہا کہ ابن عباس یہ تو بتاؤ کہ باوجودیکہ تم خیر الناس ہو مگر ہمارے پاس جبابرہ کے لباس اور سواری پر آئے ہو۔ یہ سنکر انھوں نے جواب میں یہی آیت تلاوت کردی۔

اسی طرح روایتوں میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک بار مکان سے باہر تشریف لائے تو آپ کے جسم مبارک پر جو ردا (چادر) تھی اس کی قیمت تقریباً ایکہزار درہم تھی۔ (درسینؒ)۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کبھی کبھی چار چار سو دینار قیمت کی چادر استعمال فرمایا کرتے تھے اور اپنے اصحاب کو بھی اس کی ترغیب دیا کرتے تھے۔

چنانچہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ بھی خوش پوشاک تھے اور یہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھ سے

متعلق بیویاں اور باندیاں ہیں، میں تزئین اس لئے اختیار کرتا ہوں تاکہ ان کی نظر میرے غیر پر نہ پڑے۔ چنانچہ فقہاء نے بھی تجمل کو مستحب فرمایا ہے، اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے پر انعام فرماتے ہیں تو پسند فرماتے ہیں کہ اپنی نعمت کا اس پر اثر دیکھیں۔

ایک اشکال کسی نے اشکال کیا کہ حضرت عمرؓ تو پیوند دار کپڑے پہنا کرتے تھے۔ علما نے اس کے جواب میں فرمایا ہے کہ ایسا اس لئے نہ تھا کہ وہ تجمل کو جائز نہ سمجھتے تھے بلکہ یہ ایک حکمت اور مصلحت کی بنا پر تھا، اور وہ یہ کہ آپ امیرالمؤمنین تھے، آپ کے عمالؓ، آپ کے فعل کی اقتدا کرتے اور اگر کسی کے پاس مال نہ ہوتا تو وہ کسی اور ذریعہ سے مثلاً ظلم و رشوت سے مال حاصل کرتا، جیساکہ شیخ سعدیؒ نے فرمایا ہے ؎

بہ نیم بیضہ کہ سلطان ستم روادارد — زنند لشکریانش ہزار مرغ بسیخ

(آدھے انڈے کے برابر بھی بادشاہ اگر ظلم روا رکھے گا تو اس کے سپاہی ہزاروں مرغ سیخ پر چڑھادیں گے) اسی طرح سے حضرت بڑے پیر صاحبؒ کا واقعہ مشہور ہے کہ بغداد میں کپڑے کے تجار آئے اور جس کپڑے کو اس کے بیش قیمت ہونے کی وجہ سے بادشاہ نہ خرید سکا بڑے پیر صاحب نے اس کو خرید لیا۔ بادشاہ ششدر رہ گیا کہ اس فقیر کے پاس مال کہاں سے آیا۔

ضرورتِ تزکیہ اسی طرح سے ایک بزرگ حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ سال میں تین سو ساٹھ جوڑے بنواتے تھے اور روزانہ نیا جوڑا استعمال کرتے تھے اور وہ اتارا ہوا کپڑا فقیر پر صدقہ کر دیتے تھے اور اپنے متعلق لوگوں سے کہتے تھے کہ تم ہمیں ایسا دیکھتے ہو مگر میرا نفس ایسا ہے کہ اگر اسی حال میں سر پر گوبر کا ٹوکرا رکھنے کا حکم ہو جائے تو ذرا عار نہ کرونگا۔

دیکھتے ہیں آپ کپڑے کی اچھائی اور صفائی کے ساتھ ساتھ جب نفس بھی صاف ہو تب اس کے لئے یہ استعمال جائز ہے۔ اب لوگ کپڑے کی عمدگی اور نفاست میں تو بزرگوں کی تقلید کرنے کے لئے تیار ہیں، لیکن نفس کی صفائی اور اسکی اصلاح

کے لئے آمادہ نہیں۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ ایک شخص کے بارے میں فرماتے تھے کہ ایک ہزار قیمت کا لباس پہنے ہوئے تھے اور مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے۔ بارش آگئی اور سب لوگوں نے تو جلدی جلدی نماز پوری کرلی، مگر وہ اسی طریقہ سے اطمینان کے ساتھ نماز پڑھتے رہے اور ذرا پرواہ نہ کی کہ کپڑے بھیگ جائیں گے یا ان میں کیچڑ لگ جائے گی۔ حضرتؒ فرماتے تھے کہ ان کیلئے تجمل جائز ہے۔ انھوں نے یہ کیا کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد دوسرا کپڑا تبدیل کرلیا۔ یعنی کپڑے کا بیش قیمت ہونا ان کی طاعت میں مخل نہیں ہوا اور حق تعالیٰ کے تعلق میں حارج نہیں بنا اور یہی معیار تھا تمتع کے جائز ہونے یا ناجائز ہونے کا۔ اب یہ حال ہوگیا ہے کہ لباس تو بہت اچھا ہے مگر نماز کی فکر نہیں، بلکہ جو لوگ نماز وغیرہ نہیں پڑھتے ان کے کپڑے اور اچھے ہوتے ہیں۔ آپ نے ایسے ہی لوگوں کو دیکھا۔ مسلمانوں کو یعنی جو صحیح معنوں میں مسلمان تھے اور ہر چیز کو اپنے درجے پر رکھتے تھے ان کو تو آپ نے دیکھا ہی نہیں۔

نماز کیلئے تجمل حضرت حسنؓ جو نواسے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے، ان کے متعلق روایتوں میں آتا ہے کہ جب نماز پڑھنے کا ارادہ کرتے تو اپنے کپڑوں میں سب سے عمدہ کپڑا پہنتے۔ ان سے پوچھا گیا یا ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ اس قدر عمدہ کپڑے کیوں پہنتے ہیں؟ جواب دیا کہ إِنَّ اللّٰهَ تعالیٰ جَمِيْلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ فَاَتَجَمَّلُ لِرَبِّيْ (یعنی اللہ تعالیٰ خود بھی جمیل ہیں اور جمال کو پسند بھی فرماتے ہیں۔ لہٰذا میں جو تجمل اختیار کرتا ہوں تو اپنے رب کی خاطر کرتا ہوں نفس کی خاطر نہیں کرتا ہوں)

یہی حال مخلصین کا ہوتا ہے کہ ان کا ہر کام اللہ کے لئے ہوتا ہے اور ہر فعل سے مقصود ارضاء (راضی کرنا) باری تعالیٰ ہوتا ہے۔ چنانچہ ان کا تجمل، تنعم، تمتع حتیٰ کہ خرچ سب خدا ہی کے لئے ہوتا ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کو پسند بھی ہے۔

(جاری)

حدیث: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا (انبیاء کا خواب بھی وحی کے حکم میں ہوتا ہے) کہ گویا ایک شخص میرے پاس آیا، اور مجھ سے کہا چلئے۔ میں ساتھ چلا تو راستہ میں دیکھا کہ دو آدمی ہیں، ایک کھڑا ہے، ایک بیٹھا ہے۔ کھڑے ہوئے کے ہاتھ میں ایک لوہے کا آنکڑا (مڑی ہوئی درانتی) ہے جس کو وہ بیٹھے ہوئے آدمی کے منہ میں داخل کرتا ہے، پھر کھینچتا ہے، یہاں تک کہ (اُس کی باچھ چرتی ہوئی چلی آتی ہے) گردن تک پہنچ جاتی ہے، پھر اس کو نکال لیتا ہے اور منہ کی دوسری جانب داخل کرتا ہے اور کھینچتا ہے (جس سے دوسری باچھ تمام چر جاتی ہے) اور اتنے عرصہ میں پہلی باچھ پھر اپنی حالت پر آجاتی ہے، پھر اس میں یہ درانتی ڈالتا اور اس کو چیرتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ساتھی سے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ اس نے بتلایا کہ یہ شخص جھوٹ بولنے والا ہے، قبر میں اس کو عذاب دیا جارہا ہے، اور اسی طرح قیامت تک عذاب دیا جائے گا۔ (بخاری فی حدیث طویل عن سمرۃ بن جندب، تخریج الاحیاء۔

حدیث: عبداللہ بن عامرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز ہمارے گھر تشریف لائے، میں چھوٹا بچہ تھا، کھیل کے لئے جانے لگا، میری ماں نے کہا اے عبداللہ آؤ ہم تمہیں ایک چیز دیں گے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے کیا چیز دینے کا ارادہ کیا ہے، ماں نے کہا کہ چھوارہ، آپؐ نے فرمایا، اگر تم ایسا نہ کرتیں تو تم پر جھوٹ بولنے کا گناہ لکھا جاتا (ابوداؤد، تخریج الاحیاء)

مذکورہ بالا روایات حدیث میں جتنی سخت وعیدیں اور عذاب جھوٹ بولنے پر وارد ہوا ہے، اور اس گناہ کو ایمان و اسلام کے خلاف قرار دیا

افسوس! اتنا ہی زیادہ اس میں ابتلا ہوگیا، اور جھوٹ کی کثرت اتنی ہوئی کہ ہر عام وخاص اس میں گھر گیا، یہانتک کہ اس کی برائی بھی لوگوں کے قلوب سے نکل گئی بات وبے بات جھوٹ بولتے ہیں اور پھر فخریہ بیان کیا جاتا ہے کہ ہم نے اس طرح جھوٹ بول کر کام نکال لیا۔

بول کر کام نکال لیا۔

اور کسی دنیوی طمع یا خوف میں کوئی مبتلا ہو جائے تو ایک بات بھی ہے، مگر زیادہ افسوس اس کا ہے کہ ہزاروں جھوٹ ایسے بولے جاتے ہیں جو محض گناہ بے لذت و بے فائدہ ہیں نہ اُن سے کوئی ضرورت و حاجت متعلق ہے، نہ اُن کے چھوڑنے اور سچ بولنے سے کوئی ادنیٰ ضرر ہے۔ مگر بعض لوگوں کو تو عادت پڑ گئی ہے، انھیں یہ امتیاز ہی نہیں رہا کہ ہم نے فلاں کلمہ جو زبان سے نکالا وہ جھوٹ تھا یا سچ، اور کسی کو امتیاز بھی ہو تو پرواہ نہیں کہ اس بے فائدہ کلمہ سے ہم نے اپنے پروردگار اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ناراض کر دیا۔

آخری حدیث سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ معمولی بات چیت میں بچوں کے بہلانے کے لئے بھی جو کوئی کلمہ خلاف واقع بولا جائے وہ بھی گناہ ہے۔

۲۵۔ لوگوں کا راستہ تنگ کرنا

حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی منزل کو تنگ کرے یا راستہ کو بند کرے یا کسی مسلمان کو ایذا پہنچائے (یعنی ایسی جگہ ڈیرہ لگائے یا ٹھہرے جہاں ٹھہرنے سے راستہ چلنے والوں کو تنگی ہو) اس کا جہاد مقبول نہیں۔ (مسند احمد، ابوداؤد عن معاذ جامع صغیر)

حدیث میں جہاد کا ذکر خصوصیت کے لئے نہیں بلکہ اس لئے کہ ایسے مواقع عموماً جہاد یا حج وغیرہ کے سفروں ہی میں پیش آتے ہیں، اور مراد حدیث کی واضح ہے کہ جو راستہ عام لوگوں کے چلنے کا ہے وہاں بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر چلنے والوں کے لئے تنگی کا سبب بننا گناہ ہے۔

چنانچہ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ جو شخص مسلمانوں کو راستہ کے متعلق کوئی تکلیف پہنچائے (خواہ جگہ تنگ کر کے یا کوئی تکلیف دہ چیز ڈال کر) اس پر مسلمانوں کی لعنت ثابت ہو گئی (جامع صغیر برمز الطبرانی وعلامۃ الحسن عن حذیفہ)

آج کل اس سے بھی عام غفلت برتی جا رہی ہے، جامع مسجد کے دروازوں پر عموماً دھٹ لگ جاتے ہیں، راستہ چلنا مشکل ہو جاتا ہے، بازاروں میں سڑکوں پر بہت سے

لوگ خوانچہ فروش اس طرح بیٹھتے ہیں کہ راستہ چلنے والوں کو تنگی ہو جاتی ہے، بہت سے لاابالی ویسے ہی سڑکوں پر کھڑے ہو کر باتیں کرنے لگتے ہیں۔ اسی طرح ریلوے اسٹیشنوں میں راستہ گھیر کر بیٹھ جاتے یا کھڑے ہو جاتے ہیں، یہ سب اسی گناہ میں داخل ہے، جس کا بے لذت و بے فائدہ ہونا ظاہر ہے، محض غفلت و لاپروائی سے اس میں عام و خاص مبتلا ہیں، اللہ تعالیٰ توفیقِ اجتناب عطا فرمائیں۔

اور جب کہ تھوڑی دیر کے لئے عام راستہ کو تنگ کرنا گناہ ہے تو جو لوگ اپنے مکانات میں راستہ کا کوئی حصہ شامل کر لیتے ہیں، جس سے دائمی طور پر راستہ تنگ ہو جائے، اس کا گناہ کس قدر سخت اور دائمی ہو گا، مگر کوئی پروا نہیں کرتا۔
وباللہ الاعتصام

۲۶۔ اولاد میں برابری نہ کرنا

جس طرح کسی کے چند بیویاں ہوں، اُن سب میں برابری اور عدل رکھنا واجب و ضروری ہے، اور اس کے خلاف کرنا گناہِ کبیرہ ہے۔ اسی طرح داد و دہش وغیرہ میں اولاد میں بھی برابری کرنا ضروری ہے۔ اس میں لڑکا اور لڑکی دونوں کا حصہ برابر ہونا چاہئے، لڑکی کا آدھا حصہ یہ میراث کا قانون ہے۔ زندگی میں ماں باپ جو کچھ اولاد کو دیں، اُن میں سب لڑکے لڑکیوں کو برابر رکھنا ضروری ہے، اُس کے خلاف کرنا گناہ ہے، ہاں اگر کوئی لڑکا یا لڑکی علم یا عمل میں ماں باپ کی اطاعت و خدمت میں اوروں سے زیادہ ہے تو اس کو کچھ زیادہ دینا جائز ہے۔ (در المختار۔ اشباہ وغیرہ)

۲۷۔ بیک وقت ایک سے زائد طلاق دینا

اگر کسی شرعی یا طبعی مجبوری سے بیوی کو طلاق دینا پڑے تو شرعاً جائز ہے، لیکن اس کی مسنون صورت یہ ہے کہ ایسے وقت طلاق دے جب کہ عورت ایام ماہواری سے فارغ ہو، اور صرف ایک طلاق دے، بیک وقت تین طلاقیں دیدینا جو عموماً جاہلوں میں رائج ہے گناہ ہے، گو طلاق پڑ جاتی ہے۔ عوام اور ناواقف لوگ عموماً اس میں

مبتلا ہیں کہ طلاق دیں گے تو تین سے کم پر سانس ہی نہ لیں گے، یہاں تک کہ سرکاری کاغذات لکھنے والوں کو یہی عادت پڑ گئی ہے کہ تین طلاق لکھتے ہیں۔ یہ سب گناہ بے لذت بیفائدہ ہے۔ اگر کسی وجہ سے یہی منظور ہو کہ رجعت کا حق نہ رہے تو ایک طلاق کو بھی بائن کیا جاسکتا ہے۔ تین تک پہنچنے کی کسی حال میں ضرورت نہیں (درالمختار، بحر وغیرہ)

۲۸۔ ناپ تول میں کمی کرنا

یہ سخت گناہ کبیرہ ہے، وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ (بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنیوالوں کی) کی آیت اس گناہ کی شدت اور وعید کو بیان کر رہی ہے۔

حدیث:۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ پانچ خصلتیں ہیں جب تم ان میں مبتلا ہو (تو ان کے نتائج مذکورہ ذیل صورتوں میں بھگتنے پڑیں گے) اور میں اللہ سے پناہ مانگتا ہوں کہ تم ان میں مبتلا ہو، وہ یہ ہیں:۔

۱۔ جب کسی قوم میں فحش و بے حیائی پھیلتی ہے تو اس کی وجہ سے اس پر لعنت اور پھٹکار ہوتی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان میں طاعون اور ایسے ایسے درد (امراض) پھیلتے جاتے ہیں، جن کو ان کے بڑوں نے کبھی دیکھا نہ سنا۔

۲۔ اور جب کوئی قوم ناپ تول میں کمی کرنے لگتی ہے، تو ان کو قحط اور گرانی گھیر لیتی ہے۔ خواہ بارش ہو یا نہ ہو، نیز ان پر لوگوں کے مطالبے اور قرضے وغیرہ زیادہ ہو جاتے اور ان کے حکام ان پر ظلم کرنے لگتے ہیں۔

۳۔ اور جب کوئی قوم زکوٰۃ دینے میں کوتاہی کرنے لگتی ہے تو بارش وقت پر نہیں ہوتی، اور بہائم جانور نہ ہوتے تو ایسے لوگوں پر کبھی بارش نہ ہوتی۔

۴۔ اور جب کوئی قوم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے عہد کو توڑتی ہے، تو حق اللہ تعالیٰ ان پر دوسری قوموں کے دشمن مسلط کر دیتے ہیں، جو ان کے اموال ناجائز طور پر چھین لیتے ہیں۔

۵۔ اور جب مسلمان حکام قرآنی احکام و قانون جاری نہیں کرتے تو مسلمانوں کے آپس میں اختلاف اور جنگ چھڑ جاتی ہے (ابن ماجہ والبزار والبیہقی والحاکم وقال صحیح علی شرط مسلم، زواجر ص۱۹۹ ج ۱)

تنبیہ: اس حدیث کے الفاظ کو غور سے دیکھو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کے صدق کا آنکھوں سے مشاہدہ ہو جائے۔ آج کل مسلمانوں میں عموماً یہ پانچوں خصلتیں پھیل گئیں، تو ان کے وہ نتائج بد جو حدیث مذکور میں وارد ہیں وہ بھی عام ہو گئے، اور یہی وہ مصائب ہیں جن سے مسلمانوں پر زمین تنگ ہو رہی ہے لیکن افسوس ہے کہ حدیث کے ایسے کھلے ہوئے ارشادات کے باوجود ہماری آنکھیں نہیں کھلتیں اور مصائب موجودہ کے دور کرنے کے لئے عقلائے زمانہ طرح طرح کی تدبیریں کرتے ہیں اور ان میں جد و جہد کے لئے مشرق و مغرب، زمین و آسمان کو ایک کر ڈالتے ہیں، لیکن ان کے جو اصلی اسباب، حدیث میں بیان کئے گئے ہیں اُن کے ازالہ کی طرف کسی کی توجہ نہیں ہوتی فَلَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَا مِنَ اللّٰهِ اِلَّا اِلَيْهِ (نہیں ہے کوئی جائے پناہ اور نہ جائے نجات اللہ (کے عذاب) سے مگر اللہ ہی کی (رحمت ہی) طرف) ان پانچ خصلتوں میں ایک وہ بھی ہے جس کیلئے یہ عنوان قائم کیا گیا، یعنی ناپ تول کی کمی اس میں یہ نہیں کہ دھوکہ دے کر کوئی خاص مقدار بچالی جائے۔ بلکہ بالقصد معمولی فرق ماشوں، تولوں، یا گرہ آدھ گرہ کا بھی وہی حکم ہے۔ اسی لئے قرآن کریم میں ان لوگوں کو مطففین کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ یعنی شئے طفیف (خفیف) کے لئے خیانت کرنے والے، کیونکہ ناپ تول میں سارے دن کوئی تاجر کمی کرتا رہے تو شاید دن بھر میں آدھ سیر پاؤ سیر، یا آدھ گز، پاؤ گز بچائے گا۔ یہ ہر مرتبہ ایک شدید کبیرہ گناہ میں مبتلا ہوا۔ اور گناہوں کے انبار عظیم کے بدلہ میں پاؤ سیر غلہ یا پاؤ گز کپڑا ملا تو کتنی دنائت وخست اور خسارہ و خیبت کی چیز ہے۔ اسی لئے بعض سلف نے ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا ہے کہ بربادی پھر بربادی ہے ان لوگوں کے لئے جو ایک دانہ کیلئے جنت کی نعمتوں کو برباد کریں اور جہنم کا وہ عذاب الیم خریدیں جس سے پہاڑ پگھل جائیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ جب بازار تشریف لے جاتے تو دوکانداروں کے پاس کھڑے ہو کر فرماتے کہ ناپ تول میں خدا سے ڈرو کہ قیامت کے دن مطففین ایسے میدان میں کھڑے

کے جائیں گے جہاں کی شدت کے سبب لوگوں کا پسینہ دریا کی طرح بہتا ہوا اُن کے نصف کانوں تک پہنچ جائے گا۔

اور بعض سلف نے بیان کیا کہ میں ایک مریض جاں بلب کی عیادت کو گیا، اس کو کلمہ شہادت کی تلقین کی۔ اس نے کہنا چاہا، مگر زبان نہ اٹھی، کچھ دیر کے بعد اُس کو کچھ افاقہ ہوا، تو میں نے پوچھا کہ جب میں نے کلمہ کی تلقین کی، تم نے کیوں نہ پڑھا، اس نے کہا بھائی ترازو کا کانٹا میری زبان پر رکھا ہوا تھا جس کی وجہ سے میں کلمہ نہ پڑھ سکتا تھا۔ میں نے کہا یا اللہ، کیا تم کم تولا کرتے تھے، اس نے جواب دیا، بخدا ہرگز نہیں، ہاں یہ بات اکثر ہو جاتی تھی کہ بس زمانہ دراز تک اپنی ترازو کو جھاڑا نہیں کرتا تھا۔ اس میں کچھ فرق پڑ جاتا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس بلاءِ عظیم سے نجات عطاء فرمائیں۔

۲۹۔ نجومیوں کاہنوں سے غیب کی باتیں پوچھنا اور اُن کا اعتبار کرنا

حدیث:۔ جو شخص آئندہ کی غیبی خبریں بتلانے والے کے پاس گیا اور اس سے غیب کی خبریں پوچھیں، اس کی چالیس روز کی نماز قبول نہ ہوگی (جامع صغیر برمز احمد و مسلم)

حدیث:۔ جو شخص غیب کی خبریں بتلانے والے کاہن (یا نجومی) کے پاس گیا اور اس کی بات پر یقین کیا، اس نے اس وحی اور کلام الٰہی کا کفر کیا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے (جامع صغیر برمز احمد والحاکم فی المستدرک عن ابی ہریرۃ وعلیہ علامۃ الحسن)

بہت سے مسلمان اس گناہ بے لذت و بے فائدہ میں محض غفلت ولا پرواہی سے مبتلا ہیں اور ان چیزوں میں مبتلا ہونا علاوہ گناہ کے محض جہل اور بے وقوفی ہے، کیوں کہ اول تو ان لوگوں کی سب باتیں تخمینی وظنی ہوتی ہیں ان کا اعتبار کچھ نہیں، پھر اگر بالفرض صحیح بھی ہو، اور آئندہ پیش آنے والے واقعہ پر اطلاع بھی ہو جائے تو فائدہ کیا جب کہ یہ ایمان ہے کہ جو کچھ مقدر ہے وہ ٹل نہیں سکتا۔

۳۰۔ غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح کرنا یا نامزد کر کے چھوڑ دینا

قرآن کریم کا ارشاد ہے لَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ (نہ کھاؤ اس جانور سے جس پر اللہ تعالیٰ کا نام ذکر نہ کیا جائے۔ اور یہ غیر اللہ کے نام پر یا تقرب الی غیر اللہ کے لئے ذبح کرنا فسق ہے)

حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی کے نام پر جانور (بکرا، مینڈھا، مرغا وغیرہ) چھوڑ دے وہ ہم میں سے نہیں۔

ہزاروں مسلمان ہیں جو اس آفت میں مبتلا ہیں، بعضے بزرگوں، پیروں کے نام پر جانور چھوڑ دیتے ہیں، یا اس کے نام کی نذر کر کے ذبح کرتے ہیں، نعوذ باللہ منہ

۳۱۔ بچوں کو ناجائز لباس یا زیور پہنانا

جس طرح مردوں کو ریشم کا کپڑا پہنانا، سونے چاندی کا زیور پہنانا گناہ ہے ایسے ہی بچوں کو پہنانا بھی حرام و ناجائز اور سخت گناہ ہے، بہت سے لوگ غفلت سے اس میں مبتلا ہیں۔

۳۲۔ جاندار کی تصویر بنانا یا اس کو استعمال کرنا

حدیث:۔ سب سے زیادہ سخت عذاب میں قیامت کے دن تصویر بنانے والے ہوں گے۔

حدیث:۔ (رحمت کے) فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں (جاندار کی) تصویر یا کتا ہو (صحاح ستہ)

حدیث:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت عائشہ رض کے گھر

میں ایک پردہ آویزاں دیکھا جس میں تصویر تھی۔ آپؐ نے ناراضی کا اظہار فرمایا، اور کپڑے کے دو ٹکڑے کر کے اس کا گدا اپنا لیا گیا۔

آج کل یہ گناہ اس قدر وبا کی طرح تمام دنیا پر چھا گیا ہے کہ اس سے پرہیز کرنے والے کو زندگی ہر شعبہ میں مشکلات ہیں، ٹوپی سے لیکر جوتہ تک کوئی چیز بازار میں تصویر سے خالی ملنا مشکل ہو گیا ہے، گھریلو استعمالی چیزیں، برتن، چھتری دیاسلائی دواؤں کے ڈبے اور بوتلیں، اخبارات ورسائل، یہانتک کہ مذہبی اور اصلاحی کتابیں بھی اس گناہ عظیم سے خالی نہ رہیں فَاِلَی اللّٰہِ المشتکی۔ اور غور کیا جائے تو ان میں سے اکثر حصہ تصاویر کا محض بے کار و بے فائدہ گناہ بے لذت ہے، مسلمان کو چاہئے کہ گناہ کے عام ہو جانے سے اُس کو ہلکا نہ سمجھے، بلکہ زیادہ ہمت کے ساتھ اس سے بچنے اور دوسرے مسلمانوں کو بچانے کی فکر کرے۔ جہاں تک ہو سکے ایسی چیز کے خریدنے سے اجتناب کرے، اور یہ نہ ہو سکے تو تصویر کے چہرہ کو چھیل دیا جائے یا اس پر کاغذ چسپاں کر دیا جائے۔ البتہ روپیہ پیسہ اور ٹکٹوں پر جو تصویر بنی ہوئی رائج ہے۔ تو اول تو اُن میں مجبوری ہے، ثانیاً وہ بہت چھوٹی ہے، اس لئے اُن کے استعمال کا مضائقہ نہیں۔

مسئلہ: اسی طرح بٹن وغیرہ پر بہت چھوٹی تصویر جس کی حد یہ ہے کہ تصویر کو زمین پر رکھ کر متوسط بینائی کا آدمی کھڑے ہو کر دیکھے تو تصویر کے اعضاء کی تفصیل نظر نہ آئے، ایسی چھوٹی تصویر کا استعمال جائز ہے (درالمختار، عالمگیری)

مسئلہ: اسی طرح جو تصویریں ذلیل چیزوں میں استعمال ہوتی ہیں، جیسے جوتہ میں یا فرش میں ان کا ایسا استعمال بھی جائز ہے بشرطیکہ نماز اس فرش پر نہ پڑھے۔

مسئلہ: جن چھوٹی تصویروں یا پامال و ذلیل تصویروں کا استعمال جائز ہے، بنانا ان کا بھی جائز نہیں۔

مسئلہ: تصویر خواہ قلم سے لکھی جائے یا پریس میں چھاپی جائے، یا فوٹو سے لی جائے۔ سب کا ایک ہی حکم ہے،

اس آیت میں رجاء سے مراد اعتقادِ جازم ہے۔ مگر اس میں ایک لطیفہ ہے جس کی وجہ سے اعتقاد کو بعنوان رجار بیان فرمایا وہ یہ کہ آیت مذکورہ مکی ہے جس کے مخاطب کفار بھی ہیں جو قیامت کے معتقد نہ تھے منکر تھے، اسلئے اللہ تعالیٰ نے آیت کو رجار و امکان سے شروع فرمایا، جس سے کفار کو بھی انکار نہیں ہو سکتا، کیونکہ استحالہ کی تو اس میں کوئی بات ہی نہیں، اور جب ممکن ہے تو ارشاد فرماتے ہیں کہ جس کو لقار اللہ کا امکان بھی معلوم ہو، ہم اسکو بتلاتے ہیں کہ اس کا وقوع بھی ضرور ہونے والا ہے، پس ہماری خبر کے بعد اسکے وقوع میں شک نہ کرنا چاہیئے۔

صفاتِ خداوندی | وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ، یہ صفات یہاں بہت ہی مناسب ہیں، کیونکہ ایمان کے دو جزو ہیں۔ ایک تصدیق بالقلب، دوسرے اقرار باللسان، کیونکہ قدرت کے وقت اقرار باللسان بھی فرض ہے۔ تو ایمان کے بیان میں ان صفات کا ذکر بہت ہی خوشنما ہے تاکہ بندوں کو اطمینان ہو جائے کہ ہمارا ایمان خدا تعالیٰ سے مخفی نہیں رہ سکتا ان کو ضرور اس کا علم ہوتا ہے۔ تصدیق قلبی کو بھی جانتے ہیں اور اقرار لسانی کو بھی سنتے ہیں۔ یہ آیت تو بابِ عقائد کے متعلق تھی۔ اس کے بعد دوسری منزل مجاہدہ ہے جو تصحیح عقائد سے مؤخر ہے اور تکمیلِ اعمال سے مقدم ہے یعنی اعمال کی تحریک تو عقائد ہی سے ہو جاتی ہے مگر تکمیل اور رسوخ مجاہدہ سے ہوتا ہے۔ اس کا ذکر دوسری آیت میں ہے وَمَنْ جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ إِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ (یعنی جو شخص کچھ محنت کرتا ہے وہ اپنے ہی واسطے محنت کرتا ہے، بیشک اللہ تعالیٰ تمام اہلِ عالم سے بے نیاز ہے) اس کو کسی کی محنت و مجاہدہ کی ضرورت نہیں،

میرا مقصود اس جگہ یہ بتلانا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اوّل عقائد کا ذکر فرمایا پھر مجاہدہ کا ذکر اعمال کے ذکر سے جو آئندہ تیسری آیت میں آتا ہے پہلے فرمایا اس کے کچھ تو معنی ہیں۔ سو ممکن ہے کہ کسی کے ذہن میں اور کوئی وجہ ہو میرے ذہن میں اس کی وجہ

یہ آئی ہے کہ اس ترتیب سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ عقائد مذکورہ آیت اولیٰ کے صدد اعمال مذکورہ آیت ثالثہ میں مؤثر ضرور ہیں، مگر وہ تاثیر بلا واسطہ کمزور ہوتی ہے۔ اور بواسطہ مجاہدہ کے قوی ہوجاتی ہے اس لئے مجاہدہ کے توسط بین العقائد والاعمال ظاہر کرنے کے لئے یہ ترتیب اختیار کی گئی ہے۔

نصیحت ناصح اب آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو کوئی مجاہدہ کرتا ہے وہ اپنے واسطے مجاہدہ کرتا ہے، یہ جملہ اس واسطے فرمایا کہ نصیحت کا اثر کامل ہو، کیونکہ جب نصیحت میں ناصح کی کوئی غرض ہوتی ہے اثر کم ہوتا ہے اور دنیا میں بے غرض نصیحت کرنے والا بجز انبیاء علیہم السلام کے کوئی نہیں مگر انبیاء کی نصیحت تو خدا ہی کی نصیحت ہے۔ وہ تو محض مبلّغ سفیر ہیں۔ باقی سب کی کچھ نہ کچھ غرض ہوتی ہے۔

اسی لئے امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ جیسا شاگرد کو استاد کا ممنون ہونا چاہیئے ایسا ہی استاد کو شاگردوں کا ممنون ہونا چاہیئے، کیونکہ شاگرد اگر نہ ہوتے تو استاد کے علوم میں ترقی نہ ہوتی، کیونکہ تجربہ یہ ہے کہ بہت سے علوم استاد کے قلب پر درس کے وقت القا ہوتے ہیں، اور یہ شاگرد کی کشش سے ہوتا ہے، جیسے بچہ ماں کے پستان چوستا ہے تو دودھ اترآتا ہے، اگر بچہ دودھ پینا چھوڑ دے تو چار دن میں اس کے پستان خشک ہوجائیں۔ اسی طرح ترقی فی العلوم میں شاگردوں کا استاد پر احسان ہے۔ پس دنیا میں جس پر بھی کوئی احسان کرتا ہے، محسن الیہ کی طرف سے بھی اس پر کوئی نہ کوئی احسان ضرور ہے، بجز حضرت حق کے کہ ان کو کوئی کچھ نفع نہیں پہنچا سکتا، نہ ان کے افعال معلّل بالاغراض ہیں، وہ جس پر جو احسان کرتے ہیں بالکل بے غرض اور سراسر عنایت و کرم ہی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

من نکردم خلق تا سودے کنم　　بلکہ تا بر بندگاں جودے کنم

(میں نے مخلوق کو اسلئے پیدا نہیں کیا کہ اس سے کچھ فائدہ حاصل کروں۔ بلکہ اس لئے پیدا کیا کہ اپنے بندوں پر بخشش اور احسان کروں)

اسی لئے یہاں فَاِنَّمَا یُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ بڑھایا گیا تاکہ نصیحت کا اثر کامل ہو جائے

کہ ہم کو تمہارے اعمال و مجاہدات سے ذرا بھی نفع نہیں، جو کچھ نفع ہے سراسر تمہارا ہی ہے. پھر مجاہدہ کرکے اپنی ہی ذات پر احسان کرو کسی دوسرے پر احسان نہ کرو اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ (بیشک اللہ تعالیٰ کی ذات اہل عالم سے بے نیاز ہے) یہ لفظ ہمارے محاورہ میں خدا تعالیٰ کے متعلق چند مقام پر استعمال کیا جاتا ہے. بعض جگہ اس کا استعمال بُری طرح کیا جاتا ہے اس سے احتراز کرنا چاہیئے. یعنی جب کوئی جوان موت ہو جاتی ہے جو چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ کر مر گیا ہو تو اس وقت برادری والے تعزیت کو جمع ہوتے ہیں اور میت کی موت کا ذکر ہوتا ہے تو ایک کہتا ہے ہائے ہائے کیا جوان تھا جوانی چڑھ رہی تھی. دوسرا کہتا ہے اجی ابھی اس نے دنیا میں دیکھا ہی کیا تھا، عمر نے وفا نہ کی، تیسرا کہتا ہے کہ کیسی بے وقت موت ہوئی بچے کیسے ذرا ذرا سے چھوڑ گیا انکی پرورش کی بڑی دقت ہوگئی. چوتھے بوجھ بجھکڑ سب کے جواب میں کہتے ہیں میاں اس کی ذات بڑی بے نیاز ہے وہ بے پروا ذات ہے اس موقع پر اس جملہ کے معنیٰ یہ ہیں کہ نعوذ باللہ کارخانۂ خداوندی میں بڑا اندھیر ہے مصالح عباد پر مطلق نظر نہیں. بس جو جی میں آیا کر دیا، جو چاہا حکم دیدیا، تو خدائی کیا ہوئی، اودھ کی سلطنت یا ان نیا دنگر کا راج ہوا، سو یہ کلمہ اس موقع پر تو بہت سخت ہے، اس کے تو یہ معنیٰ ہوئے کہ خدا کو کسی پر رحم نہیں، حالانکہ قرآن خدا کی رحمت کے ذکر سے بھرا پڑا ہے. غرض یہ معنیٰ میں نے اس لئے بیان کر دیئے تاکہ کوئی آیت میں لفظ غنی کو اس معنی پر محمول نہ کرے بلکہ قرآن میں غنی کو دو معنی میں استعمال کیا گیا ہے. ایک یہ کہ خدا کو تمہارے عمل صالح سے کوئی نفع نہیں، یہاں یہی معنیٰ ہیں. دوسرے یہ کہ خدا کا تمہارے کفر و معاصی سے کچھ ضرر نہیں. چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہے اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ (اگر تم کفر کرو تو خدا تعالیٰ کو اس سے ضرر نہ ہوگا) تیسری آیت اعمال کے متعلق ہے وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (جو لوگ ایمان لائیں اور نیک کام

یں اللہ تعالیٰ انکے گناہ معاف فرمادینگے یعنی جہنم سے انکو نجات دینگے اور ان کو جزائے حسن دیں گے)
یاں ایمان کا مکرر ذکر اس لیے فرمایا تاکہ معلوم ہو جائے کہ عمل بدون ایمان مقبول
یں۔ میرا مقصود جو کچھ تھا وہ بحمداللہ حاصل ہوگیا کہ ایمان وعمل صالح مقصود اصلی
ہے اور مجاہدہ اسی کی تکمیل کے واسطے ہے کہ بدون مجاہدہ کے عمل صالح علی سبیل الکمال
صل نہیں ہوتا۔ چنانچہ برادری کی رسمیں بھی لوگوں سے اسی واسطے نہیں چھوٹتی ہیں
وہ مجاہدہ سے کام نہیں لیتے۔ رسوم قدیمہ کے چھوڑنے میں نفس کو کلفت ضرور ہوتی
ہے، لیکن اگر نفس مجاہدہ کا عادی ہو تو اس سے گھبرائے گا نہیں، نہ ذلت کی پروا
رے گا نہ کسی کے طعن کی پروا کرے گا۔

اور حقیقت یہ ہے کہ اس معاملہ میں ذلت اور طعن کی پروا کرنا محض اس وجہ سے
ہے کہ دین کی وقعت نہیں یا دیندار بننے کی خواہش نہیں، کیونکہ مشاہدہ یہ
ہے کہ جس چیز کی وقعت انسان کی نظر میں ہو یا اس سے محبت ہو تو اس کے حصول
ں ذلت وطعن کی ہرگز پرواہ نہیں ہوتی۔

چنانچہ بہت سے شرفاء کو آپ دیکھیں گے کہ وہ بازاری عورتوں سے نکاح
لیتے ہیں۔ کیا اس سے برادری میں ان کی ذلت نہیں ہوتی یا لوگ طعن نہیں
رتے، مگر چونکہ اس کو اس سے محبت ہے اس لئے کسی کی بات کی پرواہ نہیں کرتا۔
اسی طرح بعض لوگ اپنی لڑکی کو ایسے لڑکے سے بیاہ دیتے ہیں جو ذات میں
نسب میں کم ہے مگر مالدار بہت بڑا ہے، اس موقع پر بھی برادری کی طرف سے
بہت کچھ لعنت ملامت ہوتی ہے مگر نفع کے سامنے کسی بات کی پرواہ نہیں کی جاتی
ے اللہ! دین ہی اس واسطے رہ گیا ہے کہ یہاں ہر مانع کی پرواہ کی جاتی ہے۔
ئی کہتا ہے کہ اس میں چھوڑنے میں ذلت ہے، کوئی کہتا ہے کہ برادری طعنہ
ے گی کہ خرچ کرتے ہوئے جان نکلتی تھی اس لئے شریعت کی آڑ لے لی کوئی کہیگا
ان کو دوسروں کے یہاں کھانا ہی آتا ہے کھلانا نہیں آتا۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ
ادری سب کچھ کہے گی۔ لیکن اس کی کیا وجہ ہے کہ سب باتوں میں برادری کے

کہنے کی پرواہ نہیں کی جاتی، بعض لوگ کسی غریب کی زمین یا گھر کا کوئی حصہ دبا لیتے ہیں، برادری تو وہاں بھی بُرا بھلا کہتی ہے، کوئی چماری سے یا لونڈوں سے منہ کالا کرتا ہے وہاں بھی لوگ اس کو ذلیل کرتے ہیں اور گلی کوچوں میں بُرا بھلا کہتے پھرتے ہیں، اگر تم برادری کی باتوں کو ایسا ہی ماننے والے ہو تو براہِ کرم ان باتوں میں بھی برادری کی طعن وملامت کی پرواہ کر لیا کرو۔ کچھ نہیں یہ تو محض بہانہ ہے، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ تمہارا خود اس میں کرنے کو جی چاہتا ہے اگر تمہارا جی نہ چاہتا تو تم کسی کی بھی پرواہ نہ کرتے جیسا دوسرے کاموں میں کسی کی رواہ نہیں کرتے، پھر جو لوگ برادری کی ملامت کا بہانہ کرتے ہیں ان کے واسطے ٹھیک اور جواب ہے وہ یہ کہ جیسے تمہاری دنیا کی ایک برادری ہے دین کی بھی ایک برادری ہے، یعنی علماء وصلحاء، ہم نے مانا کہ س میں چھوڑنے میں دنیا کی برادری تم کو بُرا کہے گی، مگر دینی برادری تم کو اچھا کہے گی اور شاباشی دیگی اور تمہارے حق میں دعا کرے گی۔ اور اس سے بڑھ کر ایک اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ تم سے خوش ہوں گے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہوں گے، اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی کتنی بڑی چیز ہے۔

افسوس! خدا کے مقابلہ میں برادری کی رضامندی کی پرواہ کرنا کتنی سخت بات ہے۔ یہ تو وہی بات ہوئی جو حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کی حالت کے متعلق فرمائی تھی قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ۝ (حضرت شعیبؑ نے فرمایا کہ اے میری قوم کیا میرا خاندان تمہارے نزدیک اللہ سے بھی زیادہ باتوقیر ہے اور اس کو تم نے اپنے پس پشت ڈال دیا۔ بیشک میرا رب تمہارے سب اعمال کو احاطہ کئے ہوئے ہے)

بعض لوگ آپس میں نااتفاقی رکھتے ہیں اور مصالحت نہیں کرتے وہ بھی اسی واسطے کہ مشقت سے گھبراتے ہیں، اگر وہ نفس کو مجاہدہ کا عادی کر لیتے تو کسی کو ایک دوسرے سے معافی چاہنے میں پس وپیش نہ ہوتا، گو معافی چاہنا ابتداءً بہت مشکل ہے، مگر جو شخص

ہدہ سے نفس کو پامال کر چکا ہے اس کے لئے ایک بھنگی سے بھی معافی چاہنا
شوار نہیں ۔ اور یہاں سے معلوم ہوا کہ آجکل جو لوگ اتفاق واتحاد کا لکچر
یتے ہیں یہ کافی نہیں، بلکہ ضرورت اس کی ہے کہ یہ لکچرار بھی اور لکچر سننے والے
ں اوّل مجاہدہ سے نفس کی اصلاح کریں، بدون اس کے ہرگز اتفاق واتحاد
ئم نہیں ہوسکتا۔

چنانچہ اگر اس لکچرار ہی کی رائے سے کوئی دوسرا شخص کسی بات میں مخالفت
اہر کردے تو یہ اتفاق واتحاد کا سب لکچر بھول جائیں گے اور دوسرے
ض کی مخالفت، تذلیل وتحقیر کے درپے ہوجائیں گے پھر دونوں میں ایسی بری
رح مخالفت چلتی ہے کہ اخبار کے کالم کے کالم دونوں کی طرف سے گالیوں میں
رے ہوئے شائع ہوتے ہیں، جس سے دونوں کی تہذیب اور اتفاق واتحاد
حقیقت کھل جاتی ہے۔ حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہٗ کا ارشاد ہے کہ لوگ اتفاق
اتحاد کے لئے تقریریں تو کرتے ہیں مگر اس کی جڑ کو کوئی مضبوط نہیں کرتا اتفاق
اتحاد کی جڑ تواضع ہے۔ متکبرین میں کبھی اتفاق نہیں ہوسکتا، اگر ہوگا تو اسی
رح کہ ایک شخص اپنے تکبر کو چھوڑ کر تواضع اختیار کرے۔ سبحان اللہ! یہ مقولہ
ب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ اور یہ ایسے حجرہ نشین کا مقولہ ہے جس نے سیاسی میدان
ں قدم بھی نہیں رکھا، مگر واللہ! سب سیاست داں اُن کے سامنے بچے
ں کوئی شخص بھی اتفاق واتحاد کے لئے اس سے بہتر نسخہ نہیں بتلاسکتا۔ بس اتحاد
اتفاق کی جڑ تواضع ہے۔

اضع کی اصل | تواضع کی مجاہدۂ نفس ہے کیونکہ تواضع اس کا نام نہیں کہ زبان سے اپنے کو
کسار، نیازمند، ذرّۂ بے مقدار کہدیا، بلکہ تواضع یہ ہے کہ اگر کوئی تم کو واقعی ذرہ
بے مقدار اور خاکسار سمجھ کر بُرا بھلا کہے اور حقیر وذلیل کرے تو تم کو انتقام کا جوش
یدا نہ ہو اور نفس کو یوں سمجھا لو کہ واقعی تو تو ایسا ہی ہے پھر بُرا کیوں مانتا ہے
ر اگر کسی کی بُرائی سے کچھ رنج واثر بھی نہ ہو تو یہ تواضع کا اعلیٰ درجہ ہے

کہ مدح وذم برابر ہو جائے۔ مطلب یہ کہ عقلاً برابر ہو جائے کیونکہ طبعاً تو مساوات نہیں ہو سکتی، ہاں کوئی مغلوب الحال ہو تو اور بات ہے۔

اسی طرح طلبہ اور مدرسین میں ایک مرض ہے کہ اپنی غلطی کا کبھی اقرار نہیں کرتے۔ اگر کوئی بات زبان سے غلط نکل جائے یا کتاب کے کسی مقام کی غلط تقریر ہو جائے اور کوئی طالب علم اس کی صحیح تقریر کرے تو مدرس اس کو ہرگز تسلیم نہ کرے گا، جہاں تک ممکن ہوگا اپنی بات کو بنانے کی کوشش کرے گا، اس کا منشا بھی یہی ہے کہ یہ شخص نفس کو مشقت میں ڈالنا نہیں چاہتا، مشقت سے بچانا چاہتا ہے، کیونکہ غلطی کا اقرار کر لینا نفس پر بہت گراں ہے۔ اور گرانی کی وجہ یہ ہے کہ نفس اس کو سبب ذلت سمجھتا ہے۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ بخدا اقرار خطا سے اور عزت بڑھ جاتی ہے۔

ہم نے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بارہا دیکھا ہے کہ جب درس کے وقت کتاب کے کسی مقام پر شبہ ہو جاتا تو کتاب ہاتھ میں لیکر اپنے ماتحت مدرس کے پاس چلے جاتے اور فرماتے کہ مجھے اس مقام پر شرح صدر نہیں ہوا، ذرا آپ اس کی تقریر فرما دیں۔ بھلا مدرس اول ہو کر ماتحت مدرس سے ایسی درخواست کرنا کوئی معمولی بات تھی، مگر کیا اس سے نعوذ باللہ مولانا کی عزت و وقعت کم ہو گئی۔ بخدا ہرگز نہیں، بلکہ پہلے سے زیادہ ہو گئی۔ چنانچہ آج یہ بات مولانا کے محاسن میں بیان ہو رہی ہے اور ان کے دیکھنے والے آج ان صورتوں کو ترستے ہیں کہ ہائے وہ لوگ کہاں گئے جن کو باوجود کمال کے اپنے نقص کے اقرار میں ذرا بھی پس و پیش نہ تھا۔ اور اب ایسا زمانہ آگیا کہ ناقصوں کو بھی اپنے نقص کے اقرار سے عار ہے بلکہ وہ اپنے لئے کمال کے مدعی ہیں۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بھی عادت تھی کہ درس کے وقت اگر کسی مقام کی تقریر میں آپ سے لغزش ہو جاتی اور کوئی ادنیٰ طالب علم بھی عرض کر دیتا کہ حضرت اس مقام کا مطلب تو یہ معلوم ہوتا ہے تو مولانا فوراً اس کی

بات کو ہاں کرکے صاف فرما دیتے کہ میں نے غلطی کی۔ صحیح مطلب وہ ہے جو تم نے بیان کیا۔ پھر ایک دفعہ پر بس نہ ہوتا تھا بلکہ بار بار اس جملہ کو دہراتے تھے کہ مجھ سے غلطی ہوگئی، میں نے غلط مطلب بیان کیا تھا۔ وہ طالب علم شرمندہ ہو جاتا کہ میں نے ناحق تقریر کی، مگر مولانا اپنی غلطی کے اقرار سے نہ رکتے تھے اور واللہ اس سے مولانا کی عزت و محبت وعظمت پہلے سے زیادہ بڑھ جاتی تھی۔

پس نفس کا یہ خیال غلط ہے کہ اقرار خطا سے ذلت ہوتی ہے۔ اور بالفرض اگر ذلت ہوتی بھی ہے تو کیا تم کوئی کام ذلت کا نہیں کرتے ہو، اگر ایسا ہی ذلت سے بچنا ہے تو کسی شخص کے مکان سے طلبہ کھانا بھی نہ لایا کریں اور کوئی مولوی صاحب چندہ کے واسطے بھی نہ جایا کریں، کیا اس میں ذلت نہیں ہوتی۔ بخدا جب مولانا چندہ کے لئے دورہ کرتے ہیں عوام اس کو بہت ذلت سے دیکھتے ہیں، خصوصاً جس چندہ میں خطاب خاص ہو اس میں تو بہت ہی ذلت ہوتی ہے۔ اور دوسرے جبر بھی ہوتا ہے، اسی لئے مجھے ایسے چندہ کے جواز میں کلام ہے، جو خطاب خاص سے وصول کیا جاتا ہے، مگر طلبہ وعلماء اس کے جواز کی کوشش کرتے ہیں اور ذلت کی پرواہ نہیں کرتے، پھر اقرارِ خطا ہی میں ذلت کی پرواہ کیوں ہے؟

بس وجہ یہ ہے کہ چندہ وغیرہ میں گو ذلت ہے مگر روپیہ تو ملتا ہے۔ اور اقرار خطا میں روپیہ نہیں ملتا، سو آپ تو اہل علم ہیں۔ آپ کی نظر نفع عاجل پر نہ ہونا چاہئے بلکہ نفع آجل پر ہونا چاہئے۔ اور ظاہر ہے کہ اقرار خطا میں خدا کی رضا ضرور ہے۔

حدیث میں مَنْ تَرَكَ الْجِدَالَ وَالْمِرَاءَ بُنِيَ لَهُ بَيْتٌ فِي الْجَنَّةِ أَ كَمَا قَالَ (جس نے لڑائی اور جھگڑا چھوڑ دیا اس کے لئے جنت میں ایک گھر بنا جائے گا) اور کہاں تک فروع بیان کروں، آپ غور کرکے دیکھیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ہم جتنے گناہوں میں مبتلا ہیں سب کی اصل یہ ہے کہ ہم نفس کو مشقت سے بچانا چاہتے ہیں۔ اور جتنے اوامر کو ہم ترک کر رہے ہیں، اس کی اصل وجہ بھی یہی ہے۔

(۴۵۶) فرمایا ایک شخص نظر بد کو مفید سمجھتا ہے تاکہ تقاضا فرو ہو جائے تو یہ شخص گویا معصیت کو مقدمہ طاعت کا بتاتا ہے۔ اور مقدمہ طاعت کا طاعت ہے اسلئے گویا وہ معصیت کو طاعت سمجھتا ہے اور یہ قریب بکفر ہے۔

(۴۵۷) فرمایا کہ حرص کی حقیقت توجہ اور میلان الی الدنیا ہے۔ اگر اس توجہ کو کسی دوسری شے کی طرف پھیر دیا جائے تو توجہ الی الدنیا نہ رہے گی۔ پھر جس چیز کی طرف توجہ کو پھیرا جائے اگر وہ طبعاً بھی محبوب ہو تو اس کی طرف توجہ اشد ہوگی۔ اور اس سے توجہ الی الدنیا کا ازالہ بھی قوی ہوگا۔ اور اگر ایسی شے کی طرف توجہ کی جائے جو طبعاً محبوب نہ ہو تو اس صورت میں توجہ کمزور ہوگی۔ اب سمجھو کہ ہر شخص کو حق تعالےٰ کے ساتھ فطری تعلق ہے اور ذات حق کی طرف ہر ایک کو میلان طبعی ہے فقط مسلمان ہی کو نہیں بلکہ کافر کو بھی۔ کیونکہ انسان کو جس چیز سے بھی محبت ہوتی ہے تو کسی سبب سے ہوتی ہے۔ اور وہ اسباب یہ ہیں:۔ حسن وجمال یا جود ونوال یا فضل وکمال۔ اور جس میں یہ اسباب قوی ہوں گے، اس سے محبت بھی قوی ہوگی۔ اور یہ معلوم ہے کہ یہ اوصاف بالذات حق تعالےٰ ہی میں ہیں۔ دوسری اشیاء میں بالعرض ہیں۔ پس یوں کہنا چاہیئے کہ محبت اور میلان حقیقت میں حق تعالےٰ ہی کی طرف ہوتا ہے اور دوسری اشیاء کی طرف میلان اس وجہ سے ہے کہ ان میں صفات حق کا ظل ظاہر ہو رہا ہے، لیکن ان چیزوں پر نظر کا منحصر ہو جانا اس لئے ہے کہ لوگوں کو یہ خبر نہیں ہے کہ یہ اوصاف حقیقت میں حق تعالےٰ کے ہیں۔ جس وقت یہ معلوم ہوگا کہ حضرت حق ہی محسن ومنعم ہیں اور وہی حسین وجمیل ہیں اور وہی صاحب فضل وکمال ہیں اور مخلوقات میں محض ان کا ظل ہے، اس وقت ہر شخص حق تعالےٰ ہی کی طرف مائل ومتوجہ ہوگا۔

پس حرص کے علاج کا حاصل یہ ہوا کہ اپنی توجہ کو حق تعالیٰ کی طرف متوجہ کر دو، اور چونکہ حق تعالےٰ سے طبعی تعلق ہے اس لئے یہ توجہ اشد واکمل ہوگی، تو جتنی توجہ حق تعالےٰ کی طرف ہوگی اتنی ہی توجہ دنیا سے ہٹے گی۔

(۴۵۸) فرمایا کہ حرص ایک مرض ہے۔ اس کے مقتضا پر عمل کرنے اور اسمیں زیادتی کرنے سے تقاضا فرو نہ ہوگا، بلکہ اور بڑھے گا۔ دوسرے یہ کہ اس کا علاج توجہ الی اللہ ہے۔ تیسرے یہ کہ اصل علاج خدا کی توجہ ہے جو عادۃً بندہ کی توجہ پر مرتّب و متفرع ہے۔

(۴۵۹) فرمایا کہ عورتوں کے عیوب اکثر یہ ہیں:۔

(۱) بعض ان نمازوں کی قضا ادا نہیں کرتیں جو ہر مہینے میں ان سے غسل کی تاخیر کے سبب فوت ہوتی ہیں۔

(۲) روزہ کے حقوق ادا نہیں کرتیں۔ فضول اور گناہ کی باتوں میں روزہ کو برباد کرتی ہیں۔

(۳) پردہ میں احتیاط کم کرتی ہیں۔ جن عزیزوں سے شرعاً پردہ ہے ان کے سامنے آتی ہیں۔ نیز کافر عورتوں سے جیسے بھنگن، چماری وغیرہ سے بدن چھپانے کا اہتمام نہیں کرتیں۔ چنانچہ سر اور سر کے بال اور بازو اور کلائی اور پنڈلی وغیرہ ان کے سامنے کھولے رہتی ہیں۔

(۴) عورتوں میں ذکر اللہ کا رواج بہت کم ہے۔ نماز۔ روزہ کے ساتھ کچھ ذکر اللہ بھی کرنا چاہئے، اس سے دل کو خدا تعالیٰ کے ساتھ لگاؤ ہوتا ہے اور نماز میں دل لگتا ہے۔ حالانکہ ان کی طبیعتوں کو ذکر اللہ سے بہت مناسبت ہے۔ کیوں کہ ذکر اللہ کا اثر ان پر زیادہ ہوتا ہے جن کے قلوب میں سکون و یکسوئی کی حالت ہو اور عورتوں کو پردہ کی برکت سے یہ بات خاص درجہ میں حاصل ہے۔

(۴۶۰) فرمایا کہ عورتوں کو علوم جدیدہ کی تعلیم دینا ان کو تباہ و برباد کرنا ہے بس ان کو تو قرآن شریف اور بقدر ضرورت مسائلِ دینیہ کی تعلیم دینا چاہئے۔

(۴۶۱) فرمایا کہ عورتوں کے لئے ذکر اللہ کے ساتھ مراقبہ موت کا بیحد مفید ہے۔

(۴۶۲) فرمایا کہ (۱) اگر اصل مقصود حج ہو اور تجارت تابع ہو (جس کی علامت یہ ہے کہ تجارت کا سامان نہ بھی ہوتا جب بھی ضرور حج کو جاتا) تو اس صورت میں ثواب حج

کم نہ ہوگا۔ (۲) اگر حج اور تجارت دونوں کی نیت برابر درجہ میں ہے تو اس حالت میں تجارت جائز تو ہے مگر خلوص کم ہوگا۔ اور جواز کی وجہ یہ ہے کہ اس نے حج کے ساتھ ایک فعل مباح کو منضم کیا ہے، فعل حرام کو منضم نہیں کیا۔

(۳) اگر تجارت اصل مقصود ہے اور حج تابع تو اس صورت میں گناہ ہوگا اور یہ شخص ریاکار ہوگا، کیونکہ یہ مخلوق کو دھوکا دے رہا ہے کہ جاتا تو ہے تجارت کیلئے اور ظاہر کرتا ہے کہ میں حج کو جا رہا ہوں۔

(۴) اگر اصل مقصود حج ہو اور زادِ راہ بقدرِ کفایت موجود ہو تو افضل یہ ہے کہ تجارت کا سامان نہ لے جائے۔

(۵) اگر اصل مقصود حج ہو اور زاد راہ صرف بقدر ضرورت ہو اور نیتِ تجارت تابع ہے تو اس نیت سے کہ سفر میں سہولت و اعانت ہوگی مال تجارت لے جانا اس کے لئے موجب ثواب ہے۔

(۴۶۳) فرمایا کہ بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ ذرا بیٹے کی شادی یا بیٹی کے نکاح سے فراغت کرلیں تو پھر دنیا کے دھندوں کو الگ کرکے اللہ اللہ کریں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس طرح کبھی یہ حرص کم نہیں ہوسکتی بلکہ اور بڑھیگی وہی حالت ہوگی جیسے خارش والا کہا کرتا ہے کہ ذرا کھجلا لوں پھر نہ کھجلاؤں گا۔ مگر وہ جتنا کھجلاتا ہے اتنی ہی خارش بڑھتی ہے۔ ایسے ہی آج تو آپ ایک بیٹی کی شادی کا بہانہ کرتے ہیں، کل کو نہ معلوم کتنی بیٹیاں ہو جائیں گی۔ اور تمھاری نہ ہوں تمھاری اولاد کے ہو جائیں گی، تو یہ سلسلہ تو کہیں ختم نہ ہوگا اور وہی حال ہو جائے گا ؎

ہر شبے گویم کہ فردا ترک ایں سودا کنم بازچوں فردا شود امروز را فردا کنم

(ہر رات یہی سوچتا ہوں کہ کل اس خیال خام کو چھوڑ دونگا۔ پھر جب کل آتا ہے تو آج کو کل پر ٹال دیتا ہوں (یعنی آج بھی وہی کہتا ہوں جو کل کہتا تھا)

(۴۶۴) فرمایا کہ حدیث میں ہے کہ اگر مسلمان سے ایک سال تک نہ بولا جائے تو قتل کا گناہ ہوتا ہے۔

(۴۶۵) فرمایا کہ شریعت نے مصیبت کے وقت صبر و تحمل کی تعلیم دی ہے تدبیر کرو، دعا کرو. جوش سے کیا حاصل ؟

(۴۶۶) فرمایا کہ اس وقت چندہ جمع کرنے والے نابالغ بچوں سے بھی چندہ لے لیتے ہیں، یہ بالکل جائز نہیں، جو مال بچہ کی ملک ہے وہ اگر کسی کو خوشی سے بھی دینا چاہے تو نہیں دے سکتا اور نہ اس کا ولی دے سکتا ہے، البتہ اگر ماں باپ اپنی طرف سے روپے دیں اور بچہ کی ملک نہ کریں، مگر اس کے ہاتھ سے دلوائیں. اس میں مضائقہ نہیں لیکن اس کی ملک ہو جانے کے بعد کسی کو نہ دینا جائز نہ لینا.

آج کل لوگ جوش میں آکر بچوں کے دیئے ہوئے پیسوں کو بڑے فخر سے لے لیتے ہیں اور مجمع عام میں اس کو بتلاتے ہیں کہ یہ معصوم بچہ کا متبرک روپیہ ہے؛ اب وہ ایک روپیہ سو دوسو میں نیلام ہوتا ہے. اس میں کئی گناہ ہوئے ایک تو ربوا اور سود کا. دوسرے ریا و نمود کا. تیسرے بچہ کے مال لینے کا. آجکل تو بس لوگوں کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ کسی طرح کام چلے، کارروائی ہو جا دے چاہے گناہ ہو یا ثواب.

(۴۶۷) فرمایا کہ گو میں کسی کے مالی کاموں میں نہیں پڑتا لیکن اس خیال سے کہ مسلمانوں کا مال ضائع نہ ہو جائے اس کام کو اپنی طبیعت کے خلاف گوارا کرتا ہوں

(۴۶۸) فرمایا کہ تملیک زکوٰۃ کی صورت یہ ہے کہ کسی غریب آدمی سے کہو کہ مفت کا ثواب لینا چاہو تو تم کسی سے روپے قرض لیکر فلاں نیک کام میں چندہ میں دیدو ہم تمہارا قرض ادا کر دیں گے، جب وہ قرض لیکر روپیہ چندہ میں دیدے تو پھر تم اس اپنی زکوٰۃ یا قربانی کی کھال کا روپیہ دیدو کہ لو اس سے قرض ادا کر دو.

(۴۶۹) فرمایا کہ صورت بالا (مذکورہ ۴۶۸ء) میں ایک شبہ بعض پڑھے لکھوں کو یہ ہوا کرتا ہے کہ اس صورت میں اس چندہ کا ثواب تو اسی مسکین ہی کو ہوگا، اور دینے والے کو قرضہ ادا کرنے کا ثواب ملے گا. تو سمجھو کہ چندہ میں روپیہ تو اسی نے دیا، مگر

چونکہ اس کے دینے کا سبب تم ہوئے ورنہ اس غریب کی کیا ہمت تھی جو چندہ میں روپیہ دیتا، اس لئے تم کو بھی اس چندہ کا ثواب اس کے برابر ملے گا۔ خدا تعالیٰ کے یہاں اس قدر رحمت ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ اگر تم اپنے خزانچی کو کہو کہ ہمارے روپیہ میں سے اتنا فلاں شخص کو دیدو تو مالک کے برابر خزانچی کو بھی ثواب ملے گا۔

(۴۷۰) فرمایا کہ چندہ دباؤ ڈال کر ہرگز نہ لو۔ خدا کے دین کے کام کبھی رُکے نہیں رہتے۔ دین کے کام میں دینا خدا کو دینا ہے، اور خدا کو کسی کی ضرورت نہیں، اسلئے خدا کے حکم کے خلاف مت کرو۔ باقی ہم کو دینے کی ترغیب اس لئے دی گئی ہے کہ اسمیں ہمارا نفع ہے کہ صدقات بڑھائے جائیں گے اور ہمارے لئے آخرت میں خزانہ جمع ہوجائیگا۔ ورنہ جس کا جی چاہے امتحان کرلے کہ خدا کا کام کسی کے دینے نہ دینے پر موقوف نہیں رہتا وہ ہوکر رہتا ہے، البتہ نہ دینے سے تم خود خیر سے محروم رہ جاؤ گے۔

(۴۷۱) فرمایا کہ شریعت نے دوسرے کے دکھ اور تکلیف میں مدد کرنے کا نہایت اہتمام کے ساتھ حکم کیا ہے۔ مگر افسوس ہمیں آجکل بالکل اس کی پرواہ نہیں کہ دوسرے کو نفع پہنچائیں، ایسے بخیل اور ایسے خودغرض ہوگئے ہیں کہ اپنے لئے تو سب کچھ سامان کرلیتے ہیں۔ جوتہ کا بھی، اناج کا بھی، کپڑے کا بھی۔ لیکن دوسروں کی فکر مطلق نہیں کرتے کہ مررہے ہیں یا غمگین ہیں۔

(۴۷۲) فرمایا کہ بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ صاحب کہاں تک رحم کریں، ہزاروں قابلِ رحم ہیں۔ ماشاء اللہ بڑی اچھی عقل ہے، یعنی اگر سب پر رحم نہ کرسکیں تو دس پر بھی نہ کریں۔ یہ سب نہ کرنے کے بہانے ہیں۔

(۴۷۳) فرمایا کہ اتفاق ہوتا ہے دوسروں کو آرام پہنچانے سے۔ اگر مسلمان اس کا خیال رکھیں کہ دوسروں کو نفع پہنچایا کریں تو سب متفق ہوجائیں۔ اب تو اپنی اپنی ڈفلی اور اپنا اپنا راگ۔

(۴۷۴) فرمایا کہ بعضے آدمی کہا کرتے ہیں کہ جب ندرسے دینے کا شوق نہ ہوا

تو ثواب کیا خاک ہوگا۔ مگر صاحبو! اگر نیت اللہ کے واسطے ہو تو ناگواری میں بھی ثواب ہوتا ہے، بلکہ اس صورت میں زیادہ ثواب ہوگا کہ دل نہیں چاہتا مگر دل پر جبر کر کے دے رہا ہے۔ اس قاعدے سے اگر کسی نے بکراہت یتیم کے سر پر ہاتھ ڈالا اور دل میں نفرت ہے تو اس صورت میں زیادہ ثواب ملے گا کہ نفس تو قبول نہ کرتا تھا مگر تم نے دین کا کام سمجھ کر کیا۔ تو اس کا خیال نہ کرو کہ اگر دل میں شگفتگی نہ ہو تو ثواب نہ ہوگا۔ بلکہ کرو اور زبردستی کرو، نفع مطلوب مرتب ہوگا۔

(۴۷۵) فرمایا کہ جتنا جس چیز سے تعلق زیادہ ہوتا ہے اسی قدر اس کا حق زیادہ ہوگا۔ اور جس قدر تعلق کم ہوگا اسی قدر حق کم ہوگا۔ تو عدل وانصاف کا مقتضیٰ یہ ہے کہ جس چیز سے تعلق زیادہ ہو سب سے زیادہ اس کے حق کی رعایت کی جاوے۔ اس کے خلاف کرنا ظلم ہے۔

اب سمجھو کہ دنیا والوں میں سب سے زیادہ حق انسان پر اپنی جان کا ہے۔ جو کوئی دوسرے کی ہمدردی میں کسی معصیت کا مرتکب ہو کر خود گنہگار بنے، اس نے بڑی حماقت کی اور عدل کے خلاف کیا، کہ بڑے حق کو تلف کر کے چھوٹا حق ادا کیا۔ مثلاً خاوند کی چوری کی اور دوسرے کو نفع پہنچایا، تو اس کو ہمدردی نہ کہیں گے، بلکہ بیوقوفی و بے تمیزی ہوگی۔ دیکھو کھانا اسے کہیں گے جو ہضم بھی ہو جائے، اگر کوئی بے تمیز پاؤ بھر کی جگہ آدھ سیر کھالیوے اور اس پر بھی بس نہ کرے حتیٰ کہ ساتھ کے ساتھ نکلنے لگے، تو اس کو کوئی کھانا نہ کہے گا، سب بے تمیزی کہیں گے اور اس کھانے کو زہر سمجھیں گے کیونکہ پیٹ میں رہتا نہیں اور مُضر ہو رہا ہے۔

(۴۷۶) فرمایا کہ یہ تو جانور کا خاصہ ہے کہ ایک کو مَرا دیکھ کر بھی بے فکری سے کھیت کھاتا رہتا ہے۔

(۴۷۷) فرمایا کہ جو بات اپنے کو ناگوار گزرے وہی مصیبت ہے اور اس پر اِنَّا لِلّٰہِ پڑھنا ثواب ہے۔

(۴۷۸) فرمایا کہ عورتوں کو جائز نہیں ہے کہ شوہر کی چیز بلا اجازت چندہ

میں دیں اور جو چیز ان کی ملک ہو اگرچہ بلا اجازت اس کا دینا جائز ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ عورت شوہر سے مشورہ کرکے دے ؎

ما نصیحت بجائے خود کردیم روزگارے دریں بسر بردیم
گر نیاید بگوش رغبت کس بر رسولاں بلاغ باشد و بس

(ہم نے نصیحت جو اپنا کام تھا کر دیا، اور اس میں ایک عمر گزاری۔ اگر کسی کو سننے کی رغبت نہ ہو اور اثر نہ لے، تو جان لو کہ پیغام پہنچانے والوں پر صرف پیغام پہنچا دینا ہے، عمل کرانا ان کے ذمہ نہیں)

(۴۷۹) فرمایا کہ منتہی اور کامل کی تعریف یہ ہے کہ اس کو ایسا ملکہ عطا ہو جائے جس کی وجہ سے نفس کو مغلوب رکھنے پر قادر ہو جائے، اور شیطان اس کو از جا رفتہ نہ کر سکے، اور نہ خود بینی میں مبتلا ہو۔

(۴۸۰) فرمایا کہ مداراۃ کا حاصل اہل جہل کے ساتھ نرمی کرنا ہے کہ وہ دین کیطرف آجائیں، اور اہل شر کے ساتھ نرمی کرنا تاکہ ان کے شر سے حفاظت رہے۔ اور یہ دونوں امر مطلوب ہیں۔ اوّل تو خود دین میں مقصود ہے اور ثانی مقصود میں معین ہے، کیونکہ کسی شریر کی ایذا میں مبتلا ہو جانے سے احیاناً طاعت میں بھی اور اکثر تبلیغ میں بھی خلل پڑ جاتا ہے۔ اور مداہنت بد دینوں کے ساتھ نرمی کرنا ہے تاکہ ان سے مال و جاہ کا نفع حاصل کرے۔ اور مداراۃ حضرات صوفیہ کے خاص اخلاق سے ہے۔

(۴۸۱) فرمایا کہ حدیث میں ہے اَلْبَذَاذَۃُ مِنَ الْاِیْمَانِ (یعنی ترک زینت ایمان کے شعبوں میں سے ہے)

ف :۔ وجہ ظاہر ہے کہ مومن کی تمام توجہ آخرت کی طرف رہتی ہے تو اسکو تزئین کی طرف کب توجہ ہو گی۔ اور اس تقریر سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مراد اس زینت کا ترک ہے جس میں توجہ اور وقت صرف کیا جائے۔ اگر بدون خاص اہتمام کے زینت کا سامان عطا ہو جائے تو وہ زینت مذموم نہیں، بلکہ اس سے اعراض کرنا اظہار ہے زہد کا، جو ایک قسم کی ریا ہے۔ خصوص جبکہ ترک زینت میں خاص اہتمام کرنا پڑے جو مخل ہو جائے توجہ الی الآخرۃ میں، تو جس علت سے زینت مذموم ہوئی

تھی، وہ علت چونکہ ترک زینت میں بھی متحقق ہوگئی اس لئے اب اس طرح کی ترک
زینت مذموم ہو جائے گی۔ اسی کی طرف عارف شیرازیؒ اشارہ فرماتے ہیں ۔

نقد صوفی نہ ہمہ صافی وبےغش باشد اے بسا خرقہ کہ مستوجب آتش باشد

(صوفی کے پاس جو نقد ہوتا ہے سب کھرا اور بے کھوٹ نہیں ہوتا (بلکہ کبھی کھوٹ بھی
ہوتا ہے) دیکھ لو کہ بہت سے خرقے (اہل خرقہ) اس لائق ہوتے ہیں کہ انہیں آگ میں ڈال
مگر چونکہ اکثر عادۃً زینت محتاج اہتمام ہوتی ہے۔ ترک زینت محتاج ا
نہیں ہوتی، اس لئے ترک زینت کی مدح فرمائی گئی۔

(۴۸۲) فرمایا کہ حدیث میں ہے بِالدَّاخِلِ دَهْشَةٌ فَتَلَقَّوْهُ بِمَرْحَبًا (ب
نئے آنے والوں کو (اجنبیت کے سبب) ایک قسم کی حیرت زدگی یعنی بدحواسی ہو
ہے (اس لئے بعض ضروری باتیں اس کے ذہن میں نہیں آتیں اپنے ہر قول وفعل
چکرا جاتا ہے) سو اس کو آؤ بھگت سے لیا کرو (تاکہ طبیعت مانوس ہو کر کھل جائے
حواس بجا ہو جائیں اور ہر قول وفعل کا موقع سمجھ سکے پھر نہ خود پریشان ہو نہ دوسر
پریشان کرے)

(اس حدیث کو دیکھ کر حضرت والا نے اپنے ایک ضابطہ کا معمول بدل دیا یعنی
پہلے یہ ضروری سمجھتے تھے کہ آنے والا خود اپنا اور اپنی حاجت کا ضروری تعارف کر
اب یہ معمول کر لیا ہے کہ اس کا مقام آمد اور غرض اور اس مقام پر جو مشغلہ تھا پوچھ
لیتے ہیں، اس سے ضروری حالت معلوم ہو جاتی ہے اور وہ مانوس ہو جاتا ہے، پھر جا
سے تعیین طریق معاملہ میں رعایت ہوتی ہے۔ از جامع)

(۴۸۳) فرمایا کہ حدیث میں ہے اَلْبَلَاءُ اِلٰی مَنْ یُّحِبُّنِیْ اَسْرَعُ مِنَ
السَّیْلِ اِلٰی مُنْتَهَاهُ (یعنی جیسا سیلاب اپنی منتہیٰ کی طرف دوڑتا ہے بلا ا
احسان یعنی اہل اخلاص کی طرف اس سے بھی زیادہ دوڑتی ہے)

ف: مشہور ہے کہ بزرگوں کو کوئی نہ کوئی تکلیف ضرور رہتی ہے۔ یہ حدیث
اس کا ماخذ ہے۔

مکتوب نمبر ۲۷۴

حال :- الحمد للہ حضرت کی دعاؤں کی برکت سے بخیریت ہوں، اور حضرت کی توجہ کی برکت سے یہ بات ہے کہ حضرت والا کے مزاج وہاج کی عافیت تامہ اور خیریت کاملہ دوامًا مطلوب ومحبوب ہے اور بہت محبوب اور ہر وقت محبوب ہے۔

تحقیق :- بیشک آپ کو محبوب ہے۔ حال : اللہ تعالیٰ سدا حضرت کو بعافیت کاملہ قائم رکھیں، آمین۔ اور تادیر حضرت کا سایۂ ہمایوں ہمارے سروں پر قائم رہے، آمین۔ تحقیق :- آمین۔ حال :- الحمد للہ کہ عریضہ حضرت کی دست بوسی سے اور حضرت کے مبارک ہاتھوں سے مسوس ہو کر پانچویں ہی دن باعث مسرت ہوا

تحقیق :- الحمد للہ۔ حال :- الحمد للہ کہ آنکھوں کو سرور اور دل کو فرحت بخشا۔ جگہ جگہ جہاں حضرت کا مرقوم تھا آنکھوں سے لگایا جس سے ایک نیا سرور ہوا، نئی حلاوت محسوس ہوئی۔ تحقیق :- الحمد للہ۔

حال :- حضرت نے آخر سطور میں جو کچھ ارقام فرمایا ہے وہ تو میرے لئے بہت ہی زیادہ باعثِ مسرت، باعثِ خیر و برکت، باعثِ صد عید ہے۔ حضرت نے ارقام فرمایا ہے کہ حافظ صاحب! آپ نے خوب لکھا ہے، جزاکم اللہ تعالیٰ، حضرت کی یہ مبارک عبارت حضرت کی خوشی کی خبر دے رہی ہے۔ اس لئے باعث صد عید ہے، الحمد للہ ثم الحمد للہ فجزاکم اللہ احسن الجزاء، اللہ تعالیٰ حضرت کو ہم ناکاروں سے سدا خوش رکھیں۔ آمین۔ تحقیق :- آمین

حال :- حضرت! یوں تو اکثر حضرت کی زیارت منام میں ہوا کرتی ہے اور جب حضرت کو دیکھتا ہوں خوش ہی پاتا ہوں، مگر دوشنبہ کی شب میں ایک عجیب خواب دیکھا کہ مسرت کی انتہا نہ رہی، دن بھر یہ خواب ہی یاد آتا رہا۔ ایک غیر مانوس جگہ اور غیر متعارف جگہ میں دیکھا کہ احباب جمع ہیں، مسؤکے حضرات بھی جمع ہیں، مگر حاجی صاحب، مؤذن صاحب کے علاوہ ان احباب میں سے

کوئی نہیں، بڑی دھوم ہے بڑا اہتمام ہے کہ حضرت تشریف فرما ہونگے، بعض احباب سے معلوم ہوا کہ حضرت تین یوم قیام فرمائیں گے۔ بعض نے کہا ایک ماہ قیام فرمائیں گے۔ بڑا انتظام ہے۔ اتنے میں دیکھا کہ حضرت ایک غیر متعارف سواری پر (کھٹولنا پر جو کرسی نما تھی نہایت آرام کے ساتھ حضرت جلوس فرما تھے) آسمان سے نزول فرما رہے ہیں، بہت بلندی پر تھے کہ میں نے دیکھ لیا اور احباب نے بھی دیکھا کہ وہ حضرت نزول فرما رہے ہیں، آن کی آن میں حضرت تشریف فرما ہوگئے۔ میں نے بڑھ کر مصافحہ کیا اور بے ساختہ رونے لگا، بہت زیادہ گریہ و بکا طاری ہوا۔ حضرت بھی رونے لگے، پھر دیکھا کہ حضرت تہجد کے لئے وضو فرما رہے ہیں، تاریکی نام کی بھی نہیں ہے، اُجالا ہی اُجالا ہے۔ میں نے کہا میں بھی وضو کرلوں، وضو کے لئے باہر چلا آیا، میری غیبوبت میں دوبار بلند آواز سے حضرت نے فرمایا حافظ.... بھی تھے حافظ.... بھی تھے۔ میں نے آواز سنی مگر لوٹا نہیں کہ حضرت نے پکارا تو نہیں ہے۔ یہ جگہ غیر آباد تھی، مگر آبادی زیادہ تھی اور یہاں کے مقیمین بے حد اصلاح کے اور حضرت کے حاجتمند۔ پھر آنکھ کھل گئی، تو دن بھر حضرت کا آسمان کی طرف سے نزول فرمانا ہی یاد رہا اور برابر یقظہ میں بھی ذہنی تصور رہا کیا۔

اب بھی گاہ گاہ وہ سواری یاد آتی ہے، گویا کہ دیکھ رہا ہوں، تعبیر تو خوب سمجھ میں نہیں آئی جو اس نزول سے متعلق تھی، مگر یہ تو بار بار کہتا ہوں کہ یہ اونچا مقام تو حضرت کے شایانِ شان ہے، یہی تو ہونا ہی چاہئے، جہاں حضرت ورود فرماتے ہیں گویا آسمان ہی سے ایک مسیحا کا نزول ہو رہا ہے۔ مجھے تو اس میں ذرا بھی تعجب اور شک وشبہ نہیں ہے کہ بیشک حضرت اس زمانہ کے مسیحا ہیں۔ جب مردہ قلوب حضرت کے ہاتھوں حضرت کی توجہ کی برکت سے زندہ ہوتے ہیں تو اس میں کیا شک ہے، بلا ریب حضرت ایسے ہی ہیں۔ حضرت! بڑا خوش ہو کر یہ سطور لکھ رہا ہوں

حلاوت محسوس کرتا ہوں۔ **تحقیق**:۔ الحمد للہ کہ آپ نے ایسا خواب دیکھا اور آپ کے لئے اور میرے لئے ایک نعمت اور بشارت ہے، فللہ الحمد۔
حال:۔ کہتا ہوں کہ کتنا لکھوں، حدیث محبت کے لئے پایاں کہاں ہے، بہتر ہے کہ دعا مانگتا ہوا حضرت سے رخصت ہوں، حضرت دعا فرمائیں۔
تحقیق:۔ دعا کرتا ہوں۔ **حال**:۔ حضرت کی دعا کا محتاج ہوں۔
تحقیق:۔ دعا کرتا ہوں۔

مکتوب نمبر ۴۹

حال:۔ حق تعالےٰ شانہٗ نے جس طرح محض اپنے فضل سے حضرت والا کی خدمت میں رہنے کی توفیق دی ہے اسی طرح اپنے کام میں ہمہ وقت مشغول ہونیکی توفیق عنایت فرمائے، اس نعمتِ عظمیٰ کا شکر یہی ہے کہ دل وجان سے حضرت والا کی اتباع و محبت میں لگا رہوں۔ **تحقیق**:۔ بیشک۔
حال:۔ اور ارشادات کو اچھی طرح سمجھ کر اپنے ظاہر و باطن کی درستی کی ہر وقت دھن رہے۔ **تحقیق**:۔ بیشک۔ **حال**:۔ حضرت والا کے طفیل میں یہ اچھی طرح سمجھ میں آگیا ہے۔ **تحقیق**:۔ الحمد للہ۔
حال:۔ کہ قرآن پاک سے جتنا ہی تعلق و شغف بڑھتا جائے گا، اللہ تعالیٰ سے تعلق کا راستہ آسان ہوتا جائیگا۔ **تحقیق**:۔ بیشک
حال:۔ اگر کسی کو اس سے ایمان اور عمل اور اخلاق کی درستی کی توفیق نہ ہوئی تو پھر اور کس سے ہوگی۔ **تحقیق**:۔ بیشک
حال:۔ الحمد للہ کھلی آنکھوں علمی و عملی و حالی اور ایمانی ہر طرح کا نفع مشاہدہ کر رہا ہوں، حضرت کے طفیل میں ایسا کیف رہتا ہے جس سے حضوری اور ذکر و فکر کی کیفیت غالب رہتی ہے۔ **تحقیق**:۔ الحمد للہ۔
حال:۔ پچھلے دنوں جب والضحیٰ اور الم نشرح کی تفسیر کا درس ہو رہا تھا تب میں

پچھلے پہر خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا۔
تحقیق: مبارک ہو۔ **حال:**۔ مسجد میں معلوم ہوا کہ نئے کمرے بنے ہیں اور بالاخانے پر ایک بہت بڑا کمرہ ہے، معلوم ہوا کہ حضرت والا اس میں تشریف فرما ہیں، حاضر ہوا تو معلوم ہوا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور بہت خوش ہیں اور حضرت والا کی شبیہ میں ہیں، مجھے بلا کر فرمایا یہ کرو یہ کرو، اس کے بعد نیند کھل گئی۔ **تحقیق:**۔ بڑا مبارک خواب ہے میرے لئے بھی اور آپ کے لئے بھی بڑی مسرت ہوئی فالحمدللہ علیٰ ذٰلک۔

حال:۔ اس کی لذت وکیف ابتک ہے، اس کے بعد اکثر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کی مجلس میں جب ہوتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے حضور علیہ السلام کی مجلس مبارک ہے۔ **تحقیق:**۔ الحمدللہ۔ کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل ؛ نسیم صبح تیری مہربانی۔ **حال:**۔ حضرت والا نے ارشاد ہی فرمایا ہے کہ دیکھو جب قرآن پاک سے تعلق ہو جائے گا تو اللہ تعالےٰ کی معرفت تو ہو ہی گی، اس سے حضور علیہ السلام کی محبت ومعرفت بھی ہوگی۔ **تحقیق:**۔ اور کیا۔

حال:۔ اس لئے کہ اکثر جگہ ذکر ہے اسی طرح صحابہؓ وغیرہ کی معرفت بھی ہوگی۔
تحقیق:۔ بیشک۔ **حال:**۔ الحمدللہ حضرت والا کے طفیل میں یہ بھی سمجھ میں آیا کہ اصل چیز اعمال اور اتباع شریعت ہیں، احوال اس کے تابع ہیں، جیسے اعمال ہوں گے ویسے ہی احوال ہوں گے۔ **تحقیق:**۔ بیشک

حال:۔ الحمدللہ جتنا وقت ملتا ہے ذکر کی برابر توفیق ہوتی ہے۔
تحقیق:۔ الحمدللہ۔ **حال:**۔ حضرت والا سے دعا کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے فہم واخلاص کے ساتھ حضرت والا کی کامل محبت وعقیدت ومعرفت واتباع کے طفیل میں اپنا صحیح کامل تعلق عطا فرمائیں۔
تحقیق:۔ آمین۔

مکتوب نمبر ۵۰

حال :- حضرت والا کی دعاؤں سے اللہ تعالے کے فضل وکرم سے معمولات پورے ہو جاتے ہیں۔ تحقیق :- الحمد للہ۔

حال :- حضور والا کو اِس کی کم فہمی اور کم عقلی کا بخوبی علم ہے، یہ ناکارہ جاہل علم اور عقل سلیم عطا ہونے کی دعا کا آرزومند ہے۔ تحقیق :- دعا کرتا ہوں۔

حال :- حضور والا کا ارشاد گرامی تھا کہ قرآن پاک کو خوب جی لگا کر پڑھا کرو، اُسی وقت سے ایسی لذت محسوس ہوتی ہے جو بیان سے باہر ہے۔

تحقیق :- الحمد للہ بارک اللہ۔ حال :- اللہ تعالیٰ نے اپنے احسانات اور انعامات کا ذکر عجیب انداز سے فرمایا۔ تحقیق :- بیشک۔

حال :- اور دوزخیوں کا حال پڑھ کر رونگٹا کھڑا ہو جاتا ہے، خوف اور لرزہ پیدا ہوتا ہے۔ تحقیق :- بیشک۔ حال :- اور جنتیوں کا حال دیکھکر خوشی اور مسرت ہوتی ہے۔ تحقیق :- الحمد للہ۔

حال :- مگر اپنی بدکرداری و بےعملی اور بے سروسامانی پر روتا ہوں۔

تحقیق :- خوب روؤ۔ حال :- کہ نہ معلوم میرا شمار کس گروہ میں ہوگا کچھ بھی پتہ نہیں، یہی اس کا بہت بڑا فضل وکرم ہوا جو ہم کو ایسا رہبر کامل عطا کیا جو ہم کو صراط مستقیم کی راہ پر لگانے کی پوری سعی اور کوشش سے ہوشیار اور بیدار کر رہا ہے۔ تحقیق :- بیشک۔ حال :- مگر ہماری آنکھ نہیں کھلتی، نفس وشیطان راہ سے ہٹاتا ہے، ہم اس کے فریب کا شکار ہو کر غفلت میں مبتلا ہو کر مطمئن ہیں، ترقی، راہ پر چلنے کی فکر نہیں کرتے بلکہ آرزو رکھتے ہیں، حضور والا! کیا طریقہ اختیار کروں ؟ تحقیق :- بس قرآن پڑھو۔

حال :- جس سے اللہ تعالےٰ کی رضا جوئی اور اس کے حبیب پاک کی سچی محبت پیدا

ہو جائے جو شغل راہ ہو اور نفس و شیطان کے کید سے بچائے ۔ تحقیق :۔ قرآن سے ہو جائے گی ۔ حال :۔ حضور والا ! اس عاصی کے لیے عقل و فہم دینی عطا ہونے کی اور اس کے مقتضا پر عمل کی صراط مستقیم پر چلنے کی صحت و عافیت کی خاتمہ بالخیر کی کاروبار میں خیر و برکات کی دعا چاہتا ہوں۔

تحقیق :۔ دعا کرتا ہوں۔

مکتوب نمبر ۱۵۱

حال :۔ کل رات میں بندہ نے خواب دیکھا کہ حضرت کے یہاں الہ آباد میں حاضر ہے، اور اس وقت وہاں پر ایک جم غفیر لوگوں کا ہے جس میں ہر طبقہ کے حضرات علماء، صلحاء، شیخ و شاب، مقامی و بیرونی سبھی شریک مجلس ہیں۔ اور حضرت مجلس میں کلام بہت ہی قلیل فرما رہے ہیں، مگر جو بھی الفاظ زبان مقدس سے نکلتے ہیں وہ بالکل ایسے ہیں کہ ع

بکشائے لب کہ نالہ از مرد و زن بر آید

(کچھ بولئے تاکہ مرد و عورت تمام کے تمام نالہ و فریاد کریں)

تمامی حضرات پر عجیب کیفیت طاری ہے اور اس طریان کا بقار بھی لوگوں میں پایا جاتا ہے۔ اور عموماً سب کے احوال مستقیم اور بہتر ہیں۔ اور حضرت کی عمر شریف بہت زیادہ معلوم ہوتی ہے کہ بہت ہی زیادہ سے زیادہ معمر شیخ ہیں۔ اس مجمع میں سے ایک صاحب بندہ سے کہنے لگے کہ میں حضرت کو اپنے دادا کے زمانۂ قدیم سے اسی طرح ارشاد و ہدایت اور خلق کی خدمت کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔

حضرت نے دین کی اس قدر زبردست اور کثیر خدمت فرمائی ہے کہ کوئی دوسرا اس مقام پر فائز ہوتا تو اس کے ہوش بجا نہیں رہتے اور اعضاء بدن بھی سیدھے نہ رہتے۔ اللہ کا خاص الخاص حضرت پر فضل و کرم ہے کہ اس قدر مشکل و ارفع

کام کرنے کے بعد بھی آپ بحمد اللہ صحیح و سلامت ہیں۔ اور ابھی بھی اسی طرح کام کئے جا رہے ہیں۔ اور جس مکان میں ہم سب ہیں وہ بہت ہی اونچا پختہ اور شاندار ہے۔ بعد نماز عصر بندہ اس مکان کے ایک گوشہ میں کچھ لکھنے میں مصروف تھا کہ حضرت چہل قدمی اور تفریح کے لئے باہر تشریف لے جانے لگے اور معیت میں اکثر صلحاء اور بعض مشاہیر علماء ہیں جن سے بندہ بھی واقف ہے اور وہ بندہ سے واقف ہیں۔ حضرت نے بندہ سے بھی چلنے کے لئے فرمایا۔ چنانچہ میں فوراً لکھنا چھوڑ کر کے ساتھ ہولیا۔ اور عرض کرنے لگا کہ اس وقت بعض مخصوص اور مخلص حضرات کی فرمائش پر بندہ اپنے والد بزرگوار کے احوال اپنی معلومات کے موافق کچھ لکھ رہا ہے، پس حضرت دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے قدرت اور توفیق عطا فرماویں اور یہ کام میرے لئے آسان فرمادیں۔ تب حضرت نے فرمایا کہ اچھا اب جب لکھئے گا تو پہلے میرے (حضرت مدظلہ) کے واسطہ اور سلسلہ سے دعا کر لیجئے گا کہ الٰہ العالمین میرے شیخ کے واسطہ سے میرے والد بزرگوار کے علوم وحقائق اور معارف کے دروازے اپنے اس بندہ پر کھول دیجئے اور تدین وتقویٰ اور علم وفہم سے اچھی طرح نواز دیجئے۔ پھر آنکھ کھل گئی اور جگ گیا۔ جگنے کے بعد بھی اپنی زبان سے دعائیہ کلمات بتوسل حضرت اقدس مدظلہ کہتا رہا۔ اسکی تعبیر سے آگاہ فرمایا جائے۔ **تحقیق** :۔ تعبیر تو ظاہر ہے کہ لوگوں کو فائدہ پہنچے گا اور آپ کو اتم واکمل پہنچے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

مکتوب نمبر ۵۲۷

حال :۔ حضرت کا گرامی نامہ موصول ہو کر کاشف احوال ہوا۔ اور باعثِ تسلی اور تشفی ثابت ہوا۔ **تحقیق** :۔ الحمد للہ۔ **حال** :۔ حضرت! جب تک جواب نہیں جاتا ہے شدید انتظار رہتا ہے اور پھر خط لکھنے میں حتی الامکان جلدی

کرتا ہوں کہ کہیں سستی نہ ہو، حضرت دعا فرمائیں کہ **تحقیق** :۔ دعا کرتا ہوں۔

ل :۔ کہ اللہ تعالےٰ یہ سستی جو دین کے کام میں ہوتی ہے اس کو دور کردے اور مکاتبت میں دوام پیدا کردے۔ حضرت والا! چونکہ طبیعت ہر وقت آپ میں لگی رہتی ہے اس لئے جب کبھی گندے خیالات متصور ہوتے ہیں، تو دل میں یہ خیال کرتا ہوں اور اس کو سمجھاتا ہوں کہ چونکہ تم نے شیخ کامل کا دامن پکڑا ہے تو کل اس کا جواب گندے خیالات سے دوگے تو یہ سرقہ اور حد درجہ کی گمراہی ہے۔ **تحقیق** :۔ بیشک۔

ل :۔ دوسرے یہ ہے کہ اگر آج تم کسی طرح دامن چھڑا کر نکل گئے تو کل ضرور پکڑے جاؤگے۔ **تحقیق** :۔ بیشک۔ **حال** :۔ جبکہ شیخ کے سامنے تمہارے کردار، گفتار، رفتار سے تمہارے سارے عیوب منکشف ہوجائیں گے تو بہرحال اس تصور سے کچھ نہ کچھ تصوراتِ فاسدہ میں کمی ہوجاتی ہے۔ **تحقیق** :۔ الحمدللہ

ل :۔ اور تقریباً ہر روز فائدہ محسوس ہوتا ہے۔ **تحقیق** :۔ الحمدللہ۔

ل :۔ اور حضرت دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے ظاہری اور باطنی عیوب سے پاک کرے اور صحیح راہ دکھا کر عمل کی توفیق دے۔ **تحقیق** :۔ آمین۔

ل :۔ حضرت! آپ نے جو تحقیق ذکراللہ اور ضرورت شیخ کے متعلق لکھا ہے وہ سر آنکھوں پر ہے اس سے انکار کی کیا مجال۔ حضرت میں نے تو آپ کو بہ نفسِ نفیس سند تصور کر لیا ہے، آپ کے ہر کردار، گفتار، رفتار کو میں سند تصور کرتا ہوں، تو پھر مجھ کو دوسری سند کا انتظار ہی نہیں رہتا ہے۔ **تحقیق** :۔ الحمدللہ

ل :۔ لیکن یہ تحقیق بھی چونکہ آپ ہی نے لکھا ہے اس لئے یہ مزید اطمینان کا باعث ہے۔ **تحقیق** :۔ الحمدللہ۔

ل :۔ حضرت دعا فرمائیں۔ **تحقیق** :۔ دعا کرتا ہوں۔

ل :۔ کہ اللہ تعالےٰ سمجھ دے اور سمجھ پر قائم رکھتے ہوئے عمل کی توفیق نصیب... **تحقیق** :۔ آمین۔

Monthly
WASIYATUL IRFAN
23, Buxi Bazar, Allahabad

فہرست

مطبوعات دائرۃ الاشاعۃ خانقاہ مصلح الامۃ

نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت
اسوۃ الصالحین	۲۵/-	**دیگر اداروں کی مطبوعات**	
درد و درماں	۱۲/-	حکایات اولیاء	۳۰/-
محبت الٰہی اور نفس	۲۵/-	معلم الحجاج	
تالیفات مصلح الامۃ حصہ چہارم		اخلاص نیت	۲۰/-
حیات مصلح الامۃ	۶/-	شاہنامہ اسلام مکمل (۴ حصے)	۶۰/-
سلک السلوک مترجم	۴۰/-	معارف القرآن مکمل (۸ جلدیں)	۹۲۵/-
بارہ مہینوں کے فضائل و احکام	۳۰/-		
حکیم الامۃ (نقوش و تاثرات) از مولانا عبد الماجد دریابادی	۱۰۰/-	معارف الحدیث مکمل (۷ حصے)	۲۹۵/-
مناجات مقبول اشرفی مع اضافات جدیدہ	۲۰/-	خطبات حکیم الاسلام (۷ جلدیں)	۳۲۲/-
رحمتوں کے دن برکتوں کی راتیں	۲۰/-		
اصلاحی نصاب	۶۰/-		

نوٹ

ڈاک کے جملہ مصارف بذمہ خریدا ... نیز کتابوں کی قیمت
پیشگی آنا ضروری ہے۔ ا خ ... تا ہے۔